aanchal.com.pk

رنگ رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے اُفق

تازہ شمارہ شائع

ہوگیا ہے

onlinemagazinepk.com/recipes
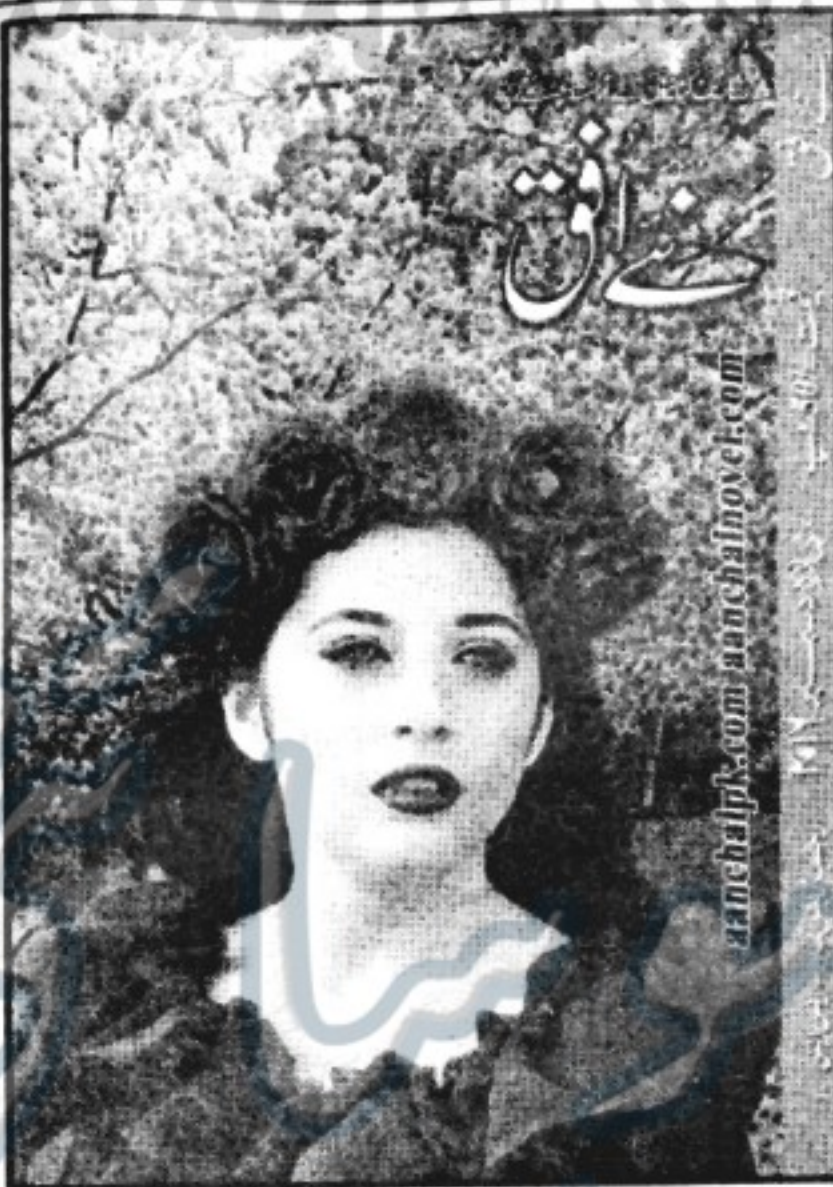
دسمبر 2016ء کے شمارے کی ایک جھلک

ڈیول: سمیر احمد فاروقی کوئی عام نوجوان نہیں تھا وہ کم عمری ہی سے ذہین پڑھنے کی خداداد صلاحیت لے کر پیدا ہوتا تھا۔ خطرے کا احساس اسے وقت سے پہلے ہوجاتا تھا لیکن اس کی سترہویں سالگرہ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کتنا مختلف ہے پھر ایک حادثے نے اسے احساس دلایا کہ اسے اپنی خداداد صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ اس کا جینا ناممکن ہوگا۔ اس کہانی کا کردار، جگہیں اور واقعات رائٹر کے ذہن کی تخیل ہیں اور کسی سے ان کی مماثلت صرف اتفاقیہ ہوسکتی ہے۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جا رہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

بیاد ——— زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ——— قیصر آرا

نائب مدیرہ ——— سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین ——— ندا رضوان

مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	02
دسمبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
باکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتہ: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: رانیہ خان .... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘
دسمبر ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

عمر عزیز سے ایک سال اور نکل گیا۔ سال نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بجز خوف و نا امیدی‘ وحشت‘ دہشت کے سوا کچھ نہ تھا آنے والا سال بھی روشن نظر نہیں آ رہا۔ نہ خوف دور ہونے کی امید ہے اور نہ وحشت و دہشت ختم ہونے کی۔ ہمیں اپنی نہیں اُن مظلوموں کی فکر ہے جو طرح طرح کے ایوانوں میں خوف کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہزار قسم کی حفاظتوں کے باوجود ایوانوں سے باہر آتے ڈرتے ہیں۔ ”چوہے بھاگ بلی آئی“ کا ڈرامہ ہر جانب نظر آ رہا ہے۔ بے چارگی سی بے چارگی ہے۔ نہ نیند اپنی نہ کھانا پینا اپنا نہ آزادی سے گھومنا پھرنا نہ آزادی کی سانس لینا۔ کیا ہوگا بے چاروں کا؟ چھوڑیئے ”اپنی کرنی اپنی بھرنی“۔

بس اللہ سبحان وتعالیٰ سے ہر وقت دعا مانگتی رہیئے کہ ”رب العزت“ رسوائیوں سے بچائے اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ تمام واقعات سے یہ آگاہی ہوئی کہ ”دولت“ ایمان کو کھا جاتی ہے۔ عقل کو خبط کر دیتی ہے اور صحت برباد کر دیتی ہے۔ کئی دنوں سے جس دولت کے اعداد و شمار کا چرچا ہے‘ حیران ہیں اتنے درختوں میں پتے بھی نہیں جتنے ”نوٹ“ لوگوں کے پاس ہیں جو اپنی جیب میں نہیں اغیار کی گود میں رکھے ہوئے ہیں۔ نادانوں کو اتنا بھی شعور نہیں کہ جس طرح درختوں سے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں اسی طرح ”نوٹ“ بھی جھولی سے جھڑ جائیں گے اور ”نادان“ بے پتوں کے درخت کی طرح کھڑے رہ جائیں گے۔

حجاب کے سال گرہ نمبر کو سجانے‘ سنوارنے میں جن لکھاری اور قارئین بہنوں نے ہمارا ساتھ دیا ادارہ اُن تمام بہنوں کا تہہ دل سے مشکور ہے اور امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی اس طرح رہنمائی و رہبری کا فریضہ سر انجام دیتے حجاب کے سنگ رہے گا۔ آپ سب بہنوں کو سال نو کی پیشگی مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آنے والا سال سب کے لیے عافیتوں اور برکتوں کا سورج لے کر طلوع ہو آمین۔

اس ماہ کے ستارے

☆ ہاں محبت ہے — محبت کا حسین اقرار نازیہ جمال کے دلکش انداز میں۔
☆ ندامت سے پہلے — نوخیز کلیوں کے لیے بہترین پیغام کا حامل فرحین اظفر کا موثر افسانہ۔
☆ منڈا اصد تے میرے تے — ہلکے پھلکے انداز میں لکھا سحرش فاطمہ کا طربیہ افسانہ۔
☆ الوداع دسمبر — دسمبر کے یخ بستہ لمحات کو الوداع کہتی قرۃ العین سکندر شریک محفل ہیں۔
☆ مجھے مصروف رہنے دو — ام مریم ایک طویل عرصے کے بعد اپنے ناولٹ کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ بھیگتے دسمبر — محبت کی برکھا رت میں بھیگتے دلوں کی کہانی‘ حیا بخاری کے دلکش انداز میں۔
☆ دسمبر بیت نہ جائے — دسمبر دکھوں کا استعارہ ہے یا خوشیوں کا‘ جانیے راشدہ علی کے مختصر افسانے میں۔
☆ کتنے معتبر ٹھہرے — چاہت کے جذبات کو پذیرائی بخشتی نادیہ احمد ایک دلفریب پیرائے میں مکمل ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ افراتفری — افراتفری کے عالم میں یک گونہ سکون تلاش کرنے والوں کی کہانی‘ تمثیلہ زاہد کی زبانی۔
☆ بنت حوا — حمیرا شاہین ایک موثر پیغام کے ساتھ پہلی بار شریک محفل ہیں۔
☆ بھولا — سیدہ فرحین جعفری کے قلم سے آراستہ منفرد و دلکش کاوش۔
☆ میری دعاؤں کا حاصل — افشاں شاہد مختصر افسانے کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ دسمبر اور نہیں — دسمبر سے وابستہ حسین یادوں کا احوال حرا قریشی کے شگفتہ و دلکش انداز میں۔
☆ الیکٹرانک محبت — نسل نو کے لیے موثر پیغام کی حامل ام حبیبہ کی موثر کاوش۔
☆ خوابوں کی راہ گزر پر — حسین خوابوں کی تعبیر کیسے ملی جانیے ارم فاطمہ کے مختصر افسانے میں۔
☆ ماں — ماں کی ممتا کے جذبات کو لفظوں میں سموئی فاطمہ نور ایک خوب صورت کاوش کے سنگ حاضر ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

ہو صحرا دشت ہو یا کوئی بستی
تری رحمت کی ہے بارش برستی
بنائے لفظِ کن سے دونوں عالم
بنائی ہے بلندی اور پستی
جہاں میں ہر جگہ ہے ذات تیری
مگر صورت کو ہے دنیا ترستی
نہیں تجھ سا کوئی دونوں جہاں میں
تری ہستی ہے سب سے پاک ہستی
عطا کردی کسی کو بادشاہی
کسی کو بخش دی ہے فاقہ مستی
بڑا بدبخت ہے انسان خدایا
تجھے چھوڑے کرے جو بُت پرستی
یقیناً قادرِ مطلق ہے تُو ہی
مکرم اور معظم تیری ہستی

ریاض حسین قمر

نعت

احمد کہوں کہ حامدِ یکتا کہوں تجھے
مولیٰ کہوں کہ بندۂ مولیٰ کہوں تجھے
کہہ کر پکاروں ساقیٔ کوثر بروزِ حشر
یا صاحبِ شفاعتِ کبریٰ کہوں تجھے
یا عالمین کے لیے رحمت کا نام دوں
یا پھر مکینِ گنبدِ خضریٰ کہوں تجھے
ویراں دلوں کی کھیتیاں آباد تجھ سے ہیں
دریا کہوں کہ ابر سخا کا کہوں تجھے
ہے ممتنع نظیر تری ذات خلق میں
پھر کیا کہوں تجھے جو نہ تجھ سا کہوں تجھے
پاکر اشارہ سورۂ یٰسین کا اس طرف
دل چاہتا ہے سید والا کہوں تجھے
سرتاجِ انبیاء کہ اماں گاہِ اولیا
یا فکرِ نسلِ آدم و حوا کہوں تجھے

حضرت صاحبزادہ سید نصیرالدین گولڑوی

زینب احمد

امبرین کوثر

السلام علیکم! آنچل وحجاب کے تمام قارئین اور تمام اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام۔ میں آنچل وحجاب کی خاموش قاری ہوں' فرسٹ ٹائم شرکت کررہی ہوں' امید ہے جگہ ضرور ملے گی اور اگر نہ بھی ملی تو میں لے لوں گی کیونکہ آنچل وحجاب ہمارا اپنا جو ہے اور جو چیز اپنی ہو اس پر حق جتانا مجھے خوب آتا ہے۔
امبرین کوثر نام ہے میرا اور گھر میں مینا بھی بولتے ہیں 18 اکتوبر کو ضلع چکوال کے گاؤں ملتان خرد میں پیدا ہو کر اپنے گھر کو خوشیوں سے بھر دیا۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں' سب سے بڑی میں ہوں۔ میں نے بی اے کیا ہے پر وہ بھی آدھا انگلش میں سپلی جا گئی تھی' ساتھ ہی وفاق المدارس سے درس نظامی کا کورس کررہی ہوں پھر نورین ہے ابھی ایف اے کررہی ہے اس سے چھوٹی نوشین ایف ایس سی کررہی ہے پھر بشریٰ ہے ابھی میٹرک کے پیپر دیئے ہے اس نے پھر میرا بھائی سلیمان پڑھتا تو ابھی 10th میں ہے پر اللہ معافی دے ہم سے چھوٹا ہو کر بھی حکم بڑوں کی طرح دیتا ہے۔ سب سے چھوٹا ارسلان حد سے زیادہ شرارتی ہے۔ 5th میں پڑھتا ہے' شاعری کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے پر ناول میں تو جان ہے سردی کا موسم بہت پسند ہے۔ کرکٹ سے بہت لگاؤ ہے دل کی بہت نرم اور غصے کی بہت گرم ہوں۔ منافق لوگ بالکل پسند نہیں اور جو انسان میرے ساتھ برا کریں اس سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ جیولری کا خاص شوق نہیں بس لاکٹ پسند ہیں۔
کوشش کرتی ہوں کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور کوشش کرتی ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کروں بہت جذباتی ہوں۔ دوسروں کی جھوٹی بات کا بھی اعتبار کرلیتی ہوں' رونا بہت جلدی آجاتا ہے۔ اللہ میرے والدین کو لمبی زندگی اور صحت دے آمین۔ مجھے چھوٹے چھوٹے گول مٹول بچے بہت پسند ہیں لاہور بہت پسند ہے۔ اپنی دوست شمسہ سے بہت محبت ہے ایک دن بات نہ ہو اس سے تو بے چین ہو جاتی ہوں۔ ندا بھی بہت اچھی دوست ہے۔ ڈیئر قارئین آپ بور تو نہیں ہوگئے۔ بس دومنٹ اور عمیرہ احمد اور نمرہ احمد' سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' اقراء صغیر احمد' اقبال بانو اور عشناء کوثر سردار کے ناولز بہت پڑھتی ہوں۔
آنچل اور شعاع کے چار پانچ سال پرانے رسالے بھی ابھی نئی حالت میں رکھے ہیں میرے پاس امربیل میں عمر کے مارنے پر بہت روئی تھی اور "پیر کامل" تو کئی دفعہ پڑھا ہے میں نے آپ کو میرا تعارف کیسا لگا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا ڈھیر سارا خیال رکھیے گا اللہ حافظ اور فی امان اللہ۔

نازش نور بلوچ

میرا نام نازش نور ہے لیکن گھر والے مجھے نازی کہتے ہیں' ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ دو بھائی بڑے میرا نمبر تیسرا ہے ایک بھائی اور ایک بہن چھوٹی ہے' میری تاریخ پیدائش 6 دسمبر 1977ء ہے اور میری تعلیم میٹرک ہے گھر والے پڑھائی کے خلاف ہیں کیونکہ ہم لوگ بلوچ ہیں اور بلوچ لوگ لڑکیوں کی تعلیم کو اہمیت نہیں دیتے' لڑکوں کے مقابلے میں میٹرک کے بعد میں نے ہیلتھ میں اپلائی کیا ہے سلیکٹ ہوگئی ستمبر 94ء میں لیڈی ہیلتھ ورکر کی ٹریننگ کرنے لگی اس کے بعد میری منگنی ہوگئی ہے اپنے کزن کے ساتھ یہ شادی ارینج میرج تھی نہ میں اس کی چوائس نہ وہ میری پسند مگر جب 6 دسمبر 96ء کو میری شادی ہوئی تو میں ایکسپٹ کرنے لگی میں تھی ایک گاؤں سمو گوٹھ کی رہنے والی جو ملیر کا ایک فرسودہ علاقہ ہے اور شادی ہوئی گولیمار میں مگر میں ہر غم کا مقابلہ کرنا سیکھ چکی تھی۔ میں نے شوہر کی بے رخی کو اگنور کیا' میری فیملی کے لوگ دن چڑھے سوتے تھے مگر میں صبح پانچ بجے اٹھتی اور اپنے کاموں میں لگی رہتی کیونکہ میری ساس جو میرے پیا کی کزن اور بھابی ہیں مجھے ایک نوکرانی سے زیادہ نہیں سمجھتی تھیں مگر میں نے یہ بات بھی قبول کرلی رات بارہ بجے کے بعد ہی میں فارغ ہوتی پھر جو گھر کے افراد تھے آنے والے دن کے لیے ان کے کپڑے پریس کرتی دس جوڑے روزانہ کیونکہ دبئی کے رہنے والے لوگ روزانہ نہا کر کپڑے چینج کرتے تھے۔ شادی کے دو سال بعد

میری ایک بیٹی ہوئی جس کا نام اقراء مجید ہے اس کے دو سال بعد بیٹی آن گل مجید پھر بیٹے مصیب مجید، حسیب مجید اور آخر میں جنید مجید پھر ڈیلوری کے بعد میں کومہ میں گئی ایک ماہ بعد ہوش آیا تو گھر والوں نے گھر سے نکال دیا جب سے اب تک امی کے گھر پر رہ رہی ہوں۔ جاب گئی، شوہر گیا، بچے گئے، پپا کی ڈیتھ ہوئی اب میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے سوائے رب کے۔ اجازت چاہتی ہوں، اللہ نگہبان۔

طاہرہ پرویز

السلام علیکم! میں ہوں طاہرہ پرویز فرام گجرات، ارے آپ اس لیے حیران ہو کہ یہ طاہرہ کون ہے؟ جناب یہی بتانے کے لیے تو میں آپ کے اس خوب صورت محل میں آئی ہوں تو جناب میرا نام طاہرہ پرویز ہے۔ سب مجھے طاہرہ ہی پکارتے ہیں اور پیار کے نام بہت سارے ہیں جیسے ابو اور امی تاریا کہتے ہیں۔ باجی صبا، بھینا جن، لالہ طاہرہ، شہباز کھل مصالحہ اور شیراز اور شمروز مجھے ڈی کہتے ہیں اور ہم چھ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر پانچواں ہے۔ شمروز مجھ سے چھوٹا ہے اور گھر بھر کا لاڈلہ بھی۔ میں میٹرک کر چکی ہوں آگے کی تیاریاں ہیں، مجھے دوست بنانا اچھا نہیں لگتا مگر ہزاروں دوستیاں ہیں۔ میں بہت ہنس مکھ اور سنجیدہ لڑکی ہوں۔ مجھے تقریبات اور ہلہ گلہ ایک حد تک پسند ہے، میری بیسٹ فرینڈ آپی انا اور سنیعہ ہیں۔ آپی انا میری بڑی بھابی ہیں اور آپ کی شاعرہ انا احب یعنی انا شاہ زادہ ہیں جن کی بدولت میں آنچل وحجاب سے ملی ہوں۔ میں ان سے اپنی ہر بات شیئر کرتی ہوں، میرے ابو اور امی کو مجھ پر بہت زیادہ یقین اور اعتبار ہے جو مجھے بے حد عزیز ہے اور میں کوشش کرتی ہوں کہ میری وجہ سے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور اس کوشش میں خدا کا ساتھ ہمیشہ میرا مطلوب رہا ہے۔ کھانے پینے سے میں جان چراتی ہوں، ہاں مگر شملہ مرچ اور قیمہ میری فیورٹ ڈش ہے۔ چاول بھی بہت پسند تھے مگر اب نہیں۔ میٹھے میں مجھے اپنے بھانجوں اویس اور آصف اور قیصر کا بوسہ لینا پسند ہے۔ اس کے علاوہ آئس کریم میں کارنیٹو ڈبل چاکلیٹ بہت پسند ہے۔ مشروب مجھے مرنڈا اور مینگو شیک پسند ہے۔ سب کہتے ہیں کہ میری پرسنالٹی اچھی ہے ویسے میں بہت سادہ رہتی ہوں، جیولری میں مجھے گھڑی بے حد پسند ہے۔ لباس میں لمبی قمیص چوڑی دار پاجامے کے ساتھ لمبا دوپٹہ پسند ہے۔ خوشبو مجھے ایکوا بلو بلیو لیڈی پسند ہے۔ پھول تو سارے ہی اچھے ہوتے ہیں مگر بلیک روز کی کیا بات ہے۔ ہمارے گھر میں انٹرنس پر ہی پودوں کی بہار نظر آتی ہے جو مجھے بے حد اچھی لگتی ہے، ان پودوں کی نوک پلک سنوارنے کا ذمہ شہزاد لالہ کا ہے۔ میری بہت ساری کزنز ہیں اور میں ان کو کہنا چاہتی ہوں۔ فرح، سحر، عائشہ، ثوبیہ، عتیقہ، شمائلہ، چندا، نمرہ، سویرا، بھائی زبیر جو کہ میرے بہنوئی بھی ہیں اور میرے بیسٹ فرینڈز بھی ہیں۔ بھائی شہباز اور بھائی عمیر جو کہ میرے بہنوئی بننے والے ہیں۔ میرے تایا کی بیٹی عتیقہ کی وجہ سے بھائی شان بھی اسی منصب پر فائز ہونے جا رہے ہیں، بوجہ تایا کی بیٹی ثوبیہ کے۔ سب کو میرا سلام اور ان دنوں میں آپ سب کو بہت یاد کر رہی ہوں، آئی مس یو آل۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ پنجگانہ نماز ادا کروں، میں حجاب لیتی ہوں ہمارے گھر کا ماحول بہت فرینڈلی ہے۔ سب کی لاڈلی ہوں اور خاندان والے یہ کہتے ہیں کہ طاہرہ اپنے بھائیوں اور ابو کی چہیتی ہے اور یہ سچ بھی ہے کیونکہ میں سب سے بہت پیار کرتی ہوں تو پھر واپس اس سے بڑھ کر ملتا ہے۔ بقول آپی انا میں بہت حساس طبیعت کی مالک ہوں اور کسی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی۔ سنگر راحت فتح علی خان اور شریا گھوشال ہیں، میں تمام بہنوں کو ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ خدا پر ہمیشہ یقین رکھو اور کسی دوسرے سے کبھی امید نہ باندھو اور اگر آپ خدا سے کچھ مانگو اور وہ نہ ملے تو مایوس نہ ہوں بلکہ جو آپ کے پاس ہے اسے بخوشی سنبھال کر رکھو کیونکہ جو آپ کے پاس ہو شاید وہ اور کسی کے پاس نہ ہو المختصر رب کی رضا میں راضی رہنا چاہیے کیونکہ اس نے کہا ہے اگر تو وہ مانگتا ہے جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ بھی دوں گا جو تیری چاہت ہے۔ آپ سب کی دعاؤں اور تعریف وتنقید کی طلب گار ہوں گی، اللہ حافظ۔

انیلا طالب

السلام علیکم! تمام آنچل وحجاب ریڈرز اینڈ پیارے سے رائٹرز کو سلام میرا نام انیلا طالب ہے پورا نام سیدہ انیلا طالب

شاہ بخاری ہے۔ میرے بہت سے نام ہیں بقول سب کے کہ یہ لوگوں کی طرف سے مجھے لقب ملے ہوتے ہیں۔ والد صاحب پیار سے نیلو، مما جانی نیلیا، کزن انعم عینی، زاہرہ آنٹی، نیلوفر، نیلی کہتی ہیں جبکہ کئی بوڑھی بزرگ خواتین مجھے لیلیٰ، نیلم، الینا، پکارتی ہیں تو جناب اب آتے ہیں اپنے صحیح تعارف کی طرف، میں گوجرانوالہ شہر کے بھدے شریف گاؤں میں 14 دسمبر 1998ء میں پیدا ہوئی، نام میرے تایا ابو پروفیسر سید عابد حسین شاہ نے رکھا۔ دادا ابو کی لاڈلی پوتی ہونے کا مجھے شرف خاص حاصل ہے۔ والدین کی آنکھوں کا تارا ہوں، بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں، تین بہنیں مجھے نکال کے دو اور تین بھائی ہیں۔ ابو جان سے بہت پیار ہے اور امی جان میں تو جان ہے یہاں تک کہ اگر میں انٹرنیٹ پر کچھ دیکھ رہی ہوتی ہوں تو امی کے بغیر بور ہونے لگتی ہوں۔ انہیں پاس بٹھا کے دیکھتی ہوں، اپنی بہت سی باتیں میں ان سے شیئر کرتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمان غنیؓ، محترمہ بے نظیر بھٹو، رفیع کریم رندھاوا شامل ہیں۔ اب بات ہوجائے پسند ناپسند کی تو جناب ہماری پسند بہت اونچی ہے۔ سردیوں کی بارش، موسم بہار، جہاز اڑاتے پاک آرمی کے نوجوان، سمندر، پہاڑ، سمندری جزیرے، پرندوں کی چہچہاہٹ تو جنون کی حد تک پسند ہیں۔ فیورٹ ہابی پاکستان کا نام روشن کرنے کے آئیڈیاز سوچنا، ڈائری لکھنا، ہینڈی کرافٹس، کپڑوں کی ڈیزائننگ اور گھر کو سجانا، منفرد طریقے سے برتھ ڈے آئیڈیاز سوچنا، وغیرہ وغیرہ ہیں۔ مجھے صوفیانہ کلام بہت پسند ہیں، دنیا کی ہر کتاب پڑھنا میرا دلچسپ مشغلہ ہے، لباس میں مجھے شلوار قمیص، لانگ شرٹ، شارٹ شرٹ کے ساتھ کھلا پلازو، فراک، لانگ اسکرٹ پسند ہیں جبکہ جیکٹ کوٹ تو بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے کپڑوں کا کوئی خاص شوق نہیں لیکن یہ ہے کہ پروقار اور اچھا لباس انسان کی شخصیت پر بہت اثر کرتا ہے۔ میرا خواب ہے کہ کچھ بھی ہوجائے اپنے پاکستان کے لیے کچھ خاص کرنا ہے۔ خوشحال پاکستان کے نام سے ایک پروجیکٹ بنا چکی ہوں جس میں وزیر اعلیٰ پنجاب سے گزارش ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اور بھی سہولیات پاکستان کو فراہم کریں۔ ناول نگار ہوں، بچپن سے شاعری کرتی ہوں بقول دوسروں کے بہترین مقرر ہوں، مجھے ہواؤں میں پرواز کرنے کا بہت شوق ہے یعنی جہاز اڑانے کا، بحری جہاز تو دل کو چھوتا ہے۔ گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو تو من میں اترتی ہے، پرندے، مچھلیاں، پھول اچھے لگتے ہیں۔ فیورٹ رائٹرز میں عمیرہ احمد، ہاشم ندیم ملک، نازیہ کنول نازی، اقراء صغیر احمد، عشناء کوثر سردار، سمیرا شریف طور، نادیہ فاطمہ رضوی اور ام مریم سرفہرست ہیں۔ سنگرز میں نصرت فتح علی خان، راحت فتح علی خان کو سننا پسند کرتی ہوں۔ طبیعت بہت نرم دل ہے، کوئی تنگ کرے تو لڑ نہیں سکتی رونے لگ جاتی ہوں۔ کئی باتوں پر جذباتی ہوجاتی ہوں پر زیادہ نہیں، جیسے جیسے عمر بڑھ رہی ہے قوت برداشت اور صبر و تحمل بھی آرہا ہے۔ مجھے بچپن سے ہی شوق ہوگیا تھا کہ میں کچھ ایسا کروں کہ پوری دنیا میں میری ایک پہچان ہو اب اس شوق کو پورا کرنے کی کوشش میں لگی ہوں، کم گو ہوں پر کسی کو بور نہیں کرتی جو جس ٹائپ کا ہو اسے اس طرح ہی ٹریٹ کرتی ہوں۔ کتاب، میگزین، ڈائجسٹ جو مل جائے اول تا آخر پڑھ کے دم لیتی ہوں۔ زندہ دل ہوں پر بہت شوخ و چنچل نہیں ہوں۔ گھر سجانے کا جنون کی حد تک شوق ہے سب سے دوستوں کی طرح رہتی ہوں پر دوست کم بناتی ہوں۔ غصہ تب آتا ہے جب کوئی بہت تنگ کرتا ہے، نروٹھی بہت ہوں مگر اب ہمت آرہی ہے۔ میری زندگی کا مقصد دوسروں کو زندگی جینا سکھانا بن چکا ہے، روتے بلکتے بے کس لوگوں کو ناامیدی سے نکال کر اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی بات پر عمل کرنا اور کرانا ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے سر اٹھا کر جئیں، ٹھاٹ سے زندگی گزاریں۔ میرا یہ خواب ہے کہ میرے دیس کے تمام لوگ غریب و بے کس بھی جینا سیکھیں، میرا تعارف کیسا لگا ضرور آگاہ کیجیے گا آپ سب کی نیک دعاؤں کی منتظر۔

رخِ سخن

سباس گل

قرۃ العین سکندر

سوال: اپنے بارے میں کچھ بتایئے؟ کہاں اور کب پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی‘ تعلیم کتنی ہے؟

جواب: میری پیدائش لاہور میں ہی ہوئی۔ 14 دسمبر کو پیدا ہوئی‘ میری والدہ صاحبہ کا خواب تھا کہ سب بچوں کو تعلیم دلوائی جائے‘ تعلیم کے معاملے میں وہ ایک سخت گیر خاتون تھیں‘ گلبرگ کالج سے گریجویشن کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا اور مختلف کورسز بھی کیے۔

سوال: قلم سے دوستی کب ہوئی اور اس دوستی کا احساس کب ہوا؟

جواب: قلم سے ناطہ بہت بچپن میں جڑ گیا تھا‘ مجھے بچپن سے یہ صفحات اور قلم اپنی جانب کھینچتے تھے اور میں نصابی سرگرمیوں کے علاوہ‘ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی تھی۔ لکھنا بہت بچپن میں شروع کردیا تھا مگر ڈائری کی حد تک‘ میں لکھتی اور ڈائری میں جمع کرلیتی تھی۔ مطالعہ کا جنون کی حد تک شوق تھا‘ مختلف ڈائجسٹ‘ رسائل کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔ لکھنا میرا جنون ہے میں لکھ کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں۔ لکھنے کی تحریک میری سوچ ہے جو لفظوں میں ڈھل جاتی ہے۔ لکھنے کے بعد میں خود کو تازہ دم محسوس کرتی ہوں‘ ہر ماہ جب مختلف ڈائجسٹ میں میری تحریریں چھپتی ہیں تو اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں کیونکہ رب العزت کے کرم کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔

سوال: پہلی تحریر کہاں شائع ہوئی؟ اب تک کیا کچھ لکھ چکی ہیں؟

جواب: پہلی تحریر ردا ڈائجسٹ میں شائع ہوئی ”سود و زیاں کا حساب“ دوسری تحریر آنچل میں شائع ہوئی ”ظلمت شب کی سحر“ اور اس کے بعد اشاعت کا سلسلہ زور و شور سے جاری و ساری ہے۔ ردا‘ ریشم‘ آنچل‘ حجاب‘ نئے افق میں مختلف تحریریں شامل اشاعت رہیں۔ پاکیزہ‘ کرن اور خواتین ڈائجسٹ میں بہت جلد مختلف ناولز اور افسانے شامل اشاعت ہوں گے۔ ابھی نومبر میں بھی خواتین ڈائجسٹ میں افسانہ شائع ہوا ہے۔

سوال: مزاجاً کیسی ہیں؟

جواب: مزاجاً تو گرم مزاج کی ہوں‘ غصہ بہت کم آتا ہے۔ بہت جلد لوگوں پر اعتبار کرلیتی ہوں‘ اسی طرح بہت جلد معاف کردیتی ہوں۔ بہت وقت کے لیے کسی سے بھی خفا نہیں رہ سکتی‘ دل کی بات دل میں رکھنے کی قائل نہیں ہوں جو جیسا لگے اسے کہہ دیتی ہوں۔ لگی لپٹی کی قائل نہیں۔

سوال: کھانا پکانے کا شوق کس حد تک ہے؟

جواب: کھانے پکانے کا شوق اپنے بچوں کی فرمائشوں کی لسٹ دیکھ کر ہوا ہے۔ شادی سے قبل زیادہ تر کھانا میری امی پکایا کرتی تھیں‘ میری والدہ کے ہاتھوں میں بہت لذت ہے۔ جو ایک بار ان کے ہاتھ کی کوئی سی بھی ڈش کھالے بار بار فرمائش کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ امی کی نسبت میں اتنی اچھی کک نہیں ہوں مگر کوشش ضرور کرتی ہوں کہ میرے بچے بھی میری امور خانہ داری سے مطمئن ہوجائیں۔

سوال: شادی کے بعد پہلی ڈش کیا پکائی تھی؟

جواب: شادی کے بعد ویسے سے اگلے ہی دن میں نے دال کا حلوہ پکایا تھا۔ دال کا حلوہ پکانے میں مجھے مہارت حاصل ہے دراصل شادی سے قبل گھر میں جو بھی میٹھا بنتا تھا میں ہی تیار کرتی تھی۔ بیسن کا حلوہ‘ دال کا حلوہ‘ سوجی کا حلوہ اور بہت سے میٹھے پکوان۔ شادی کے بعد میں نے اپنی بڑی نند کی فرمائش پر دال کا حلوہ تیار کیا تھا‘ الحمدللہ وسیع پیمانے پر پکایا یہ حلوہ سب نے کھایا اور سراہا۔

سوال: آپ کے ہاتھ کی کون سی ڈش ہے جو شوہر اور بچے بہت شوق سے کھاتے ہیں؟

جواب: میں پلاؤ بہت اچھا پکاتی ہوں‘ میرا بیٹا محمد قاسم فرمائش کرکے پکواتا ہے جبکہ میرے میاں کو میرے ہاتھ کے ہر قسم کے چاول پسند ہیں۔

سوال: کبھی باہر کھانے کا موڈ ہو تو کیا کھانا پسند کرتی ہیں؟

جواب: میں اور میری فیملی عموماً گھر پر ہی کھانا پسند کرتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کی غرض سے باہر جائیں۔

سوال: زندگی کا خوب صورت لمحہ؟

جواب: اللہ رب العزت کا بے پناہ کرم ہے ایسے بہت سے لمحات ہیں مگر شادی کے دن میں بے حد خوش تھی اور میرے مجازی خدا بھی بے حد خوش تھے مگر زندگی میں جب مجھے اللہ نے

بیٹے کی نوید دی تو لگا یہی زندگی کا خوب صورت لمحہ ہے پھر جب سے لکھنا شروع کیا یعنی باقاعدہ اشاعت کے لیے بھجوانا شروع کیا اور جب بھی کوئی افسانہ یا ناول شائع ہوتا ہے دل کو ازحد خوشی ملتی ہے۔

سوال: زندگی کا کُل اثاثہ؟

جواب: میری زندگی کا کل اثاثہ میری فیملی ہے۔ میرا قلم سے ناطہ ہے جو ہر نئے طلوع ہونے والے دن میں مزید گہرا ہوتا جارہا ہے۔ میرا دل کرتا ہے میں تنہا بیٹھی لکھتی چلی جاؤں۔ میں خود کو اتنا پرسکون محسوس کرتی ہوں بالکل ہشاش بشاش۔

سوال: کوئی ایسی کتاب جو بار بار پڑھی مگر پھر بھی دل کرتا ہو کہ بار بار پڑھوں؟

جواب: ایم اے راحت کا ناول "کالا جادو" جو ایمان کی تقویت کا باعث ہے۔ میں نے جب بھی یہ ناول پڑھا رب العزت کو اپنے بے حد قریب پایا' آج کل ایم اے راحت علیل ہیں' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت یاب کرے آمین۔ ہمارا سرمایہ ہیں ایسی عظیم شخصیات جو اپنے قلم سے حق و باطل میں امتیاز کرتی ہیں دل کو یقین محکم عطا کرتی ہیں۔

سوال: اپنے بچپن کے بارے میں کچھ بتائیں' کیسا گزرا؟ شرارتی تھیں یا سنجیدہ۔

جواب: میں شرارتی نہیں تھی' کچھ گم صم سی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی۔ تخیل کے زینے طے کرتی پروان چڑھی ہوں۔ بسا اوقات شرارت میری بڑی بہن کیا کرتی تھی اور میں نے اس کے حصے کی مار بھی کھائی ہے۔ سادہ مزاج اور صاف گو سیدھی سادی تھی۔ چالاکی و ہوشیاری جیسے عناصر نہ تھے۔

سوال: آپ کو فیملی میں اور دوستوں میں کون سپورٹ کرتا ہے؟

جواب: فیملی میں میری والدہ صاحبہ نے میری ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان کے علاوہ میری دوست فاطمہ خان جو کہ خود بھی لکھتی ہیں۔ جنگ میں ان کے آرٹیکل لگتے رہتے ہیں' اس کے علاوہ بھی ادب سے متعلق تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں' اس کی حوصلہ افزائی میرے لیے بے حد اہم ہے۔

سوال: آپ نے زندگی سے کیا سیکھا؟ کیسا پایا اسے؟

جواب: زندگی دکھ کی فصیل بھی ہے اور خوشیوں کی آبشار بھی۔ زندگی میں غم اور خوشی کا امتزاج ہی ہے جو جینے کا باعث بھی ہے اور کبھی کبھار اداس بھی کردیتا ہے۔

زندگی تجھ کو جیا ہے کوئی افسوس نہیں
زہر خود میں نے پیا ہے کوئی افسوس نہیں

سوال: تقدیر پر یقین رکھتی ہیں یا تدبیر پر؟

جواب: تقدیر اور تدبیر دونوں پر یقین ہے جو ہمارے ایمان کا بھی حصہ ہے مگر ہمارے لیے اللہ رب العزت نے راہیں کھول دی ہیں۔ لگن محنت سے آپ کوئی بھی منزل پاسکتے ہیں۔

سوال: بچپن میں گڑیا کھیلی ہیں؟

جواب: بہت کھیلی ہوں گڑیا سے' مجھے گڑیا کا بے حد شوق تھا۔ اسٹاک تھا باقاعدہ رنگ برنگی گڑیوں کا اور پھر ان کے لباس بنانا اور مختلف ملبوسات میں گڑیا کا سجا سجایا روپ بھاتا تھا۔ بسا اوقات تپتی دوپہروں میں امی سے چھپ کر چھت پر جاکر گڑیا سے کھیلتی تھی جبکہ امی کی تاکید ہوتی تھی کہ اسکول سے آنے کے بعد بچے آرام کریں اور پھر اس کے بعد فریش ہوکر پڑھائی کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے تازہ دم اور چوکس رہنے کا راز ہی یہی تھا کہ میں گڑیا سے کھیل کر خوشی محسوس کرتی تھی' بالکل بھی تھکان کا احساس نہ ہوا کرتا تھا۔

سوال: گھر میں سب سے زیادہ کس سے اٹیچ ہیں؟

جواب: شادی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے ساتھ تھی' ابھی بھی میں فون پر اپنی ہر خوشی اپنی بڑی بہن سے ضرور بانٹتی ہوں اور پھر ان کی رہنمائی میں مجھے کئی مسائل کا حل بھی مل جاتا ہے۔ شادی کے بعد میرے مجازی خدا اسکندر صاحب میرے دوست ہیں۔ رات کو جب وہ آتے ہیں میں دن بھر کی روداد ان کو سنا نا لوں مجھے سکون نہیں آتا اور وہ میری ہر بات کو بغور سنتے ہیں۔

سوال: بچپن میں کیا سوچتی تھیں کہ بڑے ہوکر کیا بننا ہے؟

جواب: میری ہمیشہ سے لکھنے لکھانے سے گہری وابستگی رہی ہے اور مجھے مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنا بے حد اچھا لگتا تھا۔ دل میں خواہش تھی کہ کبھی میں بھی لکھوں اور میری تحریریں بھی مختلف ڈائجسٹ کی زینت بنیں اور اللہ پاک کا کرم ہے کہ اس نے عزت دی ہے اور میری ہر خواہش پوری کی ہے۔

سوال: کوئی ایسی بات جس پر پچھتاوا ہو؟

جواب: نہیں' اللہ کا شکر ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے جس پر مجھے پچھتاوا ہو۔

سوال: کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہو؟

جواب: جب کوئی انسان دنیا کی نفسا نفسی میں انسان کی وقعت نہ کرے اسے کم تر حقیر سمجھے اور عزت کا معیار محض دولت

پر رکھو تو مجھے بہت بُرا لگتا ہے۔
سوال: فیس بک گروپس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب: علمی و ادبی گروپس کا مقصد علم و ادب کو فروغ دینا ہے۔ آج کل ہر دوسرا شخص آن لائن پڑھ سکتا ہے گھر بیٹھے کئی مفید معلومات حاصل کرسکتا ہے۔
سوال: آٹو گراف بک پر کیا لکھنا پسند کرتی ہیں؟
جواب: بی ہائنڈ بیڈ لک......گڈ لک۔
سوال: 14 اگست یوم آزادی کیا کہیں گی اس دن کے حوالے سے؟
جواب: اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں آزاد فضا میسر ہے جہاں ہم آزادی منانے کا حق رکھتے ہیں مگر آزادی کے دن کو جوش و ولولہ سے منانے کے ساتھ ساتھ لمحہ فکریہ کی بھی از حد ضرورت ہے کہ ہم اپنے ملک کے لیے کیا کررہے ہیں قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے۔ اپنے حصے کی مشعل جلائیں گے تو روشنی ہوگی۔
سوال: کیا آپ شاعری کرتی ہیں؟ شاعری ہمارے ساتھ شیئر کریں۔
جواب: جی ہاں میرے لکھنے کی باقاعدہ ابتداء شعرو شاعری سے ہی ہوئی تھی۔ کالج کے زمانے میں شاعری لکھ کر باقاعدہ ریڈیو پاکستان پر بھیج دیا کرتی تھی اور وہ نشر ہوا کرتی تھی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے شاعری پوسٹ کی ہو اور وہ شامل نہ ہوئی ہو بلکہ بہت پسند کی جاتی تھی۔

غزل

اے فریب جستجو یہ کلپنا کیا ہے
ہر شے ٹھہری پرائی یہاں اپنا کیا ہے
اک بار ہی دفنا دو ارمان سارے
بار بار کا یہ گرنا سنبھلنا کیا ہے
مروت کے لیے ظرف درکار ہے ہمدم
آؤ سکھلائیں تمہیں بھرم رکھنا کیا ہے
دام گیر میں الجھا لو کچھ اور پنچھی
تم کیا جانو خوابوں کا بکھرنا کیا ہے
گریہ و زاری سے نہیں ملتی فرصت
سوا اس کے اور ہمیں کرنا کیا ہے
ہو کوئی غیر تو کوئی بات بھی ہے
ہر بات پر اپنوں سے الجھنا کیا ہے

غزل

دل میں اک طوفان سا ہوتا رہا
وہ ہنسا اور دل میرا روتا رہا
اس کی اک اک ادا سے پیار تھا
میں خود کو حادثاتاً ڈبوتا رہا
الزام جو تراشے تُو نے مجھ پر
نہ چاہتے بھی انہیں دھوتا رہا
میں شفاف سادہ لوح و بے ضرر
نقش اضطراب قلب میں سموتا رہا
رخ روشن میں کوئی بات تو ہے ورنہ
نگاہ ہٹا نہ سکے ہم وہ سوتا رہا

نظم

اسے بھول جانے کی
جہد مسلسل رائیگاں ٹھہری
کیونکہ ہر بار میں ہاری
اور دل جیتا

غزل

نگوڑی پاپن دنیا تن دیکھے من نہ دیکھے
کرموں کو دیکھے سنسار کاش دھن نہ دیکھے
انسانوں کی بستی میں ہو کوئی ایسا انسان
چاند کی کیوں سندرتا دیکھے گہن نہ دیکھے
کیسے پالے ہر کوئی قدرت کے پوشیدہ راز
سوہنے رب کی آشا میں جو بن نہ دیکھے
جیون میں لکھا ہو کر ہی رہتا ہے
لکھے میں رب کو دیکھے ماہ و سن نہ دیکھے
بے کار ہے گوری تیرے روپ کی مہکار
جسے بیگانے تو سراہیں پر سجن نہ دیکھے
روپ رنگ نہ دیکھے نہ ہی اونچ ذات پات
جگ کے بنائے بندھنوں کو لگن نہ دیکھے

ہاں محبت ہے

نازیہ جمال

"یار! کیا تھا جو اللہ نے تمہیں اچھی شکل صورت کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی اداکاری کی صلاحیت بھی دے دی ہوتی۔" انزیلہ انتہائی بے بسی کے عالم میں اس کے پاس آ کر بولی۔

"میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ یہ ایکٹنگ ویکٹنگ میرے بس کی بات نہیں۔ میں نہیں کر سکتی' تم کوئی اور لڑکی سلیکٹ کرلو۔" اس نے معذرت خواہانہ نظروں سے انزیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آج کل کالج میں فورتھ ائر کو فیئر ویل پارٹی دینے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ قلوپطرہ ڈرامے کے لیے کثرت رائے سے اس کا نام منتخب کیا گیا مگر باوجود غیر معمولی خوب صورتی کے وہ خاطر خواہ پرفارمنس دینے میں ناکام رہی تھی۔

"انشال ٹھیک کہہ رہی ہے' کسی اور لڑکی کو ٹرائی کرنا چاہیے۔" جاذبہ نے بھی اس کی بات کی تائید کی۔

"فیئر ویل میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے اور ہماری تیاری ابھی تک کمپلیٹ نہیں۔ میڈم انصاری کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑ جائے' انشال کو چھوڑو' تابین مراد کو فائنل کرتے ہیں اس کی لکس بھی اچھی ہیں' کافی اسمارٹ اور اٹریکٹو لڑکی ہے۔" جاذبہ کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا' وقت کا زیاں اس پہ سخت گراں گزر رہا تھا۔

"نہیں...... تابین پریٹی تو ہے مگر انشال جیسی بات نہیں اس میں۔ قلوپطرہ کے لیے مجھے انشال ہی سوٹ ایبل لگتی ہے۔" انزیلہ ہونٹ کاٹتے ہوئے نفی میں بولی۔ اس کی نظر انتخاب ابھی بھی وہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے جاذبہ...... واقعی تم لوگ تابین کو سلیکٹ کرلو مجھ پر خوامخواہ ٹائم ویسٹ ہورہا ہے۔" بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے خوشی سے جاذبہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اس کے سیل پر ڈرائیور چاچا کی کال آرہی تھی وہ اسے لینے آگئے تھے۔

"جی چاچا...... میں نکل رہی ہوں۔" کال ڈس کنیکٹ کرکے وہ آڈیٹوریم ہال سے نکل آئی۔

"یہ انشال خود ہی انٹرسٹڈ نہیں ہے ورنہ کتنا اچھا گائیڈ کررہی تھی میں اس کو' ہمارا ڈرامہ ہٹ جانا تھا اگر یہ کوآپریٹ کرتی تو......" ہال سے نکلنے سے قبل اس نے انزیلہ کی جلی بھنی آوازسنی تھی۔ انزیلہ کو اس کی غیر دلچسپی اور لاتعلقی پر سخت غصہ آرہا تھا۔

"ہونہہ...... محترمہ کی شکل اچھی ہے' اس لیے نخرے ہورہے ہیں ورنہ کتنی ہی لڑکیاں اس مرکزی کردار کو کرنے کے لیے سیریس ہیں۔" تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس نے کالج کی پختہ روش پار کی اور گیٹ سے نکلتے ہی ڈرائیور کار کو اس کے قریب لے آیا۔

"پہلی دفعہ ہی کہہ دیا تھا کہ اداکاری میرے بس کی بات نہیں' ایسے ایکسپریشنز دو' یوں لائنیں بولو۔ باڈی لینگویج پر فوکس کرو' جیسے میں کوئی پروفیشنل اداکارہ ہوں۔" گھر آ کر وہ زور زور سے بولتے ہوئے انزیلہ پر آیا غصہ نکال رہی تھی فطری لحاظ کی بدولت اس کے منہ پر کچھ نہ کہہ پائی تھی۔ یہ سچ تھا وہ اس ڈرامے کے لیے کام کرنے میں ہی انٹرسٹڈ نہ تھی اور انزیلہ بضد کہ قلوپطرہ کے لیے وہی پرفیکٹ ہے دونوں ہی ایک دوسرے سے غیر مطمئن تھیں۔

بوا حمیدہ نے اسے کھانا لگنے کی اطلاع دی' وہ یونیفارم چینج کرکے ڈائننگ روم میں آگئی۔ لمبی میز جس پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے اور وہ محض چکھنے کی حد تک تھوڑے تھوڑے کھا رہی تھی کیونکہ رات کو اس کا ابو کے

ساتھ ڈٹ کر ڈنر کرنے کا پروگرام تھا۔

"بات سنیں بوا...... امی کہیں گئی ہوئی ہیں؟" لاؤنج میں آ کر ٹی وی آن کرتے ہوئے اس نے ملازمہ سے پوچھا' نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

"جی بیٹا...... بڑی بیگم صاحبہ تو پارلر گئی ہیں۔" بوا حمیدہ کی بات پر اس نے فوراً ٹی وی آف کر دیا۔

"ہوں' امی پارلر گئی ہیں تو اس کا مطلب ہے شام سے پہلے ان کی واپسی ممکن نہیں۔" اپنے بیڈ روم کی طرف سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے خودکلامی کی۔

اپنی الماری کھول کر اس نے ایک پلاسٹک بیگ باہر نکالا' اس بیگ میں اسٹوری بکس' کینڈیلز کے پیکٹ' چاکلیٹ' ٹافیاں اور نوڈلز کے پیکٹ تھے۔ یہ ساری چیزیں کل کالج سے واپس آتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو بازار جانے کا کہہ کر تھوڑے سے وقت میں خرید لی تھیں۔ اگلے پانچ منٹوں میں وہ ملازمین کے کوارٹرز کی طرف آ گئی تھی۔

"السلام علیکم! کیا حال ہیں؟" جالی دار دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئی۔ مالی عبدالرحیم داد کی بیوی سکینہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"انشال بی بی آئی ہیں؟" وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثر کے ساتھ بولی۔

"جی خالہ...... میں نے سوچا ذرا یاسر کی طبیعت پوچھ لوں' اب کیسی طبیعت ہے یاسر کی۔" سادگی سے بولتے ہوئے وہ سائیڈ پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اللہ کا شکر ہے یاسر اب پہلے سے بہتر ہے۔ یاسر...... دیکھو انشال بی بی تمہیں دیکھنے آئی ہیں۔" سکینہ نے چارپائی پر لیٹے آٹھ سالہ یاسر کے چہرے سے چادر ہٹاتے ہوئے کہا۔

یاسر ان کے مالی عبدالرحیم داد کا بیٹا تھا' جس کا بخار بگڑ کر اب ٹائی فائیڈ میں بدل گیا تھا۔ وقار احمد یاسر کا پرائیویٹ علاج کرا رہے تھے جس کی بدولت یاسر کی طبیعت اب واقعی پہلے سے بہتر تھی۔

یاسر ذہین اور محنتی بچہ تھا' ہر سال کلاس میں فرسٹ پوزیشن لاتا تھا جس کی وجہ سے انشال کو یہ بچہ بے حد پسند تھا' سکینہ کی زبانی اس کی بیماری کی خبر ملی تو اس کا دل چاہا کہ وہ یاسر کی طبیعت خود چل کر پوچھ آئے مگر عظمیٰ بیگم کے ہوتے ہوئے اس کی یہ خواہش تقریباً ناممکن تھی۔ عظمیٰ بیگم اس کا ملازمین سے زیادہ فری ہونا' بات چیت کرنا پسند نہیں کرتی تھیں کجا کہ وہ کسی ملازم کے بچے کی خود چل کر عیادت کرے۔

"ان کے کام کا پورا معاوضہ دو' ان کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرو مگر زیادہ منہ مت لگاؤ۔" وہ اکثر اس کی ملازمین سے ہنس بول کر بات کرنے کی عادت پر سرزنش کرتیں۔

"ارے امی...... میں کہاں زیادہ فری ہو رہی ہوتی ہوں بس ذرا حال احوال ہی پوچھ لیتی ہوں۔" وہ ان کی سرزنش پر اتنا ہی کہہ پاتی۔

بوا حمیدہ کے بیٹے کی ٹانگ ایکسیڈنٹ میں ٹوٹ گئی تھی۔ وہ خاموش آنسو بہاتے ہوئے ڈسٹنگ کر رہی تھیں۔ وہ صوفے پر نیم دراز کتاب پڑھتے ہوئے بغور انہیں دیکھ رہی تھی۔ بوا حمیدہ آنسو پونچھتے ہوئے کام میں لگی ہوئی تھیں' اسے ان کے بہتے آنسو بے چین کر گئے تھے بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"بوا...... خیر تو ہے آپ اتنا کیوں رو رہی ہیں؟" اور جواب میں بوا نے ساری درد بھری کتھا کہہ سنائی۔ جوان بیٹے کی ٹانگ ٹوٹنے سے گھر کا معاشی پہیہ سلو ہوا' ساتھ میں بچپن کی منگنی ٹوٹی کہ لنگڑے کو کون بیٹی دے' اپنوں کی بے اعتنائی' غربت' ناکافی وسائل۔ ایک مسئلے کے ساتھ ہی کئی اور مسائل بھی روتے روتے بیان کر دیئے اور عظمیٰ بیگم نے انہی لمحوں میں اسے حمیدہ بوا کے آنسو پونچھتے دلاسہ دیتے اور غم خواری کرتے دیکھ لیا تھا پھر جو اس کی کلاس لی تو وہ خود کئی دنوں تک مغموم رہی تھی۔

"انشال...... میں تمہیں وارن کر رہی ہوں کہ ان سرونٹس سے دور رہا کرو' اگر اب تم نے میری بات کو اگنور کیا تو مجھے کوئی اور طریقہ اپنانا پڑے گا۔"

"مگرامی...... میں نے کیا ہی کیا ہے' صرف بوا حمیدہ سے ان کے رونے کی وجہ ہی تو پوچھی تھی۔ پوچھنے پر انہوں نے اپنے پرابلمز مجھ سے شیئر کرلیے ڈیٹس اٹ۔" وہ ماں کا لال بھبوکا چہرہ دیکھتے ہوئے ان کی غصے کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے وضاحت دیتے ہوئے بولی تھی۔

"نان سینس' اب تمہیں کیسے سمجھاؤں میں ان سرونٹس کے ساتھ فاصلہ رکھا کرو اگر ایسے ان کے دکھڑے سننے بیٹھ گئیں تو ان میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا؟" عظمیٰ جیسے سر پکڑ کر عاجزی سے بولی تھیں' انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کو سوسائٹی مینرز کیسے سکھائیں جو کبھی مالی کے بیٹے کے ساتھ لان میں بیڈمنٹن کھیل رہی ہے تو کبھی ملازمہ کی بہو کو رنگت نکھارنے کے ٹوٹکے بتا رہی ہے۔

وہ خود ایک کروفر اور رعب والی خاتون تھیں جن سے سبھی ملازمین مؤدب ہو کر بات کرتے تھے۔ ایک محسوس کیے جانے والا طنطنہ اور غرور ان کی شخصیت کا حصہ تھا۔

انشال صرف عظمیٰ بیگم ہی کی تو بیٹی نہ تھی بلکہ وہ وقار احمد کی بھی تو بیٹی تھی جو ہمدرد' نیک خو فطرت کے مالک تھے۔ منکسر المزاجی جن کے مزاج کا خاصہ تھی جو ہر امیر' غریب' بڑے چھوٹے سے جھک کر ملتے۔ اپنے ملازمین کو ان کی محنت کا معاوضہ دیتے' ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ان کے مسائل توجہ سے سن کر حل کرنے کی کوشش کرتے جو اپنے روز افزوں ترقی کرتے امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کو سراسر ان غریبوں کی دعاؤں کا اعجاز سمجھتے تھے۔ انشال نے خود میں اپنے باپ کی شخصیت کی انہی خوبیوں کو پایا تھا تو ماں کے خوب صورت نین نقش چرائے تھے۔ عظمیٰ بیگم کی ناگواری اور ناراضی کے پیش نظر وہ ان کی غیر موجودگی میں عبدالرحیم داد کے کوارٹر کی طرف چلی آئی تھی۔ وہ کافی دیر بیٹھی یاسر سے باتیں کرتی رہی تھی۔ یاسر کو اپنے تعلیمی نقصان پر بہت افسوس تھا۔

"کوئی بات نہیں آپ ذہین اور محنتی ہو ان شاء اللہ جلد کورس کور کرلو گے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ یاسر اس کی لائی چیزوں کو پا کر بے حد خوش تھا اسے یہ نرم محبت کرنے والی باجی بے حد پسند تھی۔ پسند تو وہ سبھی کو تھی' اپنی ہمدرد' نیک اور سادہ طبیعت کی بدولت۔ اسے اٹھتے دیکھ کر سکینہ جھولی بھر بھر کر دعائیں دینے لگی۔

"انشال بی بی...... آپ سدا خوش رہو' وقار صاحب کو خدا دنیا و آخرت میں سرخرو کرے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے' آپ کے نصیب اچھے ہوں' آمین۔" سکینہ کی دعا لفظ "نصیب" پر وہ ٹھٹک گئی تھی۔ ساتھ ہی ایک وجیہہ اور دراز سراپا اس کے خیالوں میں لہرا گیا تھا۔

"سکینہ...... اللہ تمہاری دعا قبول کرے۔" وہ سر جھٹک کر باہر نکل آئی تھی' سہ پہر پر شام کا رنگ غالب آتا جارہا تھا' وہ وہیں لان میں ٹہلنے لگی۔

"پتا نہیں محبت کے مندرجات میں پہلا باب دکھ کا کیوں درج ہوتا ہے؟" وہ آزردگی میں گھری وہیں کھڑی رہی۔ ایک تنفر بھری آواز اس کے کانوں کے قریب گونجی۔

"یہ سرمایہ دار' دولت کے ڈھیر پر بیٹھ کر اترانے والے لوگ' جب اتنی بلندی پر بیٹھیں گے تو ہم سب غریب لوگ انہیں خود سے کم تر تو دکھیں گے ناں۔ اگر ہم غربت کی چکی میں پستے لوگ ان کے آگے نہ سر جھکائیں تو یہ کس بل پر تکبر کریں؟" پھنکارتا ہوا زہر آلود لہجہ۔ یہ ضدی' اکھڑ مزاج شخص کیا جانے کہ اس کا معصوم اور ننھا سا دل اس وقت اس کے ساتھ کا تمنائی بنا تھا جب اسے امیری' غریبی کا فرق تک معلوم نہ تھا۔ اپنے اور اس کے بیچ دولت کی لمبی لکیر اس کی نو عمر آنکھوں کو دکھائی نہ دی تھی جس میں اس کی ہمراہی کا پہلا خواب سجا تھا۔ یہ خواب اس نے لاشعوری طور پر خود اپنی آنکھوں کو سونپا تھا' محبت کا سفر اگر تنہا طے کیا جائے تو یہ سفر آبلہ پائی کا سفر بن جاتا ہے۔ وہ بھی تو ابھی تک اس خاردار رستے پر خود کو گھسیٹتی آرہی تھی۔ بنا منزل کے حصول کا یقین لیے' تہی دست' نہ وعدے کا کوئی جگنو آنچل میں...... نہ یقین کی قندیل آنکھوں میں۔ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو وہ چونک کر اپنے خیالوں سے نکلی۔ عظمیٰ بیگم پارلر سے واپس آگئی تھیں۔

”تم کالج سے کب آئیں‘ کھانا کھایا تم نے؟“ ان کی باتوں کا مختصر جواب دیتی ان کی ہمراہی میں وہ اندر آ گئی۔ بیوٹیشن کی مہارت کا ثبوت ان کے چہرے‘ بالوں‘ ہاتھوں اور پیروں پر صاف نظر آ رہا تھا۔

”اُف...... اتنی ڈل اسکن ہو رہی تھی کہ حد نہیں۔“ بیگ صوفے پر اچھالتے ہوئے عظمیٰ خود بھی صوفے پر گر سی گئیں۔

”عارفہ کی بیٹی کی اسی منتھ بلکہ اگلے ویک ہی شادی ہے‘ تم بھی پارلر کا چکر لگالو۔ دیکھو کتنی ڈل اسکن ہے تمہاری‘ کوئی اچھا سا بالوں کا اسٹائل بھی منتخب کرلو۔“ وہ اب ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

”اوہ نو...... عارفہ آنٹی کی بیٹی کی شادی...... میں تو کبھی نہ جاؤں۔“ مارے کوفت کے وہ صرف دل میں ہی سوچ پائی تھی‘ ماں کے سامنے کہنے کی ہمت نہ تھی اس میں۔

❁ ❁ ❁

”السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟“ صفیہ عینک ناک پر ٹکائے تخت پر بیٹھیں سلائی مشین پر جھکی پردوں کی سلائی کر رہی تھیں۔ ایک بشاش اور تر و تازہ آواز پر انہوں نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

”ارے روداب...... آؤ بیٹی۔“ انہوں نے خوش دلی سے کہتے ہوئے پھیلا ہوا کپڑا سمیٹ کر گویا اسے بیٹھنے کو جگہ دی۔

روداب مسٹرڈ کالر والی شارٹ شرٹ اور کھلے پائنچوں والے ٹنگ وائٹ ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ چہرہ بے حد صاف اور چمک رہا تھا‘ دوپٹہ سائیڈ کندھے پر ڈالے وہ نزاکت سے تخت پر بیٹھ گئی۔ ساتھ ہی ارد گرد دیکھتے ہوئے بولی۔

”یہ رباب‘ سنبل وغیرہ کہاں ہیں؟“

”رباب کھانے کی تیاری میں لگی اور سنبل کے ذمہ میں نے اسٹور کی صفائی لگائی ہے۔“ سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے انہوں نے جھکے جھکے جواب دیا۔

”آپ کے ہاں ابھی تک کام ہو رہے ہیں جب کہ ہماری امی تو کب سے فارغ ہوئی اب ٹی وی پر مارننگ شوز دیکھ رہی ہیں۔“ روداب ذرا ہنس کر بولی۔

”وہ اس لیے کہ تم لوگوں کے ہاں ماسی صفائی کر کے گئی ہوگی۔ اب مستقل ملازمہ دن کا کھانا پکا رہی ہوگی اور رہ گئی چاچی رضوانہ تو ناشتا تیار کرنے کے بعد ان کے پاس اب بچتا ہی ٹی وی دیکھنا ہے۔“ سنبل وہیں آ گئی‘ پونچھا نچوڑ کر فرش پر پھیلایا‘ بالٹی کا پانی سنک میں بہا کر ہاتھ پونچھتی ادھر آ گئی۔ سنبل کی بات پر روداب مسکرا اٹھی گویا یہی بات وہ سنبل کے منہ سے سنا چاہتی ہو۔

”او سناؤ‘ کالج کیسا جا رہا ہے؟“ کہتے ہوئے ایک منتظر نظر سامنے بند دروازے پر ڈالی۔

”ایک دم فرسٹ کلاس‘ فورتھ ائر کو الوداعی پارٹی دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میری کزن انشال ڈرامے میں قلوپطرہ کا مرکزی رول پلے کر رہی ہے۔“ سنبل کے لہجے میں ذرا سا تفاخر جھلکا۔

”اچھا وہ انشال جو ذرا صاف رنگ اور نرم ہاتھوں والی ہے ہاں کافی اٹریکٹو ہے۔“ روداب نے ذرا سا ناک چڑھا کر کہا۔

”اللہ کو مانو روداب! میری کزن صرف صاف رنگت کی مالک نہیں بلکہ کافی زیادہ خوب صورت ہے تبھی تو انزیلہ اصرار کر کے اس سے یہ رول پلے کروا رہی ہیں ورنہ تو اس نے اپنا دامن بچانے کی بہت کوشش کی تھی۔“ سنبل جیسے بے حد متاثر زدہ لہجے میں بولی۔

”آج تو سنڈے ہے‘ داور یقیناً گھر پر ہوگا۔“ روداب دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے بے چینی سے بولی‘ سب نظر آ رہے تھے جسے دیکھنے کی خاطر وہ آئی تھی ابھی تک اس کی جھلک نہ نظر آئی تھی۔

”ہاں بھائی اندر لیپ ٹاپ پر کام کر رہے ہیں۔“ سنبل نے جواب دیا ساتھ ہی اندر کچن سے تواضع کے لیے کچھ لینے چلی گئی۔

”یہ پرائیوٹ ادارے کام اتنا لیتے ہیں مگر تنخواہ بہت کم دیتے ہیں۔ میرا بچہ دن رات محنت کرتا ہے تب کہیں جا کر گھر کے خرچے پورے ہوتے ہیں۔“ صفیہ نے کپڑا جھٹک کر دھاگے صاف کرتے ہوئے کہا۔

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار
پہم خیال
مشتاق احمد قریشی
شائع ہو گئی ہے

”چاچی...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں‘ داور کے لیے آپ ایسی بیوی ڈھونڈیے گا جو آ کر داور کا ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹائے۔ میرا مطلب ہے کھاتے پیتے گھر کی جو صاحب جائیداد اور صاحب حیثیت ہو۔“ رودابہ کی بات پر صفیہ نے چونک کر بغور اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر بولیں۔

”ارے بیٹا...... یہ تو نصیب کے کھیل ہیں‘ آنے والی بس نیک اور شریف طبیعت کی ہو آ کر گھر کا کام سنبھالے میری خدمت کرے۔“

”گھر کے کام یعنی یہ پونچھا لگائے۔“ رودابہ کا جی مکدر ہوا تھا۔ صاف چمکتے سرخ اینٹوں والے فرش پر اس کی نظر پڑی جسے سنبل نے خوب رگڑ رگڑ کر چمکایا تھا۔ سنبل اس کی خاطر تواضع کے لیے مالٹے اور مونگ پھلی سے بھری پلیٹ لے آئی تھی۔

”مالٹے میں نہیں کھاتی کیونکہ صبح ناشتے میں اورنج جوس لیا تھا میں نے۔“ رودابہ خاصی نزاکت سے بولی جس پر سنبل نے اسے خاصی ناپسندیدگی سے دیکھا۔

”امی میں ذرا باہر جارہا ہوں کچھ منگوانا ہے آپ کو۔“ اسی دم داور باہر نکلا تھا‘ نہا دھو کر تازہ شیو بنائے‘ شلوار سوٹ میں وہ خاصا فریش اور نمایاں لگ رہا تھا۔

”ہیلو داور! کیسے ہو‘ اب گھر پر کم نظر آتے ہو؟“ پُر اشتیاق نگاہیں اس کے دراز سراپے پر جماتے ہوئے رودابہ کافی بے تکلفی سے بولی۔

”فائن‘ تم سناؤ۔ ماسٹر کب کمپلیٹ ہورہا ہے تمہارا؟“ ہموار لہجے میں بولتے ہوئے اس نے جھک کر مٹھی بھر مونگ پھلی اٹھائی۔

”بیٹا...... رباب کہہ رہی تھی کہ کچن کی کچھ چیزیں منگوانی ہیں تم اس سے پوچھ لو۔“ رودابہ کے بولنے سے قبل صفیہ بول پڑی تھیں جس پر رودابہ نے ایک تپی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی تھی۔ داور ماں کی بات پر سر ہلا کر کچن میں چلا آ گیا تھا۔

”تو یہ ملاقات بھی تشنہ ہی رہی۔“ رودابہ دل ہی دل میں خوب جھنجلائی ہوئی تھی۔ صرف داور کو دیکھنے اس سے باتیں کرنے کی خاطر صبح اٹھ کر اس نے بہترین نیا سوٹ پہنا اور ادھر آ گئی تھی۔

پہلے تو داور اکثر گھر پر نظر آجاتا تھا مگر جب سے اسے کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ملی تھی تب سے خال خال ہی اس کی جھلک نظر آتی تھی۔ ایک گہری یاس بھری سانس اس نے بھری تھی پھر کچھ سوچ کر وہ سنبل سے بولی۔

”سنبل...... ذرا اپنا سیل دکھانا‘ میں اپنا سیل گھر بھول آئی ہوں۔ داور کے باہر جانے پر مجھے یاد آیا کہ امی بھی مجھے کہہ رہی تھیں کہ میں جاسم کو کال کروں کہ وہ ان کی عینک لیتا آئے۔“

”او کے‘ میں لاتی ہوں۔“ سنبل سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ صحن میں رباب کے لگائے گئے ترکے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ صفیہ پردے کا کام مکمل کرنے کے بعد اٹھ گئی تھیں۔ سنبل کے ہاتھ سے موبائل لینے کے بعد رودابہ نے ان باکس کھولا لاتعداد میسجز موجود تھے‘ اس نے چن کر رومینٹک پوئٹری والے میسجز سلیکٹ کیے اور فٹ سے جاسم کے نمبر پر بھیج دیئے۔ سینٹ آئٹم والے باکس سے جاسم کا نمبر ڈیلیٹ کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک پُرسوچ مسکراہٹ در آئی تھی۔

❀......❀......❀

”پلیز امی...... میں نہیں جاسکتی آپ کے ساتھ‘ آپ خود اٹینڈ کرلیں ناں شادی۔“ وہ نرمی سے انکار کررہی تھی۔

”ڈفر لڑکی...... تم کیوں نہیں جاؤ گی‘ پورا خاندان اکٹھا ہوگا ساری کزنز جمع ہوں گی تمہاری۔ ان سے ملو‘ ہنسو بولو۔“ عظمیٰ کو اس کے انکار پر غصہ آ گیا تھا‘ وہ جتنا اسے ایکٹو اور سوشل بنانا چاہتی تھیں وہ اتنی ہی ڈل اور ریزرو ہوتی جارہی تھی۔

”ذرا اچھے سے تیار ہو جاؤ‘ اپ ڈیٹ لک ہونی چاہیے تمہاری بلکہ ٹھہرو میں خود ہی تمہارا ڈریس نکالتی ہوں۔“ عظمیٰ نے خود ہی آگے بڑھ کر اس کی وارڈ روب کھولی اور ڈارک گرے شیفون کا کامدار سوٹ نکالا جس کے گلے‘ بازوؤں پر ہم رنگ نگینوں کا نفیس سا کام تھا۔ گہری سانس

لیتے ہوئے اس نے سوٹ تھاما البتہ میک اپ اس نے اپنی مرضی کا کیا صرف کاجل سے آنکھوں کو مزید خوب صورت بنایا اور لائٹ پنک گلوس لپ اسٹک لگا کر پرفیوم اسپرے کیا۔ لمبے گھنے سلکی براؤن بال پن لگا کر پیچھے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔

عظمیٰ خود گرے شیفون کی ساڑھی میں ملبوس تھیں جس کا بلاؤز کامدار تھا ساتھ میں زرقون کا جیولری سیٹ اور مہارت سے کیا گیا میک اپ وہ کہیں سے بھی انشال کی ماں نہیں لگ رہی تھیں بلکہ بڑی بہن ہی لگ رہی تھیں۔ اپنے شان دار فگر اور بہترین پہناوے کی بدولت سب انجان لوگ انشال کو ان کی چھوٹی بہن ہی سمجھ بیٹھتے تھے۔ وہ انشال کی تیاری سے کچھ خاص مطمئن نہ ہوئی تھیں لیکن وہ اتنی پیاری اور دلکش لگ رہی تھی کہ وہ کوئی سخت جملہ نہ کہہ سکی تھیں وہ ان کے ساتھ چل رہی تھی یہی کافی تھا۔

"سنو...... میری چچا زاد کزن افشین امریکہ سے آئی ہوئی ہے اپنے بیٹے سارب کے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہے۔ سارب امریکہ میں نیورولوجسٹ ہے تم ذرا اچھے سے افشین اور اس کے بیٹے سے ملنا۔" گھر سے نکلتے ہوئے عظمیٰ اسے کچھ سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں وہ بے زار سی شکل بنائے گاڑی سے باہر بھاگتی دوڑتی روشنیوں کو دیکھتی رہی تھی۔

"پلیز اللہ تعالیٰ! مجھ سے ناراض مت ہوں میں وہ سب کچھ نہیں کر سکتی جو میری ماں مجھ سے چاہتی ہیں۔ ماں کی حکم عدولی آپ کو سخت ناپسند ہے مگر میں بھی اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔" دل ہی دل میں عاجزی سے دعا کرتے ہوئے وہ گاڑی سے اتر آئی تھی۔

عارفہ کا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا وہی مخصوص دیکھا بھالا منظر تھا جو وہ بچپن سے اپنے ننھیالی ماحول میں دیکھتی آئی تھی۔ بے حد ماڈرن اور بے باک لڑکیاں جن کے پہناوے جدید فیشن کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتے۔ نفاست نزاکت ادا قہقہے سبھی کچھ موجود تھا ساری لڑکیاں بے حد خوب صورت اور جاذب نظر دکھ رہی تھیں۔ ان کی آستیوں کے بغیر ریشمی بازو روشنیوں میں دمک رہے تھے آگے پیچھے گہرے گلے چست پاجاموں پر سلیولیس گھیر دار فراکیں صرف اس کا ڈریس ہی ان سب میں سادہ لگ رہا تھا۔ ڈی جے نے "ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے" لگایا تو سبھی ڈانس کرنے لگ گئے۔

"ارے آؤ انشال...... تم بھی ہمیں جوائن کرو ناں۔" اس کی ماموں زاد طناز اسے کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں طناز...... مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا۔" اس نے نرمی سے بازو چھڑایا اور ایک طرف جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اتنے میں عظمیٰ اپنی کزن افشین کو لیے ادھر آ گئیں۔

"ارے عظمیٰ...... تمہاری بیٹی تو بالکل تمہاری جوانی کی تصویر ہے......!" افشین سے پیار کرتے ہوئے توصیفی لہجے میں بولی تھی۔ عظمیٰ ذرا سا تفاخر سے مسکرائیں۔

"ہاں لیکن عادتوں میں یہ مجھ سے بالکل الٹ ہے بالکل سمپل اور ریزروڈ۔"

"ہاں یہ تو ہے ساتھ میں انوسینٹ اور شائی بھی تو کہو ناں۔" افشین اسے مسلسل خاموش دیکھ کر ہنستے ہوئے بولیں۔

سارب بھی اس سے ملا تھا کافی خوش شکل اور ہینڈسم نوجوان تھا جو بلیک تھری پیس سوٹ میں متانت سے باتیں کرتا ہوا اسے کافی ڈیسنٹ لگا تھا۔

"امی...... مجھے ذرا صارمہ سے بات کرنی ہے۔" وہ عظمیٰ سے کہتی افشین سے ایکسکیوز کرتی صارمہ کی طرف آ گئی کیونکہ اتنا تو اخلاق اس میں تھا کہ جب آ ہی گئی ہے تو سب سے مل لے۔

صارمہ اور طناز بھی سارب کی پرسنالٹی کو ڈسکس کر رہی تھیں سب اس کی شخصیت تعلیم اور جاب سے بے حد متاثر لگ رہی تھیں۔

"افشین آنٹی کا کسی سمپل خالصتاً ایسٹرن لک کی لڑکی کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہم میں سے کسی کو گرین سگنل ملنے والا ہے۔" صارمہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی اس کی بات پر سب نے اسے ایک دم سے خاموش

ہو کر دیکھا تھا' وہ بالکل کنفیوژ ہوگئی تھی۔ واپسی پر عظمیٰ کا موڈ بے حد خوش گوار تھا۔

"تم افشین کو بہت پسند آئی ہو' اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا لیکن مجھے اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ سارب کے لیے تمہیں منتخب کرچکی ہے۔" عظمیٰ کی بات پر اس کا دل لمحہ بھر کو ڈوب کر ابھرا تھا۔

"اور تم نے یہ امی امی کی کیا رٹ لگا رکھی تھی اس کے سامنے' ممی نہیں کہہ سکتی تھیں ان مینرڈ لڑکی۔" اب کے ایک دم غصے سے بولتے ہوئے اسے گھورا...... اس کا منہ بے ساختہ کھل گیا تھا۔

"ممی......؟"

"ذرا بھی تمہیں ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کے آداب نہیں آتے۔ تم کوئی اپنی دادی کے خاندان میں نہیں کھڑی تھیں جہاں کسی ایٹیکیٹس کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اماں' ابا بھی آرام سے چل جاتا ہے' افیشن تو خوش لگ رہی تھی مگر اصل بات تو سارب کی ہے۔ دیکھا تھا کتنی کانفیڈنٹ اور ماڈرن لڑکیاں تھیں ساری' ان میں سے کسی کو بھی وہ او کے کرسکتا ہے۔" عظمیٰ خوب لتے لے رہی تھیں اس کے اور ان کی آخری بات پر اس کے دل نے "آمین" کہا تھا۔

❀......❀......❀

"بھائی...... اگر آپ فری ہیں تو آپ سے ذرا بات کرنی ہے؟" سنبل نے دروازے سے سر نکال کر اس سے پوچھا۔

"ڈیئر سس...... آجاؤ' میرے فری ہونے کو چھوڑو۔" لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے وہ بولا تھا' انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پر حرکت کررہی تھیں۔ اس کی بات پر سنبل مسکراتے ہوئے اندر آگئی۔

"یہ میرا کارڈ ہے' اس میں میری پارٹی کی پکس ہیں' پلیز یہ ڈیولپ کروادیں۔" سنبل نے کرسی کھینچی اور ساتھ بیٹھ گئی۔

"تم اپنا کارڈ اپنے پاس رکھو' ننھا سا کارڈ مجھ سے مسنگ ہوسکتا ہے۔ میرے سیل میں وہ پکس ٹرانسفر کردو جو ڈیولپ کروانی ہیں۔" ٹیبل پر رکھا موبائل سنبل کی طرف دھکیلا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" چند منٹوں میں سنبل نے تصاویر بلوٹوتھ کے ذریعے ٹرانسفر کردیں۔

"یہ میری یادگار تصویریں ہیں' جنہیں میں فیملی البم میں لگاؤں گی۔" وہ اگلے کئی گھنٹے تک بیٹھا کام کرتا رہا تھا جبھی تو کرسی کھسکا کر اٹھا تو کمر میں بے ساختہ درد کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے دونوں بازو وا کرکے جسم کو ذرا ٹائٹ کیا اور اپنے بیڈ پر آگیا۔

گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی' سیل فون پر عادتاً میسج چیک کیے کچھ ڈیلیٹ کیے اور کچھ کا ریلائی کیا' فولڈر میں سنبل کی ٹرانسفر کی ہوئی تصویریں موجود تھیں۔

ہر تصویر میں وہ موجود تھی' ہنستی' کھلکھلاتی ہوئی' کبھی ملکہ کے روپ میں تو کبھی دوستوں کے گروپ میں کسی کے شانے پر ہاتھ دھرے۔ ہر تصویر میں اس کا روپ جدا تھا' بے حد دلکش اور نظر کو باندھنے والا' وہ بے خیالی میں کتنی ہی بار انگلیوں سے مس کرتے ہوئے ان تصویروں کو دیکھتا رہا تھا۔ شروع سے آخر تک' آخر سے پہلی تک' یونہی تصویروں کو دیکھتے دیکھتے وہ بھٹک کر یادوں کے جنگل میں جا نکلا۔

کوئی دس سال پہلے کی دم توڑتی' تھکی ماندی سی سہ پہر تھی جب وہ گھر آیا تھا۔ ساتھ والے ہمسایوں کی مرغی نے پورے بیس بچے کل ہی پورے نکال لیے تھے۔ فوزیہ آپا نے سنبل اور اسے ہمسایوں کی مشترکہ دیوار کے ساتھ بنے کچن کے شیڈ پر چڑھا دیا تھا۔ دونوں دیوار کی دوسری طرف جھکی ننھے منھے' نرم نرم چوزوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ آپا کسی کام سے گھر سے باہر گئیں تو سنبل نے نیچے اترنے کا شور مچادیا۔

"بھائی پلیز...... مجھے اتاریں۔"

"نہیں میں شیڈ کے نیچے اسٹول رکھ دیتا ہوں' تم اس پر پیر رکھ کر اتر آنا۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں اسٹول کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے' پلیز مجھے اتاریں۔" سنبل نے بازو اس کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنے لمبے قد کی بدولت آرام سے اسے نیچے اتار لیا۔

"اب انشال کو بھی اتاریں ناں۔" اسکرٹ کے اوپر کالر

شرٹ پہنے وہ اسے ہی مدد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"پلیز داور بھائی!" اور ہاتھ بڑھا کر اسے بھی اتارنا پڑا تھا' بے حد سبک تھی وہ بالکل پھولوں کی ڈالی جیسی اور اب بھی دس سال بعد وہ پہلے کی طرح ہی دبلی پتلی اور نازک سراپے کی مالک تھی۔ ایک دلفریب مسکراہٹ نے لیٹے لیٹے ہی اس کے گھنی مونچھوں تلے لبوں کو چھوا تھا اور انہی یادوں کے ریلے میں بہتے بہتے ایک منظر جھماکے سے اس کے ذہن کی اسکرین پر روشن ہوا تھا پندرہ سال پہلے کا منظر۔

وقار احمد کو انجائنا کا اٹیک ہوا ہے' صفیہ صوفے پر بیٹھی مسلسل تسبیح پڑھتے ہوئے بھائی کی صحت اور تندرستی کی دعا کررہی ہیں۔ گھر میں بھی رشتہ داروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی' سبھی وقار احمد کی عیادت کو آئے ہوئے تھے اتنے میں ملازمہ کھانا لگنے کی اطلاع دیتی ہے۔

"آجائیں بی بی جی..... اپنے سارے بچوں کو لے کر ڈائننگ ہال میں لے آئیں۔" طویل ڈائننگ ٹیبل پر بے شمار کھانے سجے ہوئے تھے انہیں سمجھ نہیں آرہی کہ کس ڈش سے ابتدا کریں۔ ابھی ایک دو لقمے لیے ہی تھے کہ اچانک ایک قہر بار آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

"حمیدہ..... حمیدہ..... ادھر آؤ' تم سے کس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کے لیے پہلے کھانا لگاؤ۔" عظمیٰ بیگم سخت تیور لیے ملازمہ سے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ جی..... صاحب جی نے کہا تھا کہ پہلے ان کو کھلادیں۔" حمیدہ نے گھگھیا کے وضاحت دی تھی کہ عظمیٰ بیگم پھٹ پڑیں۔

"ہاں وہ تو کہیں گے ہی' نان سینس..... یہ جاہل' ال مینرڈ لوگ' چٹائی پر بیٹھ کر کھانے والے سارے ڈائننگ ہال کا حشر نشر کردیں گے۔ اب پتا نہیں کھانا بچتا ہے یا نہیں' بھائی اور بھابی کے کھانے کا ٹائم ہورہا ہے۔" عظمیٰ بیگم کے الفاظ تھے یا کسی شعلے کی لپیٹ' سب کے چہرے ایک دم سے سفید ہوگئے تھے سبھی کی زبانیں گنگ اور ہاتھ بے حس' جو ہاتھ جس رکابی میں تھا وہیں کا وہیں رکا ہوا تھا۔

ایک پندرہ سالہ نوخیز نوجوان کی رگوں میں ایکا ایکی خون کی جگہ آگ دوڑنے لگی تھی' اس کی آنکھیں خون ٹپکانے والی ہورہی تھیں۔ تیز تیز تنفس کے ساتھ اس نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ زور سے ٹیبل پر پٹخا تو سبھی جیسے ہوش میں آگئے تھے۔ بے حد غصے سے جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا' اس وقت اس کی جذباتی و جوشیلی طبیعت اکسا اکسا کے کہہ رہی تھی کہ ابھی جاؤ اور اس مغرور اور متکبر عورت کے منہ پر سارا کھانا دے مارو جن کو وہ ابھی ابھی ڈھکے چھپے الفاظ میں بھوکے اور ندیدے کہہ کر گئی تھی مگر ضبط کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے وہ کرسی کو ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا تھا اس قسم کے ساتھ کہ وہ اس گھر میں آئندہ پھر کبھی قدم نہیں رکھے گا۔

داور کے لبوں سے دل فریب مسکراہٹ غائب ہوچکی تھی' آنکھیں بے حد سختی سے سامنے تصویر کو دیکھ رہی تھیں' اس کی پیشانی ایسے دہک اٹھی تھی جیسے پندرہ برس قبل شدت غضب سے دہک اٹھی تھی۔ اس نے کھٹ سے موبائل آف کیا اور تکیے کے نیچے سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگالی تھی۔

❁.........❁.........❁

"جاسم..... ذرا اپنا موبائل دکھاؤ گے؟" کاؤچ پر نیم دراز روادبہ نے باہر جاتے جاسم کو پکارا' اس کی گود میں کٹی ہوئی ناشپاتیوں کی پلیٹ تھی۔

"شیور' وائے ناٹ۔" جاسم نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔ روادبہ نے اسکرین پر انگلیاں پھیریں' اگلے ہی لمحے ان باکس سامنے کھلا تھا۔

"واہ..... سنبل کے میسجز' کب سے آرہے ہیں یہ رومانوی پیغامات بھیا۔" معنی خیز انداز سے بولتے ہوئے روادبہ نے جاسم کو دیکھا تھا جو اس کی بات سن کر چونک اٹھا تھا۔

"سنبل کے میسج؟ مجھے تو علم نہیں کہ کون سا میسج اس نے بھیجا ہے اور یہ بھی کہ کیوں بھیجا ہے؟"

"میرے بھائی..... جب کوئی لڑکی کسی ہینڈسم نوجوان کو پیامِ الفت بھیجنے لگے تو سمجھو اس کے دل کی زمین پر آپ کی محبت کا بیج بویا جاچکا ہے۔" روادبہ ابھی بھی تولتی نظروں

سے اسے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اچھا تو یہ بیج بویا کس نے؟" جاسم نے اب کے ذرا سا مسکرا کر پوچھا۔ نظروں میں سنبل کا سراپا لہرا لیا تھا' بوٹا سا قد' صاف رنگت' شانوں تک کٹے بال۔

"وہ اتنی بری بھی نہیں مگر یہ تو کبھی میرے سامنے بے تکلفی سے آتی بھی نہیں ہے تو یہ میسجز؟" جاسم کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں اتری تھیں۔

"کس نے بویا؟ ذرا آئینے سے پوچھو' یہ ٹال ہینڈسم سراپا' گہری آنکھیں' خوب صورت لہجہ' یہ سب کیا کم ہیں؟" رودابہ نثار ہوجانے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"چھوڑو یار...... داور کو پتا چل گیا تو وہ گھونسہ مار کے میری ناک توڑ سکتا ہے۔" جاسم کو لگ رہا تھا کہ ان تلوں میں تیل اس کے کام کا نہیں۔

"ارے اسی داور کو قابو میں کرنے کی خاطر ہی تو سب کچھ کررہی ہوں۔" دھیمی سی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے رودابہ نے چند رومانوی میسجز سلیکٹ کیے اور سنبل کے نمبر پر بھیج دیے۔

❀......❀......❀

"اللہ نے ایک ہی بیٹی دی اور وہ بھی ڈفر اور ایک دم اسٹوپڈ۔ کیا تھا جو ایک سمجھ دار بیٹی سے نواز دیتا مجھے۔" عظمیٰ اس پر بری طرح برس رہی تھیں' جب سے انہیں علم ہوا کہ تھا کہ افشین نے اپنے بیٹے کے لیے نازی کی بیٹی دونیہ کو پسند کرلیا ہے تب سے انہیں ایک پل چین نہ آرہا تھا۔

"کتنا بہترین پروپوزل تھا' امریکہ چلی جاتیں' لائف سنور جاتی تمہاری۔" عظمیٰ کا ملال کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"مگر امی...... اس میں میرا کیا قصور؟" بے حد معصوم شکل بنا کر پوچھا تھا' ماں کا خود پر گرجنا برسنا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"ہاں تمہارا کوئی قصور نہیں' ساری غلطی تو میری ہے کہ تم جیسی بیٹی کی ماں بن بیٹھی۔ وہ دیکھو دونیہ بازی مار گئی' کتنی خود اعتماد اور گریڈ لڑکی ہے۔ سارب سے دوستی کرلی ہوگی تبھی تو افشین نے یہ فیصلہ کیا ہے تم سے اتنا نہ ہوا کہ سارب سے اچھے سے بات کرلیتیں۔"

"ارے امی...... یہ تو نصیب کی بات ہے' دونیہ کا نصیب لکھا ہوگا' لیں یہ پانی پئیں۔" ماں کے غصے کو انجوائے کرتے ہوئے اس نے جگ سے پانی کا گلاس بھر کر ان کی طرف بڑھایا...... اسے حقیقتاً سارب کے دونیہ سے رشتہ ہونے کی خبر نے خوشی دی تھی۔ اتنی کہ وہ بھنگڑا ڈالتے ڈالتے رہ گئی تھی' بھلا دھڑکنوں میں کسی اور کو بسا کے وہ سارب کے ساتھ کیسے چل دیتی۔

"بی بی جی...... وہ صفیہ بی بی آئی ہوئی ہیں' لاؤنج میں بیٹھی ہیں۔" اسی پل حمیدہ نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"کون پھوپو آئی ہیں؟" وہ چونک اٹھی۔

"لو جی اب انہیں کون سی ضرورت کھینچ لائی ہے۔" پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے عظمیٰ کوفت سے بولیں۔

"کسی بیٹی کے جہیز کے لیے کوئی چیز خریدنی ہوگی' اس کے لیے یقیناً پیسوں کی ضرورت ہوگی یا کسی کمرے کی مرمت کروانی ہوگی۔ بیٹے کی بائیک کی قسط بھرنی ہوگی۔" عظمیٰ نے وہیں بیٹھے بیٹھے صفیہ کی آمد کی ممکنہ وجوہات دہرائیں۔

"امی...... ایسی کوئی بات نہیں' ان کے حالات اب اچھے ہوگئے ہیں۔ ہوسکتا ہے ابو سے ملنے آئی ہوں؟" انشال کو ماں کا انداز برا لگا تھا' وہ ہمیشہ ہی سے ابو کے رشتہ داروں کا تذکرہ ایسے تضحیک آمیز انداز سے کرتی تھیں۔

"تمہیں بڑا پتا ہے کہ ان کے حالات سنور گئے ہیں۔" اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ناں' اب داور بھائی کی جاب لگ گئی ہے ناں تو کافی خوش حالی آگئی ہے۔" دھیمی سے مسکراہٹ سجائے اس نے بتایا۔

"ہونہہ' ایک پرائیوٹ جاب سے سارے مسائل حل ہوگئے ہیں' جاب نہ ہوئی منتر ہوگیا۔" عظمیٰ جلے ہوئے انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ صفیہ ہمیشہ کی طرح اسے

اچھی طرح لپٹا کر ملیں اس کی صبیح پیشانی چومی۔

"وقار سے ملنے آئی تھیں دن کو تو آفس میں ہوتا ہے سوچا آج اتوار ہے گھر پر ہوگا۔" صفیہ خوش اخلاقی سے بولیں۔

"جی پھوپو..... ابو آج گھر پر ہیں اسٹڈی میں ہیں میں بلاتی ہوں۔" وہ ادب سے کہتی اٹھ گئی۔ وقار احمد بڑی بہن کو گھر میں دیکھ کر کھل اٹھے تھے ساتھ ہی اتنے دنوں بعد شکل دکھانے کا گلہ بھی کر ڈالا۔

"میرے بھائی...... میں کسی کام سے سہی آ تو گئی ہوں مگر تم نے تو قسم کھالی ہے کہ بس عید کے عید ہی بہن کو شکل دکھانی ہے۔" صفیہ نے جواب شکوہ سے انہیں لاجواب کر ڈالا تھا۔

"بس آپا..... کاروبار کی ایسی مصروفیت ہے کہ گھر بھی رات گئے آتا ہوں آپ بے شک عظمیٰ سے پوچھ لیں۔" وہ تصدیق طلب نظروں سے عظمیٰ کو دیکھتے ہوئے بولے عظمیٰ نے جوابا زور و شور سے ان کی بات کی تصدیق کی۔

"ہاں وقار تو کافی بزی رہتے ہیں کوئی چھوٹا موٹا بزنس تو نہیں کہ جلد فری ہو جائیں۔" وہ عظمیٰ کی نظروں کی پروانہ کرتے ہوئے بھی ٹرالی بھر لائی تھی اور ایک ایک چیز ٹیبل پر سلیقے سے سروکی۔

"اچھا وقار..... میں رباب کے رشتے کے لیے آئی ہوں۔ ان کے ابو کے کزن رشید بھائی رباب کو اپنے بیٹے وسیم کے لیے مانگ رہے ہیں وسیم ایک پیٹرول پمپ پر منیجر ہے۔ اچھا محنتی اور شریف لڑکا ہے سوچا ہاں کہنے سے پہلے تم سے مشورہ کرلوں۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے صفیہ نے بھائی کو دیکھا۔

"ارے آپا..... آپ کا اتنا مان دینے کا شکریہ لڑکا آپ کا دیکھا بھالا ہے تو بسم اللہ کردیں۔" وقار احمد انکساری سے بولے۔

"داور بھی اس رشتے کے لیے راضی ہے سوچا تم بھائی ہو تم سے پوچھ لوں باپ تو سر پر ہے نہیں۔" صفیہ کے لہجے میں اب کے آزردگی اتر آئی تھی جسے محسوس کرکے وقار احمد فوراً اٹھ کر ان کے پہلو میں آبیٹھے اور بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے بولے۔

"بس آپا..... آپ کا مشکل وقت گزر چکا ہے آپ کا بیٹا ماشاء اللہ جوان ہو چکا ہے۔ داور کافی سمجھ دار اور سلجھا ہوا ہے آپ کی تو ساری محنت ٹھکانے لگی۔" عظمیٰ کافی کڑی نظروں سے شوہر کی بہن سے والہانہ محبت کو دیکھ رہی تھی جبکہ وہ کافی مطمئن انداز میں ایک طرف بیٹھی ان کی باہم گفتگو دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"اچھا آپ آئی کس کے ساتھ ہیں داور کے ساتھ؟"

"ہاں اس کے ساتھ بائیک پر آئی ہوں۔ گیٹ پر چھوڑ گیا ہے۔" صفیہ نے بتایا۔

"گیٹ پر کیوں اندر کیوں نہیں آیا؟" وقار احمد نے اس کے دل کی بات کو اپنے لفظوں کی زبان دی۔

"شاید کسی دوست کی طرف کام تھا کہہ رہا تھا کہ واپسی پر لیتا جائے گا۔"

"مجھے تو نیند آرہی ہے میں چلتی ہوں۔" عظمیٰ بےزاری سے کہتی اٹھ گئیں۔ بہن بھائی کا لاڈ پیار انہیں ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔ وقار اور صوفیہ کی باتوں کا رخ اب بیتی یادوں کی طرف مڑ چکا تھا ماں باپ کی یادیں اسکول شادیاں بچے مسائل......

"انشال بیٹا..... آپ جاؤ جا کر سو جاؤ صبح کالج جانا ہے تھک گئی ہوگی۔" باتوں میں مگن اچانک وقار احمد کو خاموش بیٹھی انشال کا خیال آیا تھا جو ان کے ساتھ والے صوفے پر پالتی مارے ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے ان کے ماضی کی باتوں کو دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ارے نہیں ابو..... پھوپو کتنا عرصے بعد ہمارے گھر آئی ہیں مجھے ان کی باتیں سننا اچھا لگ رہا ہے۔" وہ مسکرا کر نرمی سے بولی۔ درحقیقت وہ یہ سوچ کر جم کے بیٹھی تھی کہ وہ آج اس دشمنِ جاں کو دیکھ لے گی جس کی محبت سے اس کے خوابوں کا جہاں آباد تھا ورنہ تو اسے یاد نہیں کہ وہ کبھی ان کے گھر آیا ہو۔

"اُف کتنی اچھی اور محبت کرنے والی ہیں پھوپو..... مگر بیٹے میں تو اپنی کوئی بھی کوالٹی ٹرانسفر نہیں کرسکیں۔" اس نے

بیٹھے بیٹھے سوچا وہ تو نہیں آیا البتہ اس کی کال آ گئی تھی۔

"سوری امی...... میں ذرا جلدی فری نہیں ہو سکتا' مجھے دیر ہو جائے گی میں راشد بھائی (فوزیہ کا شوہر) کو کال کرتا ہوں وہ آپ کو لے جائیں گے۔"

"لو اب راشد کو کال کرے گا' جو بے چارہ سارے دن کا تھکا ہارا اب گھر آتا ہے۔" صفیہ ہولے سے بولیں' وہ بیٹے کے گریز کو پا گئی تھیں۔ وہ یہاں آنا ہی نہ چاہتا تھا' آتے ہوئے بھی اسے گیٹ پر اتارا اور یہ جا وہ جا۔

"تو کوئی مسئلہ نہیں' آپ کو ڈرائیور چھوڑ دے گا گھر۔" وقار نے ان کا مسئلہ سلجھا دیا۔ اس کے اندر اداسی پھیلنے لگی تھی' وہ بجھے دل کے ساتھ اٹھ آئی تھی۔

❁........❁........❁
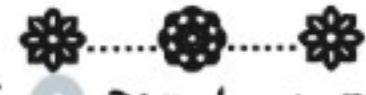
رباب کے ہاتھ میں سیل تھا' جس پر وہ کھٹا کھٹ میسج کر رہی تھی۔ سنبل ہاتھوں پر لوشن لگاتی اپنے بیڈ پر آ بیٹھی اور بغور رباب کو دیکھا جس کے چہرے کی رنگت منگنی کے بعد دن بدن کھلتی جا رہی تھی۔ آنکھیں روشن اور چمکیلی ہو گئی تھیں' اس وقت بھی رباب کے چہرے پر الوہی مسکراہٹ اور آنکھیں کسی احساس سے جگمگا رہی تھیں۔

"کس سے چیٹ کر رہی ہو وسیم بھائی سے؟" کافی دیر دیکھنے کے بعد سنبل نے پوچھا۔

"ہوں' اسی سے کر رہی ہوں۔" دھیمی سی شرمگیں مسکراہٹ سے رباب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا کہہ رہے ہیں دل کے مکین؟" کمبل کھولتے ہوئے شوخی سے پوچھا۔

"بس دل بے قرار کی کیفیات' عہد الفت کی پاس داری کا دعویٰ وغیرہ وغیرہ۔" جواب دیتے ہوئے رباب کی نظر اسکرین سے لمحہ بھر کو نہیں ہٹی تھی جب سے منگنی ہوئی تھی رباب کا روز رات کا یہی معمول تھا یعنی وسیم کے ساتھ آنے والی زندگی کی باتیں کرنا' کبھی کال پر' کبھی ٹیکسٹ میسج کے ذریعے۔ سنبل نے ایک ناراضی بھری نظر بہن پر ڈالی تھی جو منگنی سے قبل روز رات کو سونے سے پہلے اس سے ڈھیر ساری باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ بھی اسے کالج کے سارے دن کی روداد سناتی' دوستوں کے قصے' ٹیچرز کی باتیں جو رباب بڑی توجہ سے سنتی تھی مگر اب منگنی کے بعد اس کے معمولات یکسر بدل چکے تھے جس پر سنبل اس سے سخت شاکی تھی۔

اس وقت بھی ایک خفگی بھری نظر رباب پر ڈالتی وہ کروٹ بدل گئی تھی۔ تکیے کے نیچے سے اپنا موبائل نکالا' اس کا ان بکس ایک بغیر نام والے نمبر کے رومانٹک میسجز سے بھرا ہوا تھا۔ یہ نمبر اس کا جانا پہچانا تھا' اس کے چچازاد جاسم کا نمبر' جسے وہ کشمکش میں ابھی تک کسی نام سے محفوظ نہ کر پائی تھی۔

"تمہیں میں مطلع کرتا ہوں کہ تمہاری جان لے لوں گا اگر ان جھیل آنکھوں کو کبھی پُر نم کیا تُو نے" میسج پڑھ کر بے ساختہ اس کا دل دھڑک اٹھا تھا اس نے کچھ سوچ کر ٹائپ کر دیا۔

"جاسم بھائی...... یہ رومانٹک میسجز بھیجنے کی وجہ؟"

"اگر میرے نام کے آگے سے لفظ بھائی ہٹا دو گی تو ان میسجز کا مفہوم بخوبی تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔" جواب کھٹ سے آیا تھا' اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں اس نے جواب میں کچھ ٹائپ نہ کیا۔

"اس شہرِ محبت میں کتنے قتل رکیں گے
ہو جائیں جو پابند سلاسل تیری آنکھیں"

اب کے واٹس اپ میسج موصول ہوا تھا' جس میں اس کی آنکھوں کی صرف تصویر تھی جو نجانے کب کھینچی گئی تھی۔ وہ چپ چاپ لیٹی کافی دیر تک اپنی دھڑکنوں کو سنتی رہی تھی' ذرا کروٹ بدل کر دیکھا تو رباب ابھی تک نیم دراز موبائل پر بزی تھی وہاں البتہ اس کی مسکراہٹ کا رنگ شوخ اور آنکھیں زیادہ چمکیلی لگ رہی تھیں۔

اس نے ایک گہری سانس بھری اور میسج ٹائپ کرنے لگی۔ ایک مڈل کلاس سادہ اور محدود زندگی گزارنے والی لڑکی جس کی ماں معاشی مسائل میں الجھی کبھی اتنا وقت نہ نکال پاتی کہ اس سے جی بھر باتیں کر لیا کرے۔ گھر کا اکلوتا سربراہ' ایک دبنگ اور سنجیدہ مزاج اکلوتا بھائی جو اس گھر کی

دیواروں سے غربت کی قلعی اتارنے میں دن رات لگا رہتا تھا۔ ایک ہی دوست اور ہم راز بہن جس کے شب و روز اب اپنے ہونے والے شریک حیات کے ساتھ آنے والی زندگی کا حسین سپنا بننے میں گزر رہے تھے۔ ایسے میں کسی کی چاہت بھری آواز پر توجہ نہ دینا یقیناً خلاف فطرت بات تھی۔ وہ بھی اب بے تکلفی سے جاسم کے ساتھ چیٹ کررہی تھی۔

❁....❁....❁

"رودابہ..... بیٹا کچھ فائنل کرو میں نے بھائی صاحب کو جواب دینا ہے۔" رضوانہ رودابہ کے پاس آ بیٹھیں اور جواب طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اوہ امی..... میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں واصف سے شادی نہیں کرنا چاہتی کبھی کسی صورت میں نہیں۔" ناخن فائل کرتے ہوئے رودابہ قطعیت سے بولی۔

"مگر بیٹا..... کب تک ایسے چلے گا' ہر رشتے سے انکار اب رباب تمہاری عمر کی ہے اس کی اسی ماہ شادی فکس ہوگئی ہے۔" رضوانہ جیسے بے بس ہوکر بولیں۔

"رباب کی شادی ہورہی ہے تو رباب کے بعد کس کا نمبر ہوا؟" بھنویں اچکاتے ہوئے اس نے معنی خیزی سے پوچھا' رضوانہ بیگم نے ایک لمبی سانس لی۔

"تمہاری خام خیالی ہے کہ بھابی صفیہ داور کے لیے تمہارا رشتہ مانگیں گی۔"

"کیوں نہیں مانگیں گی' خود اصرار کرتے ہوئے آئیں گی۔" ماں کی بات پر وہ تیزی سے بولی۔ "جب ہم جاسم کے لیے سنبل کا رشتہ مانگنے جائیں گے تو اسی شرط پر کہ بدلے میں وہ داور کا رشتہ یہاں کریں گی' کراس میرج ڈیٹس اٹ۔" رودابہ تو بہت آگے کا سوچے ہوئے تھی۔

"میں سنبل کو بہو بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی' مجھے اپنی بھتیجی سمرین اچھی لگتی ہے۔"

"جی پہلے بھی آپ کی ایک بھتیجی شادی کے بعد آپ کے بیٹے کو لے کر الگ ہوچکی ہے' یاد ہے ناں؟" وہ خاصے طنز سے انہیں کچھ جتاتے ہوئے بولی۔ ارسم شادی کے بعد اپنی بیوی مومل کو لے کر الگ ہوگیا تھا' جس کا رضوانہ کو خاصا دکھ تھا۔

"دیکھیں امی..... سنبل غریب گھر کی سادہ مزاج لڑکی ہے' یہاں اچھا کھا پی کر خوش رہ لے گی جیسے رعب میں رکھیں گی ویسے ہی رہے گی۔ ساتھ میں میرے دل کی مراد بھی پوری ہوجائے گی' مجھے داور مل جائے گا۔" رودابہ کی پلاننگ اپنی طرف سے پرفیکٹ تھی۔

"سنبل تک تو ٹھیک ہے مگر داور کے لیے بھابی تمہیں کبھی نہیں مانگیں گی' کبھی تذکرہ تو نہیں کیا ہاں البتہ داور خود نام لے تمہارا تو پھر بات کچھ بنتی لگتی ہے۔" رضوانہ نے حقیقت پسندی سے صورت حال کا تجزیہ کیا۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ یہ داور کسی طرح میرے قابو میں نہیں آرہا اور نہ مشکل کیا تھی' وہ تو سڑا ایک دم خشک مزاج ہے۔" رودابہ مارے جھنجھلاہٹ کے اپنے ہاتھ پر مکا مار کر رہ گئی تھی۔

❁....❁....❁

صفیہ نے ڈھیر سارا میوہ ڈال کر گاجر کا حلوہ تیار کیا تھا۔

"واہ امی..... آج تو خاصی دعوت کا اہتمام کیے بیٹھی ہیں۔" طوطے کے پنجرے میں دانے ڈالتے ہوئے داور نے ہنس کر کہا۔

"ارے بیٹا..... کیسا اہتمام؟ رباب کا دل چاہ رہا تھا کہ امی حلوہ بنائیں۔ ماں ہوں جب تک زندہ ہوں چاؤ پورے کرتی رہوں گی۔ میرے بعد تو تمہاری دلہن اس گھر کی مالک ہوگی اب وہ چاہے تمہاری بہنوں کی عزت کرے یا نہ کرے۔" پلیٹوں کو خشک کرتے ہوئے صفیہ بولیں۔

"ارے کیوں نہیں کرے گی میری بہنوں کی عزت' کھینچ کے رکھوں گا محترمہ کو۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"آپ کو کھینچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی' انشال ماشاء اللہ پہلے ہی سے بہت اچھی لڑکی ہے۔ لونگ اور کیئرنگ۔" واش بیسن پر اسکرب رگڑتے ہوئے رباب بھی گفتگو میں شامل ہوئی۔

"انشال کا یہاں کیا ذکر؟ تمہارا مطلب کیا ہے؟" داور نے رباب کی طرف رخ کرکے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں جب آپ کی دلہن کی بات ہورہی ہے تو انشال کا ذکر ایسے کون سے اچنبھے کی بات ہے۔ مجھے بھابی کے روپ میں بس وہی پسند ہے۔" تولیے سے منہ خشک کرتے ہوئے رباب چارپائی پر بیٹھ گئی اور داور کی پیشانی بہن کی بات پر سلوٹوں سے اٹ گئی تھی۔

"نیور...... اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو اسے کسی دیوانے کا خواب ہی سمجھو کہ میں انشال سے شادی کروں گا۔" اس کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"مگر کیوں داور...... انشال میں کس چیز کی کمی ہے؟" فوزیہ ابھی اپنے چھوٹے بیٹے کو اندر سلا کر باہر آرہی تھی تو داور کی بات اس کے کانوں میں پڑی۔

"کمی نہیں بلکہ زیادتی ہے دولت کی۔" وہ زہر خند ہوکر بولا۔

"ارے تو ہمیں ان کی دولت سے کیا سروکار، ہمیں تو بس انشال چاہیے۔ سیدھی سادی، معصوم، بھولی صورت کتنی عزت اور ادب سے پیش آتی ہے۔"

"جو بھی ہو انشال عظمیٰ بیگم کی بیٹی ہے اور عظمیٰ بیگم سے کوئی رشتہ تو درکنار میں بات تک کرنا گوارہ نہ کروں۔" دو ٹوک انداز میں بولتے ہوئے وہ اب طوطے کے کپ میں پانی ڈال رہا تھا۔

"میرے بھائی...... انشال بہت مختلف لڑکی ہے، مامی عظمیٰ کی طرح غرور، تکبر نام کی کوئی چیز اس میں موجود نہیں۔ ہر شخص کو ایک ہی نظر سے نہیں دیکھا کرتے۔" فوزیہ جیسے اسے قائل کرنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔

"امی...... آپ ماموں سے بات کریں، مامی عظمیٰ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ رباب کے بعد اب ہم داور کی شادی کرتے ہیں۔" فوزیہ ماں کی طرف رخ کرتے فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"بیٹا...... بات تو کرلوں مگر وقار کی بیوی کے آگے نہیں چلتی۔ بھابی عظمیٰ انشال کو اپنے میکے میں دینے کا ارادہ رکھتی ہیں اپنے جیسے امیر اور صاحب حیثیت لوگوں میں۔" صفیہ کا لہجہ پست تھا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ رشتے ناتے اپنے جیسوں کے ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں۔ کبھی عظمیٰ بیگم ہمارے گھر آئیں، ہمارے گھر کھانا کھایا یا آپ کو اپنے گھر میں عزت دی؟ بس جو خون کا رشتہ ہے وہی نبھائیں مزید آگے رشتے بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" داور کی بات میں سچائی تھی مگر وہ سب بھی کیا کرتیں کہ ہر بہن کی طرح انہیں بھی اپنے اکلوتے بھائی کے لیے چاند سی بھابی چاہیے تھی اور ایسی معصوم اور سادہ مزاج لڑکی جو شادی کے بعد ان کے اور بھائی کے درمیان فاصلے کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرے۔

"کروڑوں میں کھیلنے والا میرا بھائی جس کی عقل کو ایک کم عمر اور خوب صورت بیوی نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے ورنہ تو وہ ہی ہم بہن بھائی ہیں اگر سنجوگ جڑ جائے تو ہمیشہ کے لیے بندھ جائیں گے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں، وہ میری کسی بچی کو لے نہیں سکتا مگر میں تو جھولی پھیلا سکتی ہوں ناں اس کے سامنے میں ضرور جاؤں گی اس کے پاس۔" صفیہ خاصے پختہ عزم سے بول رہی تھیں کہ وہ بھی تو بھتیجی کو بہو بنانے کی آرزومند تھیں کیا تھا کہ بھابی انہیں کبھی خاطر خواہ عزت نہیں دے پاتی تھی مگر ان کی منظور نظر تو انشال تھی جو ان کے خوبرو اور سعادت مند بیٹے کی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بکھیر سکتی تھی۔

"ہماری اماں مرحومہ گاجر کا حلوہ اکثر پکایا کرتی تھیں کہ وقار کو بہت پسند تھا۔ ہر ہفتے وہ سردیوں میں اماں سے حلوہ پکواتا تھا۔" بیٹھے بیٹھے ہی اچانک ایک پرانی یاد صفیہ کے ذہن میں چمکی تھی۔

"داور...... بیٹا میں حلوہ نکالتی ہوں تم جاکر ماموں کے ہاں دے آؤ۔ میرا بھائی خوش ہوجائے گا۔"

"کیا وقار ماموں کے ہاں میں جاؤں نیور......" ماں کی بات سن کر اس نے سختی سے انکار کردیا۔ "عظمیٰ بیگم کے گھر

میں جاؤں یہ ناممکن ہے۔" اس کی پیشانی کسی احساس سے گرم ہوئی تھی۔

"میرے بھائی...... وہ ہمارے ماموں کا گھر ہے امی کا رویہ جو بھی ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ ہمارے ماموں تو اچھے ہیں ناں محبت کرنے والے خیال کرنے والے نیک سجاؤ۔" فوزیہ دل سے وقار احمد کی تعریف کررہی تھی کہ انہوں نے رباب کی شادی کے لیے فریج' ایل ای ڈی اور دوسری کتنی ہی الیکٹرونکس کی چیزیں پہلے سے بھیج دی تھیں وہ سب دل سے وقار احمد کی دریادلی اور خداترسی کے معترف تھے اور ایسے فرشتہ صفت ماموں سے ہرگز قطع تعلقی نہیں کرنا چاہتے تھے چاہے ان کی بیوی کا رویہ کتنا ہی غیر مناسب کیوں نہ ہو۔

"یہ لو بیٹا...... بس کھڑے کھڑے ہی دے آؤ' میرا بھائی خوش ہوجائے گا کہ بہن نے اسے یاد کیا ہے۔" صفیہ نے پلاسٹک کے ڈبے میں حلوہ پیک کرکے اس کی طرف بڑھایا۔

"اُف امی...... کتنا مجبور کردیتی ہیں آپ بھی' اگر اتنا دل چاہ رہا تھا تو کال کرکے ماموں کو بلالیتیں یہیں آکے کھالیتے۔" وہ جھنجلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا' وہ جتنا اس راستے پر جانے سے گریز کرتا تھا صفیہ اتنا ہی اسے ساتھ لے جانے پر مصر ہوتیں' ماں کو انکار کرنا بھی وہ خلاف ادب سمجھتا تھا سو مانے بغیر چارہ نہ تھا۔

وقار احمد کے گھر کی ساری لائٹیں روشن تھیں' باہر کسی ذی روح کا وجود نہ تھا۔ وہ خفیف سا احساس میں گھرا اندر لاؤنج میں داخل ہوا۔ اندر انشال ٹی وی پر اپنا فیورٹ ڈرامہ مگن انداز میں دیکھ رہی تھی' اس پر نظر پڑی تو بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"داور بھائی...... آپ پلیز آئیں ناں بیٹھیں۔" وہ بے خودسی ہوکر دو قدم آگے بڑھی' جسے محسوس کرتے ہوئے داور نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا' اس لڑکی کے چہرے پر بے یقینی کے رنگوں میں خوشی کا رنگ واضح نظر آرہا تھا۔ جیسے اسے سامنے پاکر بے حد حیران اور بے حد خوش ہو' ساتھ صوفے پر بیٹھی عظمیٰ بیگم کی نگاہیں ناگواری سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جو یک ٹک سامنے کھڑے داور کو دیکھے جارہی تھی۔

"السلام علیکم! یہ حلوہ امی نے ماموں کے لیے بھجوایا ہے۔" بے حد سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے ڈبہ آگے بڑھایا جسے انشال نے تھام لیا۔

"ارے بیٹا...... خوامخواہ تکلف کیا' آپ کے ماموں میٹھا اتنا شوق سے نہیں کھاتے ویسے بھی آپا نے اپنے لیے ہی پکایا ہوگا۔ گھر کے کافی سارے افراد ہو اوپر سے پیٹرول کا خرچہ کرکے اتنا دور یہ ذرا سا حلوہ دینے آئے ہو' خوامخواہ اتنی زحمت کی۔" عظمیٰ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا' سراسر تضحیک آمیز مسکراہٹ۔

مارے توہین کے اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ یہ متکبر' خود پسند عورت آج بھی اتنی ہی بے رحم اور سنگدل تھی' جتنی آج سے پندرہ سال پہلے تھی۔

"جی بہت بہتر۔" اس نے ایک نظر انشال پر ڈالی جو چہرے پر ڈھیروں شکوے رقم کیے ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہی تھی پھر جھٹکے سے مڑ کر لمبے ڈگ بھرتے ہوئے لاؤنج کا دروازہ پار کرگیا تھا۔

"امی...... آپ نے ان کی انسلٹ کیوں کی؟" وہ رندھے ہوئے لہجے میں تقریباً چیختے ہوئے عظمیٰ بیگم سے پوچھا۔

"ارے میں نے کون سی انسلٹ کردی اس کی اور اس کو دیکھو جیسے وقار احمد نے کبھی حلوہ نہ کھایا ہو۔ اتنی دور سے تردد کیا۔" عظمیٰ خوامخواہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جو بھی تھا یہ ابو اور پھوپو کا آپس کا معاملہ ہے' وہ ابو کے لیے حلوہ دینے آئے تھے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان سے ایسے بی ہو کریں۔" آنسو پیتے ہوئے وہ دل گرفتی سے بول رہی تھی اسے ماں کے رویے نے حقیقتاً بہت دکھ پہنچایا تھا۔

"زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں' ایسے لوگوں کو اپنی حد میں رکھنا چاہیے۔ زیادہ سر پر چڑھانے کی ضرورت

”نہیں‘ آج حلوہ تو کل کو بریانی لے کر آجائیں گے صاحب زادے...... مجھے یہ آنا جانا پسند نہیں۔“ عظمیٰ قطعیت سے کہتی اٹھ گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ کھل کر رو دی تھی‘ داور کی آخری قہر برساتی نظر اس کے دل میں انی کی طرح چبھ گئی تھی۔ جیسے ماں کے اس نامناسب رویے کی وہ برابر کی ذمہ دار ہو۔

کتنا خوش ہوئی تھی وہ اسے یوں اچانک اپنے سامنے پاکر‘ یقین ہی نہ آرہا تھا کہ وہ اتنے قریب نہیں کھڑا بلکہ اس کی منزل اتنے قریب کھڑی ہے مگر کیا کیا جائے عظمیٰ بیگم کی رعونت زدہ فطرت کا جس کی وجہ سے وہ اسے اب ایکا ایکی کرنوں کی مسافت پر نظر آرہا تھا۔

”جب ابو کا بھانجا سمجھ کر امی اتنی تواضع کرتی ہیں تو بیٹی کیونکر اس کے ہاتھ میں سونپ سکتی ہیں۔ انشال ابھی بھی وقت ہے اپنے قدم روک لو۔ اپنے بے رنگ ادھورے خوابوں کو ایسا ہی رہنے دو۔“ ایک خیال نے بیٹھے بیٹھے اس کے دل کو مٹھی میں لے لیا تھا۔

رات کو ڈنر کرتے ہوئے وہ یہی حلوہ گرم کرکے لے آئی اور وقار احمد کے سامنے پلیٹ رکھ دی۔

”ارے یہ حلوہ کہاں سے آیا؟“

”یہ پھوپو نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔“ بھاری آواز سے کہتی وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی‘ عظمیٰ نے ایک خاموش تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

”آپا کے ہاتھ میں بالکل اماں جیسا مزہ ہے‘ ایسا لگ رہا ہے جیسے اماں نے یہ حلوہ پکایا ہو۔“ کھانے کے بعد حلوہ لطف لے کر کھاتے ہوئے وقار احمد‘ ہر چمچے کے بعد اپنی مرحومہ ماں کی کوئی نہ کوئی بات بتا رہے تھے جبکہ عظمیٰ بیگم کی سوچتی اور کھوجتی ہوئی نگاہیں انشال پر جمی ہوئی تھیں جس کا رویا رویا متورم چہرہ اور سرخ آنکھیں انہیں بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

”چاچی جان...... داور کہاں ہے؟ مجھے ذرا اس سے کام ہے۔“ رودابہ نے ان کے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ صفیہ اب عشاء کی نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں اس کی بات پر تسبیح روک دی۔

”بیٹا...... وہ اپنے کمرے میں ہے۔“ داور اپنے کمرے میں موجود نہ تھا‘ البتہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ کمرے کا گھوم کر جائزہ لیتے ہوئے رودابہ ایک خوش کن احساس میں گھر گئی تھی۔ اس نے اپنا سیل فون نکالا اور دیوار پر لگی داور کی ان لارج تصویر کو اپنے کیمرے میں محفوظ کرلیا پھر دھم سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

داور ہاتھ لے کر باہر نکلا تو رودابہ کو اپنے روم میں دیکھ کر ٹھٹکا۔ اس وقت وہ ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر میں ملبوس تھا اس کے کسرتی بدن سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے فوراً الماری کھول کر شرٹ نکالی اور پہن لی۔

”روداب‘ خیریت اس وقت یہاں؟“

”ہاں خیریت ہی ہے‘ میں ایک جاب کے لیے اپلائی کرنا چاہتی تھی پلیز تم میرے ڈاکومینٹس آن لائن بھیج دو۔“ رودابہ نے کاغذوں کا پلندہ اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

”اوکے فری ہوکے کردیتا ہوں۔“ اب آئینے میں وہ بال سنوار رہا تھا۔ رودابہ کتنی ہی دیر یونہی کھڑی اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہی‘ وہ خود بھی ہاف بازو والی ٹائٹ‘ ڈیزائنر شرٹ اور پینٹس میں ملبوس تھی۔

آئینے کے سامنے اس کا عکس بھی صاف نظر آرہا تھا‘ اس کی آنکھیں بال سیٹ کرتے داور پر جمی تھیں جنہیں محسوس کرتے ہوئے وہ حیرانی سے مڑا تھا۔

”روداب...... کوئی اور کام تو نہیں؟“

”نہیں بس ایسے ہی تم سے گپ شپ کا موڈ ہو رہا تھا چلی آئی۔“ روداب اب قدرے سنبھل کے بولی۔

”روداب...... رات ہوگئی ہے‘ تم گھر جاؤ۔“ وہ نرمی سے بولا‘ نظروں میں واضح طور پر ناصحانہ رنگ تھا۔

”داور...... میں آئی بھی اس لیے ہوں کہ رات ہوگئی ہے۔“ روداب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”مطلب؟“ اس کی چوڑی پیشانی پر ناگوار سے

سلوٹیں سمٹ آئی تھیں۔

''مطلب کہ حاسم کے لیے امی کا ارادہ سنبل کو لینے کا ہے مگر ساتھ میں وہ تمہیں بھی داماد بنانا چاہتی ہیں۔'' رودابہ نے اب کے کھل کے بات کی۔

''مطلب سنبل کی شادی کے ساتھ ساتھ میری بھی شادی؟'' اس نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''بالکل' ہم سب کی یہی خواہش ہے بلکہ میری تو خواہش سے بڑھ کر زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے کہ تم میرے لائف پارٹنر بنو۔'' رودابہ اب کے چہکتے ہوئے خاصی بے باکی سے بولی...... جس پر داور نے سخت ناپسندیدگی سے اسے گھورا۔

''لیکن میری خواہش بالکل نہیں ہے کہ تم میری لائف پارٹنر بنو۔''

''مگر کیوں داور......؟ کیا کمی ہے مجھ میں' تمہاری کزن ہوں' ساری زندگی اکٹھے کھیلے بڑھے۔'' رودابہ بے قراری سے بولی۔

''پلیز تم انکار مت کرنا' یہ میری زندگی کا سوال ہے۔'' اب کے وہ ملتجی ہوئی۔

''اور میری زندگی کا ہر فیصلہ میری ماں کریں گی اور بہتر ہوگا کہ تم اب جاؤ یہاں سے۔'' سخت لہجے میں کہتے ہوئے اس نے رودابہ کو دروازے کی سمت اشارہ کیا۔

''اوکے ٹھیک اگر چاچی مان جائیں تو پھر تو تمہیں کوئی انکار نہ ہوگا۔'' رودابہ خوشی سے سرشار کھلکھلاتے ہوئے چلی گئی۔

''ہونہہ......رات کو میرے کمرے میں آ کر مجھے پرپوز کررہی ہے اور خواہش مجھے ہم سفر بنانے کی جیسے میں تو ایسی بولڈ لڑکی سے شادی کرلوں گا۔'' بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے غصے سے خود کلامی کی۔

❁......❁......❁

آج رباب کی مہندی تھی' گھر میں گہما گہمی کا سماں تھا۔ سنبل کی خواہش تھی کہ انشال مہندی کی رات ان کے گھر قیام کرے مگر وہ عظمیٰ بیگم کے ڈر سے کچھ کہہ نہ پائی تھی۔ سنبل نے اس کی منتیں کرنے کی بجائے ڈائریکٹ وقار احمد کو کال ملائی تھی۔

''ماموں......رباب کی شادی پر انشال ہمارے گھر رہ سکتی ہے ناں؟ اصل میں' میں اکیلی ہوں مجھ سے اتنے سارے کام نہیں نمٹ رہے۔ اس لیے مجھے انشال کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔'' اور وقار احمد اتنے رحم دل اور نرم مزاج کہ بھانجی ان سے کسی کام کی استدعا کرے اور وہ انکار کردیں فوراً انشال کو پھوپو کے گھر جانے کا آرڈر دے دیا۔

''دیکھا بھائی...... ہمارے ماموں جب اتنے اچھے ہیں تو پھر ہم مامی کو کسی خاطر میں کیوں لائیں۔'' داور جو اس کی ساری کارروائی پر کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا' سنبل کو خوشی سے چہکتے ہوئے دیکھ کر جل کر بولا۔

''ہاں تو اپنی صاحب زادی کو بھیج کر کون سا احسان کررہے ہیں اور ہیلپ کی خوب رہی وہ نازوں پلی محترمہ کیا یہاں آ کر جھاڑو لگائے گی یا برتن دھوئے گی؟''

''کچھ بھی نہ کرے بس ہر وقت میرے ساتھ تو رہے گی یہ بھی کافی ہے مجھے۔'' سنبل بے نیازی سے جواب دیتی آگے بڑھ گئی۔

سنبل نے اس کے لیے اور اپنے لیے ایک جیسا گھیر دار انار کلی فراک اور پاجامہ ڈیزائن کروایا تھا صرف رنگ کا فرق تھا۔ وہ آف وائٹ گھیر دار فراک میں ملبوس تھی جس کے کناروں پر مختلف بنارسی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ زرد' سرخ' نیلی' پیلی' ساتھ پر پل رنگ کا بنی بنارسی کا تنگ چوڑی دار پاجامہ تھا۔ اسٹائلش سی چٹیا بنائے اس نے سائیڈ پر کر رکھی تھی' آنکھوں میں کاجل اور گلابی لپ گلوس اور بس ہاں ہاتھوں میں چوڑیاں اور گجرے ضرور تھے۔

خود پر اٹھتی ہر سراہتی نظر اسے بخوبی باور کرا رہی تھی کہ وہ آج بہت خاص اور بہت منفرد لگ رہی تھی۔ صفیہ نے بھی باقاعدہ بلائیں لے کر اسے اچھے نصیب کی دعا دی تھی مگر جس کی نظروں میں وہ اپنے لیے توصیف دیکھنا چاہتی تھی وہ تو نظر ہی نہ آ رہا تھا۔ اپنے لیے اس کی زبان سے کوئی تعریفی جملہ سننے کی تو وہ توقع بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اپنے بارے

میں وہ اس کے جذبات بخوبی جانتی تھی مگر کیا اس کے جذبوں میں اتنی بھی زور آوری نہیں کہ اس کی ایک ستائشی نظر ہی حاصل کرے۔ ایک خواہش دل میں لیے وہ برآمدے کے پلر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ داور کو سنبل سے ایک شرٹ پریس کروانا تھی وہ شرٹ ہاتھوں میں تھامے سیڑھیاں اترتا نیچے آرہا تھا کہ سامنے نظر پڑی تو وہیں جم سا گیا۔ اتنا کامل ملکوتی حسن وہ یک ٹک دیکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ وہ کسی مغلیہ شہزادی سے تشبیہ دینے کے لیے ذہن پر زور دے بیٹھا لمبی گھیر دار فراک بمشکل ایک بالشت ہی زمین سے اوپر تھی۔

اگر انشال جان لیتی کہ وہ اس وقت کسی کی پُرستائش نظروں کے حصار میں ہے تو خود پر ناز کیے بنا رہ نہ پاتی اگر اسے علم ہوتا کہ اس کے معصوم حسن نے کسی کے دل کو اپنے سراپے کے فسوں میں باندھ دیا ہے تو وہ سجدۂ شکر بجالاتی کیونکہ یہ بے خودی اور وارفتہ نگاہیں ہی تو اس کی زندگی کا حاصل ٹھہرتیں۔

"داور...... ہوٹل سے کھانا وقت پر پہنچ تو جائے گا ناں؟ دیکھو مہمان کافی تعداد میں ہیں کوئی چیز کم نہیں ہونی چاہیے۔" پیچھے سے سیڑھیاں اترتی ہوئی فوزیہ اس کے برابر آ کر بولی تھی۔ وہ خود بھی اس وقت ٹیل فراک میں ملبوس اپنی ساری گولڈ کی جیولری پہنے ہوئے تھی۔

"ہاں آپا...... سارے انتظامات مکمل ہیں آپ فکر نہ کریں۔" وہ چونک کر حواسوں میں پلٹتے ہوئے بولا۔

"یہ سنبل کہاں رہ گئی...... سنبل...... یہ ذرا میری شرٹ استری کردو۔" انشال کو سراسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ سنبل کو پکارتے ہوئے اندر چلا گیا تھا۔ انشال کے دل کو لمحہ بھر کو کچھ ہوا تھا اتنی بے عزتی اتنی بے اعتنائی اس کی آنکھیں گیلی ہوتی ہوتی رہ گئی تھیں۔

"سوری بھائی...... مجھے بہت کام ہیں آپ کسی اور کو دے دیں بلکہ ادھر دیں۔" سنبل نے شرٹ اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"انشال...... پلیز ذرا یہ شرٹ تو پریس کردو؟" سنبل نے اس سے ریکوئسٹ کی۔

"انشال سے کیوں کہہ رہی ہو؟ بھلا اس نے خود کبھی کپڑے پریس کیے ہوں گے اس کے سارے کام تو میڈز کرتی ہیں۔" داور کا لہجہ اتنا استہزائیہ نہیں تھا جتنا انشال کو محسوس ہوا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں میں اپنے کپڑے خود پریس کرلیتی ہوں اتنا مشکل کام نہیں ہے کہ ذرا ذرا سے کاموں کے لیے میڈ کی محتاج رہوں۔" خفگی بھرے انداز میں بولتے ہوئے اس نے سنبل سے شرٹ لے لی۔

"سمجھتے کیا ہیں خود کو کوئی طرم خان...... اس دن امی کی بات کا بدلہ لے رہے ہیں۔" شرٹ پر استری پھیرتے ہوئے وہ سلگ رہی تھی۔

"کوئی اتنا روڈ اور بے حس ہوتا ہے جتنا یہ بندہ خود کو ظاہر کرتا ہے۔ کالج میں فرینڈز مجھے سائرہ بانو کہتی ہیں اور یہ ایک نظر ڈالنا جیسے اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ ہونہہ صرف شکل ہی تو اچھی ہے۔" اس کے دل سے دھواں سا اٹھا تھا مگر نہیں یہ دھواں اس کے دل سے ہی نہیں بلکہ داور کی شرٹ سے بھی اٹھ رہا تھا۔ استری کا بٹن بالکل آخری اسٹیپ پر تھا جسے وہ لو اسٹیپ پر لانا بھول گئی تھی۔

"ہوگئی میری شرٹ استری؟" وہ اپنی شرٹ لینے آ پہنچا مگر سامنے کی صورت حال دیکھ کر وہ بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"مجھے پتا نہیں چلا کہ استری بہت گرم ہوگئی تھی ویری سوری۔" بے حد شرمندہ تاثرات کے ساتھ اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ کام وہ کرنا چاہیے جس کو کرنا آپ کی روٹین میں شامل ہو۔" وہ اس کے ہاتھ سے جلی ہوئی شرٹ لیتے ہوئے متحمل انداز میں بولا۔ رباب کی سسرال والے مہندی لے کر آچکے تھے ان کے آتے ہی ان کی خاطر تواضع کا اہتمام کیا گیا تھا داور بھی براؤن شلوار قمیص پہن کر باہر ان کے استقبال کو نکل آیا تھا۔ شلوار قمیص اور چپل میں بھی وہ بے حد شاندار اور نمایاں لگ رہا تھا۔

رودابہ بھی مہمانوں کی آمد کے وقت ہی پہنچی تھی۔ وہ کامدار لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی' بہترین میک اپ و جیولری کے ساتھ وہ کافی خوب صورت اور کانفیڈنٹ لگ رہی تھی۔

"ہائے داور...... کیسے ہو...... میں کیسی لگ رہی ہوں؟" قریب آ کر چہکی تھی۔ مقصد داور کی نظروں میں خود کو لانا تھا۔

"فائن! ہاں اگر کوئی بے تکی بات نہ کرو تو کافی اچھی لگ رہی ہو۔" عام سے انداز میں کہتے ہوئے وہ ایک بزرگ رشتہ دار کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"آنٹی...... آپ سنائیں' طبیعت کیسی ہے اب؟" ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ خوش مزاجی سے احوال دریافت کررہا تھا' رودابہ کا دل جل بھن کر رہ گیا۔

انشال نے دور سے اسے اور رودابہ کو بات کرتے دیکھ لیا تھا اور اب خاتون سے گپیں لگاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"یہ بندہ' ہر کسی سے ہنس کر بات کرسکتا ہے سوائے میرے۔" رودابہ اور انشال دونوں کے جلے ہوئے دل نے سوچا تھا۔

❀......❀......❀

"کیا بات ہے وقار! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" رات کو معمول کے مطابق چہرے پر کلینزنگ کرنے کے بعد عظمیٰ بیڈ پر آئیں تو وقار احمد کو گہری سوچ میں گم دیکھ کر پوچھ بیٹھیں۔

"ہاں' نہیں...... میری طبیعت کو کیا ہونا ہے۔" تھکے تھکے سے انداز میں بولتے ہوئے وقار احمد سیدھے لیٹ گئے اور نظریں چھت پر جمادی تھیں۔

"میں دیکھ رہی ہوں آپ کافی دنوں سے پریشان لگ رہے ہیں مجھے۔ آج کھانا بھی برائے نام کھایا آپ نے۔" عظمیٰ بغور ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں جس پر تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا۔

"ایسے ہی بزنس کے کچھ مسائل ہیں' فیکٹری خسارے میں جارہی ہے۔ میں بینک سے لون لینے کا سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ' یہ نوبت یہاں تک کیسے آپہنچی۔" عظمیٰ مارے پریشانی کے اٹھ بیٹھیں' خسارے کا سن کر تو ان کا دل ہی ڈوب گیا تھا۔ "اب کیا ہوگا' بزنس تو ڈاؤن نہیں جارہا؟"

"پریشان نہ ہو' ایک اچھا بزنس پارٹنر مل گیا ہے جو کیپٹل (سرمایہ) انویسٹ کرنے پر تیار ہوگیا ہے۔" وقار نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا تو عظمیٰ کے دل کو قدرے سہارا ملا۔

"عظمیٰ...... انشال اب گریجویشن سے فارغ ہونے والی ہے' اس کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ہاں اب یہ فرض تو ادا کرنا ہے' احمد بھائی اپنے بیٹے فائق کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ماشاء اللہ میرا بھتیجا فائق کافی قابل اور محنتی لڑکا ہے' ایم بی اے کرچکا ہے۔ بینک میں اچھی پوسٹ پر کام کررہا ہے۔" عظمیٰ کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

"آپا بھی داور کے لیے کہہ رہی تھیں' داور ماشاء اللہ بہت شریف اور ملنسار نوجوان ہے' ہماری انشال کو خوش رکھے گا۔" عظمیٰ تو جیسے شوہر کی بات پر بھڑک اٹھیں۔

"امپاسبل...... میں اپنی اکلوتی بیٹی کسی صورت آپ کی بہن کے ہاں نہیں دوں گی' اس سات مرلے کے گھر میں ہے کیا سوائے مسائل اور غربت کے اور کیا فیوچر ہے داور کا۔ ایک معمولی سی جاب اور بس' اکلوتی بیٹی کو جہنم میں نہیں جھونکنا' آپ کی بہن نے کیسی زندگی گزاری ہے' بھول گئے آپ؟"

"خیر اتنا مبالغہ بھی تم نہ کرو اب۔" وہ دھیمی آواز میں بولے۔

"اب آپا کے حالات کافی بدل چکے ہیں' بھائی صاحب کی وفات کے بعد کافی مشکل وقت دیکھا تھا' بچے اس وقت چھوٹے تھے مگر اب تو بیٹیوں کا فرض بھی پورا کرچکی ہیں اور داور کو گھر بار والا کرنا ہے۔ مجھے لگتا ہے انشال بھی آپا کے ہاں خوش رہے گی۔" وہ کافی پُریقین انداز میں کہہ رہے تھے۔

"انشال کا تو نام نہ لیں' نادان بچی ہے اسے کیا پتا کہ بہترین معیار زندگی کیسا ہوتا ہے' رشتوں سے محبت معاشی تنگی کی آگ پر بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے۔ میں اپنے بھتیجے کو ہی داماد بناؤں گی' آپ ذہن میں بٹھالیں۔" حتمی انداز میں کہتے ہوئے عظمیٰ بیگم کروٹ بدل گئیں۔

"ہونہہ...... بھتیجی سے محبت کی اصل وجہ جیسے میں جانتی نہیں' سارا ہماری پراپرٹی پر قبضہ کرنے کا خواب ہے صفیہ آپا کا۔ اپنی غربت کو ٹالنے کا اچھا منصوبہ بنایا ہے دونوں ماں بیٹے نے' میرے جیتے جی ایسا ممکن نہیں۔" دل ہی دل میں وہ تنفر سے سوچ جارہی تھیں کہ اپنے خیالات کو لفظوں کی زبان دینے پر انہیں وقار بری طرح جھڑک بھی سکتے تھے۔

❀......❀......❀

"چاچا جی...... گاڑی کو ذرا مارکیٹ کی طرف موڑ دیں' مجھے کچھ خریدنا ہے۔" اس دن کالج سے نکلتے ہوئے اس نے بے اختیار ڈرائیور کو بازار چلنے کا کہا۔

"جی بیٹا......" سیف اللہ نے مؤدب ہو کر کہتے ہوئے گاڑی کا رخ بازار کی طرف کردیا۔

مہنگے شاپنگ مال میں وہ سیدھا جینٹس والے حصے میں آ گئی تھی۔ دو تین بہترین اور قیمتی شرٹس کے ساتھ اس نے ایک عدد مردانہ پرفیوم بھی لیا تھا۔

"پتا نہیں وہ مجھ سے یہ چیزیں لیتا بھی ہے کہ نہیں۔ کہیں ناراض نہ ہوجائے مگر میں اسے یہ دوں گی کیسے؟" کتنے ہی دنوں تک وہ الجھن میں گھری رہی تھی پھر اتفاق سے صفیہ پھوپو کے گھر جانے کا موقع مل گیا تھا۔

صفیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی' ڈاکٹر نے ہائی بلڈ پریشر بتایا تھا' وقار احمد روز ہی بہن کی طبیعت پوچھنے کا پروگرام بناتے مگر کاروباری مسائل نمٹاتے نمٹاتے کئی دن نکل گئے تھے۔ اس دن ذرا جلدی آفس سے آئے تو عظمیٰ کو آپا کے گھر چلنے کا کہا۔

"سوری...... میں نہیں جاسکتی ویسے بھی ہائی بلڈ پریشر کوئی ایسا پرابلم نہیں جس پر مزاج پرسی کی جائے' آج ہر بندہ اس کا شکار ہے۔" وہ نخوت سے بولیں۔ وقار احمد نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے انشال کو ساتھ چلنے کا کہا تو وہ بخوشی تیار ہوگئی۔ صفیہ تو انہیں اپنے گھر پا کر بے حد نہال ہوئیں۔

"اگر میرا بھائی میری طبیعت پوچھنے میرے گھر آیا ہے تو میں ہر مہینے ایسے بیمار پڑ جاؤں۔" وہ وقار احمد کے ماتھے کو محبت سے چومتے ہوئے بولیں۔

"آپا...... کیوں شرمندہ کرتی ہیں' میری تو دعا ہے کہ آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رہے۔" وقار احمد خوشگواریت سے بولتے ہوئے ان کی قریب ہی کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ سنبل ان کے لیے چائے لانے کچن میں چلی گئی تھی۔

"میں ذرا سنبل سے مل لوں۔" وہ وقار احمد سے کہتی باہر نکل آئی مگر کچن میں جانے کی بجائے وہ چند منٹوں میں داور کے کمرے میں موجود تھی۔

"خیریت اس وقت؟" وہ سنجیدگی سے اس کی اپنے کمرے میں موجودگی کی وجہ دریافت کررہا تھا۔

"جی پھوپو سے ملنے آئے تھے تو سوچا یہ گفٹ آپ کو دے دوں۔" ذرا سا مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں پیک شدہ گفٹ اس کی طرف بڑھایا مگر ہاتھ بڑھا کر لینے کی بجائے اس نے چبھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں...... اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"بس ایسے ہی اس دن آپ کی شرٹ مجھ سے جل گئی تھی ناں تو......"

"تو تم نے سوچا کہ اس کے بدلے کوئی شرٹ دے آؤں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بے حد ترش انداز میں بولا۔

"نہیں میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ ششدر سی اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں تم نے کیسے سوچ لیا کہ میرے پاس بس وہی ایک شرٹ تھی اگر وہ جل گئی تو میرے پاس پہننے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لیے شرٹ لے کر آ گئیں؟" وہ بے حد کٹیلے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔" وہ بھیگے ہوئے لہجے میں اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"تمہارا جو بھی مطلب تھا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، لے جاؤ اپنے گفٹ اور آئندہ ایسی کوئی زحمت نہ کرنا۔" کٹھور پن سے کہتے ہوئے وہ اپنا موبائل چارجنگ پر لگانے لگا تھا۔

"نہیں میں اسے واپس نہیں لے جاؤں گی، بے شک آپ اسے ڈسٹ بن میں پھینک دیں۔" وہ اچانک سے ضدی انداز میں بولی، نجانے کہاں سے اس کے اندر یہ کہنے کا حوصلہ آ گیا تھا۔

وہ اس کی بات سن کر حیرانی سے مڑا تھا، سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر رقم ناقابل فہم تاثرات اسے ٹھٹکا گئے تھے۔

"مجھے معلوم ہے آپ کے پاس شرٹس کی کمی نہیں ہے آپ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اگر کمی ہے تو صرف ایک حساس اور نرم دل کی جو کسی کی محبت، خلوص بھری چاہت کو سمجھنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہے جسے کسی کے جذبوں کا پاس رکھنا نہیں آتا۔" آنکھوں میں آنسو بھرے وہ بے خوفی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں خود کو، کوئی توپ چیز؟ ماں بہنوں کی طرف سے ملنے والی غیر معمولی محبت اور اہمیت نے آپ کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے نجانے کس گھمنڈ میں آ کر آپ میرے جذبوں کی تذلیل کر جاتے ہیں۔ اپنے دل پر کدورت اور بے گانگی کی ایسی چادر رکھی ہے کہ کسی کے نرم گرم جذبوں کی حدت تک نہیں پہنچ پاتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ داور حیات! آپ میرے گفٹ تو کیا میری محبت کے بھی قابل نہیں ہیں جو میں شعور سنبھالتے ہی آپ سے نوعمری میں کر بیٹھی تھی۔" بے تحاشا بہتے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ کھٹاک سے باہر نکل گئی تھی اور داور کتنی ہی دیر ساکت کھڑا ہلتے پردے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

حسان زبیری پینتالیس کے پیٹے میں بے حد چاق و چوبند اور اسمارٹ سے انسان تھے جن کا لیدر کا ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس گلف میں اچھی طرح جما ہوا تھا ایک بے حد خوب صورت اور طرح دار بیوی کے ساتھ دو بیٹوں اور ایک بیٹی پر مشتمل اس کی فیملی مستقل طور پر ہی دبئی میں مقیم تھی۔ نئی مارکیٹس دیکھنے کی خاطر اس کا پاکستان چکر لگا جس میں اس کی ملاقات وقار احمد سے ہوئی۔ وقار احمد جو حکومتی معاشی پالیسیوں کی بدولت دن بدن اپنے بزنس کو خسارے میں جاتا دیکھ کر سر پکڑے بیٹھے تھے۔ حسان زبیری نے انہیں ففٹی پرسنٹ کی بنیاد پر پارٹنر شپ کی آفر کردی جو وقار احمد نے کافی غور و خوض کے بعد قبول کرلی کیونکہ حسان زبیری کے پاس سرمایہ تھا تو وقار احمد کے پاس اچھے ورکرز اور بہترین اسٹاف کی کمی نہ تھی۔ حسان زبیری کے سرمائے سے بیرون ملک نئی مشینیں برآمد کروائی گئیں۔ کاروباری حیثیت کم ہی عرصے میں بحال تو ہوگئی تھی مگر وہ کاروبار جس کے وقار احمد تن تنہا مالک تھے اب حسان زبیری بھی اس کا حصے دار بن چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

"احمد بھائی اور شیما بھابی کا اسی ویک منگنی کا فنکشن ارینج کرنے کا ارادہ ہے، تم پارلر کا چکر لگا لو۔" عظمیٰ اس کے قریب بیٹھ کر نرمی سے بولیں۔

"میں فائق سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" کشن گود میں بھینچے وہ سپاٹ انداز سے بولی۔

"اچھا فائق سے نہیں کرنا چاہتیں تو پھر کس سے کرنا چاہتی ہو اس داور سے؟" عظمیٰ طنز سے پوچھتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔ ماں کی بات پر اس کا حلق گیلا ہوا تھا۔

"انشال...... شادی تمہاری فائق سے ہی ہوگی، داور کا خیال تم دل سے نکال دو۔ اس لڑکے نے تمہیں اپنی باتوں میں پھانس لیا ہوگا اسی ڈر سے میں تمہیں آپا کی طرف زیادہ نہیں جانے دیتی تھی۔ ان مڈل کلاس لوگوں کو آتا ہی کیا ہے سوائے چکنی چپڑی باتوں کے۔ سوچا ہوگا اکلوتی امیر ماں باپ کی بیٹی ہے جن کی ساری دولت اس کی ہے ان کے تو دن پھر جائیں گے بیٹھے بٹھائے۔"

"امی پلیز۔" وہ احتجاجی آواز میں بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہی ہیں' پلیز کسی کو اتنا انڈر اسٹمیٹ نہیں کرتے۔ ہر کسی کو ایک ہی عینک سے نہیں دیکھا کرتے' جتنا کم حیثیت کا آپ انہیں سمجھ رہی ہیں' اتنے نہیں ہیں وہ اچھے خاصے خوش حال ہیں۔ ہاں بس ہماری طرح بڑا سا گھر اور پورچ میں تین تین گاڑیاں نہیں کھڑی ہوتیں' آپ نے رشتہ نہیں کرنا' نہ کریں مگر پلیز پھوپو کا ذکر ایسے انسلٹنگ انداز میں تو مت کریں۔" آنسو پیتے ہوئے وہ تختی سے بولی...... پھر کشن پھینک کر وہاں سے چلی گئی' عظمیٰ تو اس کے تیور دیکھ کر دم بخود بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

"اس داور نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے اس لڑکے کے تو میں ہوش اچھی طرح ٹھکانے لگاؤں گی۔" دانت پیستے ہوئے وہ بولیں۔

❀......❀......❀

وقار احمد کو آفس میں بیٹھے بیٹھے بائیں طرف شدید درد محسوس ہوا تھا۔ وہ بے اختیار کراہ کر بائیں سائیڈ پر جھک گئے تھے۔ نثار احمد ان کا سیکرٹری جو ان سے فائلز پر سائن کروا رہا تھا ان کے چہرے کی زرد رنگت دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

"سر! آر یو اوکے؟" ان پر جھکا ان کو سنبھالنے کی کوشش کرتا نثار بے ساختہ گھبرا اٹھا تھا' فوراً گاڑی منگوائی اور ہسپتال کا رخ کیا۔ وقار احمد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

عظمیٰ کو خبر ملی تو وہ روتی چلاتی ہسپتال پہنچ گئی تھیں' انشال بھی اپنی جگہ گم صم ہوگئی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب! ان کو ہارٹ پرابلم کب سے ہے؟" عظمیٰ بے حد پریشانی سے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے' مکمل چیک اپ کے اور رپورٹس آنے کے بعد ہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔" ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز میں کہا' داور بھی بائیک پر صفیہ کو ہسپتال لے آیا تھا۔ وہیں اسے انشال نظر آئی تھی' کاریڈور میں بنچ پر تنہا بیٹھی بے حد ستے ہوئے چہرے اور الجھے بالوں کے ساتھ۔ گرم شال ایک طرف سے کندھے پر پڑی ہوئی تھی۔ شال کا زیادہ حصہ نیچے زمین پر آرہا تھا۔ صفیہ سے بے حد غیر جذباتی انداز میں ملی' اس کی آنکھوں میں بے حد اجنبیت اور سرد مہری تھی۔

❀......❀......❀

"آج رضوانہ بھابی آئی تھیں' جاسم کا سنبل کے لیے رشتہ لے کر۔" صفیہ نے گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔ پراٹھا وہ پہلے ہی اس کے سامنے پلیٹ میں رکھ چکی تھیں۔

"تو پھر آپ نے کیا سوچا؟ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں' جاسم اپنے چچا کا بیٹا ہے دیکھا بھالا ہے' ہماری سنبل خوش رہے گی اس کے ساتھ۔" کپ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"مگر ساتھ میں وہ تمہارا اور روادبہ کا رشتہ بھی چاہتی ہیں۔"

"نہیں امی...... میں روادبہ سے شادی نہیں کرسکتا۔" کپ لبوں سے لگاتے ہوئے وہ قطعیت سے بولا۔ ایک عجیب سی تختی اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی تھی' بڑھی ہوئی شیو اور مضمحل انداز سے وہ بے دلی سے ناشتا کر رہا تھا۔

"بیٹا...... مجھے تو دونوں طرف سے رشتہ ٹھیک لگتا ہے' روادبہ گھر کی بچی ہے۔ دیکھی بھالی ہے گھر میں رچ بس جائے گی' سنبل بھی ٹھیک رہے گی۔ میرا دل تو انشال کے لیے تھا مگر کیا کریں' اس کا نصیب ہی کوئی اور تھا۔" صفیہ نے ایک سانس بھری۔ اس کے تصور میں دو روتی ہوئی آنکھیں ابھر آئی تھیں۔

"چھوڑیں اس ٹاپک کو' میرا شادی کا فی الحال کوئی موڈ نہیں۔ سنبل کی بات بن جائے تو ٹھیک ورنہ یہ روادبہ والا چکر رہنے ہی دیں۔" چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

❀......❀......❀

عظمیٰ بے یقین سے وقار احمد کی رپورٹس کو پڑھ رہی تھیں جن کے مطابق وقار احمد کے دل کے تین والوز بند ہوچکے تھے جس کے لیے بائی پاس کی سخت ضرورت تھی۔

"وقار...... یہ کیا ہوگیا آپ کو؟" عظمیٰ پھپک پھپک کر رو پڑی تھیں۔

"ارے کچھ نہیں ہوا' ٹھیک ہوجاؤں گا۔ تم پریشان نہ ہو۔" وہ پھیکے پن سے مسکراتے ہوئے انہیں دلاسہ دینے لگے۔

"آپ کو کچھ ہوا تو میں مرجاؤں گی بخدا!" وہ ابھی تک سسک رہی تھیں' بے شک انہوں نے ہمیشہ وقار سے اپنی منوائی تھی ان کی جیب اور دل پر پورا ان کا تصرف تھا۔ وہ وقار کی دلدار بیوی تھیں جن کی محبت کا انہوں نے محبت بھرا جواب دیا تھا۔ اب ایسے محبوب رفیق کو ایسی کمزور اور نحیف حالت میں دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"عظمیٰ میں چاہتا ہوں انشال اپنے گھر کی ہوجائے۔" اپنا کمزور ہاتھ دھیرے سے عظمیٰ کے ہاتھ پر پھیرتے ہوئے انہوں نے خواہش ظاہر کی۔

"جی...... میں احمد بھائی سے بات کرتی ہوں۔" عظمیٰ نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

❁......❁......❁

آج وہ کتنے دنوں بعد لان میں آئی تھی ورنہ تو کب سے وہ وقار احمد کے بازو سے لگ کر بیٹھی تھی۔ وقار احمد بائی پاس کروا چکے تھے اور اب ڈاکٹرز کی ہدایت کے مطابق مکمل طور پر گھر پر ریسٹ کر رہے تھے۔ انشال ان کی پٹی سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی' خود اپنے ہاتھوں سے انہیں دوا اور جوس پلاتی۔ ڈھیر ساری باتیں کرتی اور نماز میں اپنے شفیق باپ کی صحت یابی کی خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتی۔ گھر میں روز کوئی نہ کوئی عزیز یا دوست عیادت کو آجاتا تھا جن کی خاطر تواضع وہ بہت اہتمام سے کرتی تھی۔ رباب اور فوزیہ بھی اپنے شوہروں کے ساتھ آکر ماموں کی طبیعت پوچھ گئی تھیں۔

وقار احمد میڈیسنز لے کر سو رہے تھے تو وہ باتھ لینے چلی گئی۔ کئی دنوں کے الجھے بکھرے بال سنوارے اور یونہی انہیں خشک ہونے کے لیے کھلا چھوڑ کر لان میں آگئی جہاں عبدالرحیم دادا اپنے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ وہ وہیں رکھی

چیئرز میں سے ایک چیئر پر بیٹھ گئی اوائل فروری کی دھوپ میں اتنی حدت نہ تھی۔ اسی پل گارڈ نے گیٹ کھول کر ایک چمکتی سیاہ کار کو اندر آنے دیا تھا جس میں سے کوٹ جھٹکتا حسان زبیری نکلا تھا۔ جس نے سیاہ گلاسز آنکھوں سے اتار کر وقار احمد کے گھر کا طائرانہ جائزہ لیا تھا۔ اسی جائزے میں اس کی نظر لان میں بیٹھی لڑکی پر پڑی جو اس کی آمد سے بے خبر دھیمے سے مسکراتے ہوئے مصروف مالی سے باتیں کر رہی تھی۔

''کون ہوسکتی ہے یہ وقار احمد کی بیٹی؟'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے حسان زبیری بڑبڑایا تھا۔ اس کا دل یہیں کھڑے کھڑے ہی ڈول گیا تھا بلاشبہ یہ لڑکی بے حد خوب صورت اور دلکش تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے پہلی بار کوئی حسین چہرہ دیکھا تھا خود اس کی بیوی خاصی خوب صورت تھی لاتعداد لڑکیاں اس کے اردگرد موجود رہتی تھیں۔ کچھ دوستی اور کچھ دوستی سے آگے کے دائرے میں مگر اس لڑکی کی معصومیت اور کم عمری نے اس کے پیروں کو باندھ دیا تھا۔ دراز ریشمی زلفوں کی اوٹ سے نظر آتا چہرہ کسی ریشمی نفیس پردے کی اوٹ سے نکلے چاند کی مانند لگ رہا تھا۔

ایک گھاگ شکاری کی طرح وہ دھیمے سے مسکرایا اور اندر چل دیا۔ وقار احمد اب جاگ چکے تھے وہ حسان زبیری کو اپنے گھر میں پا کر بے حد ممنون تھے۔

''ارے وقار صاحب...... آپ کی عیادت کرنا تو میرا اخلاقی فرض ہے بلکہ مجھ پر تو واجب ہے کہ روز آ کر آپ کا حال پوچھوں، کاروبار کی رپورٹ پیش کروں مگر کیا کروں یہ کاروبار کی مصروفیت کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔'' حسان زبیری خوش اخلاق انداز سے بول رہا۔

''یہ تو بڑائی ہے آپ کی آپ اکیلے ہی سب بار اٹھائے ہیں، میں کب سے بیڈ پر پڑا ہوں۔ کام، کاروبار کی کچھ خبر نہیں۔'' وقار کا لہجہ چاہتے ہوئے بھی شرمندہ ہو گیا تھا۔

''ارے کیسی باتیں کرتے ہیں، آپ کی صحت سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں ہے، میں ہوں ناں۔ سب سنبھالے ہوئے ہوں آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ ہاں اگر آپ کو تسلی نہیں ہوتی تو اپنے کسی بیٹے یا قریبی عزیز کو آفس بھیج دیا کریں، میں اسے آپ کا کام سمجھا دوں گا۔'' کان کی لو مسلتے ہوئے حسان انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

''جی نہیں، میری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے بس ایک بیٹی ہے۔''

''تو اسے آفس ورک سے انٹرسٹ ہے تو میں اسے گائیڈ کر دوں گا۔ وہ آپ کی سیٹ سنبھال لے گی۔'' مطلب کی بات اس نے سلیقے سے شروع کی۔

''ارے کہاں حسان صاحب!'' وقار ذرا ہنس کر بولے۔

''میری بیٹی انیسویں سال میں ہے، شی از ٹو ینگ اسے ان کاروباری اسرار و رموز کا کچھ علم نہیں۔ ابھی گریجویشن مکمل ہوا ہے، ویری انوسینٹ۔'' وقار کے لہجے میں بیٹی کے لیے پیار تھا۔ حسان زبیری نے دل ہی دل میں معصومیت والی بات کی تائید کی تھی۔

''اوکے، میں چلتا ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر اپنا علاج کرائیں۔'' اس کی نظر سامنے ان لارجڈ تصویر پر جمی تھی جس میں انشال انتہائی لاڈ سے وقار احمد کے پیچھے بازو حمائل کیے ان کے کندھے پر چہرہ ٹکائے مسکرا رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

''انشو میری جان! واثق تمہیں آؤٹنگ پر لے جانا چاہتا ہے۔ تم تیار ہو جاؤ، اس کے ساتھ جاؤ گھومو پھرو، مزے کرو۔ یہی پیریڈ انجوائے کرنے کا ہوتا ہے۔ تمہارے ابو اب ٹھیک ہو رہے ہیں، تم ان کی فکر نہ کرو، بس واثق کو ٹھیک سے ٹائم دیا کرو۔ وہ اکثر شکایت کرتا ہے کہ تم اس سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتیں۔ اس کی کال ریسیو نہیں کرتیں، باہر نہیں جاتیں میری جان...... ہر رشتہ توجہ اور اہمیت کا متقاضی ہوتا ہے۔'' عظمیٰ بڑے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''امی...... واثق کو خود ہی میری کمپنی بور کرتی ہے، اسے میری خاموشی سے الجھن ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت میرا موازنہ خاندان کی دوسری لڑکیوں سے کرتا رہتا ہے تو ایسے

میں اسے کیسے مطمئن کردوں؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی' عظمیٰ جانتی تھیں کہ واثق بے حد زندہ دل' چلبلا اور رومانٹک مزاج ہے اور ان کی بیٹی سنجیدہ کم گو اور ریزروڈ رہتی ہے۔ ایسے میں جبکہ وقار بیمار ہوئے تھے وہ تو اور بھی گم صم ہوگئی تھی تو یقینی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے شکایات ہوئی تھیں۔

"تو بیٹا...... اسے شکایت کا موقع ہی نہ دو' اٹھو اب اچھے سے تیار ہوجاؤ۔ واثق بس آنے ہی والا ہوگا۔" اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کرکے عظمیٰ نے خود ہی ایک اسٹائلش سا سوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"چلو فٹافٹ تیار ہوجاؤ' ایک دم فریش لک ہونی چاہیے۔ تمہارے ابو تمہاری اداس صورت دیکھ کر مزید پریشان ہوجاتے ہیں ان کا خیال کیا کرو۔" عظمیٰ نے اب کے جذباتی حربہ آزمایا تھا جو کارگر رہا۔

نیلے شیفون کے ہلکے کام والے سوٹ سے اس کے دودھیا بازو جھلک رہے تھے۔ سیدھی سی چٹیا بنا کر اس نے گلوس لبوں پر پھیرا تھا۔ واثق کی گاڑی کا ہارن سن کر پرس اٹھاتی باہر آگئی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" واثق نے ہمیشہ کی طرح اس کی تعریف کی تھی حالانکہ اس نے کوئی خاص تردد نہ کیا تھا۔ وہ جواب میں خاموش رہی تھی۔ گاڑی میں دھیمے سروں میں "بروکن اینجلز" بج رہا تھا' واثق خود ہی زیادہ باتیں کررہا تھا جن کے وہ کبھی جواب دیتی تو کبھی خاموش ہوجاتی۔ وہ اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا جہاں سرسبز لان میں ایک طرف ٹیبل کو اس نے منتخب کیا تھا۔

"پتا ہے پھوپو نے ابو سے ہماری شادی کی بات کی ہے' پتا نہیں کب وہ وقت آئے گا جب تم دلہن بن کر میرے بیڈ روم میں......"

"آپ کے گھر کی رینوویشن ہوگی تب ناں۔" واثق کی بولڈ سی بات پر بے ساختہ اس کو ٹوک گئی تھی۔

"یہ لڑکی بھی ناں' مجال ہے جو ذرا سا رومینس میں بہنے دے۔" واثق بدمزہ سا ہوکر آرڈر دینے لگا تھا' وہ انگلیاں چٹخاتی خوامخواہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی پھر ایک دم سے نظر ایک جگہ ٹھہر گئی تھی۔ سامنے داور اپنے کسی دوست کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا' دوست کی بات پر ہنستے ہوئے اس نے سامنے دیکھا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے' وہ یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی۔ اس بے درد کو دیکھتے ہی کئی درد پھر سے جاگ اٹھے تھے۔

"شادی کے بعد ہنی مون کے لیے تم نے کون سی جگہ سلیکٹ کی ہے؟ مجھے تو ماریشس ہی بیسٹ لگتا ہے۔" واثق اس سے پوچھ رہا تھا وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی' پھر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اِدھر داور نے بے ساختہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"کیا ہوا یار...... کھاؤ ناں' رک کیوں گئے؟" ضیاء حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں بس' تم کھاؤ پھر چلتے ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظریں نیلے رنگ کے آس پاس اس منظر میں بھٹکنے لگی تھیں۔

⁂......⁂......⁂

"حسان صاحب...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وقار احمد کی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی تھی۔

"جی وقار صاحب...... میں آپ سے بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں' ہمارا بزنس مسلسل خسارے میں جارہا ہے۔ بیرون ملک تو دور کی بات' اپنے ہی ملک میں ہماری پروڈکٹس کی سرکولیشن رک گئی ہے۔ سرمائے اور آمدنی کو بیلنس رکھنے کی خاطر میں نے دبئی کے بینک سے لاکھوں ڈالرز کا لون لیا ہے' جس کو ففٹی پرسنٹ آپ نے چکانا ہے۔" حسان زبیری بے حد سکون سے ان کے حواسوں پر بم گراتا جارہا تھا۔

"اور وہ جو آپ مجھے "سب اچھا ہے" کی رپورٹ دیتے رہے' مطمئن رہیں ہمارا بزنس ٹاپ پر جارہا ہے' مطمئن رہیں' ہماری ساکھ بہتر ہورہی ہے تو وہ سب کیا تھا۔" وقار احمد نے تلخ لہجے میں پوچھا تو حسان زبیری مسکرا اٹھا۔

"وہ سب تو آپ کی صحت کے پیش نظر کہا تھا میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نے۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا ناں کہ کسی بھی قسم کا کوئی دھچکا' بُری خبر آپ کی ہارٹ بیٹ کو ڈس آڈر (بے ترتیب) کرسکتی ہے۔ ڈاکٹروں نے تو آپ کے لیے ٹی وی دیکھنا بھی مضر صحت قرار دیا تھا۔ بریکنگ نیوز کی دہشت انگیز ڈھائیں ڈھائیں بھی آپ کی ری کوری پر اثر انداز ہوسکتی تھی۔ اب بتائیں ایسے کمزور دل والے انسان سے میں اپنے بزنس کا ڈاؤن فال کیسے ڈسکس کرتا؟" حسان معصومیت سے بولتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

وقار احمد پورے دو ماہ گھر پر ریسٹ کرچکے تھے' بہترین علاج' خوراک اور توجہ کی بدولت آفس آنے کے قابل ہوئے تو آتے ہی حسان زبیری نے یہ ہوش ربا خبر سنادی۔

"آپ میرے ہارٹ اٹیک کے ڈر سے یہ خبر چھپاتے رہے تو اب کون سا یہ سن کر میں پُرسکون ہوا ہوں۔" دل گرفتی سے بولتے ہوئے وقار احمد نے راکنگ چیئر کی بیک پر سر گرالیا تھا۔

❁.......❁.......❁

"وقار...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟ یہ سب کیسے ہوگیا؟" عظمیٰ کے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکل رہے تھے۔ پوری بات سن کر تو ان کے حواس بھی لحہ بھر کو سلب ہوچکے تھے۔

"آپ تحقیق کروائیں' یہ حسان زبیری مجھے فراڈ لگتا ہے۔ ہمارا بزنس ہتھیانا چاہتا ہے۔" عظمیٰ تو ماننے سے انکاری تھیں کہ ان کا بال بال قرض میں جکڑا جاچکا ہے۔

"عظمیٰ...... قوموں اور افراد پر مشکلات آتی رہتی ہیں' بس اہمیت ہمت نہ ہارنے کی ہوتی ہے۔ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی کوئی راہ نکالے گا۔" وقار ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہے تھے۔

"میں فیکٹری پر حسان زبیری کا قبضہ کسی صورت نہیں ہونے دوں گا' یہ میری محنت کی کمائی ہے۔ ہاں البتہ اس شیطان کا قرض اتارنے کی پہلے کوشش کرتا ہوں' یہ گھر' بینک بیلنس' پلاٹس' بانڈز...... سب کچھ داؤ پر لگا کے اس قرض سے جان چھڑاتا ہوں۔" اتنا کہتے ہی وہ ہانپ گئے تھے' عظمیٰ پتھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"تم بتاؤ اس مصیبت کی گھڑی میں تم میرا ساتھ دو گی یا نہیں؟" وہ اتنا کہہ کر خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ عظمیٰ بیگم نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے ذرا سازور دیا۔

"کیوں نہیں وقار...... میاں بیوی میں دکھ سکھ کی سانجھ ہوتی ہے' اگر چھاؤں میں آپ کے ساتھ وقت بتایا تو دھوپ بھی آپ کے ساتھ ہی جھیلوں گی اور ہاں میری جیولری بھی آپ بھول گئے' وہ بھی کافی کام آسکتی ہے۔" عظمیٰ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بول رہی تھیں۔ وقار احمد کی آنکھیں لحہ بھر کو جھلملائی تھیں۔

❁.......❁.......❁

"نہیں وقار صاحب...... خدارا اتنا ظلم تو خود پر مت کیا ہوتا' ایک اچھا خاصا لگژری گھر چھوڑ کر فلیٹ میں شفٹ ہوگئے۔ ہمیں آزمایا تو ہوتا' یوں اکیلے اکیلے ہی اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔" حسان زبیری تاسف سے بول رہا تھا' سراسر مصنوعی تاسف۔

"آپ یہ بتائیں کہ اس سارے ماؤنٹ سے قرض چکتا ہے یا نہیں؟" وقار بے حد سنجیدگی سے بولے۔

"سارا ریکارڈ آپ کے سامنے ہے' خود ہی حساب لگالیں۔ پیپرز پر آپ کے سائن ہیں ویسے مجھے نہیں لگتا کہ ڈیڑھ ارب کا قرض آپ اس معمولی جائیداد سے اتار لیں گے۔" حسان زبیری خاصی مایوسی سے کہہ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں' کوشش کرلیتے ہیں باقی اللہ مالک ہے۔" وقار فائلز کھولتے ہوئے لاتعلقی سے بولے تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پارٹنر شپ کے بعد تو کاروبار جم گیا تھا' فیکٹری کا پہیہ مسلسل چالو رہا۔ مصنوعات بکتی رہیں کیونکہ آرڈر ریکارڈ یہی بتا رہا تھا۔ ملازمین کام کرکے تنخواہیں وصول کرتے رہے پھر ایسا کیا مسئلہ ہوا تھا کہ اتنا زیادہ لون لینا پڑ گیا تھا۔

"ویسے آپ نے قرض اتارنے میں کچھ جلدی نہیں کردی' مجھ سے مشورہ کیا ہوتا۔ کاروباری دوست ہوں'

مشکل کی گھڑی میں کام نہ آسکوں تو فائدہ میری اتنی پراپرٹی کا۔" حسان اب قدرے جھک کر میز پر بازو رکھتے ہوئے بولا تھا۔ وقار احمد محض کچھ کہنے کی بجائے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"آپ کی بیٹی انشال مجھے بہت اچھی لگی ہے اگر آپ اس کی شادی مجھ سے کردیں تو واللہ بخدا میں سارا قرض خود چکانے پر رضامند ہوں' آپ چاہیں تو مجھ سے سائن لے لیں۔" اس نے آرام سے ایک بم وقار کی سماعتوں پر پھوڑا تھا جو منہ کھولے اسے مسکراتا دیکھ رہے تھے۔

"شٹ اپ یو بلیک میلر......" وقار احمد حلق کے بل دھاڑے تھے۔ "ذرا اپنی اور میری بیٹی کی عمر دیکھو' شرم نہیں آتی تمہیں ایسی آفر کرتے ہوئے۔ اس صورت میں جب کہ تم خود شادی شدہ اور تین بچوں کے باپ ہو۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے بیٹھے شخص کی زبان کھینچ لیں جس سے وہ ان کی بیٹی کا نام لے رہا تھا۔

"تو کیا ہوا شادی شدہ ہوں تو...... میں انشال کو یہاں پاکستان میں رکھوں گا' ایک سپر لگژری لائف دوں گا۔ میں اتنا ویل آف ہوں کہ دو فیملیز آسانی سے سپورٹ کرسکتا ہوں۔" حسان بہت بے تکلفی سے بات کررہا تھا' جیسے اس ٹاپک پر اس کا ہوم ورک مکمل ہو۔

"حسان زبیری...... اپنا حساب لے کر الگ ہوجاؤ' میری بچی کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وقار کافی دیر خونخوار نظروں سے گھورنے کے بعد اسے وارن کرتے ہوئے بولے۔ حسان زبیری ان کی بات پر یوں مسکرایا تھا جیسے کوئی بچگانہ بات سن لی ہو۔

"وقار صاحب...... کیوں خود کو ذلیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں' خود بھی خوار ہوں گے ساتھ میں اپنی فیملی کو بھی مشکلات میں ڈالیں گے۔ انشال میری ہے' چاہے آپ لاکھ انکار کردیں سر پٹخیں یا ایڑیاں رگڑیں کیونکہ ان پیپرز کی رو سے میں بلاخوف وخطر انشال سے شادی کرسکتا ہوں۔" ڈرامائی انداز سے کہتے ہوئے حسان نے چند پیپرز وقار احمد کی طرف بڑھائے۔

"یہ سب کیا ہے؟" انہوں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"یہ وہ پیپرز ہیں جن کے مطابق اگر آپ اس لون کو یک مشت چکانے میں ناکام رہتے ہیں تو میں اس سارے لون کو چکا کر آپ کی بیٹی سے شادی کرسکتا ہوں' نیچے بقائمی ہوش وحواس آپ کے دستخط موجود ہیں۔" وہ شیطانی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ان کے جسم سے قطرہ قطرہ روح کو کھینچ رہا تھا۔

"یہ سائن میں نے کب کیے تھے؟" وہ بے حد سفید چہرے کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پیپرز کو دیکھ رہے تھے۔ واقعی وہاں ان کے اصلی دستخط موجود تھے' تاریخ ان دنوں کی تھی جب وہ بے حد بیمار گھر پر ریسٹ کررہے تھے۔ خود کروٹ لینے کے قابل بھی نہیں تھے' ذہن ہر وقت ادویات کے زیر اثر غنودگی کا شکار رہتا تھا۔ اسی سوئی جاگی کیفیت میں حسان زبیری نے ان سے آفس فائلز ساتھ ساتھ اس پیپرز پر بھی سائن لے لیے تھے۔

"یو بلیڈی چیپ......! تمہیں تو میں جان سے مار ڈالوں گا۔" وہ ایک دم غصے سے کھڑے ہوکر حسان کے جبڑے پر گھونسہ مارنا چاہتے تھے مگر اٹھتے ہی ان کے بائیں جانب دل میں شدید درد اٹھا تھا' مارے درد کی اذیت کے وہ دہرے ہوکر دوبارہ کرسی پر گر گئے تھے۔

❁......❁......❁

"عظمیٰ! تم احمد بھائی سے بات کرو وہ ابھی اور اسی وقت آئیں اور آکر انشال کا نکاح پڑھا کرلے جائیں۔ میں اب کسی صورت مزید انتظار نہیں کرسکتا۔" بروقت طبی امداد ملنے سے ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی اور طبیعت سنبھلنے پر انہوں نے فیصلہ کن انداز میں عظمیٰ سے بات کی تھی۔

"میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ خود کو پریشانی سے بچائیں اور میری تو پوری زندگی ہی پریشانیوں کے گرداب میں پھنس گئی ہے۔ اب انشال اپنے گھر کی ہوجائے کم از کم یہ سکون تو مل جائے گا۔"

"وقار...... یہ سب کیا ہورہا ہے؟ ہماری پرسکون زندگی

کوکس کی نظر لگ گئی' پہلے گھر جائیداد گئے اور اب یہ حسان زبیری منحوس ہماری بچی پر نظریں گاڑ کر بیٹھ گیا ہے۔ کدھر جائیں ہم؟" عظمیٰ زور زور سے روتے ہوئے سسکنے لگیں۔

"عظمیٰ...... میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں؟" وقار اب کے قدرے ناراضی سے بولے' عظمیٰ چپ ہوگئیں۔ ان کے فلیٹ میں منتقل ہونے کی خبر سارے خاندان کو ہی ہوگئی تھی' سارے ہی گھر افسوس کرنے آئے تھے۔ کچھ نے فون پر ہی حال احوال پوچھ لیا تھا مگر ان کے کسی بھائی' بہن نے نہ تو فون پر ان کا حال پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور نہ ہی فلیٹ میں آ کر جھانکا کہ کس حال میں گزر رہی ہے۔

وہ سخت الجھن کا شکار تھیں' جس بھائی' بھابی نے انسانی ہمدردی تو درکنار اخلاقاً بھی فون کر کے ان کی کایا پلٹ کا احوال سننا گوارا نہ کیا تھا' ان سے کیسے وہ بیٹی کی شادی کی بات کریں۔ انشال سے انہوں نے کچھ سوچ کے بات کی۔

"بیٹا...... تمہارے پاس واثق کی کال آتی ہے؟" آس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ سوال کیا۔

"نہیں امی...... واثق نے کئی دنوں سے کوئی کال نہیں کی نہ ہی کوئی میسیج بھیجا۔" انشال کا لہجہ ہموار اور پُرسکون تھا۔

"میں خود بھابی کو کال کر کے دیکھتی ہوں۔" دھڑکتے دل کے ساتھ انہوں نے کال ملائی مگر نمبر بند جا رہا تھا۔

"کمال ہے نمبر ہی بند کر دیا انہوں نے۔" وہ حیرت سے بڑبڑائیں۔ "خیر میں خود گھر جا کر ان سے بات کرتی ہوں اور بھائی سے شکایت تو کروں گی کہ مشکل کی گھڑی میں کم از کم بہن کے سر پہ آ کر ہاتھ تو رکھ دیتے۔ ان سے اچھے تو وقار ہے جو ہر خوشی' غمی کے لمحے میں اپنی بہن کو یاد کرنا نہ بھولتے تھے۔" آنسوؤں کا ریلہ پھر سے ان کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔

* * *

"میرا بھائی...... بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پڑ گیا؟" صفیہ بھی کم پریشان نہ تھیں۔ "یہ منحوس حسان زبیری ہے کون جس نے میرے بھائی کو قرضے کے پہاڑ تلے دھنسا دیا ہے؟ اللہ غارت کرے اس ناس پیٹے کو۔" وہ اب باقاعدہ حسان زبیری کو کوسنے لگی تھیں۔

"مجھے تو یہ آدمی فراڈ لگتا ہے' ماموں نے بہت جلد گھٹنے ٹیک دیئے۔ ذرا تحقیق کرواتے کیا واقعی اس بینک نے اتنا بڑا لون ایشو کیا تھا۔" بائیک چمکاتے ہوئے داور نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"مگر بھائی...... یہ بھی تو دیکھیں ناں سارے پروسس کے پیپرز پر ماموں کے اپنے سائن ہیں جو بخوشی انہوں نے کیے تھے۔" سنبل بھی باہر صحن میں آ بیٹھی۔

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو' ماموں کے یہی سائن تو ان کے خلاف پروف میں جا رہے ہیں۔"

"چل بیٹا...... مجھے لے چل وقار کے ہاں' میرا بھائی مصیبت کا شکار ہے اوپر سے دل کا مریض' سارا ٹھاٹ گیا کم از کم اپنوں کو تو ساتھ رہنا چاہیے۔" صفیہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں' وہ تقریباً روز ہی بھائی کے گھر کا چکر لگاتی تھیں۔ داور انہیں بائیک پر دروازے پر چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔

"آج رات میں رکوں گی' کل صبح آ کر لے جانا مجھے۔"

"مگر امی...... سنبل اکیلی کیسے رہے گی' میں اکثر لیٹ ہو جاتا ہوں۔" بائیک کی رفتار کم کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"تو آج جلدی آ جانا' سنبل تب تک تمہارے چچا کے گھر بیٹھی رہے گی۔ آؤ تم بھی ماموں سے مل لو۔" اسے واپسی کے لیے بائیک موڑتا دیکھ کر وہ بولیں۔

"چلتا ہوں' کل چکر لگالوں گا۔" اسے نجانے اندر جانے میں کون سی چیز روک رہی تھی۔ پہلے تو وہ عظمیٰ بیگم کے کروفر بھرے انداز سے خائف ہوتا تھا مگر اب تو حالات کی گردش نے انہیں یکسر بدل ڈالا تھا مگر پھر بھی وہ "کسی" کا سامنا کرنے سے کتراتے ہوئے بائیک بھگا لے گیا۔

* * *

"عظمیٰ...... دراصل بات یہ ہے کہ......" شیما نے ان کی پوری بات سننے کے بعد کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔

"واثق اپنے بینک کے کسی کورس کے لیے یو کے جا رہا

ہے اس کے تمام پیپرز تقریباً مکمل ہوچکے ہیں۔ اسی ہفتے کی کسی تاریخ کو اس کی فلائٹ متوقع ہے۔"

"تو بھابی! آپ صرف نکاح پڑھا کر انشال کو اپنے گھر لے آئیں، واثق بے شک یو کے چلا جائے۔ ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ انشال جلد از جلد اپنے گھر کی ہوجائے۔" وہ بے حد ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"کمال کرتی ہو عظمیٰ...... تمہیں بتارہی ہوں کہ ہمارا سارا جمع جتھا واثق کے کام پر لگ چکا ہے۔ انزیٰ کی شادی تیار کھڑی ہے۔ اگلے مہینے اسے اپنے گھر کا کرنا ہے، سو خرچے ہیں ہمارے ایسے کیسے ہم ایک اور شادی ارینج کرسکتے ہیں۔" شیما نے اب کے خاصی ناگواری سے نند کو دیکھا، عظمیٰ نے سخت بے بس نظروں سے پہلے بھابی اور پھر بھائی کو دیکھا جو کب سے خاموش صرف ان کی باتیں سن رہے تھے۔

"شادی ارینج نہ کریں، بس سادگی سے نکاح کرکے لے جائیں۔ وقار کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے وہ چاہتے ہیں کہ انشال ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کی ہوجائے بس۔" انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح صورت حال کی سنگینی کو ان کے آگے واضح کریں کیسے اپنی مجبوری اور بے بسی ظاہر کریں۔

"دیکھو عظمیٰ...... واثق ہمارا بڑا بیٹا ہے، اس کا فیوچر ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اس کی شادی کے حوالے سے ہمارے سو ارمان ہیں، ایسے کیسے سادگی سے ہم فرض پورا کردیں اور ویسے بھی مجھے تم لوگوں کی موجودہ کنڈیشن سے نہیں لگتا کہ تم لوگ بھی بیٹی کی شادی کرنے کے قابل ہو۔" شیما اب خاصی نرمی سے بول رہی تھی۔

"پھر شادی۔" عظمیٰ نے گہری سانس بھری۔

"واثق جائے گا، کم از کم دس سال بعد واپس آئے گا پھر اس کی شادی کریں گے۔ پورے دھوم دام سے پورے شہر کی کریم کو بلائیں گے۔ کافی گرینڈ فنکشنز ارینج کریں گے، خوب ہلہ گلہ ہوگا۔" شیما ایک خواب کی سی کیفیت میں بولتی جارہی تھیں اور احمد مسکراتے ہوئے بیوی کی بات کی تائید کیے جارہے تھے۔

"اوکے میں چلتی ہوں۔" بجھے انداز میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زندگی...... تیرے رنگ ہزار۔

اس گھر سے انہیں ہمیشہ بے حد اہمیت اور محبت ملی تھی، سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ ان کا آنا باعث تکریم ہوتا تھا یہاں کے مکینوں کے لیے مگر آج بس چائے کے کپ پر ہی ان کو بھگتا دیا گیا۔ کتنی امیدیں لے کر آئی تھیں وہ اپنے بھائی کے پاس مگر واپسی پر ان کی جھولی میں ناامیدی اور یاس کے سکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سچ ہے سیاہ بختی میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے کہ سایہ بھی اندھیرے میں جدا انسان سے ہوتا ہے۔ آج سارا مال وصال رخصت ہوا تو خونی رشتے جو ان کی محبت کا دم بھرتے نہیں تھکتے تھے اب ایک دم سے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں کیونکہ پہلے کی عظمیٰ بیگم جن کے تن پر قیمتی لباس وزیورات سجے ہوتے تھے جو ایک انڈسٹریلسٹ کی بیوی تھیں جو کلب کی ممبر ہونے کے ساتھ اپنے سرکل کی جانی مانی خوش لباس اور خوش اندام خاتون تھیں اور آج کی عظمیٰ بیگم انتہائی پژمردہ حلیے کے ساتھ ان سے اپنی بیٹی کے مستقبل کی حفاظت کا سوال کرنے آئی تھیں تو احمد و شیما بھلا کیسے انہیں ناامید نہ لوٹاتے کیونکہ انہوں نے جس انشال کو بیٹے کے لیے مانگا تھا وہ انشال ایک صاحب حیثیت باپ کی بیٹی تھی جس کا کافی بینک بیلنس تھا۔ جن کے نام پر کئی پلاٹس رجسٹرڈ تھے جو اپنے ماں باپ کی جائیداد کی اکلوتی تن تنہا وارث تھی۔ ایسی تہی دست اور مفلس انشال کو وہ کیسے اپنے گھر بیاہ لے آتے جس کے پاس اب صرف اچھی صورت اور نیک سیرت کے سوا کچھ نہیں رہا تھا۔

وقار بیوی کے بجھے چہرے اور شرمندگی سے جھکی آنکھوں سے کافی کچھ سمجھ گئے تھے۔ وہ صاحب بصیرت انسان تھے، رشتوں میں اچانک در آنے والی کایا پلٹ سمجھ سکتے تھے اس لیے انہوں نے عظمیٰ سے کوئی سوال نہ کیا تھا۔

"وقار...... کیسی پریوں جیسی صورت والی بیٹی ہے ہماری، میرے سرکل کی کتنی خواتین نے انشال کا پروپوزل مانگا تھا،

کتنے ہی گھرانے اس کے خواہش مند تھے اور آج وقت بدلنے پر ہمیں خود اس کی شادی کے لیے منت کرنی پڑ رہی ہے۔" عظمیٰ کو انشال کے رشتے سے زیادہ اپنے خونی رشتوں کی سرد مہری نے تکلیف پہنچائی تھی۔

❁......❁......❁

"وقار احمد...... پھر کب آؤں میں انشال کو لینے؟" موبائل سے حسان زبیری کی آواز ابھری تھی۔

"دیکھو زبیری...... میری بیٹی کا نام اپنی گندی زبان سے مت لو ورنہ میں پولیس کو انفارم کردوں گا۔" خشک ہوتے حلق کو تر کرتے ہوئے وقار احمد غصے سے بولے۔ ان کا تنفس ایک دم سے تیز ہوگیا تھا اور چہرے کی رنگت سفید۔ صفیہ جو صوفے پر تسبیح پڑھ رہی تھیں، بھائی کے چہرے کی متغیر ہوتی حالت پر چونکتی ہوئیں اٹھ کھڑی ہوئیں پھر ایک نظر عظمیٰ کو دیکھا جو ہونٹ کاٹتے ہوئے سخت بے بسی سے وقار کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے پائی پائی کا تو محتاج کردیا ہے مگر میری بیٹی تک دسترس حاصل کرلو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ اس کے باپ میں اتنا دم خم ہے کہ وہ اپنی بچی کی حفاظت کرسکتا ہے۔" وقار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شیطان کو شوٹ کرڈالیں۔ دوسری طرف حسان نے ان کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔

"کیوں اپنی ناتواں جان پر ظلم کررہے ہیں، اپنی فیملی کو فلیٹ میں تو لے آئے ہیں۔ کیا سڑک پر لانا چاہتے ہیں، میری مان لیں سدا سکھی رہیں گے۔" پھر ایک دم سے لہجہ بدلتے ہوئے بولا۔

"انشال...... قانوناً میری دسترس میں آچکی ہے اب وہ میری اپنی "چیز" ہے جسے میں جب بھی چاہوں دھڑلے سے لے جاسکتا ہوں آپ کیا کوئی بھی مجھے روک نہیں سکتا اور کان کھول کر سن لیں، کل صبح کا سورج انشال میرے پاس آکر دیکھے گی۔" سخت لہجے میں دھمکاتے ہوئے فون بند کردیا گیا۔ وقار احمد سر پکڑے بیٹھے تھے، صفیہ نے ایک الجھن بھری نظر بھائی اور بھابی پر ڈالی تھی۔

"وقار...... یہ کیا ماجرا ہے؟ بچی کی حفاظت، اس کاروباری بکھیڑے میں انشال کا نام کیوں لیا جارہا ہے؟" الجھتی ہوئی وہ قریب آبیٹھیں۔

"آپا...... انشال کا ہی تو سارا بکھیڑا ہے، وہ کمینہ زبیری میری بچی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسی صورت میں مجھے قرضے سے گلو خلاصی مل سکتی ہے۔" وقار تقریباً روتے ہوئے بولے۔

"ہائے میرے اللہ......! یہ کیا ہوگیا؟" صفیہ تو دھک رہ گئی تھیں۔

"تم نے منہ توڑ دینا تھا اس خبیث کا جو ایسی فضول بات منہ سے نکال رہا تھا۔" وہ کھولیں۔

"آپا...... آپ کا بھائی اب کمزور، بیمار اور مجبور ہوگیا ہے۔ اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ ایسے فریبی لوگوں کا سامنا کرسکے۔ کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا جو آج اپنی بہن کی حفاظت کرتا؟" ایک بے حد یاسیت بھری سانس لی تھی انہوں نے۔

"کیسی باتیں کررہے ہو؟ میرا اور تمہارا بھی بیٹا ہے۔ تم ہمیں آواز دیتے، اکیلے ہی پریشانیوں سے لڑتے رہے ٹھیک ہے مالی مسائل میں ہم کام نہیں آسکتے مگر اس بدمعاش کو تو سیدھا کرسکتے ہیں ناں۔" صفیہ کے لہجے میں دکھ کی بجائے اب ناراضگی کا رنگ غالب آتا جارہا تھا۔

"آپا...... آپ ایک احسان کریں مجھ پر، میری انشال کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔" وہ بے ساختہ ان کے ہاتھ تھام کر ملتجی انداز میں بولے۔ عظمیٰ ایک طرف بیٹھیں اپنے شوہر کو روتے، گڑگڑاتے دیکھ رہی تھیں۔

"وقار...... تم نے پل بھر میں ہمیں غیر کردیا، ہمیں پرکھا تو ہوتا۔ داور کل بھی تمہارا بیٹا تھا اور ہمیشہ بیٹا رہے گا۔ میں ابھی اسے بلاتی ہوں۔" صفیہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے داور کا نمبر ملا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

دوپہر ڈھلتے ہی سائے دیواروں پر رینگتے ہوئے

چڑھنے لگے تھے۔ وہ موبائل ہاتھوں میں لیے صحن میں آ گیا' کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہی پاؤں سامنے والی کرسی پر رکھ دیئے۔ یونہی اکتاہٹ بھرے انداز میں میوزک فائلز کو چھوتے ہی اس نے سانگ اوکے کر دیا۔

تیری آنکھوں کے دریا کا اترنا بھی ضروری تھا
محبت بھی ضروری تھی' بچھڑنا بھی ضروری تھا
ضروری تھا کہ ہم دونوں طواف آرزو کرتے
مگر پھر آرزوؤں کا بکھرنا بھی ضروری تھا

کرسی کی پشت پر سر ٹکائے وہ آنکھیں موندے گانے کے بولوں کا لفظ لفظ اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہا تھا۔ ایک روتی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"آپ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ سے محبت کی جائے' صرف شرٹس ہی نہیں۔ آپ کے پاس تو بہت ساری چیزوں کی کمی ہے۔" یہ آواز' یہ الفاظ اسے کسی پہر چین نہ لینے دیتے تھے' کبھی تنگ آ کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تو ہر جگہ آنسو بہاتی دو آنکھوں کی تصویر ابھر آتی تھی۔ ہر دیوار پہ ہر منظر پہ لیپ ٹاپ اور موبائل کی اسکرین پر بس دو ہی آنکھیں چھائی ہوتیں۔

"اُف......! یہ لڑکی مجھے پاگل کر کے ہی چھوڑے گی؟" وہ بے ساختہ سر کو تھام کے سوچتا تھا۔ رباب کام نمٹا کے ادھر آ گئی تھی' ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے ماموں' مامی' انشال سب کی زندگی کا یہ چینج بہت اداس کرتا ہے۔" رباب کے لہجے میں گہری افسردگی تھی' اس نے والیوم کم کر دیا۔

"یہ تو زندگی کے موسم ہیں' کبھی دھوپ تو کبھی چھاؤں' انسان کی آزمائش کے لیے ایسا وقت آتا ہے۔"

"ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' میں کل امی کے ساتھ گئی تو دیکھا عظمیٰ مامی آٹا گوندھ رہی ہیں اور انشال ریسیپی بک دیکھ کر رات کا کھانا پکا رہی تھی بے حد کمزور اور چپ چپ رہنے لگی ہے۔ زیادہ بات نہیں کرتی' میرے لیے تو انشال کا یہ روپ بہت ہی ڈپریسنگ ہے۔" رباب یاسیت سے کہہ رہی تھی۔

"وقتی پریشانی ہے اس کے لیے شادی کے بعد اسے پہلے جیسا ماحول مل جائے گا وہی نوکر چاکر اس کا فیانسی کافی اچھی جاب کرتا ہے۔" دل سے اٹھتی اذیت کی لہر کو دباتا وہ نارمل انداز میں بولا۔

"کہاں کا فیانسی' مجھے انشال نے بتایا کہ وہ بات ختم ہو گئی ہے کیونکہ اس کے ماموں کا ارادہ اپنے بیٹے کی شادی کم از کم دس سال بعد کرنے کا ہے اور ماموں فی الفور اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم' یو مین اس کی منگنی ختم ہو گئی؟" رباب کی بات پر وہ جھٹکے سے ٹانگیں کرسی سے نیچے کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں ایسا ہی ہوا ہے وہ بتا رہی تھی کہ واثق کا اب اس کی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں' ان کے ماموں' ممانی نے ایک بار بھی ان کے گھر کا چکر نہیں لگایا تو ان کے بیٹے سے شادی کیسے ممکن؟" رباب کی بات پر وہ جس پہلو سے بیٹھا تھا' کافی دیر تک اسی پہلو پر بیٹھا رہا' اسی دم کال ٹون نے اسے چونکایا' صفیہ کی کال تھی۔

"جی امی...... آپ کو لینے آنا ہے؟" وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔

"داور...... تم انشال سے شادی کرنا چاہتے ہو ناں؟"

"جی......؟" وہ ان کی بات پر بھونچکارہ گیا۔

"تو بس پھر ابھی اسی وقت اپنے ماموں کے ہاں چلے آؤ۔" وہ اس کی جی کو اپنے ہی معنوں میں لیتے ہوئے تیزی سے بولیں۔

"مگر امی......! اچانک یہ سب کیسے؟" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا کہے۔

"بس بیٹا...... جلدی سے آ جاؤ' تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔" صفیہ نے کال بند کر دی۔

تیرے دل کے نکالے ہم کہاں بھٹکے کہاں پہنچے
مگر بھٹکے سے یاد آیا' بھٹکنا بھی ضروری تھا

جب کہ رباب صفیہ کی کال کے بارے میں پوچھتی رہی تھی۔

"اچھا وقار...... اب ہمیں اجازت دو رباب گھر میں اکیلی ہوگی۔" صفیہ گلے لگ کر اسے مبارک باد دینے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عظمیٰ بھیگی آنکھوں کے ساتھ داور کے ماتھے کو چوم کر کھڑی ہوئیں۔ اس شریف نیک طبیعت نوجوان کی ہمیشہ اپنے تکبر کے زعم میں بے عزتی کی تھی۔ اپنی اکلوتی نند کو کبھی نہ بھائی والا مان دیا نہ کبھی انہیں بڑی بہن سمجھ کر عزت دی تھی۔ کتنی کم عقل اور نادان تھیں' یہ سچے اور کھرے رشتے جن کے دل خلوص اور محبت کی دولت سے مالا مال تھے آج انہیں خود سے کہیں برتر لگ رہے تھے جو کبھی انہیں اپنے ہم پلہ محسوس نہ ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے وقت پر ان کی بیٹی کا ہاتھ تھام کر ہمیشہ کے لیے اپنا مقروض کرلیا تھا بینک کا قرض تو آسانی سے چکا لیتے مگر اس احسان کا قرض ساری زندگی نہ اتار پاتے۔

اتنا سعادت مند اور نیک بیٹا' جس نے پوری بات نہ سمجھتے ہوئے بھی اپنی ماں کی خواہش پر سر جھکاتے ہوئے انشال کو ہمیشہ کے لیے اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور عظمیٰ کیا جانیں کہ اس وقت داور حیات اپنی زندگی پر رشک کر رہا تھا۔ اپنی خوش نصیبی پر اسے یقین نہ آرہا تھا کہ وہ انشال جو کبھی دولت کے ڈھیر پر بیٹھی اسے ناقابل حصول اور ناقابل رسائی لگا کرتی تھی اور اب قسمت کے پھیر سے اس کے عقد میں آچکی تھی۔

"مگر جائیں گے کیسے؟" ایک دم سے ہلکے پھلکے ہوتے وقار احمد نے پوچھا' ان کے شانوں کا بوجھ ایک دم سے اتر گیا تھا۔

"بائیک پر اور کیسے' انشال کے پیچھے میں بیٹھ جاؤں گی۔" صفیہ نے آرام سے بات نمٹادی' ان کے ہر انداز سے سرشاری جھلک رہی تھی وہ سادہ کپڑوں میں روتے ہوئے ماں' باپ سے مل رہی تھی الوداعی ملاقات۔

"سدا خوش اور آباد رہو۔" عظمیٰ اور وقار اپنی نم آنکھیں پونچھتے ہوئے دروازے تک "بارات" کو رخصت کرنے آئے تھے۔

"کیا یہ شادی ہے...... ایسے ہوتی ہے شادی؟" رباب پوری بات جان کر چیخی۔

"میری نادان بیٹی جا کوئی مٹھائی لے آ' کوئی پھول پرولا۔" صفیہ انشال کو محبت سے دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔

"ہاں کوبھی کا پھول پڑا ہے وہ پرولاؤں؟" رباب جل کر بولی۔

"اکلوتے بھائی کی شادی اور بہن کو علم تک نہیں' نہ کوئی ڈریس بنوایا' نہ گانے' نہ ڈانس۔" کلستے ہوئے فوزیہ اور رباب کو بھی فون کھڑکا دیا تھا۔

"ہائیں...... داور بیوی والا ہوگیا اور ہم بہنیں آٹا روٹی میں مصروف ہیں۔" رباب بے یقینی سے کہتے ہوئے داور کے گلے لگ گئی تھی' فوزیہ کا ری ایکشن بھی کم "غیر فطری" نہ تھا۔

"رباب کی بچی...... یہ کوئی اپریل کا فرسٹ دن تھا جو تم نے بھائی کی شادی کی مبارک باد والا فون کر ڈالا۔" پھر انشال کو صفیہ کے کمرے میں سر جھکائے' نچلا لب کچلتے ہوئے دیکھ کر ٹھٹکی۔

چہرے پر چھائی شرم اور سراسیمگی اور جھکتی' اٹھتی پلکیں تو واضح بتارہی تھیں کہ "کچھ" ہوا تو ہے مگر ایسے ملگجے حلیے والی دلہن' الجھی' بکھری چٹیا مرجھاتی اسکن اور رف ہاتھ۔ پلٹ کر داور کو دیکھا تو وہاں بھی کچھ ایسا روایتی پن نظر نہ آیا۔ بلو جینز کے اوپر سلوٹ زدہ براؤن شرٹ' پیروں میں انگوٹھے والی چپل اور بڑھی ہوئی شیو۔

"ہائے اکلوتے بھائی کی شادی کے کیا کیا نہ ارمان تھے۔ وہ بھنگڑا' وہ بھاری کامدار کپڑے۔ امی آپ تو ہمارے سبھی جذبات سے واقف تھیں پھر یہ اچانک فیصلہ؟" رباب ماں کے قریب ہوکے بسوری تھی۔

"ہاں تو کرو ناں شور شغل اپنے گھر میں' وہاں تمہارے ماموں کی طبیعت خراب تھی۔ شور شرابہ ان کے لیے منع ہے جوار مان ہیں۔ یہاں کھل کر نکال لو۔" صفیہ

نے اپنی لاڈلیوں کو پچکارا جن کے چہرے بری طرح لٹکے ہوئے تھے۔

"چل داور...... بیکری سے مٹھائی' کیک کافی مقدار میں لے آ جو مہمان آئے گا اس کا منہ تو میٹھا کروانا ہوگا ناں۔" صفیہ نے کہا تو اس نے فوراً بائیک کو کک لگادی۔

"ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ بازار چلتی ہوں۔ انشال کا برائیڈل ریڈی میڈ جوڑا لیتی آؤں گی۔" اپنا پرس سنبھالتی فوزیہ بائیک پر چڑھ بیٹھی تھی۔

"اور پھولوں کے گجرے اور ہار بھی۔" پیچھے سے رباب نے آواز لگائی۔

❋......❋......❋

"داور حیات...... تو تم ہی میرا نصیب تھے' تمہاری لاکھ ناپسندیدگی اور غیر دلچسپی کے باوجود قسمت نے مجھے ہی تمہارا ہم سفر چنا ہے۔" اپنے حنائی ہاتھوں کو غور سے دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

فوزیہ اور رباب نے اسے ایک مکمل دلہن کے روپ میں سجایا' سنوارا تھا۔ ڈیپ ریڈ عروسی لہنگے کے اوپر گرین و ریڈ کامدار لانگ شرٹ' صفیہ نے بیٹے کے لیے زیور الگ کر رکھے تھے۔ وہ بھی اس وقت اس کی صراحی دار گردن' مرمریں ہاتھوں اور صبیح پیشانی پر سجا ہوا تھا۔ سنبل نے بھی مہندی کی خوب صورت بیل بوٹے اس کے ہاتھوں اور پیروں پر بکھیر دیے تھے۔ رات کا کھانا کھلا کر وہ تینوں اسے داور کے کمرے میں چھوڑ آئیں۔

"یقیناً میرے مجبور' کمزور اور بے بس ماں باپ پر کیے گئے اپنے اس احسان کو مجھ پر جتاؤ گے۔ ہمیشہ کی طرح مجھے لفظوں کی مار مارو گے لیکن اب میں اپنی محبت کو تمہارے ہاتھوں مزید ذلیل نہیں کروں گی۔ تمہارے مارے گئے سارے تیر میرے ترکش میں جمع ہیں' اب وہی تیر تم پر آزماؤں گی۔" تنفر سے سوچتے ہوئے وہ اب اپنی جیولری اتار رہی تھی' اس کے بعد لہنگا سنبھالتی ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ سارا میک اپ دھو دھلا کے چہرہ خشک کرتی باہر نکل آئی۔ تولیہ ایک طرف صوفے پر ڈالنے کے بعد بیڈ کے ایک طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

ادھر داور نے بھی کئی دنوں کے ملگجے اور رف حلیے سے نجات حاصل کرلی تھی۔ خوب دل لگا کر شیو بنائی' نہایا دھویا اور وائٹ کاٹن کا کڑکڑاتا کرتا شلوار زیب تن کرلیا خود کو ڈھیروں ڈھیر خوشبو سے مہکانے کے بعد تینوں بہنوں کو فراخ دلی سے نیگ دیا۔

"جیتے رہو' کبھی دکھ کا سایہ تم پر نہ آئے۔" صفیہ نے گلے لگا کر منہ چومتے ہوئے دعا دی تھی۔

"زوجہ محترمہ...... میرے اسی روم میں آ کر آپ نے اپنی محبت کا زور وشور سے اعتراف کیا تھا۔ آج ہماری محبت کے عملی ثبوت دیکھیں گی آپ۔" خوش کن خیالوں میں گھرا وہ اپنے بیڈ روم میں آیا تھا کہ کمرے میں پھیلی زیرو پاور ڈ نیلگوں روشنی اور بیڈ کے ایک کونے پر محو خواب وجود کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"یہ اتنی جلدی سو گئی' میرا انتظار بھی نہ کیا۔" اس کے جذبوں پر اوس پڑ گئی تھی۔

"اے ہیلو انشال......!" اس نے بیڈ پر نیم دراز ہو کر ہولے سے پکارا مگر دوسری طرف سر موجنبش نہ ہوئی تھی۔

"اور سارا کچھ چینج بھی کرلیا' ایسی ہوتی ہے سہاگ رات؟" وہ دل ہی دل میں جھنجلایا کیونکہ اسے رباب کی بات یاد آ گئی تھی جو اس نے نیگ لیتے وقت کہی تھی۔

"یہ تو نیگ ہوا اور وہ جو آپ کی دلہن کو تیار کیا ہے' دیکھتے ہی آپ اپنا دل تھام لیں گے۔ حواس نہ اڑ جائیں تو نام بدل دیجیے گا میرا۔" رباب دعوے سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں اتنی ڈراؤنی لگ رہی ہے کہ میرے حواس اڑ جائیں گے؟" وہ شریر ہوا تھا۔

"جناب! بے حد حسین صورت کو دیکھ کر بھی ہوش گم ہوجاتے ہیں۔"

"سچ کہتی ہیں میری بہنیں کہ جہاں سے وکھری تھی میری شادی اور سب سے بڑھ کر وکھری دلہن ملی ہے جو مزے سے سو رہی ہے' شوہر جائے بھاڑ میں۔" بے حد روٹھے ہوئے انداز میں اس کا سراپا دیکھا تھا۔

''انشال! تم جاگ رہی ہو؟ اگر تمہارا موڈ بات کرنے کا نہیں تو ٹھیک ہے تم سو جاؤ۔'' وہ اس کے پیروں کے تنے ہوئے انگوٹھوں کو دیکھتے ہوئے پُریقین لہجے میں بولا تھا کیونکہ سوتے وقت انسان کا جسم ڈھیلا ہو جاتا ہے جب کہ انشال ٹینشن والی حالت میں لیٹی ہوئی تھی۔

''میں تھکی ہوئی ہوں۔'' کافی دیر بعد اس کی اندھیرے میں آواز ابھری تھی۔

''ابھی میں نے تم سے تھکاوٹ والے کام کب لیے ہیں جو تم تھک گئی ہو؟'' وہ معنی خیزی سے بولتا ہو الحوں میں فاصلہ طے کرتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔ انشال کی جان تک کانپ گئی تھی۔ اس کی سانسوں کی گرمی اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

''مگر میں اپنی اچھی بھلی جاب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔'' وقار احمد کی بات سن کر وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''کیوں نہیں بیٹا...... اب تم ہی میری سیٹ پر بیٹھو گے میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھ سے مغز ماری کا کام نہیں ہوتا بس کل سے تم آفس جاؤ گے۔'' وقار احمد اس کے تذبذب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دھونس بھرے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بیٹا...... وقار ٹھیک کہہ رہا ہے، تمہیں اب اس کا حقیقی معنوں میں بازو بننا چاہیے۔ ہم سب کو ہی ایک دوسرے کا سہارا بننا ہوگا۔'' صفیہ بھی اسے وقار کی بات ماننے کا کہہ رہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح اس نے ماں کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی جاب سے ریزائن کرنے کے بعد وقار احمد کا آفس سنبھال لیا۔ ایم بی اے کی ڈگری خوب وقت پر کام آ رہی تھی، محنتی اور ذہین تو وہ تھا ہی دنوں میں سارے سیٹ اپ کو سمجھ گیا تھا۔

حسان زبیری والے معاملے کے پیچھے لگا تو کئی حیران کن انکشافات سامنے آئے تھے۔ فیکٹری کے لیے تو کبھی لون لیا ہی نہیں گیا تھا' اپنے فش فارمنگ والے بزنس کو سیٹ کرنے کی خاطر حسان زبیری نے لون لیا تھا جس کا وقار احمد سے دور دور تک کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس نے سادہ اور جعلی کاغذات پر ان سے دستخط لیے تھے اور وہ بیماری کی بدولت اتنے کمزور اور ذہنی طور پر پست ہو چکے تھے کہ کبھی کاغذات کے نقلی، اصلی ہونے کی جانچ کا تردد تک نہ کیا تھا۔

دوسرا انشال سے شادی والے مطالبے نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی تھی یوں حسان زبیری کسی حد تک اپنے مذموم مقاصد کے لیے کامیاب رہا تھا۔ داور نے اپنے قریبی دوست ڈی ایس پی شیر زمان سے مدد کی درخواست کی تھی یوں دبئی بینک کی انتظامیہ سے ملنے والے ثبوتوں کی بدولت حسان زبیری کم ہی عرصے میں ''مک مکا'' والی اسٹیج پر آ گیا۔ اس نے لون کے نام پر جتنا پیسہ وقار احمد سے بٹورا تھا وہ سارا تو نہیں البتہ اس کا نصف واپس کر دیا تھا۔ داور نے ان پیسوں سے پراپرٹی ڈیلر کی مدد سے ان کا گھر واپس لے لیا۔ وہ گھر جس میں عظمیٰ بیگم بڑے طمطراق سے رہا کرتی تھیں۔ پورے پانچ ماہ بعد وہ فلیٹ سے اپنے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے اور ایسا سراسر داور کی کوششوں اور اللہ کی مہربانی سے ہوا تھا۔

''ایک کپ چائے مل جائے گی؟'' لیپ ٹاپ بیگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

''ہاں بیٹا...... میں ابھی لاتی ہوں۔'' صفیہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''امی...... آپ کیوں لا رہی ہیں' بہو سے کہیں ناں وہ تیار کرے۔ لوگ بہو اس لیے لاتے ہیں کہ آرام سے بیٹھیں گے اور آپ بہو لا کر بھی خود کام کر رہی ہیں۔'' وہ انشال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''یا بہو ہی آپ کی ایسی ہے کہ کچھ آتا نہیں؟'' وہ سراسر فکرمندی سے بولا۔

''جی نہیں' اپنے غلط اندازے اپنے پاس رکھیں' الحمدللہ کوئی ایسی پھوہڑ نہیں ہوں میں' گھر کے سارے کام کر لیتی ہوں۔'' وہ تڑخ کر بولی' داور کا طنز سیدھا دل پر لگا تھا۔ صفیہ ہنس کر بولیں۔

"واقعی...... میری بہو تو سیرت و صورت میں یکتا ہے۔" صفیہ نے ہمیشہ کی طرح اس کی سائیڈ لی پھر وضو کرنے واش روم میں چل دی تھیں۔

"جی امی...... آپ کی بہو کی صورت پر ہی تو ابھی تک گزارا کیے ہوئے ہیں۔ جانے سیرت کے جلوے کب دیکھنے کو ملیں گے۔" وہ معنی خیزی سے ایک دل پذیر سا اشارہ اسے کرتے ہوئے اپنے روم میں آ گیا تھا۔

"بدتمیز نہ ہو تو۔" وہ کھولتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی۔ اس کے لاکھ کترانے' بچنے کے باوجود وہ زبردستی اس سے اس کا "پیار" وصول کر چکا تھا۔ وہ پیار جو ازل سے اس کے دل میں اس کے لیے موجود تھا جس کے لیے اسے ترسانے کی خاطر اس نے دل میں ڈھیروں پلان بنا رکھے تھے کہ خوب اسے تڑپاؤں گی۔ بے اعتنائی دکھاؤں گی' آسانی سے ہاتھ نہ آؤں گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔ وہ اتنا دلیر' ڈھیٹ اور بے دھڑک تھا کہ سب ہی کی محبتوں' چاہتوں اور توجہ کے خزانے کا بلا غیرے شرکت مالک بنتا جا رہا تھا۔

وقار احمد تو اسے دیکھ کر پھر سے جی اٹھے تھے' اپنا سارا بزنس آرام سے اس کے حوالے کر کے مزے سے گھر میں نیوز دیکھنے' اخبار پڑھنے اور گارڈننگ کرنے میں وقت گزار رہے تھے اور عظمیٰ جن کے تیور بھی اس پر گراں گزرتے تھے اب ڈھیروں ڈشز ریڈی کیے اس کی منتظر رہتی تھیں۔ بیٹی کا خیال ہی بعد میں آتا تھا بلکہ ہر چکر پر اسے نصیحت کرنا نہ بھولتیں۔

"دیکھو انشال...... داور کو تم سے کبھی شکایت نہیں ہونی چاہیے وہی اب ہمارا بیٹا اور داماد ہے اسی کی محنت کے سبب ہمارا یہ گھر ہمیں ملا ہے اور اسی کی محنت کا ہم کھا رہے ہیں اس کا بھرپور خیال رکھا کرو۔"

"جی امی...... بچے ہی تو ہیں کہ جسے دیکھو خیال رکھو کی تاکید مجھے کر رہا ہے۔" وہ دل میں جل بھن جاتی تھی۔

"جادوگر نہ ہو تو۔" اسے بھی تو سب کو گرویدہ کرنے کے گر آتے تھے۔ وہ کیسے اس کی پیش قدمیوں کو روک پاتی' کیسے کہتی کہ اپنی چاہت کا دریا روکو ورنہ میں بہہ کر دور چلی جاؤں گی۔

"چاچی...... کہاں ہیں؟" اس کی پشت پر آواز ابھری تھی' وہ چونک کر مڑی' سامنے روداب کھڑی تھی آنکھوں میں جارحانہ تیور لیے۔

"اچھا تو تم داور کی بیوی ہو؟" آنکھیں سکیڑتے ہوئے اس کا سجا سنورا روپ دیکھا۔ ڈارک سی گرین کامدار شیفون کے سوٹ اور ڈارک گلابی لپ اسٹک میں وہ خاصی پیاری لگ رہی تھی۔

"پھوپو...... نماز پڑھ رہی ہیں۔" اس کی تیز و تند نظروں سے خائف ہوتے ہوئے وہ جلدی سے بولی۔ جواباً روداب ایک پھنکارتا سانس خارج کرتی باہر نکل گئی۔

وہ اپنے ننھیال پشاور گئی ہوئی تھی' اسے گھر آ کر داور کی شادی کی اطلاع ملی تو اس نے چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

"اس کی جرأت کیسے ہوئی میرے ہوتے ہوئے کسی اور کو دلہن بنانے کی۔ میں اس کا اور اس کی بیوی کا خون پی جاؤں گی۔" مارے طیش کے وہ اِدھر اُدھر چکر کھاتی رہی تھی۔

"بیٹا...... تحمل سے کام لو' یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔" رضوانہ بیٹی کو ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں جو جذباتیت کی آخری حد پر کھڑی تھی انہیں تو اسے دیکھ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے کہ نجانے یہ کیا کر گزرنے والی ہے پریشان تو جاسم نے بھی کر رکھا تھا۔

"امی...... آپ جائیں چاچی کے پاس' سنبل کا فائنل جواب لے آئیں اور وہ بھی ہاں میں۔" جاسم بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے' داور نے تمہاری بہن کو ٹھکرا کر اپنی ماموں زاد سے شادی کر لی اور تم اس کی بہن کو یہاں لانے کی تیاری کر رہے ہو۔" وہ سر اٹھا کر جاسم پر غرائی۔

"داور اور تمہاری شادی سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے سنبل سے محبت ہے اور وہ بھی مجھے چاہتی ہے مجھے اس سے شادی کرنی ہے' ڈیٹس اٹ۔" روداب نے ہی محبت کا

کھیل دونوں طرف سے شروع کیا تھا جس میں جاسم بہت دور تک نکل گیا تھا۔ اب سنبل کو حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ سنبل اور جاسم کی شادی ہی وہ مہرہ تھا جسے استعمال کرتے ہوئے وہ داور کو حاصل کرنے کا پلان بنائے ہوئے تھی، بہن کی محبت سے مجبور ہوکر داور خود اسے پرپوز کرنے پر مجبور ہوجائے گا مگر قسمت نے اسے خوب پچھاڑا تھا۔ بھائی بھی اپنی محبت کے حصول کے لیے جنونی ہورہا تھا۔ رضوانہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بیٹی اور بیٹے میں سے وہ کس کی سنیں، اکلوتی بیٹی کا دکھ بھی دل کو لگ رہا تھا اور بیٹے کی مانے بغیر بھی کوئی چارہ نہ تھا کہ پہلے ہی ایک بیٹا الگ دنیا بسائے بیٹھا تھا وہ سخت الجھن میں گرفتار تھیں۔

❁.......❁.......❁

چائے کا کپ بھر کر وہ اپنے بیڈ روم میں چلی آئی تھی جہاں سے آتی روادبہ کی آواز نے اسے باہر رکنے پر مجبور کردیا تھا۔

"داور..... تم نے شادی کرلی؟" روادبہ کی آواز میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"جوان بچہ ہوں، اب شادی تو کرنی تھی۔" داور مسکرا کر بولا۔

"اور میں..... میرا تمہیں خیال نہیں آیا کہ میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟" روادبہ جیسے رونے کو تھی۔

"دیکھو روادبہ..... تمہاری میرے بارے میں جو فیلنگز تھیں وہ سراسر یک طرفہ تھیں۔ میں نے کبھی تمہارے کسی خاص جذبے کی حوصلہ افزائی نہیں کی..... ہاں کزن سمجھ کر ہنس کر بات ضرور کرلیتا تھا جسے شاید تم نے اپنے ہی مطلب سے لے لیا تھا۔" داور ٹھہر ٹھہر کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز ایسا مت کہو۔" روادبہ سسکی۔

"میں نے شروع ہی سے انشال سے محبت کی ہے، بے تحاشا اور بہت زیادہ۔ اسے پانے کی دعا تو کرتا تھا مگر کوشش نہیں کیونکہ اس کے اور میرے بیچ دولت کی ایک لمبی دیوار حائل تھی۔ اپنے جذبوں کی اسے بھی کبھی ہوا نہیں لگنے دی کیونکہ میں جانتا تھا اتنے بڑے معاشرتی تضاد کی وجہ سے اس کا ملنا ایک معجزے سے کم نہیں ہوسکتا خوامخواہ میرے خالص جذبوں کی ناقدری ہوتی۔ اس لیے تم ہو، انشال ہو یا میری کوئی اور کزن میں نے اپنے حوالے سے کبھی کسی کو جذباتی طور پر استعمال نہیں کیا کیونکہ میری دو کنواری جوان بہنیں گھر میں موجود تھیں۔ ان کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ سب زیب نہیں دیتا تھا اب انشال ہی میری بیوی ہے۔ جس کی محبت دل میں چھپائے نہ کبھی تمہاری حوصلہ افزائی کرسکا نہ ہی انشال پر دل آشکار کیا کہ وقت اور حالات اجازت نہ دیتے تھے۔ اب تم جاؤ، ہوسکے تو رافع منیر کا ہاتھ تھام لو، بہت پرخلوص شخص ہے۔" داور کی آواز میں نرمی تھی۔

"کون رافع منیر؟" آنسو بہاتی روادبہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"وہی رافع منیر..... آج جس کے ساتھ تم گاڑی میں آئی تھیں۔" داور کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

"وہ رافع تو میرا کولیگ ہے، مجھے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔ تم سمجھ رہے ہو میرا اس سے کوئی چکر ہے؟" روادبہ بری طرح بگڑی۔

"بخدا ہرگز نہیں۔ وہ میرا بھی سابقہ کولیگ رہ چکا ہے۔ مجھ پر اپنے سارے خیالات اور جذبات جو تمہارے حوالے سے اس کے دل میں ہیں کھل کر عیاں کرچکا ہے۔ اگلے ایک دو دن تک اس کی فیملی تمہارا پرپوزل لے کر آنے والی ہے، انہیں انکار نہیں کرنا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا اور جھک کے جوتے اتارنے لگا تھا۔

روادبہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی مگر دروازے سے باہر انشال کو اپنی جگہ جما پا کر ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ روادبہ کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں واضح تھیں، وہ پہلو سے نکلتی چلی گئی تھی۔ اس کے کمرے سے ایک رات وہ بھی ایسے ہی روتے ہوئے نکلی تھی جیسے ابھی روادبہ نکلی تھی۔ اسی کی طرح اپنی ساری محبت اندر کھڑے شخص پر ظاہر کرکے مگر اب

روادبہ کے سامنے داور کے انشال سے محبت کے اعتراف نے تو اسے گویا گم صم کردیا تھا۔ یہ شخص کتنا گھنا اور گہرا ہے' کبھی اپنے دل تک رسائی نہ ہونے دی۔

"یہ مجھے چاہتا ہے اس کے دل کی دیواروں پر صرف میرا نام لکھا ہے۔ میرے نام کی ہی مالا جپتا ہے اور اس کا دل......" یہ انکشاف اسے مدہوش سا کر گیا تھا' بے حد خاموشی سے اندر آکر اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ چائے ہے تو کھانا یقیناً اگلے دن کی تاریخ میں ملا کرے گا۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے سر جھٹک کر کپڑے درست کرتے ہوئے شگفتگی سے بولا۔

"ابھی روادبہ آئی تھی ناں۔" اس نے ہولے سے پوچھا۔

"ہاں' مجھ سے شادی کی ٹریٹ مانگنے آئی تھی۔ اسے گلہ ہے کہ میں نے اسے مدعو کیے بغیر شادی کرلی۔ اسی بات پر مجھ سے لڑ کر گئی ہے۔" ہاتھ بڑھا کر چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا پھر اگلے ہی لمحے برا سا منہ بنا کر واپس رکھ دیا۔

"یہ چائے ہے؟ ایسی بدمزہ اور ٹھنڈی چائے' اسی لیے تو میں امی سے کہتا تھا کہ ایسے بڑے گھر کی بہو نہ لائیں جو ایک دم سے کوری ہو جو کپڑے جلا بیٹھے اور چائے کو ٹھنڈا کرکے پلائے مگر کیا کروں ماں بہنوں کی خواہش پر سر جھکانا پڑ گیا تھا۔" وہ یقیناً اسے تپانے کو کہہ رہا تھا' وہ یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی۔

"یہ شخص رشتوں کا بھرم کیسے خوب صورتی سے رکھنا جانتا ہے جیسے ابھی روادبہ کا میرے سامنے بھرم رکھ لیا۔ ایسے ہی تو امی ابو اس کی راہ نہیں تکتے۔" شرٹ کے بٹن کھولنے کے بعد اس نے کھینچ کر بیلٹ بھی اتاری تھی۔ اس کا ارادہ چینج کرنے کا تھا۔

"اتنی بری اور بدمزہ چائے پلانے پر تمہیں کوئی سزا تو ملنی چاہیے۔" وہ اس کے کندھوں کو تھامے اب شوخی سے کہہ رہا تھا۔ جواب میں انشال نے استعجابیہ انداز میں پلکیں اوپر اٹھائی تھیں۔

"چلو مجھ سے محبت کا اقرار کرو جیسے اس دن رات کو یہاں میرے بیڈروم میں آکر کیا تھا۔ ہاں بولو میں کسی کے قابل نہیں' تمہیں کے محبت کے؟" وہ مزے سے اس کی ناک دباتے ہوئے اس دن کا حوالہ دے رہا تھا۔

"ہاں' میں کوئی مکر تھوڑی گئی ہوں' مجھے آج بھی آپ سے محبت ہے جیسے کل تھی۔ آپ کی طرح تھوڑی ہوں کہ دل میں کچھ' لفظوں میں کچھ۔" وہ اعترافِ محبت کرتے ہوئے اسے کچھ جتا گئی تھی۔

"جناب...... ہم کچھ کام وقت پر اٹھا رکھتے ہیں ایسے ہی تو نہیں دنیا ہماری فراست اور ذہانت کو مانتی۔" کندھوں سے ہاتھ ہٹا کر وہ اب اس کی کمر کے گرد گھیرا بنا گیا تھا۔

انشال کی پلکیں اس درجہ قربت پر لرزنے لگی تھیں۔ داور نے دلچسپی سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔

"ہاں انشال...... میں ہمیشہ سے زیادہ ایکسپریسو نہیں رہا ہوں مگر یہ سچ ہے کہ مجھے تم سے اس وقت سے محبت ہے جب مجھے محبت کے صحیح مفہوم کا ادراک نہ تھا۔ صرف اتنا چاہتا تھا کہ اس حسین خزانے کا محافظ میں ہی بنوں۔ یہی چہرہ میری ستائشی نظروں کی گرفت میں رہے۔" وہ دھیمے سے بولتے ہوئے اس کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

بیڈروم میں مہکی مہکی و دل فریب سی خوشبو در آئی تھی۔ یہ خوشبو اس محبت کی تھی جس کا اعتراف یہ دونوں کررہے تھے۔

انشال نے پُرسکون ہوکر داور کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ وہ اب اسے اتنا عرصہ خاموش رہنے کی وجوہات بتارہا تھا' وجوہات وہی تھیں جو اس نے کچھ دیر پہلے روادبہ سے کہی تھیں۔ انشال کو ٹوٹ کر اپنے شوہر کی محبت پر پیار آیا تھا۔

ندامت سے پہلے

فرحین اظفر

ستمبر کا مہینہ اپنی پوری ستمگری کے ساتھ سر پر سوار تھا' تپتا ہوا سورج' جلتی زمین اور پسینہ' کینوس کے شوز کے اندر اس کے تلوے اور انگلیاں بری طرح تپ رہے تھے۔ اس پر زمانے بھر کی کوفت اور بیزاری سوار تھی' اوپر سے کافی دیر بس کے انتظار میں خوار ہونے کے بعد اسے پیدل ہی گھر کی طرف مارچ کرنا پڑا۔ گھر کا مین گیٹ اندر سے لاکڈ تھا۔ اس کی ہمت جواب دے رہی تھی' جبھی زور سے دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔

دروازہ کھولنے والی آپی کی بیٹی افزا تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح گود میں بھرنے کے بجائے اسے ہلکے سے جھڑک سا دیا۔

''اوفوہ بھئی دور ہٹو' پسینے میں بھیگ رہی ہوں میں۔'' بچی اس رویے کی عادی نہیں تھی' اس لیے ذرا سی خائف ہوئی' پھر بھاگ کر سامنے کھیلتے بھائی کے ساتھ شامل ہوگئی۔

اس نے کمرے میں آ کر چادر اتاری' بال کھول کر دوبارہ کس کر سمیٹے کیچر لگایا اور فل اسپیڈ سے چلتے پنکھے کے آگے کھڑی ہوگئی۔

آپی کو اس کی آمد کی خبر ہوگئی تھی' اس لیے وہ سلام کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں تو' ان کے ہاتھ میں ٹھنڈا ٹھار شربت سے بھرا جگ تھا۔

''اوہ...... تھینک یو آپی' جزاک اللہ۔'' اس کی ساری کوفت اور بیزاری ہوا ہوگئی۔ جلدی سے دو گلاس بھر بھر کر پیے تو ذرا سکون ملا۔

''افزا کہہ رہی ہے' خالہ جانی نے مجھے پیار نہیں کیا' بلکہ ڈانٹ دیا' کیوں بھئی؟''

''ڈانٹا نہیں تھا بس صاف ستھری بچی گندی ہو جاتی' مجھے پسینہ آ رہا تھا۔'' اس نے کھسیا کر وضاحت دی' پھر کمرے میں آتی افزا کو دیکھ کر بانہیں پھیلا دیں۔ ہانیہ مسکراتی نظروں سے ان کی محبت کے مظاہرے دیکھتی رہی۔

''چلو جلدی سے نہا کر کپڑے بدلو پھر کھانا کھاتے ہیں۔'' اس نے افزا کو اس کی خالہ جانی سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آپی کی بات سن کر اٹھنے کے بجائے پیچھے یونہی بیڈ پر لیٹ گئی۔

''کیا پکایا ہے امی نے' اف...... آج تو بہت تھک گئی۔ اب کہیں جا کے ذرا سکون ملا ہے۔''

''میں نے ہی کہا کہ ابھی بہت گرمی ہے سادے چاولوں کے ساتھ رائتہ بنالیں۔''

ہانیہ آپی کا خیال تھا' وہ اپنے پسندیدہ کھانے کا سن کر خوش ہوجائے گی لیکن اس کے خیال کی رو جانے کہاں بھٹک گئی' جب تھوڑی دیر تک دیکھتے رہنے کے باوجود متوجہ نہیں ہوئی تو ہانیہ نے آواز دی۔

''کیا ہوا...... کہاں کھو گئیں؟''

''ہوں......'' وہ چونکی' پھر گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔

''نہیں کچھ نہیں' میں ذرا امی کو سلام کرلوں۔''

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

لمبی گرم دوپہریں اور ٹھنڈے کمروں کے چکنے فرش' تھکے ہارے صبح کے جاگے اور خوش قسمتی سے دوپہر میں گھر لوٹ آنے والوں کو جس طرح لوری سناتے ہیں۔ ان کے سحر سے آنکھیں تو کیا دل' دماغ بھی نیند سے خود بخود بند ہونے لگتے ہیں۔ اس کا بھی کچھ یہی حال ہوا۔

اپنا بستر ہانیہ اور افزا کے لیے چھوڑ کر کھانا کھاتے ہی وہ فرش پر تکیہ پھینک کر خود بھی آڑھی ترچھی لیٹ گئی۔

"لوتم تو سونے کی تیاری میں ہو۔ میں نے سوچا تھا خوب باتیں کریں گے۔" اس کا غنودگی میں جاتا ذہن ایک لمحہ کے لیے ہوشیار ہوا۔

"اچھا' ہاں کرو باتیں......" ہانیہ کو اس کی حالت پر ہنسی آ گئی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اس نے امی کے کمرے کا رخ کیا۔

"کیا سوچا آپ نے امی' کروں کیا میں اپنی ساس سے بات؟" امی ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر کمر سیدھی کرنے لیٹی تھیں' ہانیہ کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اس وقت انہیں ڈسٹرب کرے' کیونکہ وانیہ کے کالج سے آنے کے بعد کھانا کھا کر وہ دونوں ہی سو جاتی تھیں۔

"میں نے وانیہ سے تو بات کی نہیں ابھی۔"

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے' ادھر میں اپنی ساس سے بات کروں گی' ادھر آپ وانی سے۔"

"ہوں......" ان کا انداز پُرسوچ سا تھا۔

وانیہ سے اس کی شادی کی بات کرنا' اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ شادی کا نام سنتے ہی بری طرح بدک جاتی تھی۔ دراصل جب ہانیہ کی شادی ہوئی تو' اس نے ابھی انٹر ہی پاس کیا تھا کہ عادل کا رشتہ آ گیا۔ عادل ہر لحاظ سے موزوں تھا' ہانیہ کو بیاہتے دیر نہیں لگی' لیکن ہانیہ چونکہ عمر میں بہت چھوٹی تھی' اس لیے سسرال کی ذمہ داریوں کو سمجھنے میں اسے ذرا دیر لگی اور وہ جلدی گھبرا بھی جاتی تھی۔ ہانیہ سے دو سال چھوٹی وانیہ اس وقت میٹرک میں تھی۔ وہ جس طرح ہانی کو گھبرا گھبرا کر بار بار مشورے کے لیے ماں کے پاس آتا دیکھتی اور جیسے ذرا ذرا سی باتوں پر اس کا چہرہ ہونق ہو جاتا۔ وانیہ کو لگتا کہ وہ شادی کر کے کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے۔

شادی سے پہلے تیاری کے مرحلے میں نئے کپڑے' جیولری' بیگ اور جوتوں کی خریداری کرتے وقت پھر کزنز کو جمع ہوتے' گیت گاتے اور چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھتے ہوئے' شادی کے متعلق اس کے ذہن میں جو خیال پیدا ہوا تھا' وہ اپنی موت آپ مر گیا۔

ہر بار جب ہانیہ گھر آتی تو ساس نندوں کے الجھے اور نہ سمجھنے والے رویوں کا تذکرہ کرتی روہانسی ہو جاتی' ایسے میں اپنی بہن سے بے انتہا محبت کرنے والی وانیہ کے دل میں شادی کے نام پر رشتوں' الجھنوں اور نفرت بھرے رویوں کا ہی تصور ابھرتا تھا۔ اسے لگتا شادی کر کے ہانیہ کسی ایسے وبال میں پھنس گئی ہے کہ اب زندگی بھر جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔

وانیہ...... ہانیہ کی محبت میں گرفتار اپنی بڑی بہن کی پریشانیوں پر کتنی بار اکیلے میں منہ چھپا چھپا کر روتی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ شادی کے نام سے ہی بدکنے لگی تھی۔ حالانکہ وقت گزرنے کے ساتھ ہانیہ نے اپنے حسن اخلاق اور خدمت سے ساس نندوں اور شوہر کے دل میں خوب مقام بنالیا تھا۔ ہر بات میں اس سے مشورہ کیا جانے لگا تھا۔ اور اس کی رائے کو اہمیت بھی دی جاتی تھی' لیکن وانیہ کے تصور میں سسرال کا جو خاکہ بن چکا تھا' اس کے نقوش دھندلے پڑنے میں کچھ وقت تو لگنا تھا۔

”کیا سوچنے لگیں امی۔“ ہانیہ ہاتھ میں تیل کی شیشی اٹھائے کھڑی تھی۔

”آئیں‘ آپ کے سر میں تیل کی مالش کردوں‘ اس سے بہت سکون ملتا ہے‘ میری ساس تو ہفتے میں ایک بار ضرور کرواتی ہیں۔“ کبھی جو ساس نندوں کے ذکر پر روہانسی ہوجاتی تھی آج کس محبت سے ان کا تذکرہ کررہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ...... ❁ ❁ ❁

شام کے سائے سرمئی ہورہے تھے جب‘ اس کی آنکھ کھلی‘ وہ بھی اس وقت جب ہانیہ نے آکر دروازہ کھولا اور گیلری میں کھلنے والی کھڑکی کے پردے سمیٹے‘ ملگجی روشنی نے بڑے ڈرے انداز میں کمرے میں قدم رکھا تھا۔

”کب تک سوؤ گی‘ اٹھ بھی جاؤ اب افزا‘ بور ہورہی ہے۔اور میں افزا سے بھی زیادہ۔“

”دانیال کہاں ہے۔“ اس نے چھوٹے بھائی کا پوچھا اور آنکھیں صاف کرتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

”وہ باہر کرکٹ کھیلنے یا شاید کوچنگ گیا ہے۔“

”اچھا۔“ اس پر ابھی تک سستی چھائی ہوئی تھی۔

”کتنی سست ہوگئی ہو تم وانی‘ اتنی دیر سے سو رہی تھیں۔ ابھی بھی اٹھانے سے اٹھی ہو۔ کیا تمہاری روز کی یہی روٹین ہے۔“

”ہاں...... ہوں...... ہم...... م......“ اس نے سر ہلا کر بے ڈھنگے پن سے جمائی لی۔

”تو سارا کام امی اکیلے کرتی ہیں‘ یہاں تک کہ شام کی چائے بھی۔“

”نہیں...... میں پکاتی ہوں ناں رات کی روٹی‘ ابو کے آنے کے بعد۔“ اس نے پہلے ہونقوں کی طرح ہانیہ کو دیکھا‘ پھر جلدی سے صفائی پیش کی۔ ہانیہ نے اس کا انداز دیکھا پھر ہنس پڑی۔

”اتنا گھبرا کیوں گئیں۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل کو جب شادی کرکے دوسرے گھر جاؤ گی تو وہاں......“

”آپی پلیز یار...... مجھ سے یہ شادی وادی کی باتیں مت کیا کریں۔“ وہ بات کاٹ کر بولی۔

”کیوں؟“ ہانیہ نے اسے گھورا۔

”بس یار‘ میرا دل نہیں کرتا شادی وادی پہ سب بکواس ہے......“ اس نے بال سمیٹے‘ کیچر لگایا اور واش روم میں گھس گئی۔

”کس نے کہا تم سے کہ یہ سب بکواس ہے۔“ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو ہانیہ ابھی تک نہ صرف موجود تھی۔ بلکہ وہی بات کررہی تھی۔

”اُفوہ یار‘ تم کیا کم ہو یہ سب سمجھانے کے لیے‘ تم اپنی شادی سے کتنی خوش ہو جو مجھے منا رہی ہو شادی کے لیے۔“ وہ لاپروائی سے اپنے سلکی بالوں میں برش کرنے لگی۔

”تم سے کس نے کہا کہ میں اپنی شادی سے خوش نہیں۔“ ہانیہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اسے یوں گھورا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

”کسی کے کہنے کی کیا ضرورت‘ وہ جو تم ہر روز آکر اپنی ساس نندوں کی شکایات کرتی تھیں وہ کیا کم تھیں سمجھنے کے لیے۔“ اونچی پونی ٹیل باندھ کر اس نے برش دراز میں رکھا اور بڑے اطمینان سے مڑ کر ہانیہ کو دیکھا جو اپنی ہنسی ضبط کررہی تھی اور بالآخر اس میں ناکام ہوکر زور سے ہنس پڑی۔

”کیوں اب کیا ہوا؟“

”تم بھی ناں وانی پاگل ہو بالکل‘ ارے یہ ساس نندوں کے قصے تو زندگی کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان سے ڈر کر کیا انسان شادی ہی نہ کرے۔“

”تو پھر......“ وہ ہونق سی ہوگئی۔

”ارے بیوقوف میاں بیوی سے زیادہ خوب صورت رشتہ بھی ہوتا ہے کیا دنیا میں۔“ وہ اب باقاعدہ اس کا مذاق اڑا کر ہنس رہی تھی۔

”امی سے کہوں گی‘ آپ کی بیٹی تو ابھی بالکل ہی بونگی ہے۔ آپ اس کی شادی کا سوچ رہی ہیں۔ اور پاگل لڑکی‘ جب شوہر محبت کرنے والا ہوتا ہے ناں تو...... ساری دنیا کے تلخ رویے بھی مل کر اس کی محبت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ایک شخص کی محبت زندگی پر اتنی حاوی ہوجاتی ہے کہ اس

کے سوا کچھ دکھائی دیتا ہے نہ سجھائی دیتا ہے۔" ہانیہ کی آواز لہجہ سب خواب ناک ہوگیا تھا۔

عادل کی محبت اس کے چہرے سے دکھنے لگی' اس کی آواز میں بولنے لگی' آنکھوں میں چمکنے لگی اور انداز سے ٹپکنے لگی۔ وانیہ اسے دیکھے گئی' یہاں تک کہ ہانیہ کو اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجانی پڑی۔

"کہاں کھوگئیں؟"

"کہیں نہیں۔" وہ ایک دم چونک کر کہیں دور سے پلٹی۔

"بس امی سے کہہ دینا میں کسی ساس نندوں والے گھر میں شادی نہیں کروں گی' کوئی ایسا بندہ ہونا چاہیے جو اکیلا ہو' جس کے ساتھ کوئی جھنجٹ نہ ہو۔"

"لو جی' ایسا سسرال تو کسی بہت ہی قسمت والی کو ملتا ہے۔" افزاٗ کو گود میں اٹھائی وانیہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس افزاٗ کو گدگدی کرنے لگی۔ اور دل ہی دل میں خود سے بولی۔

"تمہاری بہن بھی ان ہی قسمت والیوں میں سے ہوگی۔ تم فکر مت کرو۔" تصور کے پردے پر کسی کی شبیہ لہرائی' اور وہ خود بھی افزاٗ کی طرح کھلکھلانے لگی۔

❁ ❀ ❁ ...... ❁ ❀ ❁

کالج ٹائم آف ہوئے کافی وقت ہو چلا تھا۔ چھٹی کے وقت جمگھٹے کی صورت میں نکلنے والی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ بس کے ذریعے' پیدل' وین میں' اپنی کزنز اور دوستوں کے ساتھ' ذاتی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ' ابو یا بھائی کی بائیک پر...... غرض یہ کہ سب ہی لڑکیاں ہر طرح کے ذرائع آمدورفت استعمال کرنے والیاں......

اب اس مین روڈ پر کالج یونیفارم میں اگر کوئی لڑکی تن تنہا رہ گئی تھی' تو وہ خود ہی تھی۔

شدید گرمی' بہتا پسینہ' موٹا یونیفارم جو گرد اور پسینے میں اپنی صبح والی چمک اور سفیدی کھوتا جا رہا تھا۔ اس کا حال برا ہوگیا تھا۔ کوفت بڑھتے بڑھتے بیزاری اور جھنجلاہٹ کی سیڑھیاں پھلانگتی اب غصے کی دہلیز پر قدم

دھر رہی تھی، آس پاس سے گزرتے لوگ جن معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے وہ الگ اسے طیش دلا رہے تھے۔ کافی دیر انتظار کی تکلیف جھیل لینے کے بعد جب وہ اپنے پاس سے گزرتی اپنی روٹ کی ویگن کو ہاتھ دینے ہی والی تھی، تب دور سے ایک سیاہ چمچماتی کار نقطے کی صورت میں نمودار ہوئی۔

وہ سوچ میں پڑ گئی اور بغور دھیرے دھیرے قریب آتی کار کو دیکھنے لگی۔ سیاہ نقطے کی مانند گاڑی اس تک پہنچتے پہنچتے ایک بے حد لگژری نیو ماڈل کی کرولا میں بدل گئی اور بے حد آہستگی سے عین اس کے سامنے آن رکی۔ آٹو میٹک لاک کھلے، اس نے گہری سانس بھر کر کار چلانے والے پر ایک شکوہ کناں نگاہ ڈالی، پھر جھٹکے سے دھم کر کے اندر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے مزاج یار بڑے برہم نظر آتے ہیں۔" کار کا ڈرائیور اس کے بیٹھتے ہی گنگنایا۔ آٹو میٹک لاک بند ہو چکے تھے کار چل پڑی اندر اے سی کی ٹھنڈک تھی اور ایک بے حد مسحور کر دینے والی بھینی بھینی مہک۔

اس کے حواس بے طرح متاثر ہوئے ذرا دیر پہلے والی بیزاری اور کوفت ہوا میں اڑن چھو ہو گئی۔ اس کے نازک سے گلابی لب جو پیاس سے سوکھ رہے تھے، یک دم مسکرا اٹھے۔

"میں آپ سے ناراض ہوں۔" لب ولہجہ مسکراتا ہوا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"لو یہ کوئی ٹائم ہے، اتنی دیر لگا دی، سب لڑکیاں چلی گئیں۔ سب لوگ مجھے کتنی بری طرح دیکھ رہے تھے۔"

"ارے ہاں یار سوری یہ تو ہے۔ ایک کام میں ایسا پھنس گیا تھا کہ چاہنے کے باوجود نہیں نکل پایا۔"

"ایسا کون سا ضروری کام پڑ گیا تھا۔"

"بس یار ہیں کچھ بزنس کے جھگڑے۔" بات کرتے ہوئے اس نے گاڑی ایک ریسٹورینٹ کے آگے روک دی۔

"ارے آج تو لنچ رہنے دیں دیر بہت ہو گئی ہے پھر کسی دن سہی۔"

"کوئی بات نہیں کوئی بہانہ کر دینا یار۔ اب آ گئے ہیں تو لنچ کر ہی لیں بہت زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔ جلدی آؤ۔" وہ جانتا تھا کہ وہ یونہی اوپری دل سے انکار کر رہی ہے۔ ورنہ ہوٹلنگ کی تو وہ خود بڑی شوقین تھی اور یہ ملاقاتیں بھی کونسی روز روز ہوتی تھیں۔

اس نے گاڑی سے اتر کر یونیفارم میں ملبوس اس کالج گرل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے اب لوگوں کی عجیب وغریب نگاہوں کی چنداں فکر نہیں ہو رہی تھی۔ جو اسے کالج یونیفارم میں دیکھ کر معنی خیزی سے اس کی طرف اٹھ رہی تھیں، وہ اس اپر کلاس بزنس مین کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے بڑے فخر سے مسکراتے ہوئے اطمینان سے اس کے قدم سے قدم ملاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

یہ وہی لڑکی تھی جو اپنی ماں اور بہن کے آگے شادی سے حد درجہ بیزار نظر آتی تھی۔ جس کو شادی جیسا اہم فریضہ بے حد فضول اور صرف ساس نندوں کا جھنجٹ لگا کرتا تھا۔ وہ ایک امیر زادے کے ساتھ، گھر والوں کی لاعلمی میں کھانا کھانے آئی تھی، کیونکہ وہ اس لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی اور شاید اس لیے بھی کہ وہ اپنے ماں باپ کا نہ صرف اکلوتا تھا بلکہ والدین بھی درافاتی سے رخصت ہو چکے تھے۔ یعنی کہ اس لڑکی کو اپنا من پسند لڑکا بغیر سسرال اور سسرالیوں کے جھنجھٹ کے مل گیا تھا۔

گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک نامحرم کے ساتھ ریسٹورنٹ کے نیم تاریک ماحول میں پُر تکلف اور پُر لطف کھانے کا مزہ اڑاتی وہ لڑکی کوئی اور نہیں، وانیہ تھی...... وانیہ صلاح الدین۔

❁❁❁......❁❁❁

"ہانیہ ایک رشتے کا بتا رہی تھی تمہارے لیے۔" شام کی چائے پیتے ہوئے امی نے بات شروع کی۔ خلاف توقع وہ ایک دم ہائپر ہونے کے بجائے سکون سے انہیں دیکھتی رہی۔

"دو بیٹے ہیں' تین بیٹیاں ہیں' یہ سب سے چھوٹے والے کا پرپوزل لائی تھی۔ تینوں بہنیں شادی شدہ ہیں' بڑا بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ الگ رہتا ہے' لڑکے کے ساتھ بس اس کی ماں ہوتی ہے۔"

"مجھے معلوم تھا' آپی آئی ہیں تو' کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ کر ہی جائیں گی۔" جواب امی کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ انہیں ناگوار گزرا۔

"اس میں شوشا چھوڑنے والی کیا بات ہے' شادی کی عمر ہے تمہاری' رشتے تو بتائیں گے ہی لوگ اور ہمیں ان پر غور بھی کرنا ہوگا۔" اس کے چہرے پر کوفت کے تاثرات ابھرنے لگے۔

"یہی عمر ہوتی ہے لڑکیوں کی جب رشتے آتے ہیں' ایک بار عمر نکل گئی تو' کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔" انہوں نے مشہور زمانہ ڈائیلاگ بہت چہک کر ادا کیا۔

سچ تو یہ تھا کہ اس کی شادی کے معاملے سے مسلسل بیزاری نے انہیں زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ ماں تھیں' بڑی بیٹی کی طرح اس کے فرض سے بھی جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں اور اس کی ایک عجیب ہی ڈیمانڈ تھی' نہ شکل صورت نہ دولت نہ تعلیم نہ شرافت' اسے تو بس اکوا کا چھڑا چھانٹ چاہیے تھا۔

"نہ اس کی ماں ہو نہ بہنیں۔" وہ قطعیت سے کہہ کر چل دیتی۔ پیچھے امی رہ جاتیں بڑبڑانے کو۔ ہاں ہم تو جیسے اپنے بیٹے کی بیوی لائیں گے' تو خود مٹی میں جا سوئیں گے کیا' پاگل لڑکی خود بھی تو کسی کی نند بنے گی کہ نہیں۔" اسے امی کے ارشادات کی پروا نہیں تھی' ابو زیادہ کسی معاملے میں بولتے نہیں تھے اور اسے ان ہی کا آسرا تھا۔ جب امی زور زبردستی کرنے لگتیں' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر ابو کے پاس چلی جاتی۔

"امی کو مجھے گھر سے نکالنے کا کتنا ارمان ہے' یاد ہے ناں آپ کو ہانی آپی کو عادل بھائی کی امی اور ان کی بہنیں کتنا ستاتی تھیں' ہر بات میں اعتراض کرتی تھیں' یہاں بھی نہیں آنے دیتی تھیں۔ وہ کتنا ترستی تھی ہم سے ملنے کے لیے۔

> **نونہال**
>
> مجھے بچوں کی پانچ عادتیں بہت پسند ہیں:۔
>
> - وہ رو رو کر مانگتے ہیں اور اپنی منوا لیتے ہیں۔
> - وہ مٹی سے کھیلتے ہیں یعنی غرور و تکبر خاک میں ملا دیتے ہیں۔
> - جھگڑتے ہیں' لڑتے ہیں پھر صلح کر لیتے ہیں یعنی دل میں حسد' بغض اور کینہ نہیں رکھتے۔
> - جو مل جائے وہ کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں زیادہ جمع کرنے کی حرص نہیں کرتے۔
> - مٹی کے گھر بناتے ہیں کھیل کر گرا دیتے ہیں یعنی بتاتے ہیں کہ یہ دنیا مقام بقا نہیں بلکہ مقام فنا ہے۔
>
> اسیلہ ناز...... حیدر آباد

اب امی چاہتی ہیں کہ میں بھی ایسے ہی ترسوں آپ سے ملنے کے لیے۔" اس کا شکایتی انداز ایسا ہوتا کہ اس کی بات سنتی امی نے بے اختیار ہول کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتی۔

"اللہ نہ کرے' تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ شروع دنوں میں سسرال والوں کے اپنے چاؤ ہوتے ہیں' ساسوں کو ارمان ہوتا ہے' بہو بجی سنوری گھر میں رہے' ذرا رونق رہتی ہے' اسی لیے وہ بھی منع کرتی تھیں' اب تو ایسا کچھ بھی نہیں۔" امی جلدی جلدی اس کی تشفی کرانے کے چکر میں زیادہ ہی بول جاتیں۔ اس بار بھی وہ کوئی ایسا ہی سین کرنے کے چکر میں تھی۔

"ابو سے کہہ دوں گی کہ مجھے نہیں کرنی اتنے لمبے چوڑے سسرالیوں کی خدمتیں اور شادی شدہ نندیں تو ویسے بھی ہر وقت ماں کے بہانے بھابی کی دوڑیں لگواتی ہیں۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا' پھر خیال آیا کہ اگر ابو نے اس مسلسل انکار کی وجہ پوچھ لی تو وہ کیا کہے گی' کیونکہ جو وجہ وہ بتا رہی تھی وہ تو' محض ایک بہانہ ہی تھا' ابو بھی کب تک اس کی سنتے' جس دن سیریس ہو جاتے اس دن اسے ابو کی سننی تھی۔

"اور وہ دن آنے سے پہلے مجھے روحیل سے بات

کر لینی چاہیے۔" دل ہی دل میں ارادہ کرتے ہوئے وہ خیالوں میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔

دوپہر میں ہی تو روحیل اسے ایک زبردست قسم کے ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے لے کر گیا تھا۔

"دوسرے ریسٹورنٹ میں جاتے وقت تمہیں ڈر ہوتا تھا ناں کہ کوئی دیکھ نہ لے اس لیے یہاں لایا ہوں' نہ کوئی ڈر نہ ٹینشن۔" اس نے دھیمے لہجے بولتے ہوئے ایک کیبن نما چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولا' یہ چھوٹے چھوٹے ڈبے نما کمرے پورے ہال کی آمنے سامنے کی دیواروں میں بنے ہوئے تھے' ہال کی چھت سے ذرا نیچے ختم ہوتی ہارڈ بورڈ نما کسی چیز کی دیواریں تھیں' جن کی پشت سے جڑے ہوئے آمنے سامنے دو صوفے بنے ہوئے تھے اور بے حد تنگ سی جگہ میں درمیان میں ٹیبل لگی ہوئی تھی۔

پورے ہال میں ہلکی نیلی اور سبز خواب ناک روشنی اور بھینی بھینی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک شلوار قمیص میں ملبوس بڑی عمر کا آدمی انہیں اس کیبن تک لایا تھا۔ روحیل بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھا اور جب وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھی تو اس نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وانیہ کی جان نکل گئی' کیونکہ وہ روحیل پر تقریباً گرتے گرتے بچی تھی۔ اس نے بروقت خود کو سنبھالا تھا' لیکن روحیل کا انداز دیکھ کر وہ اسے رد کر کے وہاں سے اٹھ نہیں سکی تھی۔

اسے بے اختیار ایک عجیب سی جھجک نے آ گھیرا تھا۔ روحیل کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا بالکل الگ تھا اور اس اتنے چھوٹے سے کیبن میں روحیل کے برابر میں بیٹھنا الگ بات تھی' وہ بچتے بچاتے بھی روحیل سے بالکل جڑ ہی گئی تھی۔ اوپر سے روحیل کے رنگ ڈھنگ بھی آج کچھ نرالے تھے۔ وہ حد سے زیادہ بے تکلف ہوا جا رہا تھا۔ بیٹھتے ہی کندھے پر بازو پھیلا کر اسے خود سے لگا لیا۔ وہ جھجکی سی بیٹھی ہوئی تھی اور روحیل اس پر یوں فدا ہوا جا رہا تھا' جیسے وہ لوگ سات سمندر پار سے سالوں بعد ایک دوسرے سے ملنے آئے ہوں۔

وانیہ تو اس کا چہرہ تک دیکھنے سے اجتناب کر رہی تھی۔ ذرا سی نگاہیں اٹھاتی تو وہ اس قدر قریب محسوس ہوتا کہ وہ اس کی قربت سے گھبرا سی جاتی۔ روحیل کی یہ بے باکی اور یہ روپ آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اس طرح کی ڈھکی چھپی جگہ لے کے بھی پہلی بار ہی آیا تھا۔ وانیہ دل ہی دل میں عہد کرتی رہی کہ آئندہ اس کے ساتھ یہاں نہیں آئے گی' لیکن وہ' وہ تھا اس کے خوابوں کا شہزادہ' بلکہ حقیقی معنوں میں شہزادہ خوش اخلاق تو خیر تھا ہی مگر وہ بلاشبہ ایسی شخصیت اور شکل صورت کا مالک تھا کہ پہلی نظر میں صنف نازک کو اپنا دیوانہ بنا سکتا تھا۔ اس کے سرکل میں ٹین ایجز کی ایک بڑی قطار اس کی ایک نگاہ التفات کی منتظر رہتی تھی۔ اوپر سے دولت کی ریل پیل اور اپنی شخصیت کے سحر سے خودشناسی نے اس کی خوب صورتی کو اور اس کی شخصیت کی مقناطیسی کشش کو کئی گناہ بڑھا دیا تھا۔ اور وانیہ بھی تو ایک لڑکی ہی تھی' نازک سا دل...... اور کچی آنکھوں میں شیشے کے خواب سجا کر رکھنے والی۔ وہ کہاں تک خود کو بچا سکتی تھی۔

اس ماحول سے اس ماحول کے خواب ناک سرور سے' روحیل کے وجود سے پھوٹتی مسحور کن مہک سے' اس خمار سے جو اس دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ ان سرگوشیوں سے جو روم روم میں ایک گدگداتا احساس پیدا کر کے فضا میں بکھر جاتی تھیں۔ کچھ ہی وقت میں وہ روحیل کی وارفتگیوں اور قربت کی عادی ہو چکی تھی۔ گو کہ ایک شرم اور حیا آمیز جھجک ابھی بھی برقرار تھی' لیکن پرہیز اور احتیاط کا وہ عالم بھی نہ تھا' جس نے اس ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہی اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ کافی دیر بعد جب کھانا سرو کیا گیا تب اسے ہوش آیا کہ کتنا ٹائم نکل چکا ہے۔

اس نے دل نہ چاہنے کے باوجود جلدی جلدی کا شور مچا ڈالا ورنہ روحیل کے انداز سے لگتا نہیں تھا کہ وہ اگلے کئی گھنٹوں بعد بھی وہاں سے اٹھنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہو۔ جب وہ لوگ اس ریسٹورنٹ سے نکلے تو وانیہ کے ہاتھ پیروں میں لرزش سی تھی پھر بھی اس کا دل جانتا تھا کہ آئندہ یہاں

نہ آنے کا ارادہ کتنا کمزور پڑ چکا تھا۔ روحیل نے اپنی مخمور قربت کا جو جال اس پر پھینکا تھا۔ اس سے صحیح سلامت بچ کر نکل آنا یقیناً خوش قسمتی ہوتی' لیکن صرف اس شکار کے لیے جو دام سے نکلنا چاہے۔

اس کے لاکھ پیر پٹخنے' تاویلیں دینے اور صاف صاف انکار کردینے کے باوجود اس بار امی اس کی کسی بات کو خاطر میں لانے والی نہیں تھیں۔ وہ ہر بار اس کا بیزار چہرہ دیکھتیں اور ہنس دیتیں' کبھی پیار سے اس کو گلے لگا لیتیں' کبھی ایک گھوری دے کر رہ جاتیں۔ ابو بھی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے' سخت بے بسی کے عالم میں ایک دن اس نے ہانیہ کا فون اٹینڈ کیا' جو مہمانوں کے آنے کا دن اور وقت کنفرم کرنے کے لیے امی سے بات کرنا چاہتی تھی' لیکن اس نے بجائے امی کو آواز دینے کے فون پر ہی ہانیہ سے لڑنا شروع کردیا۔

"تمہیں میرا چین آرام اور سکون گوارہ نہیں...... لے کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو میرے' اب اگر تم خود اٹھارہ سال میں بیاہی گئیں تو کیا اس کا بدلہ مجھ سے لوگی۔"

"وانیہ...... کیا ہوگیا ہے تمہیں۔" ہانیہ تو اس بات کو سن کر دنگ رہ گئی۔

"اور نہیں تو کیا' مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے آپی کہ......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی' امی نے ریسیور چھین کر ہانیہ سے کہا کہ وہ بعد میں بات کریں گی اور ریسیور پٹخ دیا۔ اس کے بعد وانیہ کے وہ لتے لیے کہ اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ مرتا کیا نہ کرتا' آخر مقررہ دن پر بالکل ہانیہ کی مرضی کے مطابق لیکن بے حد بجھے دل اور روتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ تیار تھی۔

دل البتہ بری طرح رو رہا تھا۔ اس کی دھڑکن میں ایک ہی نام دھڑک رہا تھا۔ روحیل...... روحیل......!
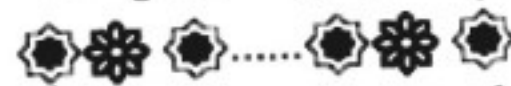
ہفتہ بھر گزر گیا' وہ معمول کے مطابق کالج جارہی تھی لیکن روحیل سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکا تھا۔ صد شکر تھا کہ جو لوگ اسے دیکھ کر گئے تھے' ان کی طرف سے بھی خاموشی تھی۔ نہ انکار نہ اقرار' انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' جس کا صاف مطلب تو یہ نکلتا تھا کہ وانیہ ان کے معیار پر پوری نہیں اتری تھی۔ البتہ اس کے دل کو ایک دھڑکا سا ابھی بھی لگا ہوا تھا کیونکہ روحیل کا موبائل مستقل بند تھا۔ جانے کیوں؟ اس نے جتنی بھی بار ٹرائی کیا ہمیشہ یہی جواب ملا کہ آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے۔

جب تک روحیل سے بات کر کے اس کا جواب نہ سن

غزل

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم
کیا جانے کیسے جلائیں گے ہم
اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتش دل بجھائیں گے ہم
خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
گر غیر سے ہے یہ رنگ صحبت
تو اور ہی رنگ لائیں گے ہم
اے پردہ نشین نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم
مت لال کر آنکھ اشک خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم
دم دیتے تو ہو پر یہ سمجھ لو
دشمن کی قسم دلائیں گے ہم
کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم
گر ہے دل غیر نقش تسخیر
تو تیرے لئے جلائیں گے ہم
کہہ اور غزل بطرز و اسوخت
مومن یہ اسے سنائیں گے ہم

مومن خان مومن

انتخاب: راؤ رفاقت علی

لیتی، وہ گھر میں امی سے یا ہانیہ سے اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی تھی، اس کی جان عجیب مشکل میں پھنس چکی تھی کہ ایک دن ہانیہ کی آمد نے اس کے سر پر بم پھوڑ دیا۔

''ان لوگوں کو وانیہ بہت پسند آئی ہے اور وہ لوگ منگنی کے بجائے ڈائریکٹ شادی کا کہہ رہے ہیں۔'' وانیہ اسی وقت کالج سے لوٹی تھی۔ شدید گرمی کے اس سخت موسم اس خبر نے اس کے دماغ تک کو کھولا کر رکھ دیا۔ اس نے کمرے میں آ کر ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینکی، چیخ و پکار مچا دی، ہانیہ اور امی بری طرح پریشان ہوگئیں۔

''کیا تماشہ لگا رکھا ہے وانیہ، امی کی طبیعت خراب ہوجائے گی، کیا پاگل ہوگئی ہو؟'' وانیہ نے ایک بار پہلے بھی اس سے بدتمیزی کی تھی آج اس کا ضبط جواب دے گیا۔

''پاگل میں ہوئی ہوں یا آپ لوگ زبردستی لٹھ لے کر پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔'' دھونکنی کی طرح اس کا سانس چل رہا تھا۔ سرخ چہرہ پھولتے نتھنے، اسے بے طرح غصہ آیا ہوا تھا۔

''کیوں تمہیں کیا شادی نہیں کرنی، تم کیا دنیا سے انوکھی لڑکی ہو سب لڑکیاں اس عمر میں شادی کرکے گھر بساتی ہیں، تم کون سا چاند پر جا کے بیٹھی ہو جس میں رکاوٹ ڈال دی ہے ہم نے۔'' ہانیہ اسے بالکل امی کے انداز میں ڈپٹ رہی تھی۔

''تو کیا چاند پر جاؤں گی، تب ہی یہ سلسلہ رکے گا۔'' وہ چلائی۔

''نہیں یہ سلسلہ تب بھی نہیں رکے گا۔'' ہانیہ کی قطعیت نے اسے اور غصہ دلایا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں آپی، آخری بار سن لو میں شادی نہیں کروں گی، تو بس نہیں کروں گی۔ کہہ دیا میں نے۔'' اس نے خود پر بے حد ضبط کرکے انگلی اٹھا کر ہانیہ کو وارن کیا۔ ہانیہ چند لمحے غصے سے اسے گھورتی رہی پھر اس کے لب کھلے۔

''شادی نہیں کروگی یا اس سے نہیں کروگی۔'' اس کا لہجہ بہت گہرا تھا۔

وانیہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ ہانیہ اس کی سگی بہن ہمیشہ سے ساتھ کھیلی کودی اگر اس نے......!

''بولو خاموش کیوں ہوگئی، یہ کہو ناں کہ امی کی پسند سے شادی نہیں کروگی۔'' امی جواب تک خاموش تھیں، ہونق ہو کر کبھی ہانیہ تو کبھی وانیہ کو تکنے لگیں۔

''ہاں۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا۔

''امی کی پسند سے نہیں کروں گی۔''

بالآخر اس نے بول دیا۔ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں تھا، اور ہانیہ کی نظریں اتنی گہری تھیں کہ وہ ان سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ ہانیہ نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ امی پر ڈالی، جن کا چہرہ حد درجہ پیلا پڑ گیا تھا۔

''کیا کہا تو نے وانیہ......! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔'' وانیہ نے جواب نہیں دیا، وہ کمرے کے عین وسط میں کھڑی تھی، دوسری جانب کونے میں دیکھنے لگی۔

''مطلب اپنی پسند سے کروگی ہے ناں۔'' ہانیہ کی غصہ بھری آواز ابھی بھی دھیمی ہی تھی۔ وانیہ چپ رہی۔

''اور میں پوچھ سکتی ہوں کہ کون ہے وہ ذلیل انسان، جس نے تمہیں یہ پٹیاں پڑھائی ہیں۔'' ہانیہ نے اس کے مقابل آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

ذرا دیر پہلے کا شور شرابا تھم چکا تھا۔ اب ایک گہرا سکوت طاری تھا، جس میں کبھی ہانیہ اور کبھی امی کی آوازیوں گونجتی جیسی کنویں سے نکلی ہو۔ ہانیہ سمجھ چکی تھی کہ اس وقت وہ مزید کچھ نہیں بتائے گی اسے امی کی طبیعت کی بھی فکر تھی، اس لیے امی کو تسلی دیتی ہوئی اپنے ساتھ باہر لے گئی۔ وانیہ نے ان دونوں کے جانے کے بعد ایک گہرا سانس خارج کیا۔ جیسے کب سے دم گھٹ رہا تھا اور بیڈ پر گر سی گئی۔ اسی وقت موبائل جھنجھنایا اس نے اسکرین دیکھی۔

''فضہ کالنگ۔'' روحیل کا نمبر اس نے فضہ کے نام سے سیو کیا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔ دیر سے

ہی سہی لیکن بالآخر روحیل نے اس سے رابطہ کرلیا تھا۔

❁❁❁.....❁❁❁

تیسرے دن صبح ہی روحیل نے اسے کالج کے گیٹ سے پک کرلیا۔ شکر تھا کہ ہانیہ کے مشورے پر اس کی بات ابو کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی' ورنہ شاید آج وہ کالج نہ آپاتی۔ امی سے اس نے ٹیسٹ کا بہانہ کردیا۔ امی بہت مشکل سے تین دن بعد اسے گھر سے نکلنے کی اجازت دے پائیں۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ دیر سے ہی سہی لیکن اسے روحیل سے ملنے کا موقع تو ملا۔

تین راتوں سے اس کا دل یہ سوچ سوچ کر سلگتا رہا تھا کہ اگر روحیل اس کی زندگی میں شامل نہ ہوا تو کیا وہ ڈھنگ سے جی بھی پائے گی یا نہیں۔ الٹی سیدھی سوچوں نے تین دن اور تین راتوں تک اسے پریشان کرکے نڈھال سا کرڈالا تھا۔ نہ اس سے ڈھنگ سے کچھ کھایا گیا تھا نہ نیند پوری ہوئی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت چہرے سے ہی ظاہر تھی۔

روحیل سے مل کر وہ بری طرح سے رودی۔ اور تین دن پہلے کی روداد اس کے گوش گزار کردی۔ روحیل کے مسکراتے لب سکڑ گئے' اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں اور ماتھے کی سلوٹیں نمایاں ہوگئیں۔ وانیہ بہت امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ روحیل کی طرف سے فوری تسلی بخش جواب ملنے کے بجائے اس گہری خاموشی نے اسے امید وبیم کی کیفیت میں معلق کردیا۔

”کیا..... کیا روحیل کو ہماری شادی کے بارے میں اس قدر سوچ بچار کی ضرورت ہے؟“ ایک سوال شیشے کی نوک کی مانند اس کے دل میں پیوست ہوا۔

”کیا..... کیا سوچنے لگے آپ؟“ جب کافی دیر وہ کچھ نہ بولا تو وانیہ نے ہی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں' بس یہ کہ تمہارا پرپوزل لے جانے کے لیے مجھے اپنی ایک رشتے کی بھابی کو بلانا ہوگا۔ انہیں آنے میں تھوڑا ٹائم لگے گا۔“ وانیہ کے دل میں اندر تک اطمینان اترا۔

پیاری بات

- ✦ ہر انسان کسی ناں کسی فکر میں مبتلا ہے۔
- ✦ کوئی کہتا ہے میری اولاد کا کیا بنے گا؟
- ✦ کوئی کہتا ہے میرے مال کا کیا بنے گا؟
- ✦ کوئی کہتا ہے میرے کاروبار کا کیا بنے گا؟
- ✦ لیکن ایمان والوں کی یہ نشانی ہے کہ وہ ہر کام سے پہلے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ میری آخرت کا کیا بنے گا؟

مہروباء الطاف زندگی..... سندھاں شریف

”کتنا..... کتنا ٹائم لگے گا انہیں؟“

”آؤٹ آف سٹی ہیں یار میں نے تو انہیں تمہارے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں ہے۔ اب بتاؤں گا بلاؤں گا' وہ بھی کچھ تیاری سے ہی آئیں گی۔ تو..... ٹائم تو لگے گا ناں۔“ اس کے لب ولہجے میں وانیہ کے برعکس کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ ایسے مطمئن تھا جیسے وانیہ کا رشتہ آجانا کوئی خاص بات ہی نہیں تھی۔

”آپ ان کو پوری بات بتا کر جلدی بلالیں ناں۔“ روحیل نے ایک شوخ نگاہ اس پر ڈالی۔

”اوہو..... و..... و..... بہت جلدی ہورہی ہے۔“ اس کی شوخی اور مذاق وانیہ کی فکر مندی پر کوئی خوشگوار اثر نہ ڈال سکا۔ وہ ہنوز بے چینی سے اسے دیکھتی رہی۔ روحیل نے دوبارہ اسے دیکھا پھر اس کے نم ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”فکر کیوں کرتی ہو میں ہوں ناں' بھیج دوں گا بھابی کو' اگر آکورڈ نہ لگتا تو میں خود ہی اپنا پرپوزل لے کر آجاتا۔“ وانیہ کو کچھ سکون ملا۔

”چلو آج اتنے دنوں کی پریشانی کے بعد تمہیں ذرا ریلیکس کردیں۔“

”میں اس ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔“ وہ جلدی سے بولی۔ روحیل نے اس پر ایک ترچھی نظر ڈالی۔

”تمہیں بھروسہ نہیں مجھ پر۔“ وہ یک دم بے حد سنجیدہ ہوا۔ وانیہ ڈر سی گئی۔

یوں بھی محبت میں لڑکیاں کچھ ایسی ہی دیوانی ہوجاتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑنا' دل ہار دینا' ڈر جانا یا پھر گھنٹوں ہنستے رہنا۔

"نہیں...... نہیں' ایسی بات نہیں' بس مجھے وہ ماحول پسند نہیں۔"

"اوکے' آج تو ٹائم ہے ناں تو ایسا کرتے ہیں' گھر چلو گی میرے۔" اس نے اچانک کہا وہ حیران رہ گئی۔

"اتنا حیران کیوں ہورہی ہو' وہ تو ویسے بھی تمہارا ہی گھر ہے' وہیں تو آنا ہے تمہیں۔ تو پھر آج دیکھ لینے میں کوئی برائی تو نہیں۔" وانیہ چپ رہ گئی۔

"مجھے یقین ہے تم نے تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہوگا ٹھیک سے۔ مزیدار سا ناشتہ کریں گے' میں تمہیں گھر دکھاؤں گا اور اپنا بیڈروم بھی۔" گاڑی سے اترنے سے پہلے اس نے وانیہ کی طرف جھک کر قدرے معنی خیزی سے کہا۔ وانیہ کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہوگئیں۔

❁ ❁❁ ❁ ...... ❁ ❁❁ ❁

ناشتے کی ٹیبل طرح طرح کے لوازمات سے بجی تھی۔ روحیل خود ایک ایک چیز اٹھا کر اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ اس کا پیٹ فل ہوچکا تھا لیکن روحیل پھر بھی اس سے مزید کھانے کے لیے اصرار کررہا تھا۔

"بس روحیل' اب بالکل گنجائش نہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے سامنے رکھی پلیٹ پیچھے کردی۔

"اوکے' وہ سامنے واش روم ہے' تم ہاتھ دھوؤ' میں تب تک ایک کام نمٹا آؤں۔"

"آپ کہاں جارہے ہیں۔" وہ سن کر گھبرا سی گئی۔

"اپنے کمرے میں یار...... کیا ہوگیا ہے؟" وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔

ہاتھ دھو کر اس نے واش بیسن کے سامنے لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا' تین دن کی فکر پریشانی اور گریہ وزاری نے اس کا چہرہ کملا گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے اور رخسار زرد......!

وہ محو ہوکر خود کو دیکھنے میں مگن تھی کہ اچانک ایک آواز نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ یہ کسی چیز کے گرنے کی آواز تھی۔ چند لمحے وہ غور کرتی رہی' پھر آہستگی سے واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ بڑا سا ڈائننگ روم مع لاؤنج خالی پڑا بھائیں بھائیں کررہا تھا۔ اس نے اپنی حقیقی زندگی میں اتنے بڑے گھر دیکھے ہی کب تھے۔ اس وقت یہ خالی ہال نما کمرہ خالی کے بجائے ویران لگنے لگا۔ یوں لگا لمحے بھر کو جیسے سناٹا بل کھا گیا ہو' جبھی ایک آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی' یہ کسی عورت کے چلانے کی آوازیں تھیں۔

کوئی عورت حلق کا پورا زور لگا کر چیخ رہی تھی۔ مگر وہ کہہ کیا رہی تھی' یہ سمجھ سے باہر تھا۔ وانیہ کو یک دم اس خالی گھر میں گونجتی آوازوں سے خوف آیا۔ جو انسانی ہونے کے باوجود غیر انسانی لگ رہی تھیں لیکن اب وہ آوازیں تنہا عورت کی نہیں تھیں' ان میں روحیل کی آواز بھی شامل تھی۔ اس کے دل میں ہزار ہا خدشوں اور واہموں نے خود رو آبی پودوں کی طرح ایک ساتھ جنم لیا۔ اور وہ بے ارادہ واش روم کے برابر نظر آتے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

یہ شاید گھر کی لائبریری تھی۔ دیواروں کے ساتھ لگے شیلفوں پر کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ سینٹر ٹیبل' کاؤچ' لیمپ' ہر چیز اپنی جگہ سلیقے سے رکھی ہوئی تھی' لیکن ہر چیز پر مٹی دھول جمی تھی۔ یوں جیسے کئی دنوں سے یہاں کی صفائی نہیں ہوئی۔

آوازیں اب مزید صاف ہوگئی تھیں' جبھی وانیہ کی نظریں زیادہ دیر چیزوں سے الجھ نہیں سکیں۔ روحیل اور اس انجان عورت یا لڑکی کے درمیان تکرار برابر والے کمرے میں ہی چل رہی تھی۔

"میں تمہیں ناکوں چنے چبوادوں گی روحیل' تم نے اس بار غلط جگہ پنگا لیا ہے۔ اب تمہیں پتہ چلے گا' یاد کرو گے تم کہ کس عورت سے پالا پڑا تھا۔ میں تمہارا جینا حرام کردوں گی۔" اس عورت کی آواز میں بپھری شیرنی کی سی للکار تھی۔ وانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ دو قدم چلتی اس دروازے تک پہنچی جو برابر والے کمرے اور لائبریری

کے درمیان تھا۔

کانپتے ہاتھوں سے ناب گھماتے ہوئے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آگے کون سا منظر اس کا منتظر ہوگا۔ وہ تو دل میں اٹھتے وسوسوں اور تجسس کے درمیان ڈولتی اس دروازے تک پہنچی تھی۔ کمرہ شیلف کے درمیان میں بنا تھا' اس لیے باہر والے دروازے سے اندر آنے والے کو دیر سے دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ناب گھما کر دروازے کو دھیرے سے حرکت دی' دروازہ ڈیڑھ دو انچ کھلا۔ اب آوازیں بے حد صاف تھیں۔ وہی اگلا کمرہ تھا جہاں مسلسل ہوتی تکرار نے اب جھگڑے کا روپ دھار لیا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا سی آنکھ دروازے کی اوٹ سے نکال کر جھانکا' روحیل اور وہ لڑکی تو دکھائی نہیں دی' البتہ یہ اس بیڈروم کے ساتھ ملحق ڈریسنگ روم تھا جس میں صرف الماریوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی یا بیڈروم میں کھلتے دروازے سے بیڈروم کا ذرا سا حصہ۔

"تم کیا سمجھتی ہو ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرالو گی مجھے' اتنی ہمت ہوگئی تمہاری کہ میرے بیڈروم تک آگئیں اور وہ بھی میری اجازت کے بغیر۔"

"ہاں تمہاری اجازت کے بغیر' مت بھولو کہ یہ جرأت بھی تمہاری ہی بخشی ہوئی ہے اور کون سا میں یہاں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہوں' یہاں تو دن رات آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ ہزار بار تمہارے ساتھ بھی تو آئی ہوں' ایک بار بغیر اطلاع کے آگئی تو اتنی ہوائیاں کیوں اڑ گئیں تمہاری...... یقیناً اس چڑیا کی فکر ہو رہی ہوگی جو نادانی میں تمہارے جال میں پھنس چکی ہے اور اب باہر بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" دروازے سے چپکی وانیہ کے ہر ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا۔

یہ وہ کیا کہہ رہی تھی' یقیناً اس کی قسمت یا قدرت اس کے سامنے کوئی بہت ہی تکلیف دہ اذیت ناک اور شرم ناک انکشاف کرنے والی تھی۔ اس نے بھیگتے ہاتھوں سے پھسلتے ناب پر اپنی ہتھیلی جمائی۔ اور خود کو کسی بھیانک صورت حال کے لیے تیار کرنے لگی۔

❁❁❁......❁❁❁

مغرب کا وقت نکل چکا تھا۔ ابو نے گھر میں قدم رکھا تو امی نے ان کے لیے چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے تیسری بار اسے آواز دی...... کمرے کا دروازہ اب بھی بند تھا' آواز ندارد......!

اس بار امی کے انداز میں گہری تشویش تھی گو کہ پچھلے تین دنوں میں جس طرح اس نے بدتمیزی کے ریکارڈ توڑے تھے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی اور ان کی عزت کو نیلام کرنے کی کوشش کی تھی' جس طرح اس کی خودسری اور ہٹ دھرمی اچانک نمودار ہوئی تھی اس سے ان کا دل اتنا دکھا تھا کہ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جب تک وہ اپنی ایک ایک بات کی معافی مانگ کر اس رشتے کے لیے ہامی نہیں بھرلے گی وہ اس سے بات نہیں کریں گی' لیکن......!

اب جس طرح وہ دوپہر سے آکر کمرے میں بند تھی۔ نہ کوئی بات نہ چیت' ان کا دل مسلسل ہول رہا تھا' پسند کی شادی کرنے کا جو پٹاخہ اس نے چھوڑا تھا' اس نے ان کی راتوں کی نیند حرام کردی تھی۔ جوان اولاد اور وہ بھی لڑکی اگر اپنے منہ سے اپنی مرضی کی شادی کا اعلان کرے تو شریف والدین کا چین وقرار اڑ جایا کرتا ہے۔ ان کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا لیکن اب گھنٹوں سے سختی سے بند کمرے کے دروازے نے ان کے غصے کو مغلوب کرکے فکر اور تشویش میں ڈال دیا تھا۔ امی نے تین بار دانیال کو کہا کہ جاکر وانیہ کو اٹھاؤ' وہ ہر بار ناکام ہی لوٹا۔

"چھوٹی آپی سو رہی ہیں۔" ہر بار ایک ہی جواب۔ ابو کو چائے پکڑا کر وہ فوراً واپس پلٹیں اور آ کے زور سے اس کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

"وانی...... اٹھو کب سے سوئے جارہی ہو" اس بار ان کی آواز میں واضح پریشانی تھی' جبھی لہجے سے بھی جھلکنے لگی اور آواز بھی بلند ہوگئی۔

❁❁❁......❁❁❁

گھپ گھپ اندھیرے میں دائرے سے بنتے اور معدوم ہوجاتے' ان دائروں کی روشنی اندھیرے کو مٹانے

کے لیے ناکافی تھی اور ان دائروں سے پھوٹتی روشنی کی لکیروں کا رنگ بھی انجانا سا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی اس رنگ کی روشنی نہیں دیکھی تھی تبھی دو نادیدہ ہاتھ اسے اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کے وجود میں وحشت سی بھر گئی۔

کچھ نظر آ رہا تھا نہ دکھائی دیتا تھا نہ سنائی دیتا تھا۔ بس ایک مکروہ تیرگی تھی اس کا پسینہ اس نادیدہ قوت سے نبرد آزما وجود جو اسے اس قدر طاقت سے گھسیٹ رہا تھا کہ وہ خود کو پوری جان صرف کر کے بھی روکنے کے بجائے اس کے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ حلق میں کانٹے تھے آنکھوں میں مرچیں تھیں اور زبان تالو سے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جان نکل رہی ہو۔ اس نے پورا زور لگا کر چیخنا چاہا۔

"امی...... ی...... ی۔" لیکن اس کی آواز محض ایک سرگوشی بن کر لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔

قریب تھا کہ وہ مزاحمت ترک کر دیتی پھر وہ نادیدہ قوت جہاں جی چاہے اسے گھسیٹتی روندتی یا کہیں غرق کر دیتی جب اندھیرے میں سفید روشنی نمودار ہوئی اور کسی نے پکارا۔

"وانیہ......!" یہ جانی پہچانی آواز کہیں قریب سے ابھری تھی۔

"وانیہ..... دروازہ کھولو اٹھو۔" اس کی ماں کی آواز تھی۔ وہ کہیں قریب سے ہی اسے پکار رہی تھیں۔

"وانیہ!" آواز پھر گونجی اس نے بے قراری سے سر تکیے پر پٹخا۔ اور ایک جھٹکے سے آنکھیں کھل گئیں۔ اس کا مضطرب وجود ساکت ہو گیا۔

بند کمرے میں اندھیرا اور روشنی مدغم تھے فل اسپیڈ سے چلتے پنکھے کی موجودگی میں بھی حبس بھرا تھا۔ اس کا گلا سر کان چہرہ پسینے میں تر بتر تھے۔

"وانیہ بیٹا......" امی دستک دے رہی تھیں جانے کب سے ان کی آواز سے لگ رہا تھا وہ پریشان ہیں۔ اس نے چاہا کہ حواسوں میں لوٹتے ہی تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولے تاکہ اس کی مضطرب ماں کو قرار مل جائے مگر ایسا ہو نہیں سکا۔

جونہی اس نے ہلنے کی کوشش کی درد کی ایک اذیت ناک ٹیس اٹھ کر لہر بنی اور اس کے پورے وجود میں سرائیت کر گئی۔ وہ آواز دے کر امی کو کہنا چاہتی تھی کہ میں دروازہ کھولتی ہوں مگر لبوں سے محض ایک آہ ہی نکل سکی۔ پورا جسم دہکتا انگارہ سا بن چکا تھا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش ترک کر دی۔

باہر سے چابی کھٹکنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید امی نے ابو کو بلایا تھا اور اب وہ باہر سے لاک کھول رہے تھے۔ اس نے تھک کر تکیے پر سر گرا دیا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا امی ابو اور دانیال ملی جلی آوازیں جن میں سب سے نمایاں آواز اس کی امی کی ہی تھی۔

"ارے اس کو تو بخار ہے اتنا تیز......!" اس کا سر کسی نرم گرم مہربان آغوش میں چلا گیا اور وہ خود دوبارہ سے غنودگی میں تھی۔

❁❁❁......❁❁❁

چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے بخار اترا تو جسم پسینے میں بھیگ چکا تھا لیکن ہلکا پھلکا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر خود پر لپٹی چادر ایک طرف ہٹا دی کمرے کی ذرا ذرا سی خنکی جسم کو بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے ہمت کی داہنی طرف کروٹ بدلی پھر اسی کروٹ کے سہارے اٹھ بیٹھی۔ سر میں درد نہیں تھا جسم کی تپش اور طبیعت کا بھاری پن بخار کے ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا۔ وہ کسلمندی سے کافی دیر یونہی پیر لٹکا کر بیٹھی رہی پھر چونک گئی۔

کمرے کے سناٹے میں موبائل کی وائبریشن گونج رہی تھی۔ زوں زوں کی آواز کے ساتھ اسکرین پر "فضہ کالنگ" کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ دل کرلانے لگا۔ اس نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا کال کاٹی اور سم نکال کر دو ٹکڑے کر دی۔ اب وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

وہ دو دن گزر جانے کے باوجود اس منظر کی گرفت سے

باہر نہیں نکل پائی تھی۔ جب اس نے روحیل کے گھر میں چھپ کر ان کی باتیں سنتے ہوئے دروازے کو ذرا سا دھکیلا تھا اور بہت ساری تلخ کڑوی حقیقتیں اس کے سامنے برہنہ ہوگئی تھیں۔ اس کی محبت منہ کے بل اس کے اپنے قدموں میں آن گری تھی۔ سارا بھروسہ اور اعتبار جو وہ روحیل پر کرتی تھی چکنا چور ہوگیا تھا۔

وہ لڑکی جو کوئی بھی تھی روحیل سے یقیناً کبھی محبت کرتی تھی اور اب یقیناً روحیل اپنا مطلب نکل جانے کے بعد اس سے جان چھڑانے کے چکروں میں تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بحث بڑھتی جارہی ہے تو اس لڑکی کو پچھلے دروازے سے باہر نکل جانے کو کہا۔ جس پر وہ لڑکی اور بھی بھڑ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ وانیہ کے سامنے جاکر روحیل کی اصلیت ظاہر کردے۔ مگر اسے پتہ نہ تھا کہ جس کمرے میں کھڑی وہ روحیل سے سوال جواب کررہی تھی' اسی کمرے کے ڈریسنگ روم سے سر ٹکا کر ساکت بے جان مورتی کی مانند وانیہ لگی کھڑی ہے۔

اس لڑکی نے روحیل کو راستے سے ہٹانا چاہا جواب میں روحیل نے اسے پچھلے لان کی طرف کھلنے والے گلاس ڈور کی طرف دھکا دیا' وہ لڑکھڑاتی ہوئی گلاس ڈور تک پہنچی' تب وانیہ نے اس کی ہلکی سی جھلک دیکھی' وہ ایک دبلی پتلی اسی کی عمر کی لڑکی تھی' وانیہ کو بے اختیار اس کے اور خود اپنے حال پر رحم آیا۔ روحیل نے اسی پر بس نہیں کیا' وہ اس کے قریب گیا' اس کے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا' وانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ روحیل اس حیوانیت پر بھی اتر سکتا ہے۔

وہ لڑکی کو بے دردی سے گھسیٹتا ہوا داہنی طرف والے لان میں لے آیا۔ لائبریری کے بالکل سامنے والی دیوار میں ایک قد آدم لمبی چوڑی گلاس ونڈو تھی' جس سے باہر کا سارا منظر صاف نظر آتا تھا۔ روحیل اس لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لان کی باؤنڈری وال میں نظر آتے چھوٹے سے گیٹ کی طرف لے جارہا تھا۔ وانیہ دروازہ چھوڑ کر پلٹی اور برابر میں رکھے شیلف سے چپک کر گلاس ونڈو سے نظر

آتے روحیل کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر اس قدر سفاکیت تھی کہ اسے اپنے پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ لڑکی مزاحمت کرتے ہوئے کبھی روحیل پر مکے برساتی کبھی اس کا منہ نوچنے کی کوشش کرتی‘ لیکن اس کے لمبے چوڑے وجود کے آگے اس نازک سی لڑکی کی ہر کوشش بیکار گئی۔

روحیل نے اسے دروازہ کھول کر باہر دھکیل دیا اور خود سامنے والے لان کی طرف ہاتھ جھاڑتا ہوا بڑھ گیا۔ اسے سامنے والے لان کی طرف بڑھتے دیکھ کر وانیہ کے ساکت وجود میں جیسے جان سی پڑ گئی۔ روحیل اسے یہاں کیوں لایا تھا۔ اس کا مقصد یقیناً واضح ہو چکا تھا۔ اب مزید یہاں ٹھہرنا یقیناً اپنی عزت وعصمت کی چادر کو خود تار تار کردینے کے برابر تھا۔

اس کی آنکھوں سے روحیل کی نام نہاد محبت کی پٹی اتر چکی تھی۔ مہکتے لیکن جھوٹے الفاظ کی ملمع کاری اتری تو ایک کریہہ صورت اس کی زندگی کھوٹنے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ دفعتاً اس کے دماغ نے اسے یہ راہ بجھائی۔

اس لائبریری سے واپس لاؤنج میں نکلنا تو یقیناً اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا‘ اس نے وہی دروازہ کھولا جس سے چپکی کھڑی تھی اور اپنے شل وجود کو گھسیٹتی ہوئی ڈریسنگ میں اور ڈریسنگ روم سے اس دھوکے باز کے بیڈروم میں داخل ہوئی‘ جہاں چند لمحے پہلے زندگی نے اس کی آنکھوں پر پڑے پردے ہٹائے تھے۔

کبھی اسے بہت آرزو رہی تھی کہ وہ اس کمرے کو ٹھہر کر‘ رک کر فرصت سے دیکھے‘ یہاں آئے‘ رہے اور بسے‘ لیکن اس وقت یہ کمرہ کسی مقتل گاہ سے کم نہ تھا۔ جہاں اس کی عزت کا جنازہ نکالنے کے لیے کوئی درندہ صفت عفریت اس کے پیچھے آرہا تھا۔ اس خیال نے اس کے قدموں میں بجلی کی سی رفتار بھردی‘ اس نے سامنے موجود وہی دروازہ کھولا جس سے روحیل نے اس لڑکی کو باہر دھکیلا تھا۔

اس نے دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ‘ سیدھی دوڑ لگادی۔ اور اس دروازے تک آگئی جسے چند منٹ پہلے روحیل نے کنڈی لگا کر بند کیا تھا۔ لوہے کا سیاہ زنگ آلود دروازہ ویسے ہی بند تھا۔ اس نے جھٹ سے کنڈی کھولی اور باہر نکل کر بنا پیچھے مڑ کر دیکھے آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔

❁ ❁ ❁ ...... ❁ ❁ ❁

دروازہ کھلا‘ امی ہاتھ میں سوپ کا پیالہ پکڑے اندر داخل ہوئیں۔

”صد شکر کہ میں اس دن صرف اپنی نوٹ بک لے کر نکلی تھی۔“ امی کو دیکھ کر آخری بات جو اس کے ذہن میں آئی وہ یہ تھی‘ پھر اس نے اپنا تھکا ماندہ وجود امی کی گود میں رکھ دیا۔

”کیا ہوا‘ میری بیٹی کی طبیعت ٹھیک ہے ناں اب؟“

امی نے محبت سے اس کی پیشانی چومی بال سمیٹے‘ ان کے لہجے میں کہیں اس بدتمیزی کے آثار نہیں تھے جو اس نے امی اور ہانیہ سے کی تھی۔ نہ وہاں ناراضگی تھی نہ خفگی‘ وہاں صرف اور صرف محبت تھی اور ممتا تھی۔

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ امی اس سے سوپ پینے کے لیے اٹھنے کو کہہ رہی تھیں اور اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنسنے لگا تھا۔

”اگر اس دن میں یوں بحفاظت اس گھر سے نکل نہ آتی تو شاید آج کے ندامت کے آنسو سمندر بہا کر بھی اس نقصان کی تلافی نہیں کرپاتی‘ جو میں خود اپنی خوشی سے اپنا مقدر بنانے چلی تھی۔“ ایک اور ندامت بھری سوچ ابھری‘ اس کے آنسو اور امڈ کرآئے۔

”امی‘ مجھے معاف کردیں۔“ بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ اس کا سر سہلاتے ہاتھ رک گئے‘ وہ جانتی تھیں کہ وہ کس چیز کی معافی مانگ رہی ہے لیکن یہ نہیں جانتی تھیں کہ معافی کی نوبت کیوں آگئی۔

”میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے امی‘ پلیز مجھے معاف کردیں۔“

”معافی کس بات کی بیٹے‘ میں تم سے ناراض تھی ہی نہیں۔“

"پھر بھی امی پھر بھی میں نے جو بدتمیزی کی جو بھی بکواس کی وہ سب جھوٹ تھا امی۔ میں کسی کو پسند نہیں کرتی میں کسی سے اپنی مرضی سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتی میں نے جو بھی کہا غصے میں کہا۔" وہ اب بھی زارو قطار رو رہی تھی۔

"میں آپی سے بھی معافی مانگ لوں گی۔" امی اس کے یوں رونے پر بوکھلا سی گئیں۔

جہاں ایک طرف اس کے اطراف نے ان کے دل میں روز بروز بڑھتے خدشوں کو مٹا ڈالا تھا وہیں دوسری طرف اس کا یوں رونا انہیں پریشان کررہا تھا۔

"اچھا اب بس بھی کرو۔ کوئی ناراض نہیں ہے تم سے چپ ہوجاؤ اور جاؤ جاکر ہاتھ منہ دھوکر آؤ۔" امی نے اس کا چہرہ صاف کرکے بکھرے بال سمیٹے وہ اب بھی ہچکیاں لے رہی تھی۔

"کہا ناں اب بس کرو نکل جاتی ہیں غصے میں الٹی سیدھی باتیں منہ سے۔ اسی لیے تو اسے حرام کہا گیا ہے۔ جاؤ شاباش۔" وہ تابعداری سے اٹھ کر ہاتھ منہ دھو آئی۔ امی نے سوپ کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ چمچ سے گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

امی کے چہرے پر ممتا بھری مسکراہٹ تھی۔ اور اس کی آنکھیں ابھی بھی شرم سے نم تھیں۔

❁ ❁ ❁ ...... ❁ ❁ ❁

"خیر تو ہے یہ کایا پلٹ کیسے؟" ہانیہ امی سے اس کی بابت سنتے ہی خوشی خوشی ملنے چلی آئی۔

سچ تو یہ تھا کہ اپنی مرضی اور پسند سے شادی کروں گی نے اس کے بھی چھکے چھڑا دیئے تھے۔ اسے یقین کرنے میں شدید دشواری پیش آرہی تھی کہ وانیہ گھر والوں سے چوری چھپے کسی کو پسند کرکے بیٹھی ہے اور اب اس سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ بہت جہاں دیدہ نہیں تھی لیکن وانیہ کے تیوروں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جو وہ کہہ رہی تھی اس میں کتنی صداقت تھی۔

اب جو امی نے بتایا کہ وانیہ نے وہ بات محض غصے میں آکر یونہی کہہ دی تھی تو وہ کتنی دیر گم صم سی رہی۔ اس کا یوں لمحوں میں پھر کر سرکشی پر اتر آنا اور دو دن کے اندر اندر سب بات بھلا کر امی سے معاف مانگ لینا۔ یہ معاملہ اتنا بھی سیدھا نہیں تھا جتنا بظاہر لگتا تھا۔ کئی بار اس نے سوچا کہ وہ وانیہ سے بات کرے گی لیکن جب اس سے مل کر اسے پہلے کی طرح ہنستے کھلکھلاتے دیکھا تو اپنے خیال کا خود ہی پیچھا چھوڑ دیا۔

"اللہ کرے جو میری بہن نے کہا وہی حقیقت ہو اس نے غصے میں ہی ایسی بات کردی ہو۔" اس نے وانیہ کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر دل میں دعا دی۔ اور وانیہ اس کی سوچوں سے بے خبر یہ سوچ رہی تھی کہ یقیناً میری ماں کی دعائیں تھیں جنہوں نے مجھے ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ یااللہ ہر وہ لڑکی جو اپنے مخلص اور پیارے رشتوں کو چھوڑ کر یوں سراب کے پیچھے بھاگے تو اس پر اپنی رحمتوں کا سایہ رکھنا اور اس کے کردار پر داغ اور عزت پر دھبہ لگنے سے پہلے اپنی پناہ میں لے لینا آمین۔"

"کیا سوچنے لگیں پھر میں کیا کہوں امی سے؟" ہانیہ نے اسے گم دیکھ کر شوخی سے چھیڑا وہ چونکی پھر مسکرادی۔

"امی سے کہنا وہ جو مناسب سمجھیں وہ کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ہانیہ نے محبت سے اس کا ماتھا چوم کر گلے سے لگالیا۔

ایک خوشیوں بھری طمانیت دونوں کے دلوں میں اترتی انہیں سرشار کرتی جارہی تھی۔

منڈا اصدقے میرے تے

سحرش فاطمہ

''منڈا اصدقے میرے تے۔''

''چٹا ککر بنے رے تے' کاسنی ڈوپٹے والیے منڈا صدقے تیرے تے......''

گھر میں ٹیپ چل رہے تھے اور موصوف اظہر چادر تانے ایسے گدھے گھوڑے بیچ کے سو رہے تھے کہ کوئی فکر نہیں تھی۔ گوکہ ابھی شادی کی تاریخ نہیں رکھی گئی تھی چوں کہ خاندان کی بات تھی اس لیے بڑوں کے درمیان مہینہ طے ہوگیا تھا۔ گھر کی عورتوں کو جب موقع ملتا بیٹھ جاتیں اور گانے گانا شروع ہوجاتیں۔ اظہر کا موبائل بجے جارہا تھا لیکن اُسے ہوش ہی کہاں تھا۔ آفس و گھر کے کاموں سے جان بچتی تو وہ یوں بے خبر سو جاتا تھا۔

''یہ اظہر کا بچہ بھی ناں، کبھی بھی صحیح وقت پر فون نہیں اٹھاتا۔'' ثمرین جو اظہر کو کالز پہ کالز کررہی تھی اُسے کوفت ہونے لگی۔

''کیا یار یہ ہی بندہ ملا تھا تمہیں؟ ایک ہمارے منگیتر ہیں جن کا بس چلے پھول ہی نچھاور کرتے رہیں ہماری راہوں میں اور ایک آپ کے منگیتر ہیں جو اِس وقت مزے سے خراٹے لے رہے ہوں گے۔'' ثمرین کی دوست علینہ نے ساتھ بیٹھی فرح کو تالی مار کر کہا۔

''اور نہیں تو کیا، ہم بات نہ کریں تو اُن کا تو کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا۔'' فرح نے بھی ثمرین کو چھیڑا۔

''چپ کرو تم دونوں، اگر وہ سو بھی رہا ہے تو کیا ہوا، جیسے ہی اٹھے گا اور میری اتنی ساری مسڈ کالز دیکھے گا ناں سارے کام چھوڑ چھاڑ کر یہاں آجائے گا۔'' موبائل ہاتھ میں پکڑے منہ بسور کر ثمرین نے کہا۔

''ہاں...... ہاں وہ تو اُس نے آنا ہی ہے ورنہ تم نے جو اُس کا جینا حرام کردینا ہے۔'' فرح ہنس دی۔

''اچھا...... اچھا اب بس کرو تم دونوں، اور جاؤ ناں باہر جاکر بیٹھو، گھر والوں کے کام میں مدد کرواؤ آئی سمجھ؟'' ثمرین جھنجھلائی اور دونوں کو باہر بھیج دیا۔

''اف اب میں کیا کروں؟'' موبائل ہاتھ میں ہی تھا اور مستقل اظہر کو کوسے جارہی تھی اور ساتھ ہی فون کررہی تھی۔

اظہر نے کروٹ لی تو کچھ لمحے کے لیے آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ فون بج رہا ہے، جھٹکے سے اٹھا اور فون اٹھایا۔

''اوہ...... میرے خدایا...... ثمرین فون کررہی تھی مارے گئے۔'' اپنی چپل پہن کر اظہر اٹھا اور فریش ہونے چلا گیا۔

''دل تو کررہا ہے تمہیں مار ڈالوں اظہر امتیاز۔'' ہنکارا بھرتے ہوئے میسج ٹائپ کیا اور اظہر کو بھیج دیا۔

اظہر برش کررہا تھا کہ میسج ٹون کی آواز آئی اظہر نے فوراً کلی کی اور موبائل اٹھایا، میسج پڑھتے ہی اظہر کا قہقہہ بلند ہوا۔

''بندہ حاضر ہے۔ کہیں کب آئیں جو آپ ہمیں جان سے مار ڈالیں؟ بس حکم کریں جناب۔'' اظہر نے گیلے ہاتھوں کو تولیہ سے پونچھ کر مسکراتے ہوئے میسج ٹائپ کیا اور بھیج دیا۔

''مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں...... سوئے رہو تم تو۔ سارا وقت بس یہی کام ہے تمہارا۔'' ثمرین نے بھی اپنا موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھا اور لیٹ گئی۔

''کرتے رہو میسج کالز، مجھے بھی اب پروا نہیں۔''

''ثمرین...... کھانا لگ گیا ہے آجاؤ باہر۔'' فرح اُسے بلانے آئی تھی۔

''میرا موڈ نہیں۔''

''کیوں کیا ہوا؟ کیا بات نہیں ہوئی اظہر بھائی سے؟'' فرح اُس کے پاس آ کر بیٹھی۔ ثمرین نے نفی میں سر ہلایا۔

''یار وہ مصروف ہوگا ناں..... شادی ہونے والی ہے تم دونوں کی، سو کام ہوتے ہیں، ہم بھی تو یہاں آنٹی کی مدد کے لیے ہی آئے ہیں ناں۔ تھک جاتا ہوگا اُس کو بھی سمجھو ناں۔''

''وہ بات نہیں ناں بھئی، مجھے اِس بات کی ٹینشن ہے کہ میری ڈیٹ فکسنگ میں کون سی تاریخ رکھی جائے گی۔'' ثمرین اٹھ بیٹھی اور اپنی بات سامنے رکھی۔

''ہیں.....! کیا..... کیا مطلب؟ تم سے پوچھ کر ہی تاریخ رکھیں گے، میرا مطلب جو وہ تاریخیں سوچیں گے تمہیں بتایا جائے گا ناں۔'' فرح اُس کی بات شاید سمجھی نہیں تھی۔

''اوہو..... میرا مطلب تھا کہ بس میں چاہ رہی کہ میری سال گرہ والے دن تاریخ نہ رکھی جائے۔''

''اوہ تو یہ بات ہے..... لیکن کیوں؟ کیا اچھا نہیں ہے کہ سال گرہ والے دن شادی ہو؟'' فرح کی بات پر ثمرین کا مزید موڈ آف ہوگیا۔

''نہیں ناں..... مجھے نہیں اچھا لگتا کہ جس دن شادی کی سال گرہ مناؤں تو اپنی سال گرہ بھی ہو۔''

''ارے کیا پتا بچے کی سال گرہ بھی ہو جائے اُس دن۔'' فرح نے ذومعنی انداز میں ثمرین کو دیکھا اور کہا۔

''نالائق کہیں کی یہ شوق آپ اپنی شادی کے وقت پورا کرنا آئی سمجھ۔'' ثمرین کی بات پر فرح ہنسی۔

''یار پلیز..... امی کو بھی سمجھانا میں کب سے کوشش کر رہی ہوئی ہوں پر اظہر سے میری بات نہیں ہو رہی۔ اُسے بھی یہی سمجھانا ہے ناں میں نے۔'' ہاتھ ملتے ہوئے ثمرین نے بہت فکرمندی سے کہا۔

''تم پاگل ہو واقعی ثمرین۔'' فرح نے تاسف سے سر ہلایا۔

''اچھا ناں جاؤ مجھے کھانا نہیں کھانا' مجھے سوچنا ہے اکیلے میں۔'' ثمرین نے فرح کو باہر جانے کا صاف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے بیٹھی رہو۔'' فرح چلی گئی۔

پیر جھلاتی، نیم دراز حالت میں بیٹھی بالوں کو انگلیوں میں لپیٹتے ہوئے ثمرین کسی سوچ میں گم تھی کہ فون بجا۔ ہڑبڑا کر اُس نے فون اٹھایا غصے سے دیکھا اور واپس رکھ دیا۔

''اوہو اب یہ فون نہیں اُٹھائے گی۔'' اظہر بڑبڑایا اور میسج کیا۔

''پلیز فون اٹھاؤ۔ کب سے میسج کر رہا ہوں، کوئی جواب تو دو۔ اب مجھے پریشان کرتے ہوئے تمہیں مزہ آ رہا ہے؟'' کھسر کھسر کر چلتے ہوئے اظہر نے میسج ٹائپ کیا۔

''بھائی..... تجھے کہا بھی ہے کہ پیر اوپر کر کے چلا کر یہ کیا زمین کو رگڑتے ہوئے چل رہا ہے۔'' اظہر کے بڑے بھائی نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... کیا؟ اچھاناں سوری۔" اظہر نے سرسری سا جواب دیااور واپس موبائل متوجہ ہوگیا۔

"تم دونوں کی شادی ہونے والی ہے کچھ دن تو بات چیت بند کردو۔"

"بھائی..... یہ پابندی ناں آپ کے وقت پر بھی لگی تھی تب بھی چھپ چھپ کر بات تو چھوڑو ملتے بھی تھے ناں تو مجھے کیوں منع کررہے ہیں؟"

"اوئے آرام نال..... کوئی سُن نہ لے۔" مظہر نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"اب کیا ڈر اب تو شادی کیا بچے بھی ہوگئے اب کیوں ڈررہے ہو؟" اظہر اپنے بڑے بھائی کی حالتِ زار دیکھ کرہنس دیا۔

"تو ہنسے جا..... ارے گھر میں کسی کو پتا چل گیاناں تو پوری زندگی کا طعنہ بن جانا ہے میرے لیے۔"

"آپ کے لیے کیوں؟ یہ تو عورتوں پر طعنے کسے جاتے ہیں۔ ہم مرد تو بری الذمہ ہوتے ہیں۔" اظہر نے اکڑ کر جواب دیا۔

"اونہیں..... بیوی کو تو ملیں گے طعنے تو کیا میں بچ جاؤں گا؟ پھنسوں گا تو میں ہی ناں بعد میں سمجھا کر..... شادی ہونے والی ہے ابھی سے سب سیکھ لے مجھ سے۔" شرارتی انداز میں مظہر نے دھیمی آواز میں سمجھایا۔

"اب میں آپ سے سیکھوں گا یہ سب؟ بس یہی رہ گیا تھا میری قسمت میں؟" اظہر نے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اوئے جھلیے..... ایسا نہ کہہ، بڑا ہوں، سب سمجھا سکتا ہوں۔" آنکھ دبا کر مظہر نے کہااور چائے کی چسکی لی۔

"بھائی جی ..... رحم کرو مجھ پہ خیر میں چلا کچھ کام ہے۔"

"ابے اِس وقت کہاں جارہا ہے؟" اظہر نے گھڑی دیکھ کرکہا۔

"جب آپ اِس وقت یہاں براجمان چائے کی چسکیاں بھر سکتے ہیں تو میں اِس وقت باہر کیوں نہیں جاسکتا؟"

"کیوں کہ پیارے..... جہاں جاؤ گے وہاں بھی پوچھا جائے گا کہ اِس وقت کیوں آئے ہو۔"

"میرا سسرال اِس معاملے میں بہت اچھا ہے، پسند کی شادی ہوتو کیا منع کرنا ملنے جلنے سے ہے کہ نہیں؟"

"ہاں بھئی مزے ہیں تمہارے، اپنی قسمت میں تو پسند کی ہوکر بھی ایسی پابندیاں عائد کی گئی تھیں کہ بس۔" مظہر نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"رہنے دو..... پھر بھی کام تو چلاتے رہے آپ دونوں ہیں ناں۔"

"اچھا چل جا..... بڑا آیا نکل۔" اظہر ہنسا اور فون ملاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"یار ایک بار تو فون اٹھالو پلیز۔" اظہر کا میسج پڑھتے ہی ثمرین نے کال کی۔

"شکر ہے تم نے خود کال کرلی۔"

"کیوں تمہارے پاس کیا بیلنس ختم ہونے لگا تھا؟"

"کیا بات ہے۔ نہ سلام نہ دعا بس کاٹ کھانے لگ جاتی ہو۔"

"تم نے کون سا سلام کرلیا فون اٹھاتے ہی بات شروع کردی۔"

"اف اوہ..... اچھا جی السلام علیکم میم صاحب، کیا حال ہیں آپ کے..... سنا ہے، بہت غصے میں ہیں آپ؟ کیوں کہ بندۂ ناچیز نے آپ کا فون ریسیو نہیں کیا..... جس کے بدلے میں آپ نے بھی یہی کاروائی کی۔" اظہر نے ایک ہی سانس میں پورا جملہ ادا کیا۔

"ظاہر ہے جب بھی مجھے کام ہوتا ہے تم سے ضروری بات کرنی ہوتی ہے تم سوئے ہوتے ہو، پتا نہیں کیا ملا کر کھاتے پیتے ہو کہ بس نیند ہی غالب رہتی ہے۔"

"اچھاناں چل اب چھوڑ بتا دے کیا اہم بات تھی جو اتنی کالز کیں تم نے؟"

"اچھا کتنی کالز کیں ذرا بتانا؟"

"تقریباً یہی کوئی بیس کالز ہوں گی۔"

"جی بالکل! اس سے بھی زیادہ ہوں گی تم ایسے بے ہوش ہو کر سوتے ہو کہ کال کا بھی پتا نہیں چلتا؟"

"اچھا ناں...... اب بس کردو پلیز۔"

"او کے فائن۔" دانت پیستے ہوئے ثمرین نے کہا۔

"پھر سے غصہ...... اچھا اب اصل بات بتانا پسند کروگی؟"

"میرے لیے ابھی کہ ابھی برگر لے کر آؤ......" تحکم انداز میں ثمرین نے کہا۔

"کیا......! برگر کے لیے فون کر رہی تھیں مجھے؟"

"ہاں تو تمہیں کیا لگا اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" اظہر کو اب غصہ آنے لگا جب کہ ثمرین نے تنگ کرنے کے لیے کہا تھا۔

"حد ہے ثمرین! میں تو...... اچھا خیر' بس برگر چاہیے تھا تو آرڈر کر لیتیں۔" اظہر کو شدید غصہ آ رہا تھا۔

"لو میں کیوں کرتی وہاں فون مجھے تو تم سے ہی منگوانا تھا۔ اب تم جاگ گئے ہو ناں تو پلیز میرے لیے لے آؤ' دیکھو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے ناں۔"

"اچھا...... ٹھیک ہے لے آتا ہوں بس اور کچھ؟"

"ہاں اور ساتھ میں جوس بھی لے آنا۔"

"او کے میڈم اور کچھ؟" سعادت مندانہ انداز میں اظہر نے پوچھا۔

"نہیں اور بس تم آجاؤ بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" اب ثمرین کی آواز میں بھی نرماہٹ آگئی تھی۔

"بچا کے رکھو بہت ساری باتیں۔ بعد میں کام آئیں گی۔" اظہر نے شوخ ہوتے ہوئے کہا۔ ثمرین نے گہری سانس لی اور فون پہ گانے لگا لیے۔

"سنو ہم لوگ جا رہے ہیں۔ کھانا کھا لینا یاد سے؟" فرح اور علینہ کمرے میں آکر بولیں۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ کچھ دیر میں اظہر آجائے گا تو اُسی کے ساتھ کھا لوں گی۔"

"اوہ تو میڈم ثمرین کی بات ہو ہی گئی اپنے ہونے والے مجازی خدا سے؟" علینہ اب ثمرین کے پاس آکر

بیٹھ گئی۔

"ہاں اور کیا' بنا بات کیے کیا ہم رہ سکتے ہیں۔" اپنے دوپٹے کا پلو انگلی پر لپٹنے لگی۔

"یہ بات تو تم رہنے ہی دو، بات کم لڑائی زیادہ ہوتی ہے تم دونوں کی۔" فرح نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"یار تو لڑائی جب تک نہ ہو تب تک مزہ ہی نہیں آتا۔" ہنوز مسکراتے ہوئے ثمرین نے کہا۔

"تم اور تمہاری یہی باتیں۔ پاگل ہو، یہ منگیتر لوگوں کو اتنا فری نہیں کرنا چاہئے بعد میں سر پر چڑھ جاتے ہیں۔" فرح اب آ کر بیٹھ گئی۔

"اب تم لوگوں کو دیر نہیں ہو رہی؟ گھر نہیں جانا۔" ابرو اچکاتے ہوئے ثمرین نے کہا۔

"ارے ہم تو تمہیں بتا رہے ہیں ایک تو سمجھاؤ اوپر سے محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" فرح تلملائی۔

"اچھا ناں سمجھا دیا ناں' ٹھیک ہے میں بھی سمجھ گئی بس؟"

"اچھا بہن...... جیسے آپ کی مرضی، ہم تو چلے اب۔" علینہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک دوسرے کو الوداعی کلمات ادا کیے اور چلی گئیں۔

ثمرین نے بھی سکھ کا سانس لیا اور کھڑکی کھول کر کھڑی ہوگئی۔

پورے چاند کی رات تھی۔ جس وجہ سے چاند کی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی، وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی اظہر کو یاد کر کے مسکرا رہی تھی۔ اُسی کی یاد میں کھوئی تھی کہ فون بجنے لگا۔

"ہاں جی...... آ گئے؟"

"ہاں آ تو گیا ہوں لیکن اب نیچے بیٹھا ہوا ہوں انکل کے ساتھ۔"

"اوہو سسر کے ساتھ ہو، چلو میں آتی ہوں نیچے۔"

"مرواؤ تم تو......"

"کچھ نہیں ہوتا...... بس میں آ رہی ہوں نیچے۔" اظہر اس سے پہلے کچھ اور کہتا ثمرین نے فون ہی کاٹ دیا۔

"اور سناؤ برخوردار، یہ کیا لائے ہو؟" سسر کے سامنے ٹیبل پر رکھے شاپر کو اظہر نے دیکھا اور گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"وہ اصل میں ثمرین نے کہا تھا کہ اُسے باہر کا کچھ کھانا ہے تو......"

"اچھا...... اچھا تو وہ خود منگوا لیتی، تمہیں خوامخواہ تکلیف دی۔" شبیر صاحب نے کن اکھیوں سے اظہر کو دیکھا۔

"بالکل انکل۔ میں نے بھی یہی کہا تھا۔ یہ دیکھیں آ گئی آپ کی صاحب زادی۔" اظہر نے ثمرین کو آتے دیکھا تو ایک دم چوڑا ہو کر بیٹھا۔

"کیا ہوا ابو؟" ثمرین نے دونوں کو دیکھ کر پوچھا اور اُن کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ثمرین نے ابرو اچکا کر اشارہ کر کے اظہر سے پوچھا۔

"بھئی تم نے اظہر بچے کو کیوں اتنی تکلیف میں ڈالا کہ وہ لے آئے یہ سب؟ تم خود فون کر کے منگوا لیتیں......" اظہر نے فوراً مسکین سی شکل بنائی۔

"کیا ابو...... پہلے فون کرتی پھر وہ آرڈر لیتے اور گھنٹہ ویٹ کرواتے، مزہ نہیں آتا مجھے ایسے۔ اظہر کو ویسے ہی آنا تھا تو میں نے کہہ دیا کہ آتے ہوئے لے آئے۔" شبیر صاحب نے اظہر کو دیکھا تو وہ ٹپٹا گیا۔

"نہیں...... نہیں انکل۔ ثمرین نے خود بلوایا ہے مجھے۔" اظہر نے ثمرین کو غصے میں گھورا۔ ثمرین نے زبان چڑائی۔

"اچھا بھئی ہو سکتا ہے کوئی واقعی کام ہو گا تم لوگوں کو چلو میں تو چلا کمرے میں تم لوگ یہیں لاؤنج میں کھاؤ پیو اور باتیں کرو...... میں ثمرین کی ماں کو بھیجتا ہوں۔"

"جی جی انکل ضرور۔"

"تمہیں انکل سے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا؟"

"میں کیوں اپنے ابو سے ڈرنے لگی؟ اپنی حالت دیکھو ہاہاہا...... ثمرین کی ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی۔

"اچھا...... اچھا' ایک تو تمہارے یہ چکر میں...... میں

نے بھی کچھ نہیں کھایا اب پیٹ میں زبردست قسم کی ریس شروع ہونے والی ہے۔ پہلے کچھ کھالیں پھر باقی بات کرتے ہیں۔'' اظہر نے شاپر کھول کر ثمرین سے کہا۔

''کم از کم بندہ مجھے تو دیکھ کر بات کرنے، اتنی ہی بھوک لگی ہوئی تھی تو کھا کر آتے ناں۔'' اظہر سے شاپر لیتے ہوئے ثمرین نے کہا۔

''تم نے بھی تو نہیں کھایا تھا ناں کچھ تو میں کیسے کھالیتا؟''

''اوہ...... بڑی فکر ہو رہی تھی میری؟''

''ایک تو تم سے پیار سے بات کرنا بھی فضول ہے، یہاں تمہارے لیے کچھ بھی کرلوں ناں تمہیں تو ڈرامہ ہی لگتا۔'' اظہر نے منہ بسورا۔

''اچھا ناں...... چلو اب کھالیتے ہیں۔ مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی۔''

''کیسے ہو اظہر؟''

''السلام علیکم آنٹی، میں ٹھیک آپ کیسی ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں بیٹھے رہو، چائے وغیرہ کچھ چاہیے؟'' ثمرین کی امی ناہید نے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، میں ویسے بھی لے کر آیا ہوں باہر سے تو بس یہی کھالوں گا۔''

''اوہ اچھا' ضرور یہ سب ثمرین نے منگوایا ہوگا تم سے؟'' اظہر جھینپ گیا۔

''صحیح جا رہے ہو، تمہارے انکل کہتے ہیں کہ ابھی سے ہی ہماری بیٹی کا اتنا خیال رکھ رہا ہے تو شادی کے بعد بھی ہمیں کوئی فکر نہیں ہوگی۔''

''جی آنٹی بس۔''

''کوئی نہیں امی...... اسے کہاں کچھ یاد رہتا ہے، یہ تو میں ہوں جو کہتی رہتی، یاد دلاتی رہتی ہوں، ورنہ اسے سونے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔''

''تم تو بس چپ ہی کرو، یہ نہیں کہ بچے کے لیے کچھ پکا کر بیٹھتیں الٹا اسی سے منگوالی ہو۔''

غلاف خانہ کعبہ

❖ یہ ہر سال ذی الحج کے مہینے میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

❖ اس کی قیمت دو کروڑ ریال ہے۔

❖ اس کا وزن 670 کلوگرام ہے۔

❖ یہ خالص ریشم کے کپڑے کا بنتا ہے۔

❖ اس کی تیاری میں 150 کلوگرام خالص سونا' چاندی لگتا ہے۔

❖ اس کا سائز 658 مربع میٹر ہے۔

❖ یہ 47 حصوں پر مشتمل ہے۔

❖ ہر حصہ 14 میٹر لمبا اور 95 سینٹی میٹر چوڑا ہے۔

❖ اس کو تبدیل کرنے میں 4 گھنٹے لگتے ہیں' سبحان اللہ

عائشہ جمیل...... میر پور

''امی...... کبھی اپنی بیٹی کی بھی سائیڈ لے لیا کریں آپ...... اظہر ہی جیسے پیارا ہے آپ لوگوں کو۔'' ثمرین کو اظہر نے منہ چڑایا۔

''ہاں تو اتنا پیارا بچہ ہے، سب کا خیال رکھتا ہے۔ تمہیں ہی قدر نہیں۔'' ثمرین بھونچکی رہ گئی۔

''اچھا اب بس...... مجھے کھانا تو کھانے دیں، لیکچر بعد میں دیجیے گا۔''

''پتا نہیں کب بڑی ہوگی تم۔ چلو تم لوگ کھاؤ، باتیں کرو۔ میں اُن کے پاس جا رہی ہوں۔'' ناہید اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کن کے پاس جا رہی ہیں امی؟'' ثمرین نے شوخی کے انداز میں پوچھا۔

''اُن کے پاس اور کن کے پاس؟''

''ہاں تو یہ اُن کا تو بتا ئیں یہ اُن کا ہے کون؟'' ثمرین کے ہونٹوں پہ شریر سی مسکراہٹ تھی۔

''پتا تو ہے تمہیں، تمہارے ابو کے پاس اور کون ہوگا۔'' اظہر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تنگ کرتی ہو اپنی امی کو۔'' ناہید نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ارے میری پیاری سی امی...... آپ کو تنگ نہیں کروں گی تو اور کس کو کروں گی؟ ساس کو تو کرنے سے رہی۔'' ثمرین اٹھی اور ماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب بس' کچھ دنوں میں یہاں سے چلی جاؤ گی ویسے...... بھلے ستالو۔''

''امی...... یہ بات آپ چوبیس گھنٹوں میں سے چھبیس گھنٹے کہتی رہتی ہیں۔'' ثمرین نے افسردہ کھڑی ناہید سے کہا۔

''اچھا...... چلو میں چلتی ہوں اظہر کو وقت دو۔''

''اب تم کیوں اداس کھڑی ہو؟ آ کر کھالو۔''

''ہم...... ہاں آتی ہوں۔'' ثمرین آ کر بیٹھی اور دونوں نے بر کر کھانا شروع کیا۔

''ویسے تمہیں کچھ ضروری بات بھی تو کرنی تھی ناں۔ سچ بتانا۔'' اظہر نے جوس پیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں لیکن پہلے کھا پی لو پھر آرام سے بات کرتے ہیں۔''

''اچھا۔''

''ہاں ناں کھاتے ہوئے بدمزگی سے اچھا ہے پہلے آرام سے بندہ کھا پی لے۔'' ثمرین کی بات پر اظہر ہنسا۔

''بڑی چالاک ہو۔''

''ہاں تو تم پہ گئی ہوں اور کیا۔'' دونوں نے ایک دوسرے کو شرارتی انداز میں دیکھا اور مسکرائے۔

کھانے کے بعد اظہر نے کافی کی فرمائش کردی۔

''ابھی تو جوس پیا ہے اور اب کافی؟''

''تمہارا کام کرنے کا ابھی سے ہی ارادہ نہیں بن رہا تو شادی کے بعد کیا کرو گی؟'' اظہر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''شادی کے بعد تو تم سے ہی کرواؤں گی ناں یہ چھوٹے موٹے کام۔'' شرارت سے مسکراتے ہوئے شاہانہ انداز میں ثمرین نے کہا تو وہ برا مان گیا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ یعنی کام پھر بھی مجھے کرنا ہوگا؟''

''ہاں تو جب شوہر بیوی سے کام کروا سکتے ہیں تو بیوی کیوں نہیں؟'' ثمرین کی بات سے اظہر لاجواب ہو گیا تھا۔

''اچھا ناں...... ابھی تو جا کر کافی تیار کرو بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔''

''ہونہہ جاتی ہوں۔'' ثمرین کچن میں گئی تو وہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے آگیا۔

''کیا ہے؟ باہر ہی بیٹھے رہتے ناں، اب یہاں آئے ہو اور جو امی ابو میں سے کوئی آگیا تو پھر؟''

''اچھا جی' گھر تک آگیا ہوں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں وہ کوئی نہیں کچن میں آگیا تو کوئی آجائے گا؟'' دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اظہر بولا۔

''جاؤ ناں باہر' میں بس ابھی کافی تیار کر کے لاتی ہوں۔'' ثمرین نے اُسے پیچھے دھکیلا۔

''اچھا...... اچھا جاتا ہوں، تم بھی جلدی آؤ۔'' اظہر باہر جا کر بیٹھ گیا اور ثمرین کافی تیار کرنے لگی۔ کافی بنا کر ثمرین باہر آئی جہاں اظہر ٹی وی آن کیے بیٹھا تھا۔

''لو کافی۔'' کافی کا مگ ثمرین نے اظہر کو دیا۔

''کبھی تو یہ کہہ دیا کرو لیں کافی۔'' اظہر نے اُس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے کہا۔

''شادی کے بعد اس طرح بات کروں گی ابھی یہ سب مجھ سے نہیں ہونے والا۔'' ثمرین کے مزاج سے اظہر خوب واقف تھا۔

''ہم صحیح اب اصل بات کی طرف آئیں؟''

''ہاں بالکل۔''

''تو کیا بات ہے، مجھے بتائیں میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''کیا کہا؟ خرگوش ہوں؟'' ثمرین نے اظہر کی بات کا مذاق اڑایا۔

''ارے...... اچھا بولو ناں جو کہنا ہے۔'' اظہر اب چڑ گیا تھا۔

''ہاں وہ مجھے یہ کہنا تھا کہ...... '' ثمرین بولتے بولتے

رُک گئی۔ کافی مگ پہ ہاتھ پھیرتے ثمرین کو اظہر نے بغور دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ بولو بھی۔''

''تمہارے گھر والے جب آئیں گے ناں شادی کی تاریخ رکھنے......''

''ہاں تو......؟'' اظہر نے کندھے اچکائے۔

''تو انہیں کہہ دینا کہ انتیس تاریخ نہ رکھیں رخصتی کی۔'' ثمرین نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

''کیا......کیا مطلب؟''

''اُس دن تمہیں نہیں پتا کیا ہے؟'' ثمرین جھنجلائی۔

''کیا ہے اُس دن؟ اور تاریخ تو کوئی بھی ہوسکتی ہے پھر وہ انتیس ہو یا تیس لیکن مجھے تو انتیس کو ہی کرنی ہے شادی اب بولو۔'' اظہر کے صاف صاف کہنے پر ثمرین نے اظہر کو گھور کر دیکھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ مجھے اُس دن رخصت نہیں ہونا بس۔''

''کیوں؟ ایسا کیا ہے؟ بلکہ مجھے تو اچھا لگے گا جب تمہاری سال گرہ......''

''پر مجھے نہیں ناں پسند......'' ثمرین نے بات کاٹی۔

''عجیب بات کررہی ہو تم......اور خاص یہ بات کہنے کے لیے مجھے بلایا تھا؟'' اظہر نے مگ ٹیبل پہ رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اٹھ کیوں گئے؟''

''تم بھی ناں حد کرتی ہو ثمرین۔'' ثمرین بھی اٹھی اور مگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''میں نے ایسا کیا کردیا؟ صرف ایک بات کی ہے، مجھے نہیں اچھا لگے گا کہ سال گرہ والے دن میری شادی ہو، بھئی دونوں خاص دن ہیں اور الگ الگ منانا اچھا لگے گا ناں کہ یہ کیا شادی کے اگلے سال میں اپنی سال گرہ بھی منارہی ہوں گی۔'' ثمرین کا انداز احتجاجی تھا۔

''پاگل مت بنو مجھے تو اچھا لگے گا اُسی دن۔''

''تم میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔''

ذرا غور کیجیے

◉ ہم اندھیرے سے ڈرنے والے بچے کو باآسانی درگزر کرسکتے ہیں لیکن زندگی کا حقیقی المیہ یہ ہے کہ لوگ روشنی سے ڈرتے ہیں (ایمل کروتگی)۔

◉ اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی مسرت کو خاک میں نہ ملاؤ (برٹرینڈ رسل)

◉ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں، میں تمہیں بتاؤں گا تم کون ہو (سروانٹس)

◉ انسان آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان لٹکا ہوا پنڈولم ہے (ہائرن)

نشاء چوہدری......کوئٹہ

''تم میری بات پوری ہونے سے پہلے کیوں کاٹ دیتی ہو؟'' اظہر تھوڑا تیزی سے بولا، دونوں میں پھر تکرار شروع ہوگئی تھی۔

''اظہر؟'' ثمرین نے فوراً خود کو کنٹرول کیا۔

''ہمم......''

''ہم آرام سے بھی تو بات کرسکتے ہیں شاید۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو؟ آرام سے میری بات پوری سن نہیں رہی، بس اپنی ہی چلا رہی ہو تو آرام سے بات کیا ہوسکتی ہے یار؟''

''اچھا ٹھیک ہے۔ مجھے جو بات کہنی تھی میں نے کہہ دی۔ اب تمہاری مرضی۔'' ثمرین نے نروٹھے پن سے کہا۔

''یعنی میں اب چلا جاؤں؟''

''میں نے اب ایسا بھی نہیں کہا۔'' ثمرین منمنائی۔

''تو پھر؟'' وہ اُس کے پاس آیا اور دھیرے سے کہا۔

''اظہر......میں بس......''

''ششش اب اور اِس پہ بات نہیں۔'' اظہر نے اُس کے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر چپ کروایا اور گہری سانس لی۔

''اب تم فضول سوچو نہیں۔ بس ریلکس رہا کرو، اِس

بات کو لے کر خوامخواہ ہی لڑائی ہو جانی ہے آ گے۔"
"تم اپنی چلا رہے ہو ناں؟" ثمرین نے اُس کی انگلی ہٹائی۔
"یار میں نے گھر والوں کے آگے یہ تاریخ رکھ دی ہے وہ آ کر یہاں بات کریں گے۔ تم نے بھی ہاں ہی کرنی ہے۔ بس میں نے اور کچھ نہیں سننا مزید۔"
"یہ کیا ہٹ دھرمی ہے اظہر؟" ثمرین اپنے پرانے انداز میں واپس آ گئی تھی۔
"ہاں تو کیا؟ چلے گی مرضی تو میری اور میرے گھر والوں کی ہی ناں۔" اظہر نے فرضی کالر جھاڑا۔
"ہونہہ...... جاؤ اب یہاں سے۔ اب بات نہ کرنا مجھ سے نہ ملنے آنا۔ آئی سمجھ؟" ثمرین نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے...... اب تو شادی کے دن ہی بات ہو گی ہماری۔" اظہر نے بھی دھونس جماتے ہوئے کہا۔
"اوکے فائن...... اب تم جا سکتے ہو۔"
"واہ...... کیا انداز ہے بھئی؟ اوکے جی میڈم۔ اللہ حافظ۔" اظہر وہاں سے ہٹا ٹیبل پہ رکھی چابی اٹھائی اور بنا اُسے دیکھے چلا گیا۔ ثمرین پیر پٹختی اپنے کمرے میں چلی آئی۔
گھر آ کر اظہر تو دوبارہ سو گیا لیکن ثمرین، وہ بار بار موبائل دیکھتی کہ اب آئے گا میسج لیکن اظہر تو پورا اصطبل بیچ کر سو گیا تھا۔ اظہر کے میسج یا کال کا انتظار کرتے کرتے خود ثمرین بھی سو گئی تھی۔
اگلے دن پتا چلا کہ دو دن بعد اظہر کے گھر والے تاریخ پکی کرنے آئیں گے۔ کارڈز کی سلیکشن کا بھی کام ہو چکا تھا اب بس تاریخ لکھوانی تھی اور پرنٹ کے لیے دینا تھا۔ دونوں طرف سے خاموشی تھی کوئی کسی کو میسج نہیں کر رہا تھا۔ اظہر کے گھر والے تاریخ طے کرنے آئے تھے۔ ثمرین کا موڈ نہایت خراب تھا۔ فرح اور علینہ بھی موجود تھیں، ناہید نے بھی سمجھانا چاہا ساتھ میں علینہ اور فرح نے بھی لیکن ثمرین کی وہی ضد کہ انتیس کو شادی نہیں رکھنی۔ لیکن اظہر کے گھر والوں نے یہی تاریخ دی اور ثمرین کے والدین نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر سب ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے اور اظہر کی ماں عذرا ثمرین سے ملنے اُس کے کمرے میں آئیں۔
"بہت بہت مبارک ہو میرا بچہ اب تم بہت جلد میرے گھر میں بہو بن کر آنے والی ہو۔" ثمرین کو گلے لگاتے ہوئے عذرا نے مبارک باد دی پھر ماتھے پہ پیار کیا۔
"تم خوش تو ہو ناں اس تاریخ سے۔"
"جی، لیکن وہ......"
"لیکن وہ کیا۔" ابھی ثمرین کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ علینہ بول پڑی۔
"ارے آنٹی یہ بہت خوش ہے، یہ بتائیں اظہر بھائی کیوں نہیں آئے؟"
"اُسے کچھ کام تھے وہ مصروف تھا اس لیے نہ آ سکا۔"
"کام...... ہونہہ پتا ہے، مجھے تنگ کر رہا ہے جان بوجھ کے اسی لیے نہیں آیا۔" ثمرین نے دل میں سوچا۔
"اب تم کوئی کام نہیں کرنا گھر کے سمجھیں۔"
"آنٹی ویسے بھی کون سا کرتی ہے یہ کام۔" فرح کی بات پہ علینہ نے اُسے کہنی ماری۔
"آہ...... کیا ہے۔" فرح نے آنکھیں دکھائیں۔
"چپ کرو۔" علینہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"چلو میں اب چلتی ہوں۔" ثمرین اٹھی اور عذرا سے گلے ملی۔
"دیکھا...... دیکھا سب بہانے ہیں اظہر کے وہ...... وہ جان بوجھ کے نہیں آیا۔" ثمرین اداس چہرہ لیے بیٹھی تھی۔
"تو یار تم ہی اُس سے بات کر لو، کیا پتا وہ تمہارے انتظار میں بیٹھا ہو۔"
"کیوں...... میں کیوں کروں، وہ خود بھی تو رابطہ کر سکتا ہے ناں؟" فرح کی بات پہ ثمرین نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

”ایک تو تم بھی ناں‘ خود اُس کو کہا تھا تم نے کہ اب بات نہ کرنا تو اب کیوں؟“ علینہ نے بھی اسے ٹوکا۔

”تو اِس کا مطلب یہ تھوڑی نہ ہوتا ہے کہ بندہ بات ہی نہ کرے...... میں نے غصے میں کہا تھا۔ اُسے تو پتا ہے ناں کہ میں ایسی ہی ہوں۔“ ثمرین نے نخریلے انداز میں انگلی سے ناک سکیڑی۔

”بچی ہی رہنا تم کبھی بڑی نہیں ہونا۔“ علینہ نے ڈپٹا۔

”کیا ہے؟ اُسے خود کو خیال ہونا چاہیے ناں۔“

”نہیں‘ بات تمہاری طرف سے خراب ہوئی تھی تم ہی شروعات کرو۔“ علینہ کی بات پر فرح نے تائید کی۔

”نہیں...... وہ کرے گا بات خود ہی تو ہی کروں گی ورنہ نہیں۔“ ثمرین نے بھی حتمی انداز میں کہا۔

”دفع ہو‘ جو جی میں آئے کرو‘ ضدی کہیں کی۔“

”یار...... اب تم لوگ بھی مجھے ایسے کہو گے؟“ ثمرین نے منہ بسورا۔

”تم پاگل ہو بچی‘ فضول سی بات کے لیے۔“

”یہ فضول سی بات نہیں تھی علینہ...... میں نے شادی سے تو منع نہیں کیا ناں...... بس ایک تاریخ کی بات تھی اگر آگے پیچھے ہو جاتی تو کیا حرج تھا؟“ ثمرین ابھی تک اپنی بات پہ بضد تھی۔

”اف تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا لڑکی۔“ علینہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

دن گزرنے لگے۔ کارڈز چھپ کر آ چکے تھے‘ تیاریاں زور و شور سے چل رہی تھیں۔ شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ اظہر اور ثمرین کا ایک دوسرے سے بات تو دور ملنا بھی نہیں ہو رہا تھا۔ لڑکی والوں نے سادگی سے نکاح کا سوچا تھا اِس لیے بس نکاح رکھا اور پھر رخصتی۔ نکاح دوپہر میں تھا۔ سادہ سا تیار ہوئے بیٹھی ثمرین کے پاس قاضی اور ابو آئے تو نکاح نامہ میں دستخط کر دیئے۔ اُس کے بعد مبارک بادیں شروع ہو گئی تھیں جب کہ ناہید ثمرین سے گلے لگ گئیں تھیں۔

غزل

بہت درد چھپا ہے ہر رات میں
یاد آئی اس کی ہر برسات میں
اب تنہا چلتے چلتے ٹھوکر سی لگی
پہلے چلتی تھی اس کے ساتھ میں
میں اس سے گلہ کروں بھی تو کیسے؟
جانتی ہوں وہ پھنسا ہے حالات میں
دل کرتا ہے اسے پانے کی ضد
اے دل تو رہ اپنی اوقات میں
یہ سوچ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے عاشی نے
بڑی طاقت ہے خدا کی کرامات میں

شاعرہ: عائشہ رحمٰن ہنی
انتخاب: آمنہ رحمٰن مانی...... ریالی‘ مری

”امی مت کریں ناں ایسا۔“

”مجھے تو یقین نہیں ہو رہا میری بیٹی اتنی بڑی ہو گئی کہ اُس کا نکاح ہو گیا آج ماشاء اللہ سے اور اب رات وہ......“

”امی......“ ثمرین کی بھی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”تم دونوں ماں بیٹی کے چکر میں مجھے بھی رونا آ جانا ہے۔ چپ کر جاؤ ناہید۔“ شبیر صاحب نے خود پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

”ہاں...... ہاں ٹھیک ہے...... اچھا ثمرین تم کچھ دیر آرام کر لو پھر تمہیں پارلر بھی تو جانا ہے۔“ ثمرین نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ کمرے میں گئی جیسے ہی لیٹی اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُسے اظہر شدت سے یاد آنے لگا۔ ابھی موبائل اٹھا کر سوچ ہی رہی تھی کہ اظہر کو میسج کرے کہ میسج کی ٹون بجی۔

”نکاح مبارک ہو مسز اظہر۔“ میسج پڑھتے ہی ثمرین کو مزید رونا آ گیا۔

”بہت بُرے ہو تم۔“ شکوہ بھرا میسج ٹائپ

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

کر کے بھیجا۔
"ہاں جانتا ہوں۔ اب کیا مجھے مبارک باد نہیں دوگی؟" سامنے سے اظہر نے بھی شکوے کے انداز میں میسج کیا۔
"کیا میری یاد ایک بار بھی نہیں آئی؟" آنسو پونچھتی ثمرین نے میسج بھیجا۔
"رات میں بتاؤں گا۔ اچھے سے تیار ہونا تم...... بائے۔" اظہر کے میسج سے جہاں ثمرین کو خوش ہونا چاہئے تھا وہیں وہ اور رونا شروع ہوگئی۔ اُسے لگا کہ اظہر اُسے سال گرہ کی مبارک باد بھی دے گا۔ آخر اُس نے ہی یہ دن رکھا تھا شادی کے لیے۔
کچھ دیر آرام کرنے کے بعد علینہ اور فرح آ گئیں۔ اُس کا سامان اٹھایا اور پارلر لے آئیں۔ تیار ہونے کے بعد علینہ اور فرح اُس کے پاس آئیں۔
"ماشاء اللہ ثمرین...... تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔" فرح نے دیکھتے ہی بے اختیار کہا۔
"سچی ثمرین...... ہم تو اتنا اچھا تیار بھی نہیں ہوئے۔" علینہ نے اب موبائل نکالا اور ثمرین اور فرح کے ساتھ سیلفی لی۔
"پہلے ہم گھر جائیں گے یا ہال؟" فرح نے علینہ سے پوچھا۔
"اِن دونوں کو ساتھ آنا ہے اسٹیج پہ تو میرے خیال سے ہم ہال ہی چلتے ہیں۔"
"پاگل ہو، ابھی سے ہال میں جا کر کیا کرے گی ثمرین؟ پہلے گھر چلتے ہیں پھر ہال۔" فرح کی بات سن کر علینہ نے قدم باہر جانے کے لیے بڑھائے اس کی آنکھیں گھر والوں سے جدائی پر نم تھیں۔ گھر پہنچ کر ناہید اور شبیر سے ڈھیر ساری دعائیں لیں۔ رشتے دار بھی وہیں موجود تھے۔ کچھ دیر میں ہال کے لیے نکلنا تھا۔ اظہر نے اُس کے بعد کوئی میسج نہیں کیا تھا۔ ایک طرف قسمت پر رشک بھی تھا کہ جیسے چاہا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے مل گیا تھا۔ ہال میں پہنچ کر ثمرین کو برائیڈل روم میں لے جایا گیا۔ جب بارات آئی تو اظہر کو بھی وہیں لے آئے۔
"السلام علیکم مسز اظہر۔" جھکی نظروں سے دھیمی آواز میں ثمرین نے سلام کا جواب دیا۔ اظہر اُس کے پاس آیا اور اُس کے کان میں سرگوشی کی۔ "اچھی لگ رہی ہو۔" پھر اِن دونوں کو باہر لایا گیا ایک ساتھ اسٹیج پہ جانے کے لیے۔
لائٹس آف کردی گئی تھیں۔ اسپاٹ لائٹ دونوں کے چہرے پہ آئی تو وہ میوزک کی آواز سے قدم سے قدم ملاتے اسٹیج کی جانب بڑھنے لگے بالکل کسی ماڈل کی طرح۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ دھیمے دھیمے چلتے ہوئے دونوں بہت خوب صورت لگ رہے تھے جیسے ہی وہ اسٹیج کی جانب آئی سب سے پہلے اظہر اوپر چڑھا اور پھر ہاتھ آگے کیا تاکہ ثمرین اُس کا ہاتھ تھام کر اوپر آئے۔ دونوں اسٹیج پہ آئے اور ایک دم پھولوں کی بارش ہوئی۔ وہ دونوں صوفہ پہ آ کر بیٹھے۔ ہنسی خوشی سب سے ملے۔ رخصتی کا وقت آن پہنچا تھا۔ ثمرین ایک ایک کر کے علینہ، فرح، ناہید، شبیر اور دیگر لوگوں سے ملنے لگی۔ گاڑی میں بٹھا کر ثمرین کو رخصت کردیا گیا تھا۔
اپنے سسرال آ کر اُس کا استقبال بہت ہی گرم جوشی سے کیا گیا۔ وہاں بھی لوگوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ جب سب چلے گئے تو ان دونوں کو بھی کمرے میں بھیج دیا۔ کمرے میں آ کر اظہر نے ثمرین کو بٹھایا اور دیکھنے لگا۔
"کیا ہوا؟" ثمرین نے اظہر سے پوچھا۔
"نہیں کچھ نہیں۔ تم جاؤ جا کر چینج کرلو، تھک گئی ہوگی۔" اظہر نے سرد لہجے میں کہا۔
"ہمم...... ہاں تھک تو گئی ہوں۔" ثمرین کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے اب۔
"ٹھیک ہے تو جاؤ۔" اظہر نے جس طرح کہا ثمرین نے اپنے آنسو آنکھوں میں ہی روکے اور اٹھ گئی۔ جیسے ہی واش روم گئی چینج کیا اور منہ دھویا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رو دے۔ چیخے چلائے۔ اظہر سے سرد مہری کا پوچھے۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو دیکھا اظہر کمرے میں نہیں

تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

وہ اظہر کو دیکھنے باہر آئی تو لاؤنج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یک دم ہلکی مدھم سی روشنی ہوئی اور ثمرین روشنی کے پاس آ کر رک گئی کہ اچانک لائٹس آن ہوگئیں۔ سامنے اظہر کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ لاؤنج کے صوفوں پر غبارے ہی غبارے پھیلے ہوئے تھے۔

''یہ سب......!''

''ششش......'' اظہر نے ثمرین کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ابھی بھی آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ جنم دن بہت بہت مبارک ہو مسز اظہر۔'' اظہر نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''سارا دن مجھے وِش نہیں کیا...... اور اب یہ؟''

''تمہیں سرپرائز جو دینا چاہتا تھا۔'' اظہر نے گہری سانس لی۔

''بہت برے ہیں آپ۔'' ثمرین نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''جیسا بھی ہوں اب آپ کا ہی ہوں مسز اظہر۔'' ثمرین شرگیں نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اور یہ کیا...... کیا کہا' آپ؟'' یعنی تبدیلی آ گئی۔ اُس کی بات پر ثمرین جھینپ گئی۔

''اچھا چلو اب میں کیک لے کر آتا ہوں۔'' وہیں لاؤنج میں موجود فریج سے کیک نکالا۔ ثمرین کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پہ خوشی جھلک رہی تھی۔

کیک پر ہیپی برتھ ڈے اینڈ ویڈنگ' لکھا دیکھ کر ثمرین کو اظہر پہ ڈھیر سارا پیار آیا۔

''آؤ دونوں ساتھ میں کیک کاٹیں گے۔'' دونوں نے کیک کاٹا ایک دوسرے کو کھلایا اور ڈھیر ساری تصاویر لیں۔ پھر دونوں کمرے میں آ گئے۔

''تو جناب کیسا لگا شادی والے دن ہی سال گرہ منانا۔'' اظہر اب اُس کے پاس آ کر بیٹھا۔

''سچ کہوں' بہت اچھا لگا۔ میں نے یہ سب ایکسپیکٹ نہیں کیا تھا۔'' ثمرین بہت خوش تھی۔ اظہر نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''تم خوامخواہ ہی ضد کر رہی تھیں۔ میں تو خوش تھا کہ تمہاری سال گرہ والے دن ہی شادی ہو رہی ہے تو بہت اچھے سے مناؤں گا لیکن چلو اِسی بہانے سرپرائز ہو گیا۔'' ثمرین نے اظہر کے کندھے پہ سر رکھا۔

''تھینک یو سو مچ اظہر...... میری زندگی کا آج یادگار ترین دن ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔ مجھے اتنا پیار کرنے کے لیے' میرے لیے میری سال گرہ الگ سے اور خاص منانے کے لیے شکریہ۔'' اس کی خوشی سے چمکتی آنکھیں اسے شاد کر گئی تھی وہ ہمیشہ ان آنکھوں میں محبت، خواہش اور اعتبار کے جگنو دیکھنا چاہتا تھا ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اس نے ان کانچ سی آنکھوں پہ محبت رقم کی تھی۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے یہ کہنا چاہیئے۔'' اظہر نے ثمرین کو دیکھ کر کہا۔

''کیا؟''

''چٹا ککڑ بنے رے تے' منڈا صدقے تیرے تے۔'' ثمرین اظہر کے شوخ انداز پہ جھینپ گئی۔

''منڈا صدقے میرے تے۔'' ثمرین نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

اُس دن کے بعد سے ثمرین روز اللہ کا شکر ادا کرتی کہ اظہر اُس کی زندگی میں آیا اور سال گرہ جیسے خاص موقع کو مزید خاص بنا دیا تھا۔

☺

محبت ہوگئی شاید

نزہت جبین ضیاء

"کیا نیوز ہے...... کیا سیرت آپا ماں بننے جارہی ہیں......؟" تزکیہ نے پوچھا۔

"نہیں جناب...... لگتا ہے کہ آپ کو سیرت آپا کی جگہ کچھ دنوں بعد یہی نیوز بتانی ہوگی۔" تقدیس کی بے باک شرارت پر تزکیہ کا دماغ گھوم گیا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا......؟ گرمی کا اثر ہوگیا ہے دماغ پر...... جو دل میں آئے بولے چلی جارہی ہو...... کچھ شرم لحاظ ہے کہ نہیں......؟"

"اوکے...... اوکے غصہ نہ کرو میری پیاری آپا...... شاید میں زیادہ بول گئی دراصل ایکسائٹمنٹ ہی ایسی ہے سلمیٰ خالہ اپنے اکلوتے بیٹے کا رشتہ تمہارے لیے لے کر آئیں تھیں۔ وہ تمہیں پسند کرتی ہیں اور تم کو ہی بہو بنانا چاہتی ہیں۔"

"ہائیں......" تقدیس کی بات پر تزکیہ نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"ہاں جی اور ذرا یہ تو بتاؤ کہ موصوف کیسے ہیں؟ تم نے انہیں دیکھا ہے ناں؟" تقدیس نے شرارتی انداز میں قریب آ کر تجسس بھرے لہجے میں سوال کیا۔ تزکیہ کی نگاہوں میں ابریز کا سراپا گھوم گیا۔ شاندار پرسنالٹی اونچا لمبا سانولا اسمارٹ سا ابریز بلیک پینٹ اور بلیک اینڈ وائٹ لائننگ والی شرٹ میں خاصا اچھا لگ رہا تھا۔ سنجیدہ سوبر اور نیچی نگاہیں کیے وہ سلمیٰ آنٹی کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھا تھا۔

"او ہیلو محترمہ...... کہاں کھو گئیں...... کیا ابریز میاں کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گئیں ابھی سے؟" تقدیس نے آنکھوں کے سامنے چٹکی بجا کر شرارتی لہجے میں کہا تو وہ چونکی اور جھینپ گئی۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا...... میں نے کون سا ان کو دیکھا ہے؟ میں وہاں پھوپو کے لیے گئی تھی سمجھیں تم۔" تزکیہ نے لہجے کو سخت بنانے کی ناکام کوشش کی۔

"گئیں تھیں پھوپو کی خدمت کرنے اور جادو چلا دیا بیچاری سلمیٰ آنٹی اور ان کے اکلوتے فرزند پر۔" تقدیس بدستور شرارتی لہجے میں بولی۔

"چپ کرو تقدیس تھپڑ لگادوں گی میں۔" تزکیہ مصنوعی غصے سے چلائی۔ دل تھا کہ خوش گوار احساسات کی زد میں تھا۔ ابریز گڈ لوکنگ تھا۔ پیسے والا اور اکلوتا جب کہ تزکیہ خود کو عام سی لڑکی سمجھتی تھی۔ چھوٹے سے گھر اور سفید پوشی کے بھرم کو برقرار رکھنے والی فیملی سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی۔ جس کے لیے ان کے جیسا کوئی لڑکا درکار تھا یوں اچانک ابریز کے رشتے کا سن کر وہ حیرت کے ساتھ ساتھ خوش بھی تھی...... سلمیٰ آنٹی نے پسند کیا ہوگا؟ لیکن...... آج کل کے لڑکے بھلا ایسے کیسے شادی کر سکتے ہیں؟ یقیناً ابریز نے بھی دیکھا ہوگا۔ اس نے ہی سلمیٰ آنٹی کی پسند کو رضامندی بھی اسی صورت میں دی ہوگی وہ عجیب سے خوشگوار احساسات کی زد میں تھی۔ پھر تو رات تک سیرت اور تقدیس نے تزکیہ کو خوب چھیڑا۔ ابصار آیا تو وہ بھی شامل ہوگیا۔ تزکیہ مسکراتی رہی۔ الیاس احمد آئے ناظمہ بیگم سیرت اور ابصار نے مل کر یہ طے کیا کہ اگلے سنڈے وہ لوگ جا کر سلمیٰ بیگم کا گھر بار دیکھ آئیں گے اور ابریز سے بھی ملاقات کرلیں گے اور ضروری باتوں کے بعد رشتہ طے کردیا جائے گا۔

سیرت بھی اپنے سسرال میں خوش تھی۔ پھر شبانہ بیگم کو بلوا کر ان لوگوں نے میٹنگ کی اور شبانہ بیگم اور خالد صاحب اور گھر کے افراد سلمیٰ کے گھر گئے۔ امارت کے لحاظ

سے وہ لوگ خاصے مستحکم تھے ابریز نہ صرف خوب صورت و ہینڈسم تھا بلکہ لاکھوں کی جائیداد کا مالک اور اچھی پوسٹ پر تھا۔ بظاہر کوئی نیگیٹیو پوائنٹ نظر نہ آتا تھا۔ سلمٰی بیگم کیونکہ بیمار تھیں اس لیے وہ چاہتی تھی کہ شادی جلد ہوجائے۔ ضروری فارملیٹیز کے بعد رشتہ طے کردیا گیا۔

ستارہ بیگم اور عبدالجبار صاحب بھی آئے تھے ستارہ بیگم کا منہ تو حیرت سے کھلا ہی رہ گیا کہ الیاس احمد کی بیٹی اتنے بڑے گھر کی اکلوتی بہو بننے جارہی ہے۔ شبانہ بیگم نے دل سے دعائیں دیں۔

''الیاس احمد...... اللہ پاک ہم پر کتنا مہربان ہے گو کہ سیرت کی شادی کے لیے ہم کافی پریشان رہے۔ رشتہ دیر میں طے ہوا مگر...... مگر الحمدللہ آج سیرت اپنے گھر میں کتنی خوش اور مطمئن ہے اور اب۔ اب تزکیہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ اتنے اچھے اور سادہ لوگ ہیں سلمٰی بہن...... میں نے تو شکرانے کے دو نفل بھی ادا کیے ہیں کہ اللہ پاک نے ہم کو بیٹیاں ضرور دی ہیں مگر ان کے لیے اچھا اور بہتر راستہ بھی رکھا ہے۔ بس بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں شاد آباد رہیں۔ ماں باپ کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے؟'' ناظمہ بیگم کی آنکھیں بیٹیوں کے ذکر پر بھر آئیں۔ رات کو بستر پر لیٹیں تو الیاس احمد سے کہا۔

''ہاں ناظمہ۔'' الیاس احمد نے لمبی سانس لے کر کہا۔

''بیٹیاں اپنے گھر میں آباد رہیں، انہیں کوئی دکھ کوئی ملال نہ ہو سسرال میں رہ کر ہمارا نام روشن کریں۔ ان کی تعریف ہو تو ہماری تربیت کا حق ادا ہوجائے گا۔ اللہ پاک ان کو خوش رکھے آمین۔'' الیاس احمد کا لہجہ بھی بھیگنے لگا۔ بیٹیوں میں تو ان کی جان اٹکی ہوئی تھی۔

''آمین...... ثم آمین۔'' ناظمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

سلمٰی بیگم پُرخلوص اور ہمدرد خاتون تھیں۔ انہوں نے سختی سے اس بات کی تاکید کی تھی کہ ہمیں جہیز کے نام پر کوئی تنکا بھی نہیں چاہیے۔ ہمارے پاس ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ اولاد سے قیمتی اور کیا شے ہوگی؟ اولاد ہی ماں باپ کا سرمایہ ان کی دولت آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا

سکون ہوتے ہیں۔ بچوں کے سکھ دکھ ہنسی رونا فرمائشیں کرنا' لاڈ کرنا یہ سب ماں باپ کے جینے کا سہارا ہوتے ہے۔ جس کو دیکھ دیکھ کر ماں باپ جیتے ہیں۔ اور جب لڑکی کی شادی کرنے کا وقت آتا ہے تو نازوں کی پلی دل کی ٹھنڈک آنکھوں کی روشنی جیسی اپنی عزیز شے اٹھا کر دوسروں کے حوالے کردیتے ہیں۔ لبوں پر ڈھیروں دعائیں اور بے شمار انجانے خدشات دلوں میں جنم لیتے ہیں اور اچھی مائیں ہمیشہ بیٹی کو رخصتی کے وقت بے شمار نصیحتیں کر کے ہی ڈولی میں بیٹھا کر رخصت کرتی ہیں۔ اور سلمیٰ بیگم جانتی تھیں کہ تزکیہ ناظمہ بیگم جیسی خاتون کی بیٹی ہے وہ اپنے ساتھ پلو میں باندھ کر اعلیٰ اوصاف' سگھڑاپا' نیکی اور محبتیں ہی لائے گی وہ گھر کو سمیٹنا جانتی ہے۔ رشتوں کے تقدس کا پاس رکھنا آتا ہے۔ ایسی لڑکیاں ہی اچھی عورتیں ثابت ہوتی ہیں اور اپنے حسن و عمل سے اپنی تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ روپیہ پیسہ لاکھوں کا جہیز یہ سب مادی اشیاء ہیں آج ہیں تو کل ختم...... لیکن تربیت اور عمل وہ چیز ہے جو ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہتی ہے اور اچھے معاشرے کے جنم دینے میں معاون و مددگار بھی ثابت ہوتی ہے۔

شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تزکیہ بھی خوش تھی لیکن کبھی کبھی وہ انجانے خدشات سے تھوڑا سا گھبرا جاتی کہ پتہ نہیں ابریز کی نیچر کیسی ہوگی؟ اتنے امیر ہیں تو شاید پراؤڈی بھی ہوں؟

''ارے آپا تم تو پاگل ہو...... اگر ابریز بھائی نے تم کو نہ دیکھا ہوتا تو بھلا کیسے رضامندی دیتے...... نہ تو وہ کوئی لڑکی ہیں اور نہ ہی آج کل ایسا زمانہ ہے کہ کوئی بھی بنا اپنی مرضی اور رضامندی کے رشتے کے لیے راضی ہوجائے اور ابریز بھائی جیسا سوشل اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پوش فیملی سے تعلق رکھنے والا خودمختار بندہ بھلا کیسے اماں کے فیصلے کے آگے سر جھکا سکتا ہے...... بس بات اتنی سی ہے کہ ابریز بھائی سوبر اور ڈیسنٹ بندے ہیں۔ آج کل کے لڑکوں کی طرح چھچھورے اور بے صبرے نہیں کہ ہر وقت موبائل پر بات کرتے رہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ جانتے ہیں کہ ہم لوگ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے شریف اور سفید پوش لوگ ہیں اس لیے انہوں نے یہ سب کچھ کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ یہ تو ان کی اعلیٰ ظرفی اور اچھے کردار کی نشانی ہے ناں کہ وہ لڑکے ہو کر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کر رہے اور پھر چند ماہ کی تو بات ہے پھر تو ان کی اماں کا انتخاب ان کی پسند یعنی تم ان کے پاس ہوگی۔ ان کے ساتھ اور ہر دم ان کی آنکھوں کے سامنے رہوگی۔ تب وہ دل بھر کر تمہیں دیکھیں گے بھی اور باتیں بھی کریں گے......'' سمجھاتے سمجھاتے آخر میں تقدیس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

آجاوے ساجن آجاوے سجن
ڈھونڈ رہی تجھے تزکیہ کی نظر
ساتھی سکھی سب راہ تکے ہیں
نین بچھائے تیرے راہوں پر
ڈھونڈ رہی تجھے تزکیہ کی نظر

تقدیس شرارتی لہجے میں زور زور سے گاتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔ اور تزکیہ زیر لب مسکرا کر ابریز کے خیالوں میں گم ہوگئی۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں سلمیٰ بیگم کے لاکھ منع کرنے کے باوجود ناظمہ بیگم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ......

''بہن ہم نے جو کچھ بھی تزکیہ کی امانت سمجھ کر رکھا ہے اور جو کچھ ہم نے سوچا ہے وہ ہم اس کا حق سمجھ کر اسے دیں گے۔ بے شک اس کی ذات سے آپ کو کبھی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ مجھے اپنی تربیت پر اتنا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ وہ کبھی بھی آپ کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنے گی مگر...... کچھ ہماری بھی خواہشات ہیں۔ جو ہم نے اپنی بیٹیوں کے لیے سوچ رکھی ہیں۔ کچھ خواب ہیں جو ہم نے برسوں سے اپنی آنکھوں میں سجا کر رکھے ہیں۔ ہمیں ان خوابوں کو اور خواہشوں کو پورا کرنے سے نہ روکیں۔'' سلمیٰ بیگم نے مسکرا کر ناظمہ بیگم کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں آپ اپنی خوشیاں ضرور پوری کریں یہ آپ کا

حق ہے مجھے صرف اپنی بچی سے غرض ہے۔" ناظمہ بیگم مسکرا کر چپ ہوگئیں۔

شادی سے دس دن پہلے سیرت آ گئی تھی۔ جب کہ شبانہ بیگم ہفتہ پہلے آ گئی تھیں۔ خلاف توقع نویدہ بھی بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہی تھی۔ عبدالجبار کی فیملی بھی شادی کی تیاریوں میں شامل تھی۔ سلمٰی بیگم نے مایوں اور مہندی کی رسومات سے پرہیز کرنے کو کہا تھا اس لیے شادی اور ولیمہ بس دو تقاریب کی تیاریاں کرنی تھیں۔

شادی والے دن تزکیہ جب پارلر سے تیار ہو کر آئی تو بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ ریڈ اور گرین سلور میچنگ کے بھاری کام والے شرارے پر ریڈ اور گرین پرل اور نگینوں کی جیولری ماتھے پر سجا ریڈ اور گرین آویزوں والا ٹیکا جس کی چمک سے اس کی کشادہ پیشانی روشن ہو رہی تھی۔ خوب صورت ہیئر اسٹائل اور نفاست سے سیٹ کیے گئے بھاری دوپٹے کے پیچھے سے اس کا حسین چہرہ غضب ڈھا رہا تھا۔ ناظمہ بیگم نے اس کی نظر اتاری اور صدقہ دیا تو شبانہ بیگم نے اس پر آیت الکرسی کا دم کیا۔

بارات آئی...... ابریز بھی کچھ کم خوب صورت نہیں لگ رہا تھا بلیک شیروانی جس پر کار دبے اور نگینوں کا نازک سا کام تھا کاپر پاجامہ کاپر اور بلیک کھسہ اور اس پر بلیک اور کاپر سلک کی پگڑی میں اپنے دراز قد کے ساتھ مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہر نظر دونوں کو دیکھ کر رشک کر رہی تھی۔ ہر زبان پر ماشاءاللہ تھا۔ تمام ضروری رسومات سے فارغ ہوئے آخر کار رخصتی کا وقت آ گیا۔ ایسا وقت جہاں گھر والے مغموم اور اداس ہوتے ہیں وہاں دلہن کو دکھ اداسی میکہ چھوٹنے کا غم الگ ستاتا ہے۔ ایک لڑکی کے لیے وہ لمحہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ جہاں اس نے عمر کے کئی سال گزارے ہوتے ہیں اس کے دل میں کیا' کیا سوچیں' کیا' کیا خیالات ہوتے ہیں بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر شرارتیں لڑائی جھگڑے پیار ماں کی گود میں سر رکھ کر سو جانا' بابا کے کاندھے پر چڑھ کر کھیلنا...... بھائیوں سے ضدیں منوانا بہنوں سے جھگڑے کرنا' جہاں سہیلیوں کے ساتھ مل کر گڑیوں کی شادیاں رچائی جاتی ہیں اور ایک دن وہی ننھی منی گڑیا اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ اس کو سب کچھ یہیں چھوڑ کر نیا گھر بسانے نئی جگہ جانا پڑ جاتا ہے۔ یادیں دکھ سکھ ہنسا رونا اور اس کے ساتھ ساتھ شادی کے وقت لڑکی کو اپنا بچپن بھی میکے میں چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں جا کر نئے گھر کی بنیاد رکھنی ہوتی ہے احساس ذمہ داری خلوص محبت اور رشتوں کا بھرم رکھنا ہوتا ہے۔

وہیں خوب صورت اور حسین خواب بھی آنکھوں میں اتر آتے ہیں۔ نیا گھر نیا ماحول اور نیا ہمسفر خود کو ایڈجسٹ کرنے کی منصوبہ بندی مستقبل کے حسین خواب کچھ اندیشے کچھ واہمے گھبراہٹ شرم و حیاء بہت سے سپنے۔ الٹی سیدھی اور خوش گوار سوچیں...... دھڑکتے دل کے ساتھ لڑکی باپ کی شفقت بھری بانہوں کو چھوڑ کر محبت بھری بانہوں کے حصار میں آ جاتی ہے۔

تزکیہ بھی دل میں حسین جذبے خوش گوار سوچیں اور کچھ خدشات لے کر میکے کی دہلیز پار کر کے سسرال آ گئی تزکیہ خوش تھی۔ ایک بہترین پُرآسائش زندگی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جاذب نظر اور خوب صورت ہمسفر اس کے ساتھ تھا جس کے ساتھ ساتھ اب اس کو زندگی کا طویل سفر طے کرنا تھا۔ محبتوں کے ساتھ خلوص اور چاہتوں کے ساتھ۔ جہاں سلمٰی بیگم جیسی شفیق ہستی کا بے تحاشہ پیار ملنے جا رہا تھا۔ سلمٰی بیگم اپنے بیٹے بہو پر واری صدقے ہو رہی تھیں انہوں نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے بکروں کا صدقہ بھی دیا تھا۔ آج وہ بہت خوش تھیں کہ تزکیہ جیسی لڑکی ان کی بہو بن کر آ گئی تھی جس کو ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے چند دنوں میں پرکھ لیا تھا کہ گھر بسانے والی بنانے والی اور رشتوں کا تقدس رکھنے والی لڑکی تھی۔ جس کی تربیت میں کوئی جھول نہ تھا۔

تزکیہ کو سجے سجائے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ تزکیہ نے تکیے سے ٹیک لگا کر کمر کو سیدھا کیا اور لمبی سانس لے کر کمرے کا سرسری سا جائزہ لیا۔ کافی بڑا بیڈ روم تھا جس میں بیڈ روم سیٹ تو اس کے جہیز کا تھا اس کے علاوہ ایک

طرف چھوٹا سا مگر خوب صورت سا صوفہ سیٹ رکھا تھا۔ سائیڈ پر دیوار پر بنے نازک شیشے کے شیلف پر خوب صورت اور قیمتی شوپیز رکھے تھے بیڈ سے تھوڑے فاصلے پر ایزی چیئر رکھی تھی ایک طرف چھوٹا سا نفیس بک شیلف بنا ہوا تھا جس میں سلیقے سے بکس سجی ہوئی تھیں۔ کمرے میں گلاب اور موتیے کی مہک اس ماحول کو مزید دلفریب بنا رہی تھی۔ تزکیہ کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ خوب صورت خواب ناک ماحول خوب صورت ساتھی کی سنگت وہی سب کچھ جس کا ایک لڑکی خواب دیکھتی ہے۔ وہی سب کچھ اسے مل گیا تھا وہ خود کو بہت خوش قسمت تصور کر رہی تھی۔ تب ہی آہستہ سے دستک ہوئی۔..... ابریز کمرے میں داخل ہوا تو..... تزکیہ کا سر خود بخود جھک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ ادھر تزکیہ کے دل کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں تزکیہ کی سماعتیں اس کے لبوں سے خوب صورت اور دل نشین جملے سننے کی منتظر تھیں شرم وحیاء اور گھبراہٹ نے تزکیہ کے حسن نے مزید دلکشی پیدا کر دی تھی۔

''محترمہ تزکیہ صاحبہ۔'' ابریز کی سخت اور کھردری آواز پر وہ چونکی۔ یہ کیسا انداز مخاطب تھا؟ تزکیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اگر آج تم یہاں پر اس جگہ میرے بیڈ روم تک آ پہنچی ہو تو یہ صرف اور صرف میری مما کی پسند اور خواہش کی وجہ سے..... تمہیں یہاں تک لانے میں ایک فیصد بھی میری مرضی شامل نہیں..... نہ تم سے وابستگی ہے اور نہ ہی قلبی لگاؤ کیونکہ میں..... میں اپنی دوست کشمالہ سے محبت کرتا ہوں اور صرف اس کو ہی اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں.....'' ایک ایک لفظ پر تزکیہ کی آنکھیں پھیلتی گئیں..... الفاظ کے نشتر دل میں اترتے چلے گئے۔

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ بمشکل کہہ پائی۔

''وہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا..... نہ جانے تم نے میری مما پر کیا جادو کر دیا تھا کہ ان کو سوائے تمہارے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا اور میرے نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے تمہاری صورت میں میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی..... اور تم..... تم میرے لیے ناقابل برداشت ہو۔'' اف..... اس قدر تذلیل۔

''تو آپ نہ کرتے شادی..... انکار کیوں نہیں کر دیا..... کیوں سزا دی خود کو..... اور مجھے بھی؟ ایسی کون سی مجبوری تھی کہ آپ نے یہ قدم اٹھایا اور آج..... آج یہاں پر اس مقام پر آ کر آپ یہ سب کہہ رہے ہیں۔ ایسا تھا تو پہلے سے انکار کر دیتے ناں۔ اتنا سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ بے ساختہ رو پڑی۔

''تھی مجبوری کیونکہ مما کو جگر کا کینسر اور ہارٹ پرابلم ہے..... ڈاکٹر کے مطابق مما چند ماہ کی مہمان ہیں۔ میں اس وقت مما کے خلاف جا کر ان کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ تم مما کی پسند تھیں اور میرا مما کے علاوہ کوئی نہیں۔ تم یہاں پر صرف مما کی وجہ سے ہو۔ سمجھو یہ ہمارے درمیان چند ماہ کا کنٹریکٹ ہے اللہ تعالیٰ میری ماں کو سلامت رکھے لیکن تم کان کھول کر سن لو..... تم صرف مما کی زندگی تک میرے ساتھ رہو گی۔ اس کے بعد میں تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد کر دوں گا اور کشمالہ کو اپنا لوں گا۔'' اف تزکیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے..... یہ کیا کہہ رہا تھا وہ.....

''ہاں یہ بات اچھی طرح سے دماغ میں بیٹھا لو کہ تمہیں مما کا دھیان رکھنا ہے..... میرا تمہارا کوئی رشتہ کوئی واسطہ نہیں رہے گا تم میرے کمرے میں بظاہر میری بیوی کی حیثیت سے رہو گی مگر میرا تم سے ایسا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ تم نے میرے اور کشمالہ کے درمیان آ کر ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے تمہارے وجود سے نفرت ہے سخت نفرت۔ اس گھر کی ہر چیز پر تمہارا حق ہوگا سوائے میرے۔ میرے دل میرے جذبات..... کیونکہ میری محبت میری وابستگیاں میرے جذبات صرف اور صرف کشمالہ کے لیے ہیں۔

''اف اللہ۔'' تزکیہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا سر تھام لیا۔

''اور ہاں ایک بات اچھی طرح سے کان کھول کر

سن لو...... یہ سارے ڈرامے بازیاں اس کمرے کی حد تک رکھنا اگر میری مما کو ذرا سی بھی بھنک پڑی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا کیونکہ جب تک مما ہیں تب تک تمہارے لیے اس گھر میں جگہ ہے۔ مما کے بعد تمہارا رابطہ تمہارا واسطہ اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ سمجھیں تم؟''

''یہ لو'' سرخ مخملی ڈبیہ اس کی جانب اچھالی۔

''یہ پہن کر رکھنا مما کے سامنے۔'' نازک جڑاؤ بیش قیمت اور خوب صورت کنگن جس پر نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں وہ زہریلے نشتر جیسے لفظوں سے اس کے وجود کو چھلنی چھلنی کرکے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ تزکیہ اپنے لہولہو وجود کو سمیٹنے کی ناکام کوشش کرنے لگی اس کی آنکھیں بہنے لگیں تھیں۔

''یا اللہ یہ سب کیا ہوگیا؟'' اتنی ہتک' اتنی بے اعتنائی ایسا کٹھور اور ظالمانہ انداز یہ سب کیا ہورہا تھا اس کے ساتھ...... کیا نئی نویلی دلہن کا کوئی ایسا استقبال بھی کرتا ہوگا...... اتنی تذلیل اتنی تحقیر اس کا سارا وجود ریزہ ریزہ ہورہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل رواں تھے۔ دل تڑپ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ کتنی مسرور وخوش تھی اپنی قسمت پر رشک کررہی تھی دل میں ہزاروں خواہش سمیٹے' جذبات چھپائے اس کی آنکھیں ابریز کی دید کی منتظر تھیں۔ اس کی سماعتیں خوب صورت اور بے باک جملوں کی گنگناہٹ کی طالب تھیں۔ سب کچھ الٹ ہوچکا تھا سارے سپنے خواہشات' انتظار' طلب' آرزوئیں سب کچھ مٹی میں ملا کر تزکیہ کے نازک وجود پر الفاظ کے زہریلے کوڑے برسا کر وہ اپنا فیصلہ سنا کر احکامات سنا کر پابندیاں لگا کر وہ ابن آدم حوا کی بیٹی کو روتا سسکتا چھوڑ کر مطمئن تھا۔

''سنو۔'' وہ دوبارہ سر پر آیا۔ ''اگر تم چاہو تو واپس اپنے گھر جاسکتی ہو۔''

''نہیں۔'' بے ساختہ تڑپ کر نگاہ اٹھائی۔

''ہاہاہا'' ابریز نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ ''ہاں مجھے امید تھی کیونکہ تم شریف والدین کی بیٹی ہو اور بہترین تربیت یافتہ بھی۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہہ کر وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ تزکیہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ منہ دوسری طرف کرکے اپنے موبائل میں مصروف ہوگیا۔

تزکیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر سامنے لگے قد آدم آئینے میں اپنا سجا سنورا روپ دیکھا...... یہ ساری تیاریاں یہ سجا ہوا روپ یہ سب تو اسی دشمن جاں کے لیے تھا جس کے نام سے منسوب ہوکر وہ یہاں آئی تھی۔ اس نے تو نظر ڈالی بھی تو نفرت کی۔ سارے سپنے ساری خواہشات سب کچھ ایک لمحے میں مٹی میں ملا کر رکھ دیئے۔ بے عزتی اور ندامت کے احساس سے وہ سلگ اٹھی۔ ایسی توہین لگتا تھا سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم ہوچکی تھیں۔ بے آواز سسکیاں اپنے اندر اتارتے اتارتے آنسوؤں کا پھندہ حلق میں اٹک گیا۔

''سنو...... یہ سوگ منانا بند کردو اب...... اٹھ کر ڈھنگ کے کپڑے پہنو...... مجھے وحشت ہورہی ہے تمہارے اس حلیے سے۔ زہر سے بھی بری لگ رہی ہو تم...... میری آنکھیں تو صرف اور صرف کشمالہ کو اس روپ میں دیکھنے کی متمنی ہیں۔ میرے کان اس کی خوب صورت سرگوشیاں سننا چاہتے ہیں یہ میری بدنصیبی ہے کہ تم یہاں اس حال میں اپنا منحوس وجود لے کر بیٹھی ہو۔''

''بدنصیبی...... بدنصیبی تو میری ہے ابریز...... کہ میں تمہارا مقدر ٹھہری۔'' دل میں اٹھتی آواز کو دباتے ہوئے وہ اٹھ کر الماری سے سادہ سوٹ نکالنے لگی۔

''یا اللہ! کس طرح رہ پاؤں گی یہاں؟'' واش روم میں آکر وہ دوبارہ سے سسک پڑی۔ اسے یہ بات بھی سخت تکلیف دے رہی تھی کہ سلمیٰ بیگم کو موذی مرض ہے اور وہ کچھ دنوں کی مہمان ہیں۔ مما آپ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ آپ کو اللہ کی طرف سے بیماری ملی آپ جانے والی ہیں اور میں بھی کچھ دنوں کی مہمان ہوں۔ آپ کو جسمانی مرض ہے اور میرے روح کے اندر کینسر سرائیت کرگیا ہے۔ میرے روم روم میں ذلت اور تحقیر کا

ناسور پھیل گیا ہے۔ زہریلے الفاظ کے زہریلے نشتر لاعلاج کینسر کی شکل میں میری رگ رگ میں اتار دیئے گئے ہیں۔ میرا مرض تو لاعلاج ہے نہ کوئی طبیب ہے نہ کوئی حکیم۔ جو میری بے وقعتی کو میری پل پل کچلتی انا کو میرے روح کے شگافوں کو شفا دے سکے۔ کہاں سے لاؤں گی اتنی ہمت۔ کیسے برداشت کروں گی یہ سب؟ یااللہ مجھے ہمت دے۔ مجھے حوصلہ اور برداشت دے میرے مالک کہ ایک مرتی ہوئی ماں کے سامنے اس کے بیٹے کا بھرم رکھ سکوں۔ مجھے ان حالات میں رہ کر جینے کا حوصلہ دے میرے مالک آمین۔"

"ابریز حسن...... تم بھی دیکھنا کہ میں کس طرح جی کر دکھاتی ہوں...... ایک مرتی ہوئی ماں کے لیے کس طرح ڈبل فیس زندگی گزارتی ہوں؟ میں آپ کو ثابت قدم رہ کر دکھاؤں گی۔ میں یہ ثابت کردوں گی کہ میں واقعی نیک اور شریف ماں باپ کی اولاد ہوں۔ میں آپ کو سچ مچ یہ دکھادوں گی کہ میری تربیت میں کہیں بھی کوئی کمی نہیں۔"

بے تحاشہ بہنے والے آنسوؤں کو پانی کے ساتھ بہاتے بہاتے تزکیہ نے ہمت اور حوصلے کا فیصلہ کیا اور بڑے عزم کے ساتھ خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرلیا۔

تزکیہ واش روم سے باہر آئی تو ابریز منہ تک چادر تان کر سویا تھا یا نہیں کچھ اندازہ نہ ہوا۔ تزکیہ نے سارا زیور اتھا کر الماری میں رکھا۔ ابریز کا دیا ہوا کنگن دائیں ہاتھ میں ڈالا۔ نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پر آ بیٹھی۔

"آپا یار ابریز بھائی کے دوست بھی ان کی طرح بڑے ڈیشنگ ہیں ان سے کہہ کر کہیں میرا بھی معاملہ حل کروا دینا۔" یہ سرگوشی تقدیس کی تھی۔ اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ آ گئی۔

"تقدیس میری جان...... تیری بہنا ہی یہاں ان فٹ ہے۔ بھلا تجھے کہاں فٹ کروائے گی......" تب ہی ابریز کا سیل فون بجنے لگا تزکیہ خیالات سے چونکی رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ کس کی کال ہوگی؟ ابریز نے لپک کر سیل اٹھایا۔

"جی جانو...... بولو۔" تزکیہ سمجھ گئی کہ رات کے اس پہر کون ہوسکتا ہے۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئیں؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے میں مر کر بھی تمہاری جگہ کسی کو نہیں دے سکتا...... تمہیں تو سب کچھ پتہ ہے ناں یار او کے...... چلو تمہاری تسلی کے لیے ہم باتیں کرلیتے ہیں۔ آئی لو یو...... آئی لو یو سو مچ۔" کتنی ڈھٹائی سے وہ کسی غیر لڑکی سے عشقیہ باتیں کررہا تھا۔ اسے اپنی چاہتوں کا یقین دلا رہا تھا۔ وعدے کیے جارہے تھے عامیانہ اور چھچھوری باتیں۔ صرف اور صرف کشمالہ کو اس بات کا ثبوت دے رہا تھا کہ آج کی اتنی اہم اور خوب صورت رات کو وہ تزکیہ کو اگنور کرکے کشمالہ کے ساتھ ہے۔ فجر کے وقت ابریز نے کال بند کی۔ تزکیہ کے تن بدن میں سنسناہٹ سی اتر گئی۔ ساری رات تزکیہ نے بھی جاگ کر کانٹوں پر گزاری تھی۔ شادی کی پہلی رات تزکیہ نے اپنے شوہر کی وہ عاشقانہ گفتگو سنی جو اس نے اپنی محبوبہ سے کی۔ فجر کی اذانوں کے ساتھ ابریز نے کروٹ بدلی اور گہری نیند سوگیا۔ ساری رات ایک ایک پل تزکیہ نے اذیت میں گزاری تھی۔ ابریز کا ایک ایک لفظ کشمالہ سے میٹھے انداز میں کی جانے والی باتیں اس کے قہقہے اس کی حرکتیں کتنی اذیت ناک تھیں۔ کتنی تکلیف دہ تھی اس لڑکی کے لیے جو دل میں بے شمار خوب صورت جذبات وخیالات لے کر آئی تھی۔ جس کے دل میں اس رات کو لے کر بیٹھے جذبے تھے۔ ارمان تھے خواہشات تھیں سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ گزشتہ رات تزکیہ کے لیے گویا قیامت کی رات تھی اور شاید آج کے بعد زندگی میں آنے والی ہر رات میں یہی عذاب یہی کرب اور یہی اذیت اس کے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔ گویا کہ ہر رات اس کے لیے قیامت سے کم نہ ہوگی۔ ابریز گہری نیند میں تھا۔ تزکیہ نے اٹھ کر شاور لیا۔ سی گرین لائٹ کام والا سوٹ پہن کر بالوں کو سلجھایا لمبے بالوں کو کھلا چھوڑ کر الماری سے نماز کا دوپٹہ اور جائے نماز نکالی۔ جائے نماز بچھاتے ہوئے بے دھیانی

میں سوتے ہوئے ابریز کی جانب نگاہ اٹھائی کتنا پُرسکون مطمئن تھا وہ ٹھنڈی سانس لے کر جائے نماز بچھائی اور فجر کی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تو ڈھیر سارے آنسو آنکھوں میں چلے آئے۔

''یا اللہ پاک مجھے ہمت دے حوصلہ دے۔ میں ثابت قدمی سے اس امتحان میں پوری اتر سکوں۔ میں صرف ایک مرتی ہوئی عورت کی ضرورت ہوں۔ مجھے اتنا حوصلہ دے کہ میں مما کے معیار پر پوری اتر سکوں۔ میری ذات سے ان کو کوئی دکھ کوئی تکلیف نہ ہو۔ آنسو متواتر آنکھوں سے بہتے رہے اور وہ دعائیں مانگتی رہی۔ نماز سے فارغ ہوکر بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑا۔ رات بھر جاگنے اور مسلسل رونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ اور متورم ہورہی تھیں۔ نیند کا خمار بھی چھایا ہوا تھا۔ جائے نماز تہہ کر کے شیلف پر رکھی اور صوفے پر آکر لیٹی تو تھوڑی دیر میں نیند کی دیوی مہربان ہوگئی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ سامنے ابریز کھڑا بالوں میں برش کررہا تھا۔ ابھی ابھی باتھ لے کر آیا تھا۔ لائٹ گرے کرتے اور وائٹ شلوار میں نکھرا نکھرا بہت فریش لگ رہا تھا۔

''محترمہ اگر نیند پوری ہوگئی تو اٹھ جائیں۔ مما نے بلوایا ہوگا۔'' طنزیہ لہجے میں کہا تو تزکیہ جھینپ گئی۔

ناشتے پر سلمٰی بیگم ڈھیروں لوازمات سجائے منتظر بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم مما۔'' تزکیہ نے قریب جاکر جھک کر انہیں سلام کیا۔

''جیتی رہو جیتی رہو..... شاد آباد رہو اللہ پاک تمہیں بہت ساری خوشیاں نصیب کرے سدا سہاگن رہو۔'' سینے سے لگا کر محبت بھرے لہجے میں ڈھیروں دعائیں دیں ان کی محبت پر تزکیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''ارے مما..... ایسی بھی کیا بے رخی بہو کو دیکھ کر بیٹے کو بھول گئیں ہمیں بھی کچھ دعائیں ملیں گی یا نہیں؟'' ابریز نے شرارتی لہجے میں کہا تو سلمٰی بیگم نے اس جھکے سر کو چوما اور ہنس دیں۔ ناشتے سے فارغ ہوئے تو سیرت اور تقدیس تزکیہ کو لینے آگئے۔

''کیسی ہو تزکیہ؟ گھر اور ابریز کو دیکھ کر اس سے مل کر کیسا لگا؟'' موقع دیکھ کر سیرت نے تزکیہ کو کریدا۔

''بہت اچھا...... بہت اچھے ہیں ابریز۔'' تزکیہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

''شکر الحمدللہ! تم خوامخواہ ابریز کو لے کر ٹینشن کا شکار تھیں آپا.....'' تقدیس نے بھی مطمئن انداز میں کہا۔

''ہاں...... بہت کیئرنگ ہیں بہت سوفٹ نیچر ہے ابریز کی سوبر اور سینس ایبل۔'' اپنے جھوٹ کو جاری رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے مزید کامیاب ایکٹنگ کی وہ خود بھی حیران تھی اتنی صفائی سے جھوٹ بولنا اس کی تربیت میں شامل تو نہ تھا۔ مگر حالات کچھ ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ جہاں قدم قدم پر اسے اپنی انا کو مار کر اپنے مزاج اور تربیت کے خلاف جھوٹ بولنا تھا ڈرامے کرنے تھے۔ قول و فعل میں تضاد کے ساتھ زندگی گزارنی تھی تزکیہ کچھ گھنٹوں کے لیے میکے آگئی۔ آج دعوت ولیمہ تھی اور اسے جلدی واپس سسرال جانا تھا۔

دعوت ولیمے کا اہتمام شاندار ہال میں کیا گیا تھا۔ جب وہ ابریز کے ساتھ لائٹوں کی تیز روشنی میں ہال میں داخل ہوئی ابریز نے ہدایت کے مطابق اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھاما تو اس کا ہاتھ کانپ گیا۔ ابریز کے ہاتھوں کا لمس اس کے وجود سے اٹھتی ہوئی Havoc کی دل فریب اور مسحور کن خوشبو سے تزکیہ کا نازک سا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''کاش یہ لمحے یونہی امر ہوجائیں اسی طرح ابریز اس کا ہاتھ تھامے ساری زندگی چلتا رہے..... کبھی نہ ختم ہونے والا یہ سفر یونہی جاری رہے۔''

''بھابی پلیز اسمائیل۔'' فوٹو گرافر کی آواز پر تزکیہ خیالات سے چونکی اور گڑبڑا کر سامنے دیکھنے لگی۔

''یار بھابی پر تم نے تو جادو کردیا تم سے نظر ہی نہیں ہٹ رہی ان کی۔'' کسی دوست کی آواز پر ابریز نے زور

دار قہقہہ لگایا۔

"ارے نہیں یار...... میں نے کہاں جادو تو انہوں نے ہم پر کردیا ہے۔ ہم پر تو کیا...... ہماری مما پر بھی۔" آخری جملہ سرگوشی کے انداز میں کانوں میں کہا۔

"اوئے بس کردے یار...... اور یہاں دھیان دے۔" مووی میکر جو کہ دوست بھی تھا شوخ آواز میں بولا تو سب کا قہقہہ ابھرا۔ تزکیہ بری طرح جھینپ گئی ابریز مسکرا دیا۔

رات کو ایک بار پھر وہ اسی گھٹے ہوئے کوفت زدہ ماحول میں اسی اذیت ناک مرحلوں سے گزرنے کے لیے اسی دشمن جاں کے ساتھ خواب گاہ میں تھی۔ اس ماحول میں سانس لینا بھی مشکل لگتا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں کی صورت میں گزرتا۔

ایک دو تین دن گزرے حالات معمول پر آئے تو تزکیہ نے گھر کا جائزہ لیا۔ بڑے سے رقبے پر بنا ہوا جدید طرز کا یہ گھر جس کے بڑے آہنی گیٹ سے داخل ہونے پر درمیان میں راہ داری تھی سرخ فرش والی چوڑی راہ داری کے دونوں سمت لان تھے ایک جانب پیڑوں کے ساتھ بینچز بنے تھے دوسری جانب پلاسٹک کی کرسیوں اور میز کو گارڈن میں سیٹ کیا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریوں میں عشق پیچاں موتیا اور رات کی رانی کی بیلیں تھیں جن سے دیواریں بھی چھپ گئی تھیں۔ راہ داری سے گزر کر گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہونے کے لیے خوب صورت لکڑی کے کام سے مزین بڑا سا دروازہ تھا جو لاؤنج میں کھلتا تھا۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سیدھی جانب بڑا سا ڈرائنگ روم جس کی نفاست اور قیمتی شو پیسز کو دیکھ کر تزکیہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آگے دونوں جانب بیڈ روم بنے تھے۔ ایک سلمٰی بیگم کا ایک ابریز کا۔ اور دو ایکسٹرا تھے۔ جب کہ نوکروں کے لیے مزید آگے چل کر گھر کے پچھلے حصے میں کمرے بنوائے گئے تھے۔ بڑا سا کچن جس میں ضرورت کے علاوہ غیر ضروری اشیاء بھی موجود تھیں۔ بوڑھی ملازمہ حاجرہ کے علاوہ چھوٹے موٹے کاموں کے لیے بھی نوکر موجود تھے گو کہ سلمٰی بیگم بیڈ پر نہ تھیں بظاہر اتنی بیمار بھی نہ لگتیں مگر کبھی اچانک سے طبیعت بگڑ جاتی ان کے لیے پرہیزی کھانا پکتا جو سکینہ پکاتی تھی۔

وہ اس روز ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں گئیں دوا لے کر لیٹیں تو ان کی بھی آنکھ لگ گئی۔ تزکیہ نے ان کے کمرے کی تھوڑی بہت صفائی کی چیزوں کو ترتیب دے کر کچن میں آگئی۔ گھر مکمل طور پر نوکروں کے حوالے تھا۔ ظاہر ہے وہ سب کچھ تو نہیں ہوتا جو ایک خاتون خانہ اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کرتی ہے تزکیہ کو کچن میں کوئی خاص صفائی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ برتنوں کی الماری بھی بے ترتیب تھی۔ مصالحوں کے ڈبے گندے ہو رہے تھے مائیکرو ویو اندر سے گندا ہو رہا تھا۔ تزکیہ نے سکینہ کو بلوا کر پہلے کچن کی صفائی کرنے کے لیے کہا اور خود بھی ساتھ لگ گئی۔

"ارے بی بی آپ بس حکم کریں بڑی بی بی کو پتہ چل گیا تو غصہ کریں گی۔" سکینہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں مما کو خبر بھی نہیں ہوگی اور ہاں آج مما کے لیے سوپ اور دلیہ بھی میں ہی بناؤں گی۔" تزکیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا بی بی آپ کی مرضی۔" سکینہ کو تزکیہ بہت اچھی لگتی تھی اتنی نرم اور سوفٹ انداز میں بات کرتی کہ بات دل میں اتر جاتی تھی۔ بات مکمل کر کے تزکیہ جیسے ہی پلٹی پیچھے سلمٰی بیگم کھڑی تھیں۔

"ارے مما آپ؟" تزکیہ نے گڑبڑا کر کہا اور خوامخواہ ہی شرمندہ ہونے لگی۔ سلمٰی بیگم مسکرائیں۔

"میرے کمرے میں آؤ تزکیہ۔" کہہ کر وہ واپس مڑ گئیں۔

"کہیں مما کو غصہ تو نہیں آگیا؟" وہ دل میں خدشہ لیے دوسرے لمحے ہی ان کے کمرے میں موجود تھی۔

"بیٹھو یہاں۔" سلمٰی بیگم نے بیڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ پاس آبیٹھی۔

"جی مما؟" تزکیہ نے سوالیہ نظروں سے سلمٰی بیگم کی

قرآن پڑھنا آسان، سمجھنا سب کے لیے آسان
معروف قلمکار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں
السلام علیکم
خلقنا الانسان
سورۃ العصر
یایھا الذین امنوا
الاخلاص
الفاتحہ
الکوثر
الکفرون
تفسیر معوذتین
معاذاللہ
ربنا آتنا
منگوانے کا پتہ
اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ اردو بازار لاہور۔ 0423-7116257
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز، 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 0213-5620771/2

جانب دیکھا۔

"بیٹی...... میں تمہیں گھر کے کاموں کے لیے نہیں بلکہ اپنی بیٹی بنا کر یہاں لائی ہوں اس گھر پر راج کرنے کے لیے لے کر آئی ہوں اور تم نے چند دن بعد ہی گھریلو کام کاج میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہ نوکر کس لیے ہیں؟" سلمیٰ بیگم نے اس کو دیکھتے ہوئے شفیق لہجے میں کہا۔

"جی مما...... میں جانتی ہوں لیکن میں کیا کروں مجھے تو عادت ہے ناں گھر کے کام کرنے کی۔ اگر کام نہ کروں تو بے چینی ہونے لگتی ہے۔ ایک ہفتے میں میں خود کو سست محسوس کرنے لگی ہوں۔ مجھے اچھا لگے گا مما کہ گھر کے چھوٹے موٹے کام میں خود کروں آپ کے چھوٹے چھوٹے کام کر کے مجھے خوشی محسوس ہوگی مما۔ جیسے میں اماں ابا کے کام کرتی تھی۔" تزکیہ نے معصوم لہجے میں کہا اور سلمیٰ بیگم کا دل بھر آیا۔

"چلو بھئی جیسے تمہاری مرضی۔ جو تم کو اچھا لگے اب یہ گھر بھی تمہارا ہے اور گھر والے بھی۔" سلمیٰ بیگم نے اس کی پیشانی چوم کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو تزکیہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"گھر والے...... گھر والے کہاں مما۔ صرف آپ ہیں۔ میری اور وہ بھی چند دن کی مہمان۔ اور میں بھی...... میں بھی آپ کی زندگی تک ہوں۔ پھر نہ یہ گھر میرا رہے گا اور نہ گھر والے۔" اس کا دل بھر آیا تھا۔

"جی مما اللہ پاک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے آپ ہیں تو سب کچھ ہے۔" تزکیہ نے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے مسکرا کر کہا تو سلمیٰ بیگم بھی زیرلب مسکرا دیں۔ پھیکی اور بے جان مسکراہٹ۔

ابریز نے اسے حق زوجیت دیا بھی نہیں بظاہر وہ ابریز کی بیوی تھی جس کو دنیا کے سامنے وہ تفریح بھی کرواتا۔ محبت بھری باتیں بھی کرتا۔ خیال بھی رکھتا اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کرتا اور جب اپنے کمرے میں ہوتا تو بالکل مختلف اکھڑ بدتمیز بدمزاج اور سنگ دل ابریز بن جاتا۔ جس کی آنکھوں میں صرف اور صرف نفرت ہوتی۔ جس کے چہرے پر تفاخر ہوتا۔ اکھڑ پن اور حاکمیت ہوتی۔ جس کی باتوں میں طنز اور بدتمیزی ہوتی ایک ایک لفظ میں زہر ہوتا اور تزکیہ چپ چاپ اس کا ہر ظلم ہر زیادتی برداشت کرتی۔ اپنا نصیب سمجھ کر سر جھکا کر صرف اور صرف اپنے رب کے آگے جی بھر کے اپنے دکھ بیان کرتی اس سے ہی ہمت اور برداشت کی بھیک مانگتی۔

تزکیہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی جیسے تیسے اسی ماحول میں اور ان حالات میں جینا تو تھا۔ وہ سلمیٰ بیگم کو جوس پلا رہی تھی کہ ابریز آفس سے آ گیا۔

"السلام علیکم مما! کیسی ہیں آپ؟" حسب معمول سیدھا سلمیٰ بیگم کے کمرے میں ہی آیا۔

"الحمدللہ بیٹا...... تزکیہ کے آ جانے سے میرے اندر جیسے توانائی اتر آئی ہے۔ میرے گھر میں اجالا کر دیا ہے اس نے تو' ہر وقت میرے پاس' میرے ساتھ رہتی ہے۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ ہم بہت خوش نصیب ہیں بیٹا کہ ہمارے گھر تزکیہ جیسی بچی آئی ہے۔ اللہ پاک تمہاری جوڑی سلامت رکھے شاد آباد رہو' آمین۔" سلمیٰ بیگم نے سچے دل سے تعریف کر کے دعائیں بھی دے ڈالیں۔

"اجالا کیسا اجالا...... مجھ سے پوچھو کہ تمہارے آنے سے میری زندگی میں تو تاریکی پھیل گئی ہے۔ ہر ہر پل اذیت ناک ہے میرے لیے۔ اور خدا نہ کرے کہ میری جوڑی تمہارے ساتھ بنی رہے کیونکہ میرے لیے تو صرف اور صرف کشمالہ ہی میری زندگی ہے۔ چاہے مما کو جتنی پٹیاں پڑھا دو۔ ان پر اپنی فرماں برداری اور خدمتوں کے جادو چلاؤ۔ تم صرف ان کو ہی بے وقوف بنا سکتی ہو۔ میرے دل میں تمہارے لیے کبھی بھی محبت یا پیار نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔"

تزکیہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو آتے ہی ابریز نے زہرخندہ جملے اس کی جانب اچھالے اور ہاتھ سے چائے کی پیالی لے کر زور سے ٹیبل پر رکھی۔ تزکیہ ان سنی

کر کے پلٹ کر الماری سے کچھ نکالنے لگی۔ وہ الماری بند کر کے واپس پلٹی تب تک ابریز گرم گرم چائے حلق سے اتار چکا تھا۔ تزکیہ نے ہاتھ آگے بڑھایا چبھتی ہوئی نظر تزکیہ پر ڈالی اس کے ہاتھ سے کپڑے لیے اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تزکیہ بیٹی...... کافی دن ہوئے تم اپنی اماں کی طرف نہیں گئیں دو تین دن کے لیے چلی جاؤ۔" رات کے کھانے پر سلمیٰ بیگم نے پلیٹ میں سالن نکالتی تزکیہ کو مخاطب کیا۔

"نہیں مما اس کی کیا ضرورت ہے اور بات تو ہو جاتی ہے میری۔" پلیٹ سلمیٰ بیگم کے سامنے رکھتے ہوئے تزکیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بیٹی سارا دن گھر میں رہتی ہو کاموں میں الجھی رہتی ہو ذرا باہر بھی جایا کرو۔ تم تو کہیں بھی نہیں جاتیں لڑکیاں تو شاپنگ کی دیوانی ہوتی ہیں۔ تم کیسی لڑکی ہو؟" سلمیٰ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی مما پوچھ لیں اپنی بہو سے کب سے کہہ رہا ہوں کہ شام کو کہیں آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔ مووی دیکھیں گے شاپنگ کریں گے مگر...... مگر آپ کی لاڈلی صاف انکار کر دیتی ہے۔" ابریز کے سفید جھوٹ پر تزکیہ نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"دیکھیں مما...... اب مجھے گھور کر بھی دیکھ رہی ہے کہ میں نے آپ سے شکایت کر دی۔ میری بات نہیں مانے گی تو آپ سے ہی بولوں گا ناں۔" انتہائی معصومیت سے سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ تزکیہ اس کی ایکٹنگ پر ششدر رہ گئی۔

"چپ کرو ابریز...... تنگ مت کرو میری بچی کو۔ ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے یہ۔" سلمیٰ بیگم نے اس کو دیکھ کر ابریز کی سرزنش کی۔

"مما...... آپ کو تو ہمیشہ اس کا ہی خیال رہتا ہے۔ بڑی جادوگرنی ہے یہ لڑکی اس نے آ کر سچ مچ آپ پر جادو کر دیا ہے۔" بظاہر ہنستے ہوئے بہت گہری بات کہہ گیا تھا۔ تزکیہ چپ تھی۔

"نہ بھئی نہ یہ تو بہت پیاری بچی ہے۔ بس کل شام کو تم آفس سے آ کر اسے پہلے آؤٹنگ پر لے جانا پھر شاپنگ اور آخر میں ڈنر کر کے گھر آنا۔" سلمیٰ بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"او کے باس۔" ابریز سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا اور شگفتہ انداز میں کہا تو تزکیہ نے مسکرانے اور شرمانے کی کامیاب ایکٹنگ کی۔

☆☆☆......☆☆☆

تزکیہ نے خود کو ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ دن بھر سلمیٰ بیگم کے آمنے سامنے رہتی۔ صبح نماز کے وقت وہ جاگتی۔ بظاہر اس کے پاس اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی آج تک درمیان میں صدیوں کا فاصلہ تھا۔ بند دروازے کے پیچھے اسے جس اذیت سے رات بھر گزرنا پڑتا وہ تزکیہ ہی جانتی تھی۔ ابریز تو لیٹتے ہی کشمالہ سے کال پر محو گفتگو ہوتا۔ کبھی کبھی جب تزکیہ کی برداشت دم توڑنے لگتی تو وہ صوفے سے اٹھ کر ملحقہ کمرے میں آ جاتی۔ بے شمار آنسو اس کے گالوں کو بھگونے لگتے۔ ایک بیوی کے لیے اس سے زیادہ اذیت کیا ہوگی کہ اس کا شوہر اسے قطعی نظر انداز کر کے رات بھر اپنی محبوبہ سے عشقیہ باتیں کرے فحش اور بے باک جملوں کا تبادلہ ہو۔ وہ صبح پہلی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتی۔ نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی سات بجے کے بعد روم سے باہر آ جاتی۔ ٹھیک آٹھ بجے سلمیٰ بیگم کی دوا کا ٹائم ہوتا۔ سات بجے وہ سکینہ کے ساتھ مل کر مما کے لیے ہلکا سا ناشتہ تیار کرتی ان کو ناشتہ کروا کر دوا کھلاتی۔ دودھ کا گلاس دیتی تب تک ابریز بھی اٹھ کر تیار ہو کر باہر آ جاتا۔ سلمیٰ بیگم کی موجودگی میں زبردستی دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ابریز کے ساتھ تھوڑا سا ناشتہ کر لیتی۔ ابریز ناشتہ کر کے آفس چلا جاتا اور تزکیہ چھوٹے موٹے کاموں میں سکینہ اور ہاجرہ کا ساتھ دینے لگتی۔

"بی بی جی آپ بہت اچھی ہو ہمارا کتنا خیال رکھتی ہو۔" کبھی کبھی سکینہ اسے دیکھ کر کہتی۔ "ورنہ تو لوگ نوکروں

کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔‘‘

’’یہ کیا بات ہوئی؟‘‘ تزکیہ ہلکے سے مسکرا دیتی۔ ’’کیا نوکر انسان نہیں ہوتے۔ اس بات کی بھی پوچھ ہے سکینہ کہ ہم اپنے ماتحت کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں...... اچھا چلو تم جلدی سے چکن نکالو میں سوپ بنا دوں مما کے لیے۔‘‘ اس روز دن میں ابریز کی کال آ گئی کہ ڈنر پر کشمالہ آئے گی اہتمام کروا لینا۔

’’کیا ہوا بیٹی آج کچن میں کافی مصروف لگ رہی ہو؟‘‘ سلمیٰ بیگم نے غیر معمولی تیاری دیکھ کر پوچھا۔

’’جی مما...... ابریز نے کہا ہے کہ ان کی کولیگ آج ڈنر پر آئے گی۔ شاید کشمالہ نام بتایا ہے۔‘‘ وہ آہستگی سے بولی۔

’’اچھا...... اچھا ہاں کشمالہ ہوگی، بہت تیز مزاج اور ماڈرن لڑکی ہے یونیورسٹی سے ساتھ ہے وہ۔‘‘ سلمیٰ بیگم نے سر ہلا کر کہا۔

کھانا پکا کر وہ مغرب کی نماز سے فارغ ہوئی تھی کہ ابریز آ گیا۔ ہنستا مسکراتا اور انتہائی فریش موڈ کے ساتھ۔ اتنے عرصے میں آج پہلی بار ابریز اتنا مطمئن اور فریش لگ رہا تھا۔ کھڑکی سے تزکیہ نے دیکھا تھا۔ گھنی مونچھوں تلے خوب صورت مسکراہٹ۔ پہلی بار اسے یوں ہنستا دیکھا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا ابریز اور اس کے ساتھ وہ کشمالہ تھی۔ انتہائی ڈیپ گلے کی لوز شرٹ۔ دوپٹے سے بے نیاز جدید اسٹائل کے بالوں میں کاندھے پر شولڈر بیگ لٹکائے وہ کافی ماڈرن لگ رہی تھی۔ عام سی شکل وصورت والی۔ معمولی نقوش والی کشمالہ میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ ابریز جیسا انسان اس کے لیے اتنا پاگل ہو رہا تھا۔ تزکیہ نے پلٹ کر خود کو آئینے میں دیکھا لائٹ پرپل ہلکے سے کام والا جدید انداز میں سلا ہوا سوٹ اسی کلر کا جارجٹ کا دوپٹہ ہلکا میک اپ ہاتھوں میں میچنگ نازک سا بریسلیٹ لمبے سیاہ بالوں کو میچنگ کیچر میں جکڑے وہ خود بہت پیاری لگ رہی تھی۔ کشمالہ سے لاکھ درجے بہتر۔

’’چھوٹی بی بی صاحب آ گئے ہیں آپ کو بلا رہے ہیں۔‘‘ سکینہ کی آواز پر وہ چونکی۔

’’ہاں تم چلو میں آتی ہوں۔‘‘ دوپٹہ شانوں پر پھیلاتے ہوئے تزکیہ نے جواب دیا۔

’’السلام علیکم۔‘‘ تزکیہ پُراعتماد انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ کشمالہ انتہائی بے تکلفی سے کشن گود میں رکھے صوفے پر تقریباً نیم دراز تھی ابریز اس کے بالکل قریب ہی بیٹھا تھا۔

’’وعلیکم السلام۔‘‘ کشمالہ نے معنی خیز انداز میں اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ابریز نے نگاہ غلط اس پر ڈالی۔

’’کشمالہ یہ ہیں میری مما کی بہو تزکیہ۔‘‘ ابریز نے خاصے مضحکہ خیز انداز میں اس کا بے تکا تعارف کروایا۔

’’ہاں جی میں مما کی بہو ہوں مسز تزکیہ ابریز حسین۔‘‘ تزکیہ نے ابریز کی جانب دیکھتے ہوئے نہایت پُراعتماد انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ابریز کی بات کو آگے بڑھایا اور کشمالہ کی جانب مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

’’اوہ......‘‘ کشمالہ ہلکے سے طنزیہ انداز میں ہنسی جب کہ ابریز کے چہرے کے بدلتے رنگ سے اس کی اندرونی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا تزکیہ کا یوں اپنے رشتے کی وضاحت کرنا اسے سلگا گیا تھا۔

’’آپ لوگ باتیں کریں میں ڈنر لگواتی ہوں۔‘‘ اپنے جملے کا ری ایکشن ابریز کے چہرے پر دیکھ کر تزکیہ نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور کھانے کا کہہ کر باہر آ گئی۔

’’واؤ یار...... مسز تزکیہ ابریز حسین کیا بھرم دے کر گئی ہیں تمہاری مسز۔‘‘ کشمالہ نے منہ کو ٹیڑھا کر کے مسز پر خاصا زور دیتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے ابریز کو گھور کر دیکھا۔

’’یار پلیز مائینڈ مت کرو۔ مسز تب بنے گی جب میں اسے وہ درجہ حیثیت اور مقام دوں گا...... میرے لیے وہ صرف اور صرف میری مما کی پسند اور ان کی بہو ہے۔ آئی سمجھ؟‘‘ ابریز نے کشمالہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے

وضاحت دی۔

"تم نہیں کھاؤ گی؟" کشمالہ نے اسے واپس پلٹتے دیکھ کر سوال کیا۔

"جی نہیں...... مجھے بھوک نہیں ہے آپ لوگ کھائیں آرام سے اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو سکینہ کھڑی ہے سامنے میں مما کے پاس ہوں ان کی دوا کا ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں کہتی ہوئی ایک اچٹتی سی نگاہ ابریز پر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

"ارے تزکیہ...... تم نے کھانا نہیں کھانا؟" سلمٰی بیگم نے اس کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں مما بھوک نہیں ہے شام کو چائے کے ساتھ سموسہ کھا لیا تھا۔ طبیعت پر گرانی سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"ارے بھئی...... پہلے کیوں نہیں بتایا...... سارا دن کچن میں گھسی کام جو کرتی رہی ہو۔ پہلے ہی کہا تھا کہ تم مت کرو اتنا کام۔ ابریز سے کہو کہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔"

"ارے مما......" "آپ تو ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں کام سے کچھ نہیں ہوتا مجھے اتنا کام کرتی تھی اپنے گھر میں یہاں تو کچھ کام ہی نہیں ہے۔ بس شاید گرمی کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ کے پاس بیٹھ کر میں فریش ہو جاتی ہوں۔" سلمٰی بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"اور خواہ مخواہ ابریز کو تنگ کیوں کروں مما۔ ایسی طبیعت تھوڑا خراب ہے۔ آرام سے باتیں کرنے دیں ان کو۔" تزکیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں کافی پرانی دوستی ہے دونوں کی۔" سلمٰی بیگم نے کہا۔

کچھ دیر میں ابریز کشمالہ کو چھوڑنے کے لیے چلا گیا۔ تزکیہ کاموں سے فارغ ہو کر سلمٰی بیگم کو دوائیں اور دودھ دے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ دل بہت برا ہو رہا تھا۔ کشمالہ عام سی شکل و صورت کی لڑکی تھی جس کو ابریز اس پر فوقیت دیتا تھا۔ کتنی آرام سے اور ڈھٹائی سے اس کے ساتھ گھومتا پھرتا اور ٹائم گزارتا تھا۔ مزے کی بات تھی کہ سلمٰی بیگم کو بھی اندازہ نہ ہوتا تھا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہ جائے نماز تہہ کر رہی تھی کہ ابریز دندناتا ہوا آ گیا۔

"تم میں کوئی ایٹی کیٹس کوئی طریقہ کوئی مینرز ہیں کہ نہیں...... ہمارے ساتھ کھانا نہ کھا کر تم نے اپنی چھوٹی سوچ اور ذہنیت کا ثبوت دے دیا ہے اور بڑا شوق ہے تمہیں مسز ابریز بننے کا...... سن لو کان کھول کر۔ تمہاری یہ حسرت حسرت ہی رہے گی کبھی بھی تمہاری حسرت پوری نہیں ہو گی اور نہ ہی میں تمہیں یہ بکواس کرنے کا حق دوں گا آئی سمجھ۔"

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے حق نہ دینے والے مسٹر ابریز حسین۔ یہ حق مجھے اللہ پاک نے دیا ہے۔ رشتہ بنانے والا تو وہ ہے جس سے انکار کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے آپ۔" پہلی بار تزکیہ نے ہمت کر کے کہہ دیا تھا۔

"بند کرو بکواس...... دعائیں دو مما کو انہوں نے عذاب مسلسل کی طرح میرے سر پر لا دیا ہے تمہیں۔"

"یوں کفر نہ بولیں ابریز۔" اس بار تزکیہ کا لہجہ کانپ گیا تھا۔

"میرے لیے تم بے کار غیر ضروری غیر اہم اور فالتو شے ہو جسے زبردستی میری زندگی میں شامل کیا گیا۔"

"اگر اتنی نفرت تھی تو منع کر دیتے ناں مما کو۔ کیوں میری زندگی کو جہنم بنا رکھا ہے۔ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ؟"

"مجبور تھا میں...... مما کی زندگی میرے لیے زیادہ اہم تھی، مما کی خواہش پر سر جھکایا میں نے میں مما کو وقت سے پہلے نہیں مارنا چاہتا تھا۔ کاش تم...... تم اپنی معصوم شکل لے کر ان کے سامنے نہ آتیں تو آج...... آج میں بھی اپنی پسند کی زندگی اپنی مرضی سے خوشی سے گزار رہا ہوتا اور تم بھی کہیں کسی کے ساتھ ہوتیں۔ نہ جانے کون سی گھڑی تھی کہ مما کی نظر تم پر پڑی اور زندگی میری جہنم بن گئی۔" وہ بڑبڑاتا بکتا جھکتا واش روم میں گھس گیا تزکیہ اپنی تذلیل پر چپ چاپ کڑھتی رہی۔

سلمیٰ بیگم کی طبیعت نرم گرم چلتی رہی۔ مگر جب سے شادی ہوئی تھی اتنی شدید طبیعت خراب نہ ہوئی تھی اس شام سلمیٰ بیگم کی طبیعت کچھ ناساز تھی ابریز اور تزکیہ دونوں ہی ان کے روم میں ان کے پاس بیٹھے تھے۔ ابریز سلمیٰ بیگم کے پیر دبا رہا تھا۔ جب کہ تزکیہ ان کے دھلے ہوئے کپڑے تہہ کر رہی تھی۔

"ابریز بیٹا...... کاروبار کیسا چل رہا ہے؟" سلمیٰ بیگم نے پوچھا۔

"الحمدللہ مما سب بالکل ٹھیک ہے۔" ابریز نے جواب دیا۔

"بس اب ایک ہی خواہش ہے میری۔" سلمیٰ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

"جی مما۔" ابریز ہمہ تن گوش ہوا۔

"بس پوتا یا پوتی کو اپنی گود میں دیکھ لوں تو مجھے سکون مل جائے گا۔" تزکیہ کی نظریں بے ساختہ ابریز کی جانب اٹھ گئیں۔

"ان شاءاللہ مما بس آپ جلدی سے اچھی ہو جائیں آپ یوں لیٹی ہوتی ہیں تو میرا دل کسی کام میں نہیں لگتا۔" ابریز نے سنبھل کر جلدی سے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔ تزکیہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ دل بہت اداس اور بوجھل ہو رہا تھا۔ شادی کو چار ماہ ہو چکے تھے۔ مما بے چاری منتظر تھی کہ ان کے آنگن میں بھی ننھی منھی قلقاریاں گونجیں ان کی گود میں بھی ننھا منا سا مہمان آ جائے۔ تزکیہ کے لبوں سے ہلکی سی سسکاری ابھری۔

"مما اللہ پاک آپ کو لمبی زندگی دے لیکن میں تو خود یہاں مہمان ہوں۔ آپ کی زندگی تک میرا رابطہ میرا واسطہ اس گھر سے اور اس گھر کے مکینوں سے ہے۔ آپ کے بیٹے نے کون سا مجھے اپنی بیوی سمجھا ہے۔ کون سا شرعی حق دیا ہے مجھے۔ صرف دو بول ہی تو مجھے اس کی زندگی میں لے آئے۔ میں اس کے لیے غیر ضروری اور ناپسندیدہ ترین ہوں میری کوئی وقعت ہے نا ضرورت۔ میں تو صرف اور صرف آپ کے لیے آپ کی وجہ سے یہاں ہوں۔ یہ کیسا بندھن ہے؟ کیسا رشتہ ہے جس میں میں بندھ گئی ہوں۔ نہ چھٹکارا مل سکتا ہے ناں اپنی حیثیت منوا سکتی ہوں۔" درد حد سے بڑھنے لگا تھا اگر خدانا خواستہ کل کو مما کو کچھ ہو جاتا ہے تو...... ط...... طلاق کا تحفہ لے کر کس منہ سے واپس جاؤں گی؟ ابا جی اماں کیسے برداشت کر پائیں گے...... تقدیس کی شادی کیسے ہوگی؟ طلاق کا جواز کیا بتاؤں گی؟ ایک سمجھوتہ ایک مرتی عورت کی خوشی ایک بیٹے کا اپنی ماں کے لیے کیا گیا سودا...... بے شمار سوالات ذہن میں کلبلانے لگے۔ دماغ ماؤف ہونے لگا۔

"یا اللہ تجھ سے ہی سکون ہمت اور حوصلے کی بھیک مانگتی ہوں پروردگار مجھے ہمت عطا کر۔" درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے سارے راستے بند اور حالات مخالف نظر آتے ہیں۔ امید کے سارے در بند ہو جاتے ہیں۔ تب خالق کائنات کی ذات ہی یاد آتی ہے اس سے ہی ہمت حوصلے اور صبر کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ اسی در سے دعائیں شرف قبولیت پاتی ہیں حوصلوں میں یقین پیدا ہوتا ہے اور ہمتیں لوٹ آتی ہیں تب انسان آگے کی راہ پر چلنے کے قابل ہوتا ہے۔ تزکیہ کا درد بھی جب حد سے سوا ہو جاتا وہ بھی صرف اور صرف اپنے رب سے کرم کی بھیک مانگتی۔

سلمیٰ بیگم کی طبیعت اب اکثر خراب رہنے لگی۔ جب ان کو وومٹ ہوتی تو وہ اتنی تکلیف میں ہوتیں کہ تزکیہ ان کی تکلیف پر تڑپ جاتی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگتیں۔ اس لمحے ڈاکٹر کو گھر پر ہی بلوایا جاتا۔ تزکیہ مستقل ان کے ساتھ ہی رہتی۔ ذرا سی بھی کراہیت یا گھن محسوس نہ کرتی۔ ان کی صفائی کا بے حد خیال رکھتی۔ اس روز بھی سلمیٰ بیگم کی طبیعت کافی خراب تھی۔ آج ابریز بھی گھر پر تھا تزکیہ نے سلمیٰ بیگم کا منہ دھلوایا ان کے کپڑے چینج کروا کر بالوں میں کنگھا کیا۔

"تزکیہ بیٹی میرا ایک کام کرو گی؟" تزکیہ سلمیٰ بیگم کے لیے پورج بنا کر لائی تو انہوں نے آہستگی سے پوچھا۔

"جی مما ضرور آپ بولیں۔" تزکیہ نے جلدی سے کہا اور ان کو پورج کھلانے لگی۔

”بیٹی...... میرے پاس بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کردینا۔ جب تم صبح صبح اپنے کمرے میں پڑھتی ہو تو تمہارے کمرے کے پاس سے آتے جاتے میں نے سنی ہے مجھے تمہاری آواز لہجہ اور انداز بہت اچھا لگتا ہے دل میں اتر جاتی ہے تمہاری آواز۔“

”جی مما آپ پہلے یہ کھالیں پھر میں پڑھتی ہوں۔“ تزکیہ نے کہا۔

”تزکیہ ایک بات تو بتاؤ؟“ انہوں نے بغور تزکیہ کو دیکھتے ہوئے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

”تم خوش تو ہونا بیٹی؟“ تزکیہ ان کے سوال پر بری طرح چونکی۔ بے ساختہ نظر ابریز کی جانب اٹھ گئی ابریز بھی تھوڑا سا گڑبڑا گیا۔

”ارے مما یہ سوال کیوں کیا آپ نے؟“ وہ بے ساختہ ہنس دی۔ وہ ایک لمحے میں خود کو سنبھال چکی تھی گزشتہ چار ماہ کے عرصے میں وہ خود پر کنٹرول کرنا اپنی فیلنگ کو اپنے اندر ہی دبا کر رکھنا۔ اپنا اندر ظاہر نہ کر کے بظاہر نارمل رہنا اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی شکایت کوئی کمی کوتاہی محسوس تو نہیں ہوتی؟“ ایک لمحے کے لیے رک کر سلمٰی بیگم نے گہری نظریں پہلے ابریز پھر تزکیہ پر ڈالیں۔

”ارے نہیں مما...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے آپ ایسے سوال کیوں کررہی ہیں۔ میں...... میں تو بہت خوش ہوں مما کہ آپ میرے ساتھ ہیں اور پھر ابریز میرا اتنا خیال رکھتے ہیں اور آپ۔ آپ تو کتنی پیاری ہیں۔ محبت سے گندھی ہوئی نرم مزاج دھیما لہجہ اور شفیق، میں اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے مما اور پتہ ہے میرا بس چلے تو میں بیسٹ ساس آف دی سنچری کا ایوارڈ آپ کو دے دوں۔ آئی لو یو سوچ مما۔ آپ کے بنا میں کچھ نہیں۔“ آخری جملہ کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔

ابریز خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ سلمٰی بیگم نے اس کو سینے سے لگا کر ماتھا چوم کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر تزکیہ قرآن پاک لے آئی سلمٰی بیگم کے بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگی۔ تزکیہ کی خوب صورت اور خوش الحان آواز صحیح تلفظ کے ساتھ الفاظ کی ادائیگی کا خوب صورت انداز ماحول میں پُرنور سا سرور طاری ہوگیا۔ سلمٰی بیگم آنکھیں بند کیے مکمل انہماک کے ساتھ سورہ یٰسین کی تلاوت سن رہی تھیں جب کہ ابریز بھی خاموشی کے ساتھ اس کی جانب متوجہ تھا۔ تزکیہ دنیا سے بے خبر مکمل طور پر سورہ یٰسین کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں گم تھی۔ اس نے تلاوت ختم کی تو سلمٰی بیگم نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”تزکیہ بیٹی مجھ سے ایک وعدہ کرو۔“ قرآن پاک جزدان میں رکھتے ہوئے وہ سلمٰی بیگم کی آواز پر ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”جی مما...... آپ حکم کریں؟“ تزکیہ جلدی سے بولی۔

”تزکیہ مجھ سے وعدہ کرو کہ مجھے کچھ بھی ہوجانے کے بعد تم روزانہ یہاں پر اسی جگہ بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کروگی۔ میرے بعد میرے کمرے کو ویران مت کرنا۔“

”مما پلیز...... آپ یہ کیسی باتیں کررہی ہیں؟ اللہ پاک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے، میں...... میں آپ کو ہر روز سناؤں گی۔ آپ کے سامنے بیٹھ کر اور آپ سنیں گی۔ مگر پلیز ایسی باتیں مت کریں۔“ تزکیہ باقاعدہ رونے لگی۔ سلمٰی بیگم کی آنکھیں بھی بھرآئیں ان کو اپنی طبیعت کا اندازہ تھا۔ ابریز بھی ان کے پاس آگیا اور ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

”مما ایسا مت کہیں تزکیہ یونہی آپ کو قرآن پاک سنایا کرے گی ویسے بھی وہ آپ کے ساتھ آپ کے پاس ہی تو رہتی ہے ناں۔ تزکیہ چلو اچھی سی چائے بنوا کر لاؤ ہم یہیں بیٹھ کر چائے پئیں گے مما کے ساتھ۔“ ماحول یک دم سے اداس ہوگیا تو ابریز نے ماحول کو بدلنے کے لیے لہجے کو بشاش بناتے ہوئے تزکیہ کو مخاطب کیا۔

”جی ابھی لاتی ہوں۔“ تزکیہ آنکھیں پونچھتی ہوئی روم سے باہر چلی گئی۔

”ابریز سچ کہوں تو مجھے کبھی کبھی دکھ ہوتا ہے کہ بچی کو

ہم وہ نہیں دے سکے جو دینا چاہیے تھا۔ جو اس کا حق تھا۔'' سلمیٰ بیگم کی آواز پر ابریز نے گھبرا کر آنکھیں پھیلا کر انہیں دیکھا۔

''دیکھو تم لوگ نہ کہیں گھومنے پھرنے جاتے ہو نہ ہی مون پر جا سکے۔ جب سے آئی ہے بس میرے ساتھ ہی مصروف ہو کر رہ گئی ہے۔ نہ کوئی فرمائش نہ گلہ نہ ہی کبھی اس کے چہرے پر تھکن یا بیزاری نظر آتی ہے۔ میری وجہ سے وہ تو میکے بھی نہیں جاتی۔ ابریز تم...... تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں تزکیہ جیسی بیوی ملی اور میں بہت لکی ہوں کہ مجھے تزکیہ جیسی بہو ملی۔ آج کے دور میں ایسی بچیاں کہاں ملتی ہیں؟ بیٹا ہمیشہ اس ہیرے کی قدر کرنا' کوشش کرنا کہ اسے کوئی دکھ نہ دو اس کے ساتھ۔''

''بس مما...... آپ کا سانس پھولنے لگا ہے۔'' ابریز نے ان کو جذب کے عالم میں دیکھا تو جلدی سے ان کو ٹوک دیا۔

''بہت خوش ہے مما وہ اور اگر آپ کی خدمت کرتی ہے تو بقول آپ کے اس کی نیچر میں ہے اور اللہ پاک اس کو اس کی جزا دے گا۔ آپ بس دعا دیتی رہیے گا اور زیادہ سوچا مت کریں اس نے آپ سے کہا ہے ناں کہ وہ خوش ہے۔'' ابریز حسن کا آخری جملہ باہر سے آتی ہوئی تزکیہ نے بھی سن لیا۔

''ہاں ابریز حسن بہت خوش ہوں میں۔'' وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

کچھ دن اور آگے گزرے۔ اس دن سلمیٰ بیگم کی طبیعت قدرے بہتر تھی تزکیہ ان کو لے کر لان میں آ گئی تھی۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ ابریز بھی آ گیا۔

''السلام علیکم مما۔ ماشاءاللہ آج تو کافی فریش لگ رہی ہیں آپ؟'' وہ سلمیٰ بیگم کو دیکھ کر خوشگوار لہجے میں کہتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ تزکیہ اس کے لیے بھی چائے نکالنے لگی۔

''وعلیکم السلام۔ الحمدللہ صبح سے کافی فریش محسوس کر رہی ہوں۔'' سلمیٰ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابریز تم سے ایک بات کہنے کا سوچ رہی تھی۔'' سلمیٰ بیگم نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''جی مما بولیے۔'' ابریز نے چائے کا سپ لے کر ان کو غور سے دیکھا۔

''میں...... میں سوچ رہی تھی کہ تزکیہ کو ڈاکٹر روحانہ کے کلینک لے کر چلی جاؤں۔''

''مگر کیوں مما' کیا ہوا ہے تمہیں تزکیہ؟'' ابریز نے حیرت سے پہلے سلمیٰ بیگم کو پھر تزکیہ کو دیکھا۔

تزکیہ بھی حیرانی سے سلمیٰ بیگم کو دیکھ رہی تھی وہ سمجھ نہ پائی تھی کہ سلمیٰ بیگم کو یہ کیا ہوا ہے اور انہوں نے ایسا کیوں کہا۔

''دراصل بیٹا...... تمہاری شادی کو آٹھ ماہ ہو چکے ہیں اور میں منتظر ہوں کہ کب دادی بننے کی نوید سنوں تو اس لیے۔''

''ارے مما......!'' ابریز سٹپٹا گیا' تزکیہ کے چہرے کا رنگ بھی اڑنے لگا اس نے بے ساختہ ابریز کی جانب دیکھا۔

''یہ اللہ پاک کی مرضی ہے مما' آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔'' ابریز گڑبڑا کر جلدی سے بولا۔

''افوہ......'' یہ مما کو کیا سوجھی وہ یک دم پریشان ہو گیا۔ تزکیہ سے وہاں بیٹھا نہ گیا مبادا سلمیٰ بیگم اس کے چہرے سے کوئی اندازہ لگا لیں ابریز کے لیے سلمیٰ بیگم کی بات کافی پریشان کن تھی۔

اس روز سلمیٰ بیگم کو ضرورت کی کچھ چیزیں منگوانی تھیں تزکیہ خود ہی بازار کے لیے نکل گئی۔ سلمیٰ بیگم نے کہا تھا کہ ابریز کو کال کر کے بول دو وہ آفس سے آتے ہوئے لے آئے گا مگر ابریز نے کال اٹینڈ نہیں کی فون مسلسل بزی جا رہا تھا۔ اس لیے تزکیہ خود ہی نکل آئی۔ سپر اسٹور سے مطلوبہ چیزیں لے کر تزکیہ جیسے ہی پلٹی سیڑھیاں اترتے اترتے دفعتاً تزکیہ کی نظر سامنے اٹھی۔

جیولری شاپ پر ابریز تھا اور ساتھ میں کشمالہ۔ تزکیہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی کشمالہ ایئر رنگ پہن کر بڑی ادا سے ابریز کو دکھا رہی تھی اور ابریز کتنی وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ سے ایئر رنگ کو ٹھیک بھی کیا تھا۔ انداز سے شوق یہ

خوشخبری

شاعری انٹرنیشنل انتخاب بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے

داستان دل ڈائجسٹ کی ٹیم شاعری انٹرنیشنل انتخاب شائع کر رہی ہے جس میں سب شاعر شامل ہو سکتے ہیں اور جو شاعر نہیں وہ کسی بھی شاعر کی دو غزلیں انتخاب کر سکتے ہیں انشاء اللہ یہ کتاب بہت جلد مارکیٹ میں آرہی ہے شامل ہونے کے لیے آج ہی ہم سے رابطہ کریں

اہم نوٹ: اس بک کے لیے دو غزلیں یا نظم دے سکتے ہیں اور ایک ہزار فیس ہوگی ان پیسوں کی کتابیں سینڈ کی جائیں گی

03225494228
abbasnadeem283@gmail.com

سلسلہ انچارج

اردو نبیلہ اقبال، سحرش علی نقوی، آمنہ رشید، ملائکہ خان، ندیم عباس ڈھکو، نزہت جبین ضیاء، نور بخاری، ریحانہ اعجاز، داستان دل ٹیم

اس انتخاب میں شامل لازمی ہوں انشاء اللہ یہ کتاب پاکستان کے علاوہ امریکہ، دوبئی، سعودی عرب کے علاوہ دیگر ممالک میں پڑھی جائے گی انشاء اللہ۔ اس میں ہر ممالک سے شامل ہو سکتے ہیں۔ اور شامل ہونا بھی آسان ہے آپ اپنی پسند کی دو غزلیں دے سکتے ہیں اور جو فیس دیں گئیں ان کی کتابیں مل جائیں گے ایسا چانس بار بار نہیں ملے گا اس لیے سب سے اپیل ہے کہ آپ سب شامل ہوں مزید معلومات کے لیے واٹس اپ 03225494228 یا فیس بک 03377017753 پر رابطہ کریں شکریہ

منجانب: داستان دل ڈائجسٹ ٹیم

وارفتگی جیسے میاں بیوی میں ہونی چاہیے۔ کتنا خوش مسرور اور فریش لگ رہا تھا ابریز۔ اس کا دل چاہا کہ اچانک سامنے جا کر ان دونوں کو شاکڈ کردے مگر وہ جانتی تھی کہ بے عزتی تو اس کی ہی ہونی تھی ابریز کشمالہ کو لے کر اس قدر باؤلا ہے کہ وہ اس کے سامنے تزکیہ کو ہی جھاڑ دیتا۔ جلدی سے وہ گاڑی میں آ بیٹھی۔ تزکیہ کی نگاہوں میں ابریز کا ہنستا ہوا چہرہ اس کی محبت بھری نگاہیں جو صرف اور صرف کشمالہ کے لیے تھیں گھومتی رہیں۔ کتنی بے حیائی اور ڈھٹائی سے کشمالہ ابریز کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھی۔ اور ابریز عقل کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی اندھا ہو کر اس کی اداؤں پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا۔ نہ جانے ایسا کیا ہے کشمالہ میں کہ وہ اس قدر پاگل ہو گیا تھا اور اچھائی برائی کی تمیز بھی یکسر بھول گیا تھا۔

شام کو ابریز آیا وہی اکھڑ مزاجی اور کرختگی چہرے پر تھی۔ تزکیہ اس کو دیکھنے لگی کچھ گھنٹوں پہلے کشمالہ کے ساتھ وہ کتنا خوش اور فریش لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشیاں اور جینے کی امنگ تھی اس کی آنکھوں میں والہانہ پن اور چاہت تھی مگر۔ تزکیہ کو دیکھ کر ابریز کے ماتھے پر بل پڑ جاتے۔ چہرے پر بیزاری نمایاں ہو جاتی۔ اگر کوئی بات کرتا تو سوائے طنز اور تذلیل کے کچھ نہ کرتا۔ قدم قدم پر تزکیہ کو یہ احساس دلاتا کہ تزکیہ اس کے لیے بوجھ اور ناقابل برداشت چیز ہے جسے صرف سلمٰی بیگم کی وجہ سے برداشت کر رہا ہے۔

صبح صبح وہ دوا دینے مما کے کمرے میں آئی تو ان کو بہت بے چین دیکھا۔ آج کافی دن بعد ان کو تکلیف پھر سے ہو رہی تھی اور وومیٹنگ بھی ہوئی۔ ابریز آفس جا چکا تھا۔ اتنا سارا بلڈ دیکھ کر وہ گھبرا گئی آج پہلی بار وومٹ میں اتنا بلڈ آیا تھا۔ ہاجرہ اور سکینہ نے سلمٰی بیگم کو سنبھالا تزکیہ نے روتے ہوئے ابریز کو کال کی کہ میں مما کو لے کر اسپتال جا رہی ہوں آپ فوراً پہنچ جائیں۔ تزکیہ نے جلدی سے گاڑی نکلوائی بمشکل مما کو گاڑی میں ڈالا اور اسپتال پہنچی سامنے ہی ابریز اسٹریچر لیے کھڑا تھا۔ مما کو اندر لے جا چکے تھے اور تزکیہ باہر بیٹھ کر روتے ہوئے ان کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ابریز بھی بے چین ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

الیاس احمد ناظمہ بیگم اور سیرت اور ابصار بھی آ گئے تھے۔ پریشانی کے ان لمحات میں ابریز خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا الیاس احمد اور ابصار کے آ جانے سے اس کو بھی مورل سپورٹ مل گئی۔ ہاجرہ بیگم اور سکینہ بھی گھر پر دعائیں کر رہے تھے وظائف پڑھ رہے تھے۔ لحہ بہ لحہ سلمٰی بیگم کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی الٹیاں بند نہیں ہو رہی تھی اسی حالت میں دو دن گزر گئے سلمٰی بیگم کو کچھ ہوش نہ تھا۔ تزکیہ کا رو رو کر برا حال تھا ایک لمحے کے لیے بھی وہ سلمٰی بیگم کے پاس سے نہیں ہلی مستقل سورہ یسین پڑھ رہی تھی۔ ان پر دم کر رہی تھی ان کی تکلیف ختم ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھی ابریز چپ چاپ تزکیہ کو دیکھتا رہتا۔ ایک بار کہا بھی کہ تم گھر جا کر کچھ دیر آرام کر لو مگر تزکیہ نے منع کر دیا۔

”ابریز پلیز...... مجھے مما کے پاس رہنے دیں میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔“ ناظمہ بیگم کھانا پکا لاتیں مگر تزکیہ یا ابریز سے بالکل نہیں کھایا جاتا۔

دوسرے دن رات کے وقت کشمالہ آئی وہ جیسے ہی روم میں داخل ہوئی اسی وقت سلمٰی بیگم کو وومٹ ہوئی ان کی چادر کپڑے سب خراب ہو گئے تزکیہ نے دوڑ کر انہیں سنبھالا ان کی چادر ہٹائی کپڑے صاف کیے ان کا منہ دھلوایا۔ ابریز بھی قریب آ گیا تھا۔

”اف توبہ......“ کشمالہ نے ابکائی لی اور ٹشو ناک پر رکھ لیا۔ ”ابریز یار یہ جرمز پھیلا رہی ہیں پلیز کم از کم تم تو اپنی ناک پر ماسک لگاؤ۔“ کشمالہ نے منہ بنا کر حقارت سے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سوری میں تو یہاں نہیں ٹھہر سکتی یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی اور تم ...... اپنا بھی خیال رکھو ابریز۔“ کشمالہ سرد مہری سے ابریز سے کہتی ہوئی الٹے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

”مما...... مما......“ تزکیہ کی چیخ پر ابریز چونکا۔

”ابریز دیکھیں مما کو کیا ہو گیا؟“ تزکیہ سلمٰی بیگم کی بگڑتی

حالت دیکھ کر چلائی۔ ابریز کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

"ڈاکٹر...... ڈاکٹر" ابریز پوری قوت سے چیخا۔ سلمٰی بیگم نے آخری بار پوری آنکھیں کھول کر پہلے ابریز کو اور پھر تزکیہ کو دیکھا۔ اور دوسرے لمحے ان کی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں۔ تزکیہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سلمٰی بیگم کے بے جان مگر پُرسکون چہرے کو دیکھا اور ابریز کی بانہوں میں جھول گئی۔

ابریز سکتے کی کیفیت میں تھا۔ الیاس احمد نے آگے بڑھ کر ابریز کو گلے سے لگالیا۔ ناظمہ بیگم نے تزکیہ کو سنبھالا۔ تزکیہ کو ہوش آیا تو سامنے سلمٰی بیگم کو سفید کفن میں دیکھا۔ دیوانہ وار ان کی طرف بھاگی۔

"مما...... مما آپ کہاں گئیں...... کیوں چلی گئیں مما...... میں کیسے رہ پاؤں گی آپ کے بنا میرا خیال کون رکھے گا...... میں کس کا خیال رکھوں گی؟ مما پلیز آنکھیں کھولیں...... دیکھیں تو آپ کی دوا کا ٹائم ہوگیا ہے۔ آپ کو دوا لے کر پھر کھانا بھی کھانا ہے ناں۔ مما پلیز......"

سیرت تقدیس اور ناظمہ بیگم اسے سنبھال رہے تھے مگر وہ بری طرح بکھر رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی بلک رہی تھی۔

"ابریز...... ابریز مما کو بلوادو......" ابریز کا کاندھا پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی۔

"تزکیہ ہوش میں آؤ یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں مما کو تکلیف ہوگی تمہارے رونے سے کچھ ہوش کرو تم۔" ابریز نے روتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر ابریز کی بانہوں میں بے ہوش ہوگئی۔

سلمٰی بیگم ابدی سفر پر روانہ ہوگئیں اور اپنے پیچھے بے شمار یادیں چھوڑ گئیں۔ کشمالہ بھی آئی تھی بس دس منٹ بیٹھ کر چلی گئی۔ تزکیہ کو رہ رہ کر سلمٰی بیگم کی ایک ایک بات یاد آتی کتنی محبت سے شفقت اور پیار سے دھیمے انداز میں گفتگو کرتیں۔ ان کی باتوں میں کبھی بھی اپنی حیثیت یا امارت کی کوئی جھلک نہ ہوتی۔ ہمیشہ عاجزی سے بات کرتیں۔ وہ تو تزکیہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں جیسی تھیں بالکل اماں کی طرح جن کے سائے میں آکر تزکیہ کو دلی سکون حاصل ہوتا۔ جن سے بات کر کے وہ اپنا دکھ بھول جایا کرتی تھی

تزکیہ کچھ سنبھلی تو قرآن پاک لے کر سلمٰی بیگم کے کمرے میں آ گئی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مما کا کمرہ ویسا ہی تھا صاف ستھرا بیڈ شیشے کی چھوٹی سی ٹیبل جس پر مما کی دوائیاں ان کا چشمہ اور پانی کا جگ اور گلاس اسی طرح موجود تھا۔ بیڈ کے ایک طرف مما کی ایزی چیئر جس پر بیٹھ کر وہ اخبار پڑھا کرتی تھیں بک شیلف جس میں دینی کتب کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی ہر چیز ویسی ہی تھی مگر مما نہیں تھیں۔ کتنی اداسی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز اداس اور سوگوار محسوس ہو رہی تھی ہر شے ماں کے بنا اداس تھی تزکیہ کی سماعتوں میں ایک آواز گونجتی رہتی۔

سکینہ اور ہاجرہ بھی بہت اداس تھے سلمٰی بیگم نے ان لوگوں کو گھر کے فرد کی طرح اہمیت اور عزت دے رکھی تھی تزکیہ کو ابریز کا کہا ہوا ایک ایک جملہ بھی یاد آ رہا تھا۔

"تم مما کی زندگی تک اس گھر میں ہو اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد کردوں گا۔ مما کی وجہ سے تم یہاں ہو مجھے تم سے نفرت ہے۔ شدید نفرت تم میرے لیے ناقابل برداشت چیز ہو۔" تزکیہ کی سماعتوں میں ابریز کے الفاظ کوڑے کی طرح برسنے لگے تھے۔

"تم مما کی زندگی تک یہاں ہو۔ تم صرف مما کی زندگی تک یہاں ہو۔"

"مما......" اس کی لبوں سے سسکی ابھری۔ "مجھے خود یہاں نہیں رہنا ابریز حسن مما کے بغیر یہ گھر میرے لیے ویران ہے۔" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے آنکھوں کو صاف کرنے لگی۔ ابریز کال پر یقیناً کشمالہ سے بات کر رہا تھا۔

"کشمالہ تم کہاں ہو؟ چار دن ہوگئے ہیں تم دوبارہ نہیں آئیں۔" ابریز نے شکوہ کیا۔

"آئی ایم سوری ابریز بٹ مجھے تمہارے گھر سے خوف آنے لگا ہے وہاں آتے ہوئے عجیب سی فیلنگ ہوجاتی ہے میری۔" کشمالہ کی بات پر ابریز چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہیں اپنے گھر میں وائٹ واش کروانا چاہیے لاسٹ میں تمہاری مما کی جو کنڈیشن تھی تمہیں اندازہ ہے کہ کتنے جراثیم ہوں گے تمہارے گھر میں، تمہیں پہلے اپنے گھر کی ٹھیک سے صفائی کروانی چاہیے۔"

"واٹ...... کشمالہ تم یہ کیا فضول بات کررہی ہو؟" ابریز نے جھنجھلا کر کہا۔

"کم آن ابریز...... اس میں غصہ کرنے کی کوئی بات نہیں اللہ پاک تمہاری مما کو جوار رحمت میں جگہ دے مگر کم از کم تمہیں تو احتیاط کرنی چاہیے۔ مانا کہ وہ تمہاری ماں تھیں مگر تھیں تو ایک موذی مرض کا شکار، تم کو تو ابھی بہت زندگی جینی ہے میرے لیے اور میں نہیں چاہتی کہ خدانا خواستہ کل کو ہمارے ساتھ کچھ غلط ہو، مجھے تمہاری فکر ہے تم سے پیار کرتی ہوں تمہارا احساس ہے مجھے، تب ہی تمہاری بہتری کے لیے سوچتی ہوں تم غصہ کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو۔" ابریز چپ ہوگیا شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کشمالہ اس سے محبت بھی تو بہت کرتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

مما کی ڈیتھ کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ ابریز اس روز آفس بھی گیا تھا آج موسم بھی بہت اچھا ہورہا تھا۔ تزکیہ اپنا زیادہ تر وقت اب بھی سلمیٰ بیگم کے کمرے میں ہی گزارتی تھی۔ ان کے کمرے کی صفائی کرتی ان کے بستر پر بیٹھ جاتی۔ وہیں آکر قرآن پاک باآواز بلند پڑھتی اسے اس وقت یوں محسوس ہوتا کہ جیسے سلمیٰ بیگم آنکھیں بند کیے چپ چاپ مکمل انہماک کے ساتھ اس کی تلاوت سن رہی ہوں۔ ایسا کرتے وقت تزکیہ کو بھی سکون ملتا۔ تزکیہ نے سوچ لیا تھا کہ ابریز کے کہنے سے پہلے اپنا بوریا بستر سمیٹ لے گی وہ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرنے لگی جو سلمیٰ بیگم کی موت سے بھی زیادہ اذیت ناک تھا۔

شام کو تزکیہ نہا کر نکلی تو دل بہت اداس ہوگیا ایسے ابر آلود اور خوب صورت موسم میں سلمیٰ بیگم کوئی نہ کوئی چیز ضرور پکواتی تھیں تزکیہ اور سلمیٰ بیگم لان میں بیٹھ کر چائے اور کبھی پکوڑے سموسے اور کچوریوں سے لطف اندوز بھی ہوتے موسم کے ساتھ ساتھ چائے کے مزے بھی لیتے اور ساتھ آپس میں ڈھیروں باتیں بھی کرتے۔ آج ٹوٹ کر مما کی یاد آرہی تھی دل بھر آیا۔ دل کا درد آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہہ نکلا وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

مما کی باتیں ان کی ہنسی ان کی شبیہہ بند آنکھوں کے پیچھے اتر آئی۔ بلیک اور کاپر کلر کے سوٹ میں لمبے بالوں کو پشت پر پھیلائے آنکھیں موندے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔ آج پہلی بار مما کی یاد اتنی شدتوں سے آئی تھی کیونکہ اس نے اب اپنا وقت سفر باندھنے کا بھی ارادہ کرلیا تھا۔

تب ہی ابریز آگیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ آنکھیں موندے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ آج پہلی بار ابریز نے اس کے سوگوار مکمل حسن کو دیکھا تھا وہ واقعی خوب صورت تھی، وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ تب ہی تزکیہ نے آنکھیں کھولیں ابریز کو بلمقابل دیکھ کر پہلے تو چونکی پھر گڑبڑا کر جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

"السلام علیکم۔" بہتے ہوئے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے وہ سلام کرکے اندر کی طرف چلی گئی۔ ابریز چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ آج پہلی بار تزکیہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں غصہ نہ تھا اس کے دل میں نفرت نہیں ابھری تھی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ اور سوچتا کشمالہ کی کال آگئی اور ابریز کی ساری توجہ کشمالہ کی جانب مبذول ہوگئی۔

کافی دن بعد کشمالہ بھی آگئی۔ سکینہ اسے یہیں لے آئی کہ صاحب بڑی بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہیں۔

"افوہ...... ابریز فار گاڈ سیک میری بات پر بھی کچھ دھیان دے دو۔ تمہیں بار بار سمجھا رہی ہوں پھر بھی تم یہاں اس بیڈ پر بیٹھے ہو؟" ابریز کو سلمیٰ بیگم کے بیڈ پر بیٹھا دیکھ کر وہ چیخ پا ہوگئی نہ سلام نہ دعا آتے ہی شروع ہوگئی۔ ابریز کے ساتھ ساتھ تزکیہ نے بھی پلٹ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اٹھو یہاں سے۔" ابریز کے پاس آتے ہی اتنی بدتمیزی اور حاکمانہ لہجے میں کہا کہ تزکیہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے کشمالہ؟" ابریز نے تھوڑے سے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو ابریز...... تمہیں نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے؟ تمہیں اندازہ بھی ہے تمہاری مما کس بیماری میں مبتلا تھیں۔ بجائے یہ کہ تم ان کی یوز کی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر پھینک دو۔ تم خود ان کے کمرے میں...... ان کی چیزیں یوز کر رہے ہو۔ بی کیئر فل۔" ابریز کو مما کا سرہانے کا تکیہ گود میں رکھا دیکھ کر وہ غصے سے بولی۔ اس کی بات پر تزکیہ کا دماغ گھوم گیا۔ کیسی فضول اور جاہلانہ بات کر رہی تھی وہ۔

"کم آن یار ایسا کچھ نہیں ہوتا تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" ابریز نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

"اُف...... کیسے سمجھاؤں ابریز تم کو...... تم کیوں اس بات کو اتنا ہلکا لے رہے ہو۔ ابھی ابھی اٹھا کر پھینکو یہ سب کمرہ خالی کروا کے صفائی کرواؤ اور......"

"پلیز......" تزکیہ جو ابھی تک برداشت کیے سب کچھ سن اور دیکھ رہی تھی اس نے کشمالہ کی بات کاٹی اور ہاتھ اٹھا کر اس کو مزید کچھ بولنے سے روکا۔

"یہ کیا بولے جا رہی ہیں آپ؟ ہزاروں گھروں میں لوگ کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہو کر مرتے ہیں جوان پر اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ تو کیا ہر کوئی سامان اٹھا کر پھینک دیتا ہے؟ ان کمروں کو بند کر دیتا ہے جس میں مریض رہتا ہو؟ ہر شخص اپنے نصیب کی بیماری اور موت کا وقت لے کر آتا ہے۔ ایسے کسی کی بیماری نہیں لگ جاتی کسی کو بھی۔"

"تم چپ رہو تزکیہ میں نے تم سے بات نہیں کی۔" کشمالہ نے جاہلانہ انداز دکھایا۔

"آپ تو پڑھی لکھی ہیں...... آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ مما ابریز کی ماں تھیں۔ اگر کل کو خدانخواستہ آپ کے گھر میں یہ بیماری کسی کو ہو جاتی ہے تو کیا آپ اس سے کنارہ کش ہو جائیں گی؟ یا اسے گھر سے نکال دیں گی؟ اللہ کے لیے ایسی باتیں نہ کریں پناہ مانگیں اللہ سے۔"

"ابریز دیکھ رہے ہو تم یہ کیا کیا بکے جا رہی ہے...... تم سن رہے ہو۔" کشمالہ تلملا کر ابریز کی جانب پلٹی۔

"تزکیہ بند کرو بکواس۔" ابریز کو جوش آ گیا تھا۔ تزکیہ نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے ابریز کو دیکھا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ کشمالہ تن فن کرتی ابریز کے منع کرنے کے باوجود بھی غصے سے واپس لوٹ گئی اور ابریز یقیناً اس کو منانے اس کے پیچھے ہی گھر سے باہر نکل گیا مگر جانے سے پہلے کمرے میں آ کر تزکیہ کو صلواتیں سنانا نہ بھولا تھا۔

"تزکیہ تم حد سے بڑھنے لگی ہو۔ کیا ضرورت تھی یہ بکواس کرنے کی وہ مجھ سے مخاطب تھی تمہیں تو نہیں بولا تھا کچھ۔ مما میری ماں تھیں اور مجھ سے زیادہ تم کو پیاری نہیں ہو سکتیں۔ جیسی فیلنگ میری ہے تمہاری نہیں ہو گی ان کے لیے۔ جو درد میں محسوس کرتا ہوں اس درد سے تم ناآشنا ہو گی۔ پھر تم کو یہ سب بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم صرف اپنے کام سے کام رکھو۔ جب تک یہاں ہو سمجھیں؟ جب تک یہاں ہو۔ اس جملے پر خاصا زور دیا گیا تھا۔ تزکیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ابریز حسن مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری ماں تھیں تمہیں بہت دکھ بہت تکلیف ہے ان کے چلے جانے سے۔ مگر میں نے بھی مما سے پیار کیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ یہاں پر میں مما کی وجہ سے آئی اور ابھی تک ان کی وجہ اور ان کی خواہش پر اس گھر میں ہوں۔ مجھے بھی ان سے انسیت لگاؤ اور محبت ہو گئی تھی۔ میں نے دن رات ان کے ساتھ گزارے ہیں۔ آپ کو یہ بات جتلانے کی ہرگز ضرورت نہیں کہ میں کچھ دن کے لیے یہاں ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ یہاں آپ کے ساتھ رہوں۔ مما کے بعد یہ گھر میرے لیے سرائے جیسا ہے۔ میں تو خود جانا چاہتی ہوں۔ جلد از جلد اس اذیت سے اس بے نام اور غیر ضروری رشتے کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ مگر کیا کروں؟ مما نے آخری وقت میں مجھ سے وعدہ لے کر مجھے پابند کیا تھا

کہ ان کے کمرے کو کچھ دن آباد رکھوں۔ قرآن پاک کی تلاوت کروں بس مری ہوئی عورت سے کیا گیا وعدہ نبھا رہی ہوں۔ دو چار دن اور ان کی خواہش پوری کردوں۔ پھر آپ کو آپ کا گھر مبارک ہو۔ آپ کے خیال میں میں آپ سے رحم کی ہمدردی کی اور بے نام رشتے کا واسطہ دے کر آپ سے بھیک مانگوں گی۔ نہیں ابریز حسن ایسا ہرگز نہیں کروں گی کیونکہ آپ ایک بے رحم سفاک انسان ہیں آپ..... آپ انسان نہیں پتھر ہیں اور مجھے کوئی شوق نہیں کہ پتھر سے سر پھوڑوں۔"

آج پہلی بار تزکیہ کی برداشت ختم ہوگئی تھی اور اس نے غصے سے کانپتے ہوئے ابریز کو باتیں سنائیں اور کمرے سے نکل گئی۔ ابریز حیرت سے منہ کھولے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔ تزکیہ نے اپنا مختصر سامان پیک کیا وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

اس روز ابریز بہت اداس ہو رہا تھا کشمالہ نے بھی آفس چھوڑ دیا تھا۔ ابریز نے سوچا کشمالہ کے ساتھ کہیں گھومنے چلا جائے۔ آفس میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے آفس سے کشمالہ کو کال کی مگر کئی بار کال کرنے پر بھی کشمالہ نے کال اٹینڈ نہیں کی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کال یا میسج کا فوری ریپلائی نہ دے ابریز وقت سے پہلے ہی گھر آ گیا۔ تزکیہ حسب معمول مما کے کمرے میں تھی ہاجرہ سو رہی تھی اور سکینہ اپنے رشتے داروں سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ ابریز آہستہ آہستہ چلتا ہوا مما کے کمرے کی طرف آ گیا۔ برسوں پرانی عادت تھی کہ وہ آفس سے سیدھا مما کے کمرے میں ہی آتا ان سے مل کر کچھ دیر بیٹھ کر اپنے کمرے میں جاتا تھا۔ آج تزکیہ بری طرح رو رہی تھی مما کے بیڈ پر بیٹھی دونوں ہاتھ ان کے لیٹنے کی جگہ پر رکھے ہوئے تھی۔

"مما..... مما آپ کیوں چلی گئیں..... کہاں چلی گئیں؟ مما مجھے معاف کردیجیے گا۔ میں نے شاید آپ سے پہلا جھوٹ بولا۔ مگر..... مگر مما میں کیا کرتی آپ کی خواہش آپ کی آنکھوں میں، میں نے ایک حسرت دیکھی تھی تب ہی آپ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ مما وہ جھوٹ بول کر میں نے آپ کی نیم مردہ آنکھوں میں ایک چمک دیکھی تھی۔ زندگی کی چمک۔ امید اور آس کے دیئے جلتے دیکھے۔ آپ کی بے چینیوں آپ کی بے قراری میں قرار نظر آیا۔ مما میں نے کتنے دن بعد آپ کے چہرے پر سکون دیکھا تھا اور تب مجھے احساس ہوا کہ میں نے آپ سے جھوٹ بول کر کوئی غلطی نہیں کی اور شاید آپ اس بات کی اس خوشی کی منتظر تھیں مما جو کہ میرے نصیب میں نہیں۔ یہ بھی قدرت کی طرف سے ہوا کہ اس نے میرے جھوٹ کا بھرم رکھ لیا اور آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ میرا یہ جھوٹ پردے میں رہا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔"

ابریز جو چپ چاپ دروازے کے پاس کھڑا اس کی باتیں سن رہا تھا اس نے اپنا سر تھام لیا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی جانب لوٹ گیا۔ ابریز کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے۔ دل عجیب سا ہونے لگا۔ تزکیہ نے ہر ہر طرح سے مما کو سنبھالا۔ جھوٹ تک بولا۔ شاید میں نے مما کے ساتھ..... تزکیہ کے ساتھ غلط کیا۔ تزکیہ کی باتوں سے وہ وقتی طور پر الجھن کا شکار ہوگیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ ویسے ہی وہ آج بے چین اور الجھا ہوا تھا اوپر سے تزکیہ کی باتوں سے مزید الجھ گیا۔

کشمالہ سے بات کرنا چاہی مگر پھر اس نے کال نہیں اٹھائی۔ وہ شاور لے کر گاڑی کی چابی اٹھا کر گھر سے باہر نکل آیا تاکہ کشمالہ کے گھر جا کر دیکھے آخر اس کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگیا۔ اس کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا وہ سیدھا اندر آ گیا سامنے ہی کشمالہ کا کمرہ تھا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ یوں تو ان دونوں میں اتنے بے تکلفی تھی کہ آزادانہ آنا جانا رہتا مگر ابریز ناک کرنے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھا اندر سے آتی مردانہ اور کشمالہ کی آواز پر ایک لمحے کو رکا۔ اپنا نام سن کر وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ کون تھا جس کے ساتھ کشمالہ بیڈ روم میں بیٹھ کر باتیں کر رہی تھی؟ ساتھ میں اونچے قہقہے بھی لگائے جا رہے تھے۔

"آغا تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟ تمہارے آگے بھلا ابریز کی کیا حیثیت؟ ہاں یہ الگ بات ہے کہ تمہارے آنے سے پہلے میں نے اسے دل بھر کر الو بنایا اور خوب عیش کیے حتیٰ کہ شادی ہونے کے باوجود وہ صرف اور صرف میرا ہی رہا۔ اس کی ہر رات میرے ساتھ باتیں کرتے گزری ہے۔ اب جب کہ مجھے تم جیسا دولت مند اور کنوارا لڑکا مل گیا ہے تو میں پاگل ہوں کہ اس شادی شدہ آدمی سے رابطہ رکھوں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ شادی شدہ ہو کر بھی......؟"

قبل اس کے کہ وہ قہقہہ لگا کر اپنا جملہ مکمل کرتی ابریز دھاڑ سے دروازے پر لات مار کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

"تم......" کشمالہ اس کو دیکھ کر بری طرح ٹپٹا کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ کیا حرکت ہے کوئی مینرز آتے ہیں تمہیں اور دروازہ ناک کیے بغیر کیسے اندر گھس آئے؟" گھبراہٹ اور بوکھلانے کے باوجود کشمالہ نے بدتمیزی سے کہا۔

"مینرز...... تم مجھے مینرز سکھاؤ گی مکار چالاک لڑکی۔" ابریز غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ بے عزتی کے احساس سے آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"چلو تم نے خود ہی سن لیا۔ تو اب یہاں کیوں کھڑے ہو۔" کشمالہ بے غیرتی اور ڈھٹائی کی ساری حدیں پار کرتے ہوئے نخوت سے بولی۔

"تم کتنی چالاک نیچ اور چھوٹی سوچ کی مالک ہو کشمالہ...... اور میں...... میں کتنا پاگل اور بے وقوف کہ تمہاری باتوں میں آکر معصوم پاکباز اور شریف لڑکی کے ساتھ زیادتیوں کی حد کر ڈالی۔ تم ایک گری ہوئی عورت ہو۔ دل چاہتا ہے کہ تم جیسی ناگن کا گلا دبا دوں تاکہ تم آگے کسی اور کو اپنے زہر سے نہ ڈس پاؤ۔" ابریز غصے سے چلاتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔

"اے مسٹر......" اچانک سامنے وہ ادھیڑ عمر کا عام سی شکل کا آدمی آگیا جو اب تک چپ چاپ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"اپنا غصہ اور اپنا ایٹی ٹیوڈ اپنے پاس رکھو کیونکہ اب یہ تمہاری محبوبہ نہیں میری ہونے والی بیوی ہے۔" ابریز نے نفرت بھری نگاہ کشمالہ پر ڈالی اور پلٹ کر دروازے کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر نکل گیا۔

دماغ بری طرح سلگ رہا تھا کشمالہ کتنی گھٹیا اور نیچ نکلی۔ وہ صرف اور صرف دولت کی پجارن تھی مجھ سے زیادہ پیسے والے شخص کو پا کر سب کچھ بھول گئی۔ میں نے تو سچے دل سے اسے چاہا اسے پیار کیا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنانے کو تیار تھا۔ میں نے اس کی محبت اس کی اداؤں میں آکر تزکیہ جیسی شریف نیک اور خاندانی لڑکی سے حد درجہ زیادتی کر ڈالی۔ اس کے جذبات کو اس کی فیلنگ کو کچل ڈالا۔ اسے ذلت اور حقارت کے سوا دیا ہی کیا ہے؟ قدم قدم پر اس کی تذلیل کی۔ اس کو اس کے حقوق سے محروم رکھا اور وہ اس نے ہر ہر قدم پر گھر کی بھلائی چاہی۔ محبت خلوص اور ہمدردی کے ساتھ گزارا ایک ایک پل اس نے صرف اور صرف تڑپ تڑپ کر گزارا۔ اذیت اور کرب کے ساتھ گزشتہ آٹھ نو ماہ میں ایک بار بھی کوئی گلہ کوئی شکوہ نہ کیا۔ میری ہر زیادتی ہر ظلم کو برداشت کرتی رہی جب کہ وہ جانتی تھی کہ اس کا یہ عارضی ٹھکانہ ہے۔ اس کو یہاں سے ذلت کا داغ لے کر لوٹ جانا ہے اس کے باوجود بھی اس نے کبھی کوئی بدتمیزی ہٹ دھرمی یا ضد نہیں کی۔ چپ چاپ روبوٹ کی طرح میرے اشاروں پر ناچتی رہی۔ اپنا اندر اور باہر چھپا کر لوگوں کے سامنے جینا آسان نہیں ہوتا مگر...... مگر اس نے ایسا کیا۔ اللہ پاک میں...... میں نے کتنا بڑا ظلم کر دیا ایک معصوم لڑکی کو ناکردہ گناہ کی اتنی بڑی اور اذیت ناک سزا دے دی۔ گزشتہ آٹھ نو ماہ سے ہر رات...... ہر رات اس کو رلایا۔ یا اللہ میں اس قابل بھی نہیں کہ جا کر اس سے معافی مانگ سکوں۔ وہ...... وہ کل چلی جائے گی۔ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی سے نکل جائے گی۔ اتنی بے وقعت ہو کر آخر کب تک۔ کب تک وہ یہاں رہ سکتی ہے اور پھر میں نے ہی تو اس کی حد بتائی تھی۔

اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو چکی تھیں۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے گھر میں داخل ہوا تو تزکیہ اپنے کمرے میں تھی اور الماری سے کچھ نکال رہی تھی۔ وہ نڈھال سا کرسی پر ڈھے گیا۔

"مسٹر ابریز حسن...... آپ اس سوٹ کیس کی تلاشی لے سکتے ہیں میں یہاں سے کچھ لے کر نہیں جا رہی۔ ہاں وہ قرآن پاک جس کو مما سنا کرتی تھیں اور وہ نماز کا دوپٹہ جو مما نے مجھے دیا تھا یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں میں اپنے ساتھ اپنے پاس رکھنا چاہوں گی۔" تزکیہ نے لہجے کو سخت بنانا چاہا مگر اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ابریز نے آنکھیں اٹھا کر تزکیہ پر گہری نظر ڈالی سرخ انگارہ آنکھیں جن میں نمی جھلک رہی تھی۔ تزکیہ نے جلدی سے نگاہ ہٹائی۔

"مجھے ایک گلاس پانی پلا دو۔" نہ لہجے میں حاکمیت تھی اور نہ ہی سختی...... تزکیہ نے اس بار غور سے ابریز کی جانب دیکھا اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ بدن بھی کپکپاہٹ تھی۔ آنکھوں میں بھاری پن اور بوجھل پن نمایاں تھا۔ چہرے پر بھی سرخی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ قریب آئی پانی دیا تو بے ساختہ ہاتھ ابریز کے ہاتھ سے ٹچ ہو گیا۔

"آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔" تزکیہ اس کی حالت دیکھ کر ایک دم گھبرا گئی۔ ابریز نے گلاس تھامنا چاہا مگر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

"ہاجرہ جلدی سے ڈاکٹر کو فون کریں ابریز کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" تزکیہ نے گھبرا کر پہلے ابریز کو سنبھالنے کی کوشش کی اور پھر چیخ کر ہاجرہ کو آواز لگائی۔

بخار کافی تیز تھا ڈاکٹر نے انجیکشن لگایا اور ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کا کہا۔ ابریز غنودگی کی کیفیت میں ہی تھا تزکیہ سب کچھ بھول بھال کر اس کے پاس بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگی۔ مسلسل پٹیاں رکھنے سے بخار کی حدت میں کمی آئی تو ابریز نے آنکھیں کھولیں۔ سکینہ چائے اور سلائس لے آئی کیونکہ کچھ کھلا کر دوا بھی دینی تھی۔

شام سے رات ہوگئی۔ تزکیہ وقفے وقفے سے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق بخار چیک کرتی رہی۔ ساری رات ایک پل کے لیے بھی نہیں سوئی وہ جیسا تھا جو بھی تھا اس کا شوہر تھا سب سے بڑی بات کہ اکیلا تھا۔ اس کو اس وقت تزکیہ کی ضرورت تھی۔ صبح ابریز کی حالت کچھ بہتر ہوئی۔ تزکیہ نے اس کے لیے سوپ تیار کیا اور تھوڑی دیر بعد کمرے میں آئی تو ابریز تکیے کے سہارے بیٹھا تھا۔ ایک رات میں وہ کتنا کمزور اور مضمحل لگ رہا تھا۔ تزکیہ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"میں نے ہاجرہ کو ضروری ہدایات دے دی ہیں آپ بھی بہتر ہیں۔ یہ میری فطرت کا حصہ اور میری تربیت میں شامل تھا کہ جس کی وجہ سے میں رات کو یہاں آپ کے پاس رکی۔ اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہے اس لیے اب میں آپ کے گھر اور آپ کی دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جارہی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ گزارے اذیت ناک وقت کو یہیں دفن کرکے صرف وہ اچھی یادیں لے کر جارہی ہوں جو مما کے ساتھ گزاری ہیں۔" پُراعتماد لہجے میں کہتے ہوئے سر پر دوپٹہ کو پھیلاتے ہوئے واپس پلٹی۔ ابریز جو چپ اس کی باتیں سن رہا تھا ایک لمحے میں بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آ گیا۔

"تم...... تم بھی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

"جی ابریز حسن کیونکہ بقول آپ کے میں یہاں مما کی وجہ سے ان کے لیے آئی ہوں اور ان کی زندگی تک یہاں پر ہوں اور اب...... اب مما کو گزرے ہوئے بھی دس بارہ دن ہوگئے۔ اب کیا جواز بنتا ہے میرے یہاں رہنے کا۔" نہ جانے کہاں سے اتنا اعتماد آ گیا تھا۔

"مگر تم تو...... تم اچھی لڑکی ہو۔ سب کا خیال رکھنے والی۔ سب کی مدد کرنے والی۔ پھر ایک بیمار اور اکیلے شخص کو چھوڑ کر کس طرح جاسکتی ہو؟" زندگی میں پہلی بار ابریز نے اس لہجے میں یوں بے چارگی سے سوال کیا تھا۔ تزکیہ نے نگاہ اٹھا کر غور سے اسے دیکھا۔ بلیک لائننگ کے ٹراؤزر وائٹ ملگجی سی ٹی شرٹ بکھرے بالوں بڑھی ہوئی شیو اور بخار کے اثر سے کمزور چہرہ وہ۔ بہت ٹوٹا ہوا بہت بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو تزکیہ گڑبڑائی مگر پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔

"جی تھی تزکیہ کبھی ایسی مگر وہ تزکیہ مرچکی ہے اب تزکیہ کو صرف اپنے لیے جینا ہے کیونکہ جس کے لیے وہ یہاں آئی تھی وہ تو ہے نہیں۔ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں آپ تو بہت خوش ہوں گے کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ آسانی سے پورا کرسکتے ہیں۔ آپ اپنی پسند اپنی محبت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لاسکتے ہیں۔ کوئی تکلیف کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی آپ کو۔ آپ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"پلیز تزکیہ...... میں مانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا۔ جو کچھ تمہارے ساتھ کیا وہ ناقابل برداشت ہے اور میں نے جس گھٹیا لڑکی کے لیے تم جیسی لڑکی کی قدر نہیں کی وہ ذلیل اور بیچ نکلی اسے مجھ سے زیادہ دولت مند آدمی مل گیا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا مجھے ہرٹ کیا...... میں اپنے تمام تر گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ بہت شرمندہ ہوں تم سے نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔"

"اوہو......" تزکیہ نے ہونٹوں کو سکیڑا...... "یہ تو اللہ کی طرف سے ہوا ہے ابریز حسن۔ اس سے معافی مانگیں میں نے بھی کوئی بددعا نہیں دی۔" وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"پلیز تزکیہ میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں۔ اپنی زیادتیوں کی اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ بہت شرمندہ ہوں تم سے۔ تمہارے خیال میں، میں وہاں سے ٹھکرائے جانے کے بعد تمہارے پاس آیا ہوں...... تو بس اتنا ہی کہوں گا۔ صرف اور صرف تم سے معافی کا طالب ہوں آگے تمہاری مرضی ہے تزکیہ کہ تم مجھے معاف اور مجھ پر اور احسان کرکے میرے ساتھ رہو یا نہ رہو۔ کیونکہ میں واقعی خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم جیسی ہیرا لڑکی مجھ جیسے مطلب پرست آدمی کے ساتھ رہے۔ سچ میں، میں کم ظرف اور چھوٹا انسان ہوں لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کوتاہی کوئی غلطی نہیں کروں گا۔" وہ ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا تھا سوالی بن کر۔

''تزکیہ میرے گھر کو' مما کے گھر کو تمہاری ضرورت ہے پلیز' تمہارے بنا یہ گھر مما کا گھر ویران ہوجائے گا۔ تزکیہ یہ میرا نہیں ہمارا گھر ہے۔ اس گھر کو تم جیسی لڑکی کی ضرورت ہے تزکیہ۔ جسے مما نے پسند کیا تھا یہ مما کی خواہش بھی تھی ہم دونوں کو مل کر بابا کے مما کے گھر کو آباد رکھنا ہے تزکیہ۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ تزکیہ مما کا گھر بکھرنے لگا ہے۔ کیا تم اسے سمیٹو گی نہیں...... کیا ہم مل کر اس کو بکھرنے سے بچا نہیں سکتے؟'' وہ سرتاپا سوال عاجزی کی علامت تھا۔

''نہیں۔'' تزکیہ کا لہجہ اٹل اور فیصلہ کن تھا۔

''ٹھیک ہے تزکیہ۔'' وہ راستے سے ہٹ گیا تزکیہ نے قدم بڑھائے۔

''تزکیہ جانے سے پہلے ایک بات سن لو کہ تمہارے بنا میرا گھر' میرا کمرہ اور میرا دل قبرستان کی طرح ہوگا اور قبرستان میں زندہ لوگ نہیں رہتے اور میں بھی اب تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔ کیا کروں گا زندہ رہ کر اور کس کے لیے زندہ رہوں نہ مما ہیں اور اب تم بھی...... میں تمہارے بنا مر جاؤں گا تزکیہ سچ۔'' تزکیہ تڑپ کر پلٹی کس قدر بے بسی بے چارگی اداسی ابریز کے چہرے پر نمایاں تھی۔

اس کی خوب صورت آنکھوں میں شرمندگی اور ندامت کے آنسو تھے۔ کتنا ٹوٹا ہوا...... کس قدر بکھرا ہوا لگ رہا تھا وہ۔ تزکیہ کا دل تڑپا۔ ابریز حسن اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا جس کو تزکیہ نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ بے اعتنائیوں اور کج ادائیوں کے باوجود بھی وہ دل کے کونے کونے میں دھرنا دے کر بیٹھا تھا۔ وہ کتنا بے بس اور شرمندہ تھا تزکیہ بے ساختہ اس کے پاس چلی آئی۔ اس کے چوڑے سینے میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

''اللہ نہ کرے ابریز کہ آپ کو کچھ ہو۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہ رہ پاؤں گی۔'' بظاہر سخت بننے والی اندر سے کتنی کمزور اور نرم تھی۔ ابریز نے پوری قوت سے اسے بھینچ لیا آنسو بے تحاشہ اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے خود کو برداشت کی آخری حدوں پر لاکر وہ خود بھی بری طرح بکھر چکی تھی۔ زندگی نئے موڑ پر آ گئی تھی۔

''تزکیہ تم بہت عظیم لڑکی ہو اور میں ایک حقیر اور چھوٹا انسان جو انجانے میں اندھیروں میں منزل تلاش کرنے جارہا تھا اور بے وقوف کو یہ خبر بھی نہیں تھی کہ روشنی اور منزل تو اس کے پاس تھی۔ اس کے ساتھ تھی اور میں ناقدری میں ذلالت کی حدیں پار کررہا تھا۔ تم نے مجھے معاف کردیا ناں؟''

''جی ابریز۔'' روتے روتے معصومیت سے سر ہلا کر بولی تو ابریز کو اس پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

''بہت برے ہیں آپ۔'' ابریز کو والہانہ انداز میں دیکھتا پاکر تزکیہ نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں مگر اب یہ برا انسان تمہیں اچھا بن کر دکھائے گا اور......اور......'' ابریز نے جھک کر اس کے کان میں آہستہ سے کہا۔

''ابھی تو تمہارے اس جھوٹ کو بھی سچ ثابت کرنا ہے جو تم نے مما سے کہا تھا۔''

''کیا؟'' تزکیہ نے حیران ہوکر آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''ہاں وہی جو تم نے مما سے کہا تھا اور میں نے سن لیا تھا۔ آئی لو یو مائی ڈیئر۔'' ابریز نے تزکیہ کو سینے سے لگا کر اس کے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ تزکیہ نے بے خود ہوکر اس کی بانہوں میں خود کو سمو لیا۔

الوداع دسمبر

قرۃ العین سکندر

راشدہ بیگم آج کل بے حد پریشان تھیں' فرح کا رشتہ جتنی جلدی وہ کرنے کی متمنی تھیں اس رشتے میں اتنی ہی رکاوٹیں نظر آرہی تھیں۔ فرح سے بڑی ردا اور صبا تھیں اور فرح سے چھوٹی منزیٰ اور عابدہ تھیں۔ اب سب اپنے گھر کی ہوچکی تھیں صرف ایک فرح تھی جو ابھی تک رشتے کی آس میں ماں کی دہلیز پر بیٹھی تھی۔ کتنے ہی ماہ وسال تھے جو پر لگا کر اڑ گئے تھے اب تو منزیٰ اور عابدہ بھی ایک دو بچوں کی ماں بن چکی تھیں۔ ان کے آنگن میں اب بچوں کی قلقاریاں گونجتی تھیں۔ مگر فرح تھی کہ ابھی تک شادی کی خوشی بھی نہ دیکھ سکی تھی راشدہ بیگم اور رضوان صاحب کا اکلوتا بیٹا فرحان اور پانچ بیٹیاں تھیں۔

راشدہ بیگم نے معاملہ فہمی سے نہ صرف بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کروایا بلکہ انہیں کسی نہ کسی ہنر میں بھی مہارت حاصل کروائی تاکہ اگلے گھر جاکر وہ اپنی سلیقہ مندی سے اسے نکھار اور سنوار سکیں۔ ردا اور صبا کے بعد اصولاً تو فرح کا نمبر تھا مگر فرح سے چھوٹی منزیٰ کا پڑھائی میں بالکل دل نہ لگتا تھا اگرچہ وہ گھر گرہستی کے کاموں میں بے حد طاق تھی اور بے حد سلیقہ شعار بھی تھی۔ آنے والے رشتوں میں ایک رشتہ عابد کا بھی تھا۔ جنہیں منزیٰ بے حد بھاگئی تھی اصرار تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ اجلی نکھری سی بنی سنوری رہنے والی منزیٰ کو دیکھ کر وہ لوگ بری طرح فریفتہ ہوگئے تھے۔ فرح ابھی پڑھ رہی تھی والدین نے یہی مناسب سمجھا کہ منزیٰ کی شادی کردی جائے یوں بھی وہ فارغ ہی تھی اور مزید تعلیم کے حصول کا اس کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔ یوں منزیٰ والدین کی دعاؤں کے حصار میں رخصت ہوکر اپنے پیا گھر سدھار گئی تھی۔

فرح نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس بھی نہ لیا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا تھا اسے یقین تھا کہ وہ ایک مکمل شخصیت کی مالک ہے اور پھر اس میں کوئی عیب بھی نہیں ہے کہ اسے رشتہ نہ مل سکے۔ والدین بھی مطمئن تھے کہ انہوں نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے اور ایک بچی اپنے گھر میں آباد ہوگئی۔ اب فرح کے بعد فرحان اور چھوٹی عابدہ ہی رہ گئے تھے۔ فرح ماسٹرز کررہی تھی جبکہ عابدہ حال ہی میں گریجویشن سے فارغ ہوئی تھی دوبارہ گھر میں رشتوں کی فضا کا ماحول سا بن گیا تھا ہر نئے دن کوئی نہ کوئی نیا رشتہ آرہا تھا۔ مگر فرح کے رشتے کی بات ہی نہ بن رہی تھی۔ انہی دنوں ساحر کا رشتہ آگیا۔

حسب سابق پہلے رشتوں کی طرح انہوں نے بھی فرح کو دیکھ کر خاص گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا تھا دو خواتین تھیں ایک معمر سی خاتون اور ساتھ ان کی بہو تھی۔ ایک بیٹا تھا جو ابھی چھوٹا ہی تھا۔ اچانک بچے کے کپڑوں پر جوس گر گیا۔ بہو کو ساس نے کہا کہ بچے کے کپڑے صاف کروا لائے جب وہ لڑکی رمشا واش روم گئی تو وہاں اس کا سامنا عابدہ سے ہوا فرح کی نسبت عابدہ تیکھے اور دلکش نقوش کی مالک لڑکی تھی اسے وہ بے حد پسند آئی اور اس نے عابدہ کا رشتہ مانگ لیا۔ راشدہ اور رضوان صاحب شش و پنج کا شکار تھے فی الحال تو نہ جواب ہاں میں دیا اور نہ ہی ناں میں دیا گیا تھا بات کو فی الوقت سوچ پر ڈال کر ٹال دیا گیا تھا۔ گھر میں سناٹوں کا راج تھا فضا ایک دم ہی بوجھل سی ہوگئی تھی۔ عابدہ کو اپنا آپ مجرم سا لگنے لگا تھا۔ حالانکہ اس ساری صورت حال میں عابدہ کا قطعاً کوئی قصور نہ تھا نہ ہی وہ ذمہ دار تھی مگر اس کو پسند کرلینے کے بعد وہ خود کو ہی مجرم گرداننے لگی تھی۔ فرح ساری صورت حال دیکھ بھی رہی تھی اور سمجھ بھی رہی تھی والدین کی پریشانی کو بخوبی بھانپ چکی تھی وہ چاہتی تو

جاہل لڑکیوں کی مانند رونا دھونا ڈال دیتی مگر اس نے اس بات کو ٹال کر ماں باپ کی پریشانی کو اہم جانا اس نے ایک اہم فیصلہ کر ڈالا اور فی الفور اس پر عمل بھی کرلیا تھا۔

راشدہ بیگم رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں جب فرح نے اچانک آ کر پیچھے سے ان کے کندھے کو تھاما۔

''امی میں جانتی ہوں آپ میری وجہ سے ازحد پریشان ہیں مگر میں آپ کو بتادوں امی یہ سب مقدر کے کھیل ہیں جس کا نصیب جہاں لکھا ہوتا ہے وہیں اس کو منزل مل جاتی ہے۔ ساحر میرا نہیں عابدہ کا ہی نصیب ہیں۔ اس لیے ساحر کا رشتہ عابدہ کے لیے آ گیا۔ میں عابدہ کی خوشیوں کی دیوار بننا نہیں چاہتی۔ میں دل سے خواہش مند ہوں کہ میری چھوٹی بہن کو وہ ساری خوشیاں ملیں جس کی وہ متمنی ہے امی میری فکر نہ کریں جس رب نے مجھے پیدا کیا ہے وہ ہی میری ساری راہیں بھی کھول دے گا جب اس کی رضا ہوئی سب معاملات حل ہوجائیں گے از خود راستے کھل جائیں گے۔'' راشدہ بیگم بے حد آبدیدہ سی ہوگئی تھیں۔

''مگر بیٹا یہ معاشرہ ایسی باتوں کو قبول نہیں کرتا...... ہم نے منزئی کی شادی کر کے بہت غلطی کی ہے اب ہم مزید غلطی نہیں کرسکتے۔ عابدہ سے پہلے تمہارا رشتہ طے ہونا اور تمہارا اس گھر سے رخصت ہونا از حد ضروری ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ اگر چھوٹی بہن کا رشتہ پہلے طے ہوجائے تو قصور وار سراسر بڑی بہن کو ہی گردانا جاتا ہے۔ خواہ وہ قصور وار نہ ہو پھر ہر نیا آنے والا رشتہ اس لڑکی میں کم اور اس معاملے میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ اس سے قبل چھوٹی کا رشتہ کیوں ہوگیا ضرور اس لڑکی میں کوئی عیب یا کھوٹ ہوگا۔ وہ لڑکی توڑ پھوڑ کا شکار ہوجاتی ہے ایک سوالیہ نشان اس کے گرد لگا کر اسے معاشرے میں رسوا کردیا جاتا ہے ہم یہ سب تمہارے ساتھ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔'' راشدہ بیگم نے متانت سے کہا۔

مگر فرح کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔ دوسری طرف عابدہ کے لیے ساحر کی والدہ کے روز چکر لگنے لگے۔ بالآخر ایک دن راشدہ بیگم کو ہاں کرنی ہی پڑی۔ قبل اس کے کہ عابدہ بھی فرح کی لائن میں کھڑی ہوجاتی یہ کٹھن فیصلہ انہیں کرنا ہی پڑا۔ یوں عابدہ کے جانے کے بعد اب فرح ہی ان کی آخری ذمہ داری تھی مگر قبل اس کے کہ فرح اپنے گھر بار کی ہوتی فرحان نے اپنے لیے لڑکی پسند بھی کرلی اور اس نے ضد کی کہ اس کا رشتہ جلد از جلد وہاں طے کردیا جائے راشدہ بیگم نے اسے بارہا سمجھانے کی سعی کی کہ ابھی وہ ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکیں ہیں مگر فرحان نے خود غرضی اور بے حسی کی انتہا کردی۔

''امی آپ کیا چاہتی ہیں کہ اگر فرح آپی کا ساری عمر رشتہ نہ ہوگا تو میں بھی اپنی آرزو کا گلا گھونٹ دوں نرگس اپنے گھر والوں کی اکلوتی اولاد ہے نرگس نے نامعلوم کیسے اپنے والدین کو راضی کیا ہے اب اگر میں رشتہ نہ

بھجواؤں گا تو میں اور میری محبت جھوٹی پڑ جائے گی۔"

فرحان اپنی جگہ صحیح تھا غلط نہ تھا مگر اس نے ایک مرتبہ بھی اپنی بہن کی خوشیوں کا احساس تک نہ کیا اور اتنا واویلا مچایا اور جہاں سے فرح کا گزر ہوتا طنزیہ جملے اور تضحیک آمیز رویے سے اسے باور کرواتا کہ وہ ایک بوجھ کی مانند ہے جو تمام گھر والوں کے لیے ایک عذاب بن چکی ہے فرح اس گھٹن زدہ ماحول میں رہ کر تھک چکی تھی مگر یہ فضا مزید بوجھل ہو جاتی سانس مزید تنگ ہو جاتا جب اپنے ہی مروت اور لحاظ کا ہر ناطہ بھلا کر بے حسی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ فرحان کی باتیں فرح کے لیے ایک سنگلاخ چٹان کی مانند تھیں جو سینے پر دھر دی گئی تھیں بلآخر اس مرتبہ بھی فرح نے ضبط کی انتہا کر دی اور نجانے کس طرح والدہ کو رام کیا کہ وہ جا کر نرگس کے گھر فرحان کی خوشیوں کو مانگ لائیں۔ راشدہ بیگم دل پر پتھر رکھ کر رشتے کے لیے گئی تھیں۔

دوسری جانب نرگس کے والدین نے تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جما رکھی تھی اس طرح بات کی کہ راشدہ بیگم کو اپنے اکلوتے بیٹے کی ضد کے آگے ہار ماننی ہی پڑی اور یوں نرگس فرحان کی زندگی میں آ گئی۔ نرگس بالکل روایتی بھابی ثابت ہوئی تھی اس کا سلوک فرح کے ساتھ بہت تضحیک آمیز ہوا کرتا تھا اگرچہ فرح کی عادت تھی کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے کی مگر نرگس کو فرح کھٹکتی رہتی تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ نرگس اس فرح کے آسیب کو اپنے سر سے اتار پھینکے۔ بظاہر فرح میں کوئی عیب کوئی کمی نہ تھی بہت گورانہ سہی گندمی سا رنگ تھا مناسب نقوش تھے اور اس کا سادگی کا عنصر جو اس کی شخصیت کا خاصہ بن چکا تھا مگر اب اس کی ڈھلتی ہوئی عمر اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی پھر جو کوئی سنتا تھا کہ فرح ہی رہ گئی اور ساری بہنیں اپنے گھر کی ہو چکی ہیں تب فرح کی مشکلات میں اضافہ ہو جاتا تھا تب تو فرح کی زندگی میں مزید دکھ دستک دیے بنا چلے آئے جب رضوان صاحب دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہو گئے۔

اب فرح بالکل لاوارث سی ہو گئی تھی فرحان اور نرگس تو یوں بھی فرح کے وجود کو برداشت نہ کر پا رہے تھے اب اس کا اضافی خرچ بھی برداشت کرنا پڑتا تھا ایسے حالات میں فرح نے فیصلہ کیا کہ وہ جاب کرے گی اور ہرگز کسی پر بوجھ نہ بنے گی۔ راشدہ بیگم کا دل روتا' کرلاتا تھا اپنی لاڈلی بیٹی کے اسی دکھ پر' مگر لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔

فرح کی جاب گھر کا خرچ اپنا سارا بوجھ خود اٹھانے کے باوجود بھی وہ نرگس کو خوش کرنے میں ناکام رہی تھی کسی طرح بھی وہ نرگس کے دل کو موم نہ کر سکی تھی فرحان بھی اپنی بڑی بہن سے اب چڑنے لگا تھا جب بھی راشدہ بیگم کسی رشتے والی کے توسط سے کوئی بات آگے بڑھاتی تو نرگس کا موڈ آف ہو جاتا تھا۔ فرحان کی بھی تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے۔

"اب امی یہ اضافی خرچ ہے جو ہر ہفتے ہوتا ہے جب کوئی معاملہ طے ہی نہیں ہوتا تو کیا فائدہ ہے اتنا خرچ کرنے اور فضول قسم کے لوگوں کو گھر پر مدعو کرنے کا آپ کو صرف فرح آپی کا خیال ہے میرا تو کوئی خیال ہی نہیں یہ سب میرے خون پسینے کی کمائی ہے جو یوں دونوں ہاتھوں سے لٹائی جا رہی ہے احساس تک نہیں ہے اس گھر میں کسی کو۔"

فرحان کے الفاظ نشتر کی مانند فرح کے دل پر گہرے گھاؤ لگاتے اور اسے لگتا تھا کہ اب وہ کچھ بھی کر لے کبھی بھی کسی کو خوش نہ کر سکے گی جاب سے بھی نرگس فرحان خوش نہ تھے اور رشتہ طے کروانے کے مراحل بھی ان کے لیے ناگوار تھے۔ راشدہ بیگم دن رات فرح کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی تھیں مگر اب ان کے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا اپنے مجازی خدا کی رحلت کے بعد وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی دست نگر بن کر رہ گئی تھیں گھر کا اختیار نرگس کے ہاتھ میں آ چکا تھا اور خود فرحان وہی زبان بولتا تھا جو نرگس کے ذہن کی پراگندگی کا عین بولتا ثبوت تھی۔

نومبر کے اوائل دن تھے موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی کسی قسم کے موسم کا اثر اب فرح پر نہ پڑتا تھا ایک مسلسل عذاب جیسی زندگی تھی جسے وہ گزار رہی تھی موسموں سے نا آشنا فقط دن گزار رہی تھی مایوسیوں نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرلیا تھا۔ انہی دنوں منزیٰ گھر آئی تھی کتنی دیر دونوں بہنیں گلے لگ کر خاموش زبان سے ایک دوسرے سے اپنے غم بانٹتی رہی تھیں منزیٰ نے فرح کا ماتھا چوما تھا منزیٰ کافی عرصے بعد آئی تھی۔

خوش حالی اور زندگی کے پُر مسرت رنگوں نے اس پر اچھے اثرات مرتب کیے تھے وہ کھلے کھلے سے چہرے کے ساتھ بہت شاداب سی ہو رہی تھی فرح کے وہی معمولات تھے صبح گھر کے کام جلدی سے نمٹاتی اور پھر جاب پر چلی جاتی تھی شام تک گھر واپس آتی تھکی ہاری مگر بنا موڈ آف کیے کمر کس لیتی اور کچن میں جا کر کام میں لگ جاتی مگر جب سے منزیٰ آئی تھی اسے خاصا آرام مل گیا تھا شام کو جب وہ آتی تو منزیٰ اسے گرم چائے پیش کرتی اور آرام کرنے کی تاکید کرکے کمرے میں دھکا دے دیتی۔ جانتی تھی کوئی نصیحت فرح پر اثر نہ کرے گی۔ منزیٰ ہی گھر گرہستی کے کام بنا رہی تھی سچ ہے بہنوں کا رشتہ خالص اور پکا ہوا کرتا ہے کئی بار فرح نے محسوس کیا تھا کہ منزیٰ اور راشدہ بیگم سر لٹکائے گہری فکر میں غلطاں نظر آتی ہیں جیسے ہی فرح دکھائی دیتی تھی ایک دم سیدھی ہو کر بات کا رخ پلٹ دیتی تھیں فرح کو لگتا تھا کہ کوئی بات ہے جسے وہ فرح کے سامنے ڈسکس کرنے سے کترا رہی ہیں۔ مگر فرح اب زیست کے اس مقام پر تھی جب سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہو جایا کرتی ہیں زندگی جس ڈگر پر لے چلتی ہے انسان چل پڑتا ہے۔

ایک شام اچانک گھر میں چہل پہل سی محسوس ہوئی۔ صبح راشدہ بیگم نے اسے جاب پر جانے سے روک لیا تھا شام کو بڑی بہنوں کی آمد ہوئی پھر چند عزیز آئے حیرت کا جھٹکا تو تب لگا جب منزیٰ نے اسے تیار ہونے کا حکم صادر کیا۔ کامدار سوٹ زیب تن کروایا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ پوچھ پوچھ کر تھک گئی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ عقدہ تو تب کھلا جب لان میں اسے ایک اجنبی انسان کے پہلو میں بیٹھا دیا گیا اور نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ وہ بہت مغموم سی ہو رہی تھی اس بار تو اس کی رائے لینا درکنار اسے بتایا تک نہ گیا جب نکاح کے بعد کھانا لگا اور اسے کمرے میں لے جایا گیا رخصتی عین ایک ماہ بعد طے ہوئی تھی۔ وہ عجیب خیالات کی یلغار میں کمرے میں بیٹھی تھی جب دستک پر چونک گئی۔ حمزہ صاحب سامنے کھڑے تھے۔

''کیا میں آپ سے بات کرسکتا ہوں۔'' وہ متعجب سی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''میں نے آپ کو کئی بار بتانا چاہا مگر آپ نجانے کن خیالات میں مدغم رہتی ہیں شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں میں آپ کے ساتھ ہی جاب کرتا ہوں مگر دوسری برانچ میں۔ آپ کو دیکھا...... چاہا اور سادگی سے اپنا بھی لیا۔ کئی مرتبہ چاہا کہ آپ کو پرپوز کروں مگر مجھے مناسب یہی لگا کہ باقاعدہ رشتہ بھیج دیا جائے۔ آنٹی نے مجھے شرف قبولیت بخشا اور اس جاتے ہوئے دسمبر میں آپ میری شریک حیرت بن گئیں اس دسمبر نے مجھے آپ جیسی نیک شریک حیات دی۔'' حمزہ کی بات پر وہ مسکرا کر سر جھکا گئی۔

ایک طویل مسافت کے بعد بھیگے دسمبر نے اس کی تنہائی منادی تھی اور خوشیوں کے دور اس کے لیے وا کردیے تھے۔

☺

مجھے مصروف رہنے دو

اُم مریم

حوریہ کمال سمیت وہ چار بہنیں تھیں۔ بڑی تینوں کی ہی شادیاں ہوگئیں تھیں۔ اگر ان کے گھرانے کی حسن وخوب صورتی کی مثالیں دی جاتی تھیں تو حوریہ کو دیکھ کر لمحہ بھر کو سہی دیکھنے والی نگاہ میں تحیر وحیرانگی سمٹ آتی جبکہ لبوں سے بے ساختگی میں ہی یہ فقرہ مچل جاتا یہ واقعی آپ کی بیٹی ہے۔ ایسے لمحوں میں جہاں بابا جان کے چہرے پہ روشنی کی کرن پھوٹتی اور بہت فخر سے اسے ساتھ لگا کر یقین دہانی کرواتے۔

"ہاں یہ میری بیٹی ہے۔" تو وہاں بی بی جان چہرے پر لرزتے تاریک سائے کو چھپانے کی غرض سے سرد آہ بھرتیں۔ مجرمانہ سے انداز میں سر جھکالیا کرتیں۔ بڑی تینوں چونکہ مکمل اور بے مثال حسن کی مالک تھیں جبھی جٹ پٹ رشتے طے ہوگئے کسی ایک نے بھی یونیورسٹی میں قدم نہ رکھا کہ نوبت ہی نہ آسکی اور اپنے گھروں کی ہوگئیں۔ بابا جان نے بیٹیوں کی خوب صورتی کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے دامادوں کے چناؤ کا معیار بھی خاصا بلند رکھا تھا یہی وجہ تھی تینوں داماد نہ صرف مردانہ وجاہتوں کا مکمل نمونہ تھے بلکہ ویل ایجوکیٹڈ ویل ڈریسڈ اور اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے دونوں سول سروسز میں تھے۔ تیسرے کا اپنا بزنس تھا۔ اب حوریہ کی باری تھی اور حوریہ جو بہنوں کے بقول صرف نام کی حوریہ تھی اور بابا جان نے جانے کیا سوچ کر اس کا نام حوریہ رکھا تھا بھلا سانولی رنگت کے ساتھ حوریہ نام رکھ کر مذاق بنوانے والی بات نہیں تھی تو اور کیا تھا جبکہ بی بی جان حسین وجمیل بیٹیوں کو نپٹا کر اب اس کی جانب سے خاصی فکر مند رہنے لگی تھیں۔ وہ بیس سال کی ہو رہی تھی جبکہ ان کی تینوں بیٹیاں سترہ سے انیس سال کی عمر تک پیا دیس سدھار گئی تھیں۔ اس سانولی رنگت اور عام سے نقوش سمیت کون اسے بیاہ لے جائے گا۔ وہ دن رات اسی فکر میں گھلتی رہتیں۔ تشویش کے ساتھ اب گھبراہٹ بھی ان کا محاصرہ تنگ کر رہی تھی البتہ بابا جان اس فکر سے آزاد نظر آتے انہیں اپنی یہ چھوٹی بیٹی تمام بیٹیوں سے بڑھ کر عزیز تھی کچھ اس کی کمی کی وجہ سے تو کچھ اسے دلائے گئے احساس کی وجہ سے وہ اس کے متعلق خاصے حساس ہو چکے تھے۔ وہ جانتے تھے حوریہ نہ صرف اس بات کو بہت محسوس کرتی ہے بلکہ اندر ہی اندر شدید قسم کے کمپلکس کا بھی شکار ہوتی جا رہی ہے جبھی وہ اکثر وبیشتر غیر محسوس انداز میں اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتے اس احساس کو کم کرنے کی سعی کرتے رہتے کبھی اس کے گھٹاؤں سے لانبے گھنیرے بالوں کی تعریف' تو کبھی اس کے چہرے پہ پھیلی معصومیت بھری ملاحت کی' تو کبھی اس کے آئینے کی مانند شاف دل کی اور بلاشبہ وہ ایسی ہی تھی بے حد حساس' بے حد معصوم اور نرم دل اور ایسے وقت جب بابا جان اس کی تعریف کرتے تو بی بی جان چپ سی ہوجاتیں۔ ایک ٹھنڈا سا طویل سانس بھرتیں اور دل ہی دل میں اس کے بہت اچھے نصیب کے لیے دعا گو ہوجاتیں۔ انہیں نہیں خبر تھی کہ ہماری بعض باتوں پہ تقدیر دور کھڑی مسکراتی رہتی ہے جبھی تو اگلے چند مہینوں میں جب بڑی آپا کے توسط سے آنے والی خاتون نے حوریہ کو دیکھا اور فریفتہ ہی ہوگئیں تو بی بی جان تقدیر کی مسکراہٹ سے بے خبر اس پروپوزل پر بے حد شانت سی ہوگئی تھیں۔

اس کی بات طے ہوگئی تھی بڑی آپا آپی اور پیا تینوں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ جا کے شہیر کو دیکھ آئی تھیں اور واپسی پر باقی تمام باتوں کے سوا جو ایک بات تینوں نے کی اور بہت زیادہ کی وہ شہیر کی خوب صورتی اور خوبروئی کا تذکرہ تھا۔

”بھئی ماننا پڑے گا حوریہ بی بی کے نصیب کو بی بی جان کے تینوں داماد ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں مگر جو وجاہت اور اسمارٹنیس شہیر کی ہے واؤ میں تو بلا جھجک یہ بات کہوں گی کہ بی بی جان کے سبھی دامادوں میں شہیر سب سے زیادہ گڈلکنگ اور ہینڈسم ہے۔“ یہ آپا کا خیال تھا جو اس بات پہ خاصی مغرور بھی تھیں کہ یہ ان کا کارنامہ ہے۔ بھئی اگر تینوں داماد حسین تھے تو بی بی جان کی بیٹیاں بھی حسین و جمیل اور چاند کے ٹکڑے تھیں۔

”آپ نے بی بی جان کے لیے داماد تو اتنا شاندار ڈھونڈ لیا مگر حوریہ کی شکل و صورت کو کیوں فراموش کر ڈالا۔“ اپیا نے ناک چڑھا کر خاصے نخوت زدہ انداز میں کہا تو آپی نے بے اختیار انہیں ٹہوکا دیا۔

”اونہہ میں کوئی غلط تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں اتنا عرصہ ہوگیا مگر حوریہ کو اس بات سے سمجھوتہ کرنا نہ آیا۔“ وہ تیکھے لہجے میں بات کرتیں مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا کر مزید گوہر افشانی کرتے ہوئے بولیں۔

”ظاہر ہے بھئی جب وہ خود اتنا ڈیشنگ اور اسمارٹ ہے تو بیوی بھی تو ایسی ہی چاہتا ہوگا۔ ہوسکتا ہے بیچارا فیملی کو دیکھ کر دھوکہ کھا گیا ہو کہ اپنے ماں باپ بہنوں بہنوئیوں کی طرح حوریہ بی بی بھی ایسی ہی ہوگی۔“ اپیا کی بات تمام تر تلخی اور کاٹ سمیت حوریہ کے اندر اتر گئی تھی۔ لب کچلتی ہوئی وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ واقعی یہ نئی بات تو تھی نہیں اپیا اس حد تک دل شکنی کی باتیں اکثر کیا کرتی تھیں اور یونہی دھڑلے سے بقول ان کے وہ سچی اور کھری بات کرنے کی عادی تھیں اور انہیں اپنی یہ عادت بہت پسند تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا کل کلاں کو کوئی خرابی ہو تو نقصان تب زیادہ ہوگا لڑکے کا کیا بگڑتا ہے۔ سارا نقصان تو لڑکی کے حصے میں آتا ہے۔“ اب وہ نہایت سفاک انداز میں اوپری ہمدردی سموئے آپی سے مخاطب تھیں، حوریہ کی قوت برداشت جواب دے گئی تو تیزی سے دھندلاتی آنکھیں

جھجکتی آہستگی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی اور آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو جیسے راستہ مل گیا تھا۔

☆
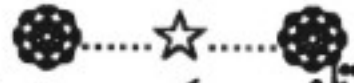
ایپا کی باتوں کی تلخی اور سفاکی بہت دنوں تک اس کے وجود میں سناٹے بھرتی رہی تھی۔ منگنی کے بعد شادی میں زیادہ وقفہ نہیں تھا اس کے سسرالیوں کو شادی کی بہت جلدی تھی یوں بھی بابا جان نے منگنی سے پہلے ہر قسم کی تسلی کر لی تھی جبھی دیر کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ یوں گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ بی بی جان سارا دن مصروف رہتیں۔ زرق برق ملبوسات اور چمکتے دمکتے زیورات فرنیچر کا آرڈر کراکری کی خریداری تمام کام انہیں ہی بابا جان کے ساتھ مل کر نپٹانا تھے۔ وہ یونیورسٹی سے لوٹتی تو بی بی جان کو مصروف دیکھتی تو اپنی تھکن کی پروا نہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ جت جاتی۔ تھکن سے بے حال ہو کر جب رات کو تکیے پہ سر رکھتی تو کتنے ہی روپہلے خواب آپ ہی آپ پلکوں پہ سج جاتے۔ ایک سوچ چپکے سے چٹکیاں کاٹنے لگتی۔ اسے یاد تھا ایپا اور آپی پہ بھی ایسا سنہرا دور آیا تھا تو وہ کتنا یادگار اور خوب صورت وقت تھا تینوں کے لیے‘ منگیتروں کی بے قراری‘ چپکے چپکے راتوں کو فون پہ باتیں اور شادی پہ اکٹھی شاپنگ اس کے ساتھ تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا نہ اس کی نند نے خود فون کر کے اپنے بھائی سے بہانے سے نہ بات کروائی...... حالانکہ آپا‘ ایپا اور آپی تینوں کی بار اس نے ایسے نظارے بارہا دیکھے تھے۔ کہیں ایپا کی بات ٹھیک ہی نہ ہو‘ کہیں وہ مجھے ناپسند ہی نہ کرتے ہوں‘ کہیں ان کے گھر والوں نے...... روپہلے خواب مکڑی کے جالے بن کر اس کی آنکھوں کو گدلا کرنے لگتے تو گھبرا کر اٹھ جاتی۔ ایسی کتنی ہی صبحوں اور شاموں کے بعد بالآخر اس کی شادی کا دن بھی آ پہنچا۔ ڈیپ میرون بوجھل کام کی چولی اور بارڈر پہ نفیس کام کے لہنگے کے ساتھ میچنگ جیولری‘ پھولوں کے گہنوں کے ساتھ مکمل تیاری سمیت جب اسے آئینے کے سامنے لایا گیا تو ایک پل کو وہ خود بھی متحیر سی رہ گئی تھی۔ ہمیشہ سادگی میں رہنے والا روپ اس سج دھج کے بعد نکھر کر گویا شعاعیں بکھیر رہا تھا اس کے عروسی لباس کی خریداری کے موقع پہ بھی خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آپا اس کے لیے میرون یا ریڈ کلر لینا چاہتی تھیں جبکہ ایپا کا خیال تھا یہ کلر اس کی سانولی رنگت پہ سوٹ نہیں کرے گا۔ اسپیشلی میرون کلر تو بالکل نہیں۔ وہ کون سا بہت گوری چٹی ہے جو ہر رنگ میں اچھی نظر آئے گی جبکہ حوریہ کو ذاتی طور پر پنک کلر پسند تھا اور جانے کیسے وہ اس خواہش کا اظہار بھی کر بیٹھی تھی جس کا ایپا نے خوب ریکارڈ لگایا تھا۔ پنک کلر پہلے تو وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتی رہی تھیں پھر اسے گھور کر بولی تھیں۔

”پاگل ہوگئی ہو ہمارا مذاق بنوانا ہے یہ کلر خاص طور پہ دودھیا گلابی رنگت پہ ہی سوٹ کرتا ہے تم شاید بھول گئی ہو کہ تم نہ تو دودھیا شفاف رنگت رکھتی ہو نہ گلابی......“ ان کا مضحکہ اڑاتا ہوا انداز حوریہ کو بہت تضحیک آمیز محسوس ہوا تھا بنا کچھ بھی کہے وہ پھیکے چہرے سمیت وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ پھر آپا ہی اس کا یہ جوڑا لائی تھیں جس کی چولی کام سے بھری تھی جبکہ دوپٹے اور لہنگے پہ ہم رنگ موتیوں اور نگینوں کا بارڈر بنا ہوا تھا ایپا نے تب بھی تنقید کرنا چاہی تھی مگر بی بی جان کی سرزنش پہ انہیں وقتی طور پر چپ ہونا پڑا تھا مگر آتے جاتے وہ اس پہ طنزیہ فقرے اچھال کر دل کی بھڑاس نکالتی رہی تھیں اور اب جبکہ وہ مکمل آرائش کے بعد سامنے لائی گئی تو بی بی جان نے بے ساختہ بلائیں لے لی تھیں۔ ایپا بھی کتنی دیر تک یقین سے عاری ساکت نظریں اس کے چہرے پہ ٹکائے رہی تھیں معاً پھر چونکتے ہوئے خجالت مٹانے کی غرض سے بولیں تو اندر کی تمام جلن باہر نکال کے رکھ دی تھی۔

”بہت ماہر بیوٹیشن کو ہائر کیا گیا تھا اور اس مہنگے ترین کوسمٹکس کا کمال تو دیکھو یقیناً اس طرح تو چڑیل بھی پری نظر آسکتی ہے۔“ بی بی جان اور آپا کو شدید قسم کی ناگواری اور اختلاف محسوس ہوا تھا مگر موقع ایسا تھا کہ صرف انہیں تنبیہی نظروں سے دیکھنے پہ ہی کتفا کیا جائے۔ نکاح کے وقت اسے لا کر شہیر کے مقابل بٹھایا گیا تو اس کا دل اتنی تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا گویا پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو

گھونگھٹ کی چلمن سے ایک آدھ بار جب بھی نگاہ اٹھی شہیر کو دیکھ کر ساکن رہ گئی۔ بلاشبہ وہ ان تمام تعریفوں سے کہیں بڑھ کر خوب صورت تھا جو بابا جان بی بی جان اور اس کی تمام بہنیں کر چکی تھیں۔ جس قدر خلوص وچاہت اور محبت سے اسے مانگا گیا تھا اس کا استقبال اس سے کئی گناہ بڑھ کر اپنائیت اور محبت سے کیا گیا۔ شہیر اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا ایک بڑی بہن تھی جس کی شادی ہوچکی تھی۔ ایک کینال پہ پھیلے شاندار سے گھر کی تزئین وآرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ گلاب موتیے اور گیندے کے پھولوں سے آراستہ گھر پرفیوم اور ایئر فریشنر پھولوں اور سگریٹ کی ملی جلی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ مووی کیمروں کی چکاچوند نے اس کا چمکتا دمکتا روپ گویا مزید جگمگا ڈالا۔ مختلف رسموں کی ادائیگی کے بعد اسے شہیر کے بیڈ روم تک پہنچا دیا گیا۔ شہیر کی کزنز کچھ مزید رسمیں کرنا چاہتی تھیں کہ مگر شہیر کی ماما نے اجازت نہیں دی اور توجہ بھیگتی رات کی سمت دلاتے ہوئے بولیں۔

"حوریہ بہت تھک گئی ہے باقی کی رسمیں صبح کر لینا۔" ان کا مشفق اور دھیما انداز اس قدر نرمی لیے ہوئے تھا کہ مائنڈ کرنے کی کہیں کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔ حوریہ نے اس احساس مندی پہ ممنونیت اور تشکرانہ نگاہوں سمیت انہیں تکا تو جواباً وہ اس کی نظروں کو محسوس کرتی جھکی تھیں اور اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں پھر سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"بیٹا شہیر اکلوتا ہونے کی وجہ سے کچھ موڈی اور اگریسو سا ہے تمہاری طبیعت میں جو سادگی اور ملاحت ہے اسے دیکھ کر ہی میں نے اسے تمہارے لیے چنا تھا اور مجھے بھرپور یقین ہی نہیں اپنی بیٹی پہ مان بھی ہے کہ تم اسے سنبھال لوگی۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ چلی گئی تھیں جبکہ حوریہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ موصوف صرف چارمنگ ہی نہیں خاصے پراؤڈی بھی ہیں۔ شہیر کو دیکھ کر آنے کے بعد اپیا نے جو پہلا تبصرہ کیا تھا وہ یہی تھا۔

"جانے کیا سمجھ رہا تھا خود کو بات بھی ٹھیک سے نہیں کی۔ ان کا غصہ کم ہونے ہی میں نہیں آ رہا تھا تب حوریہ نے ان کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اس بات پہ اتنا دھیان نہیں دیا تھا کہ انہیں عادت تھی ہر بات کا منفی پہلو دیکھنے کی مگر اب اسے ذرا سا ذہن پہ زور دینے سے یاد آیا تھا کہ کم وبیش کچھ ایسے ہی انداز میں آپا نے تبصرہ کیا تھا۔ بلاشبہ بی بی جان کا یہ داماد سب سے شاندار ہے مگر مزاج کچھ عجیب سا ہے یوں جیسے ہمارے پاس آ کر بھی مارے باندھے بیٹھا ہو۔

دروازے پہ ہونے والی آہٹ پہ اس کا سوچوں کا یہ سلسلہ بکھرا تھا۔ بھاری قدموں کی آہٹ پہ وہ نگاہیں اٹھائے بغیر بھی اندازہ کرسکتی تھی کہ آنے والا کون ہوسکتا ہے اس کی دھڑکنوں میں جیسے بھونچال سا آ گیا تھا...... جو لحہ بہ لحہ پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔ دروازہ لاکڈ ہونے کی ہلکی سی کلک کی آواز ابھری اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ حوریہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی گھبراہٹ آمیز تجسس سمیت اس کی منتظر تھی گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ انتظار طویل ہوا تب اس نے جھجکتے ہوئے لرزتی پلکوں کی جھالریں اٹھائیں تو اسے صوفے پہ نیم دراز اپنی سمت تکتا پا کے دھک سے رہ گئی۔ بلیک چست جینز اور وائٹ براق شرٹ کے ساتھ گلے میں جھولتی سرخ ٹائی اس کے لمبے تڑنگے تنومند وجود پہ خاصی جچ رہی تھی کوٹ گود میں دھرا تھا اور ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ۔ حوریہ کو اس سے زیادہ اس کا جائزہ لینے کی تاب نہیں تھی۔ جبھی لرزتی پلکیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔ جبکہ شہیر لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ لیے اس کے نزدیک چلا آیا تھا۔ قیمتی پرفیوم کی دلفریب مہک نے حوریہ کے گرد اپنا حصار تنگ کیا تھا اس کی نگاہوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ حوریہ اپنی جگہ سمٹ گئی تھی۔

"ہر عام لڑکی کی طرح تم بھی اس رات میری جانب سے اپنی ستائش اور تعریف کی منتظر ہوگی۔" بھاری آواز اس کے آس پاس گونجی تھی۔ اس کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا تھا۔

"لیکن تمہیں شدید قسم کی مایوسی ہوگی کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے نہ ہی میں تمہیں رونمائی گفٹ دے رہا ہوں کیونکہ ایسا کوئی بھی اہتمام میں نے نہیں کیا۔" اس کا گھونگھٹ پلٹتے ہوئے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر جھکا چہرا

اٹھاتے ہوئے وہ تنقیدی نظروں سمیت اسے بغور تکتا ہوا بہت عجیب سے انداز میں بات کررہا تھا۔ حوریہ اتنی قربت کی تاب نہ لاتے ہوئے بے تحاشا دھڑکتے دل سمیت آنکھیں میچ گئی تھی۔

"بہت شوق تھا ماما کو تمہیں بہو بنانے کا اور اس جیت پہ وہ بہت خوش بھی ہیں اور یقیناً تم بھی۔ چچ چ لیکن تم دونوں کی یہ خوشی بہت عارضی ہے آج جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہوگا اسے اگر چاہو تو ماما کو بتا دینا' ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ یہ لہجہ سرد پُرتار خسار تھپتھپاتا ہوا وہ بے حد عجیب لہجے میں بہت عجیب باتیں کررہا تھا۔ اتنی عجیب کہ حوریہ کو سمجھنا دشوار محسوس ہورہا تھا جبھی وہ شرم وحیا بھلائے پوری آنکھیں کھولے اسے تکنے لگی تھی۔ شہیر نے اس کے اس انداز کو دیکھا اور اس کی پوری کھلی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تو جانے اس کی مسکراہٹ سے کیوں حوریہ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سمجھتی پورا کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔

❁.........☆.........❁

اگلی صبح اپنی تمام تر خوب صورتی کے باوجود اس کے لیے بے حد بھیانک ثابت ہوئی تھی۔ باتھ لینے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قدآدم آئینے کی سامنے کھڑی دھندلائی ہوئی نظروں سمیت اپنے بے دردی سے نوچے کھسوٹے عکس کو تک رہی تھی۔ گزشتہ رات کے متعلق کیا پورے یقین کے ساتھ وہ کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کی سہاگ رات ہی تھی جبکہ اس کا دل تو سسک سسک کر اپنی پامالی پہ فریاد کناں تھا۔ آئینے میں ایستادہ عکس کسی دلہن یا سہاگن کے بجائے لوٹ مار کا مال نظر آرہا تھا اگر وہ چاہتی شاید تب بھی کسی سے اس شرمناک سلوک کے متعلق کچھ نہ کہہ پاتی جتنی زیادتی وہ گزشتہ رات اس کے ساتھ کرچکا تھا اس کے متعلق سوچ کر ہی اس کی روح کانپ رہی تھی۔ اس کے اس انتہائی سفاکانہ طرزِعمل کی وجہ جو بھی ہو حوریہ کے لیے یہ تصور ہی ہولناک تھا کہ اس کا یہ رویہ آئندہ آنے والی راتوں میں بھی اسی درندگی کا مظہر ہوگا۔ دروازے پہ ہونے والی دستک پہ وہ اپنی جگہ زور سے اچھل گئی تھی۔ بے ساختہ دھڑک اٹھنے والے

دل پہ ہاتھ رکھے وہ سوچ رہی تھی آیا اسے خود دروازہ کھولنا چاہیے یا نہیں جبکہ دستک ایک تواتر سے جاری تھی اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو یقیناً خفگی کا اظہار کرتا اور ساتھ اسے سخت سست سناتا بھی اس کا جی نہیں مانا کہ نگاہ پھیر کر اس پہ ایک نگاہ ہی ڈال لے آہستگی سے اپنی جگہ چھوڑی وہ اٹھ کر دروازے تک آئی اور دروازہ ان لاکڈ کردیا۔ دروازہ اوپن ہونے پہ ماما کی پُرتشویش صورت نظر آئی اس پہ نگاہ پڑتے ہی مسکرائی تھیں۔ بہت گہری نگاہ سمیت اس کے تازہ غسل سے نکھرے وجود کو دیکھا اور والہانہ انداز میں بڑھ کر اسے گلے لگا کر پیشانی چوم لی وہ جو انہیں دیکھ کر سرعت سے نظریں جھکا گئی تھی لب کچل کر رہ گئی۔

"ہوگئی تیار...... شہیر ابھی تک سو رہا ہے۔" اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامتے ہوئے حد درجہ طمانیت چھلک رہی تھی حوریہ سر جھکائے ہاتھ ملتی رہی۔ "ایسا کرو بیٹے شہیر کو بھی جگادو تمہارے گھر سے ناشتہ آگیا ہے تمہاری بہنیں تمہاری منتظر ہیں۔" حوریہ چھلکتی آنکھوں کو جھپکتی جانے کیسے ضبط کیے کھڑی تھی جبھی کوئی جواب نہیں دیا تو انہیں تشویش لاحق ہوئی۔ اس کی پیشانی چھو کر پریشانی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹا اتنی چپ چپ کیوں ہو طبیعت ٹھیک ہے۔" تب حوریہ کا جی چاہا تھا بھک کے رو پڑے۔ سارا دکھ کہہ سنائے ان کے بیٹے کی درندگی کے تمام اسباق کہہ دے مگر اپنی فطری طبیعت کے باعث وہ شاید ساری عمر بھی ایسا نہ کرپاتی۔ جبھی سر جھکائے اضطراری انداز میں لب کچلتی رہی تھی۔ ماما ابھی تک بھرپور تفکر سمیت اسے دیکھ ہی رہی تھیں کہ آپا اور آپی ہنستی مسکراتی اندر چلی آئیں۔

"ہم نے سوچا تم تو شاید نہ آؤ اس لیے خود ہی چلے آئے۔" آپا اسے گلے لگاتے ہوئے مسکرا کر گویا تھیں۔

"تم باتیں کرو میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔" ماما آہستگی سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔ شہیر ہنوز بے خبر سورہا تھا ان کی باتوں کی آواز پہ ڈسٹرب ہوکر اٹھ بیٹھا۔ بھرپور نیند لینے کے باوجود اس کی بے تحاشا سرخ آنکھوں کو دیکھ کر بہت ہی معنی خیز سا خیال ذہن میں اٹدا تھا...... آپا اور آپی اسے اٹھتے دیکھ

کر یک دم خاموش ہوگئی تھیں جبکہ وہ سپاٹ چہرہ لیے اٹھ کر واش روم میں گھس گیا آپا کا چہرہ سبکی کے احساس سمیت پھیکا پڑ گیا ان کی جانچتی نظریں واش روم کے بند دروازے سے پلٹ کر حوریہ کے چہرے پہ آٹھہریں جو سر جھکائے گم صم سی بیٹھی تھی۔

"حوریہ شہیر کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا؟" آپا نے بہت ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا اور حوریہ یوں گھبرائی تھی جیسا سے کسی نے اچانک سر بازار عریاں کر ڈالا ہو۔

"رونمائی میں کیا دیا؟ دکھاؤ ذرا۔" آپی نے آہستگی سے پوچھا وہ فق چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کٹھن اور دشوار مرحلے میں کیسے ری ایکٹ کرے۔

"خیال رکھا کرو اپنا۔" تبھی واش روم سے شہیر برآمد ہوا تھا تولیے سے سر کے بال خشک کرتے یقیناً وہ آپا کی بات سن چکا تھا۔ جبھی قدرے ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگا خوب صورت مغرور آنکھوں میں تشویش کا ہلکا سا تاثر اُٹھا تھا۔ جو آپا کی بات نے اگلے لمحے ہی زائل کر دیا تھا۔

"دیکھا شہیر تم نے اس بے وقوف کو اپنا ذرا بھی خیال نہیں رکھتی۔ ایک یہ حوریہ ہے۔" وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر قدم بڑھاتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکا۔ انداز میں بلا کا غرور اور بے نیازی کا تاثر ملتا تھا اور جب ناشتے کے بہانے آپا اور آپی اٹھ کر باہر گئیں تو شہیر اس کے مقابل بیٹھتا ہوا بہت گہری نگاہوں سمیت اسے تکتا متبسم لہجے میں بولا۔

"کچھ نہ بتا کر بہت سمجھداری کا ثبوت فراہم کیا ہے تم نے ورنہ میرا تو کچھ نہ بگڑتا البتہ تم ضرور بیچاری مشہور ہو جاتیں۔" اس کی بھیگی معطر لٹ پکڑ کر کھینچتا ہوا وہ اسے اس وقت کتنا سفاک محسوس ہوا تھا۔ حوریہ کا دل تو پہلے ہی کچھ کھانے پہ آمادہ نہیں تھا ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ واپس رکھتے ہوئے فاصلے پر چلی آئی۔ جبکہ اس کے برعکس شہیر نے نا صرف ڈٹ کر ناشتہ کیا بلکہ ایک بار پھر چائے کا کپ لیے بستر پہ چلا گیا تھا۔ حوریہ کو جتنی الجھن اس کی موجودگی سے تھی اس سے کہیں بڑھ کر خود پہ اٹھتی اس کی نگاہوں اور ان نگاہوں سے چھلکتی مسکراہٹ سے ہو رہی تھی اس کا بس چلتا تو اسے کہیں غائب کر دیتی یا خود کہیں بھاگ جاتی۔

"پتہ نہیں ماما نے کیا سوچ کر میرے لیے تمہارا انتخاب کیا۔" اس کی طنز سے بھرپور آواز پہ حوریہ کو اپنے وجود میں شرارے پھوٹتے محسوس ہوئے تھے۔ ایک بار پھر جیسا سے خود پہ ضبط نہیں رہا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

❀......☆......❀

ولیمے کی تقریب بہت شاندار رہی تھی۔ لائٹ پنک خوب صورت ڈریس میں وہ کل سے کہیں بڑھ کے دلکش نظر آ رہی تھی اس کا سوز میں ڈوبا متاثر کن روپ پورے ماحول پہ چھا رہا تھا جبکہ شہیر تو تھا ہی خوب صورت وائٹ پینٹ کوٹ میں بے حد نمایاں لگ رہا تھا اس کے بلند و بانگ قہقہے حوریہ کے اندر سرپٹ بھاگتی دوڑتی وحشت کو مزید بڑھا رہے تھے۔ تقریب کے اختتام پر بی بی جان اور بابا جان نے رسم کے مطابق حوریہ کو ساتھ لے جانا چاہا تو شہیر نے نہایت بے رخی سے انکار کر دیا۔ اس کا گستاخ لہجہ کسی لچک کے بغیر حد درجہ نروٹھا پن لیے تھا جہاں بی بی جان اور بابا جان گھبرائے وہاں ماما کے چہرے پہ جانے کیوں شہیر کے اس انکار پہ اطمینان بکھر گیا تھا البتہ وہ اس کے لہجے سے خائف ہوئیں ضرور گھبرا گھبرا کر وضاحتیں پیش کرتی رہی تھیں بی بی جان اور بابا جان کو رخصت کرتے انہوں نے یہ اطمینان اور یقین ضرور انہیں سونپ دیا تھا کہ شہیر کل حوریہ کو خود ان سے ملانے لے آئے گا جبکہ حوریہ اس خبر کے ساتھ ہی سخت وحشت زدہ سی ہوگئی تھی۔ دل پہ بے پناہ بوجھ لیے زیورات اور کپڑے بدلتے ہوئے وہ مسلسل بابا جان اور بی بی جان کے متعلق سوچ سوچ کر افسردہ ہوتی رہی تھی۔

"اچھی بات ہے آج تم نے مصنوعی تیاری سمیت مجھے متاثر کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی مسز حوریہ کمال۔" اس کی تمسخر اڑاتی آواز حوریہ کو چونکانے کا باعث بنی تھی جانے وہ کب اندر آیا تھا وہ گھبرا کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"میں فریش ہو لوں تم تب تک میرے لیے ایک کپ چائے لے آؤ۔" کوٹ اتار کر بیڈ پہ پھینکتا ہوا وہ واش روم میں گھس گیا تو گویا کی شدید لہریں حوریہ کے پورے وجود

میں سرائیت کرگئیں۔ لب بھینچے اندر امڈتے اشتعال پہ قابو پاتی وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی یہاں تک کہ وہ فریش ہوکے باتھ گاؤن میں باہر آ گیا اس کا مردانہ وجاہتوں کا شاندار سراپا اس کے سامنے تھا وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔ حوریہ نے شدید ناگواری سمیت نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

"وہاں کیوں بیٹھی ہو اتنی دور یہاں آؤ نہ میرے قریب۔" بلاوا خاص تھا مگر حوریہ کو اپنا وجود سنسناتا ہوا محسوس ہوا۔ گزشتہ رات کا اس کا درندگی سے بھرپور وحشیانہ سلوک یاد کرتے ہی وہ جھرجھری سی لے کر اپنی جگہ سمٹ سی گئی جبکہ دوسری سمت وہ یقیناً اس کا منتظر تھا جبھی اسے اپنی جگہ جمے دیکھ کر غرایا۔

"سنا نہیں تم نے کا کیا رہا ہوں۔" اس سرد غراہٹ پہ وہ دہل کر سخت متوحش ہوکر اسے دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت سرخ ہورہی تھیں چہرے پہ ایسی غضبناکی تھی کہ وہ جو تہیہ کیے بیٹھی تھی کبھی اس کی درندگی کا شکار نہیں بنے گی سخت خوف زدہ سی ہوکر از خود اس کے پاس اٹھ آئی تو شہیر جو خونی نظروں سے اسے گھور رہا تھا قریب آتے ہی جھپٹنے کے انداز میں کلائی پکڑتے ہی زوردار جھٹکا دیتے ہوئے اپنے پہلو میں گرالیا۔

☆

اس کا انداز کل سے بھی زیادہ شدید اور بدتر تھا حوریہ کو اس کے خیال سے ہی کراہیت محسوس ہونے لگی تھی اس کی منت سماجت آنسو التجائیں کچھ بھی تو اسے اس کے مذموم ارادوں سے باز نہ رکھ پایا تھا۔ شدت گریہ نے اس کی آنکھوں کو سجا کر سرخ کرڈالا تھا۔ آج تو اس نے آئینے سے بھی نگاہ نہیں ملائی تھی۔ ماما نے اس کے ستے ہوئے چہرے اور متورم آنکھوں کو بہت زیادہ تشویش سے دیکھا تھا البتہ کہا کچھ نہیں۔ حوریہ نے محسوس کیا وہ اس سے نظریں چرا رہی ہیں۔ نظریں تو وہ خود سے بھی چرا رہی تھی۔ اس شخص نے اسے کتنا گرادیا تھا خود اس کی اپنی نظروں میں بھی۔ اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ بستر پہ آنکھیں موندے لیٹی بس اپنے نصیب سے شاکی ہوتی رہی تھی۔ کیا وہ اس قابل ہی تھی جو سلوک اس کے ساتھ ہوا تھا صرف سانولی رنگت ہی اس کا سنگین جرم ٹھہری تھی۔ جس کی سزا اس درجہ کڑی آزمائش کی صورت اسے دی گئی تھی۔ اسے یاد تھا بہت بچپن سے ہی اسے اپنی اس کمی کا احساس ہوگیا تھا۔ لوگوں کے ایک ہی جیسے کمنٹس جو اسے دیکھ کر دانستہ یا نادانستہ ان کے لبوں سے ادا ہوتے تھے اسے اس کی بہنوں یا والدین کے ساتھ دیکھ کر کوئی بھی یہ بات ماننے پہ تیار نظر نہ آتا تھا کہ وہ ان کی بہن یا بیٹی ہے اور جب ان کی یقین دہانی پہ اعتبار کرتے تو تبصرہ کیے بغیر نہ رہتے۔ حیرت ہے بھئی یہ کس پہ چلی گئی۔ آپ کے گھر میں تو سبھی ماشاءاللہ بے حد خوب صورت ہیں۔ ایسے وقت میں اس کے گھر والوں کے مختلف جواب ہوتے۔ بی بی جان چپ سی ہوجاتیں ایسی گم صم سی خاموشی جس میں شرمندگی اور مجرمانہ سا احساس چھلک رہا ہوتا۔ بہنیں یا تو ہنس دیتیں یا پھر کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہتیں۔

"پتہ نہیں کس پہ چلی گئی۔ ہمارے تو ننھیال ددھیال میں دور دور تک کوئی کالا یا سانولا نہیں۔" جبکہ ان سب سے برعکس بابا جان کا رویہ مختلف اور فخریہ ہوتا وہ اسے لپٹا کر پیشانی چوم کر پیار کرتے اور بہت محبت سے کہا کرتے تھے حوریہ اپنی اس سانولی رنگت کی وجہ سے ہی تو میری تمام بیٹیوں میں سب سے نمایاں اور پیاری دکھتی ہے جو جاذبیت اور ملائمت اس کے چہرے پہ ہے وہ میری بڑی بیٹیوں کے حصے میں نہیں آئی اسے یہ بھی یاد تھا وہ سات سال کی تھی جب آپا کے ساتھ ان کے اسکول گئی تو وہاں ان کی فرینڈز اور اسکول کے دیگر بچوں کے اسی قسم کی دل شکن باتوں پہ روہانسی ہوکر آتے ہی بی بی جان کے پاس آ کر منہ بسور کر بولی تھی۔

"دیکھ لیں بی بی...... آپا کی ساری فرینڈز مجھے کلوپری کہہ کر پکار رہی تھیں ان کے ساتھ آپا بھی ہنستی رہیں تھی...... کیا میں سچ مچ کالی ہوں۔" تب جواباً بی بی جان نے اپنی ساری کی ساری فرسٹریشن اس پہ انڈیل دی تھی۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہے نصیب جلی وہ کیا جھوٹ بولتی

ہیں کسی نے تیری بہنوں کو نہ کہہ دیا۔ تجھے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہے۔" وہ جو اکثر اس قسم کی باتوں سے کلستی رہتی تھیں آج اس کے سامنے ضبط کھو بیٹھیں اسے دو ہتڑ مار کر بھبک کے رو پڑیں۔ حوریہ جس کے لیے ان کا یہ رویہ شاکڈ کر دینے والا تھا آنکھوں میں آنسو لیے بے یقین نظروں سے انہیں تکتی رہ گئی تھی۔ اگر بابا جان اس لمحے آ کر اسے بازوؤں میں نہ لیتے تو یقیناً وہ ہچکیوں سے رو پڑتی۔ وہ اس روز بہت خواہش کے باوجود بھی نہیں روئی۔ وہ سارے آنسو جو پلکوں پہ ٹھہر گئے تھے اس نے اندر اتار لیے تھے۔ یہ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بابا جان کے بہلاوؤں سے بھی نہ بہل سکی تھی اس کے بعد ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اپنی ذات کے خول میں سمٹتی بہت محدود ہو کر رہ گئی تھی جبکہ اس کے ادھر ادھر ہوتے ہی بابا جان نے بی بی جان کو بہت کچھ کہا تھا اور وہ تو پہلے ہی پشیمان تھیں بے ساختہ رو پڑیں۔

"آپ کا کیا خیال ہے مجھے احساس نہیں مگر کیا کروں یہ لوگ......"

"لوگ بے حس ہیں تو تم بے حس مت بنو۔ تم ماں ہو اور ماں کو اپنی اولاد سے یہ رویہ سوٹ نہیں کرتا پھر حوریہ تو اس وجہ سے پہلے ہی بہت حساس ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے رویے سے اس کے اندر پنپتے اس احساس کو زائل کر دیں نہ کہ مزید بڑھاتے رہیں۔" بابا جان پڑھے لکھے سمجھدار انسان تھے سمجھانے کا انداز بھی بہت خاص ہوتا کہ اگلا بندہ بجائے غصہ کرنے کے اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوا آئندہ سے تائب ہو جائے یہ ان پہ اللہ کا کرم تھا سو اس وقت بھی بی بی جان نے بھڑکے بنا ان کی بات کو اپنی گرہ سے باندھ لیا تھا آئندہ بے حد احتیاط کی مگر بدقسمتی سے یہ احتیاط ان کی بیٹیاں نہ کر سکیں جنہیں بچپن سے لوگوں کے خصوصی رویوں نے حسن کا بھرپور احساس بخشا تھا خاص طور پہ اپیا۔ وہ تیسرے نمبر پر ہونے کی وجہ سے بابا جان کی بے حد لاڈلی رہی تھیں۔ خصوصی توجہ خصوصی محبت انہی کے حصے میں آئی تھی چونکہ حوریہ ان کے پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھی تو بابا جان کی توجہ کو بٹتے دیکھ کر بہت کم عمری سے ہی رقابت کا جذبہ حوریہ کی طرف سے دل میں جگہ پا گیا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ شدید نفرت میں ڈھل گیا تھا۔ اب یہ اس کا نصیب تھا کہ حوریہ اپنی رنگت کی وجہ سے بے حد حساس تھی اور بابا جان کو اس کی اس حساسیت کا پورا پورا احساس تھا یوں یہ توجہ اور محبت مزید گہری ہوتی گئی ساتھ ساتھ اپیا کی نفرت بھی۔ وہ اسے ذہنی اذیت پہنچانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں یہی وجہ تھی۔ کم گو تو تھی ہی ایسے طعنوں اور مذاق کا نشانہ بنی تو بالکل ہی بولنا بھول گئی۔ مناسب ماحول نہ ملنے کی وجہ سے اس کی شخصیت کی صحیح طور پر نشوونما نہ ہو پائی تھی اور وہ عدم اعتماد کا شکار نظر آتی۔ کالج میں بھی اس نے کسی کی سمت دوستی کا ہاتھ نہ بڑھایا وہ تو نائلہ ہی تھی جو زبردستی اس سے دوستی کر چکی تھی...... وہ جب اکثر اس کے لمبے خوب صورت بالوں لانبی خمیدہ پلکوں اور ہونٹوں کے خوب صورت کٹاؤ کی تعریف کرتی تو حوریہ کو غیر یقینی سے اپنی سمت تکتا پا کر ہنس پڑتی تمہارے ہاتھ اتنے خوب صورت ہیں اور اسمارٹنس کیا غضب ہے یار اگر میں لڑکا ہوتی تو...... تب اس کی اگلی بات حوریہ کو خفا کر ڈالتی۔ اسے نائلہ کی کسی بات پہ اعتبار نہیں آ سکا تھا۔ اعتماد آتا بھی کیسے کہ صرف وہی تو تھی اس کی اس انداز میں تعریف کرنے والی اسے لگتا جیسے نائلہ محض اس کا دل رکھنے کو ایسا کرتی ہے تب وہ جواب لینے کو آئینے کے سامنے آ ٹھہرتی اپنے چہرے کے ایک ایک نقش کو بالوں کو بغور دیکھتی تو آئینہ مسکرا کر نائلہ کی تمام باتوں کی تصدیق کر ڈالتا اور یہیں اس کی عدم تحفظ کا شکار ذات پھر سے اعتماد پانے لگی تھی۔

مگر اس کا یہ اعتماد شہیر ملک نے کچھ اس بری طرح سے بکھیر ا تھا کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ احساس کمتری کا شکار نظر آنے لگی تھی جس سے اس نے خود کو بہت دقتوں سے بڑی محنت سے چھٹکارا دلایا تھا۔

"بھابی سو رہی ہیں؟" وہ جانے کب تلک مزید ان اذیت انگیز سوچوں میں الجھی رہتی کہ اس نرم شیریں آواز پہ آنکھیں کھولنے پہ مجبور ہوئی' وہ شہیر کی ہی کوئی کزن تھی ہونٹوں پہ دوستانہ مسکراہٹ لیے اس پہ جھکی ہوئی تھی۔

"نہیں آؤ بیٹھو۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ بیٹھی کہ معاملہ سسرال کا تھا جہاں اسے ہی نہیں ہر لڑکی کو ہی پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔

☆

شہیر کی وہ کزن اسے زبردستی کمرے سے گھسیٹ کر باہر لے آئی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا کچھ دیر لان میں موسم کو انجوائے کرنے کے بعد وہ سب ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں تھیں۔ باتوں میں وقت گزرنے کا بھی احساس نہ ہوا۔ وہ سب ہی سلجھی ہوئی نفیس سوچ کی مالک لڑکیاں تھیں۔ ماما نے آ کر کھانے کا کہا تب ربیعہ نے حیران ہو کر گھڑی دیکھی اور پھر اسے دیکھ کر بولی تھیں۔

"بھابی آپ شہیر بھائی کا انتظار نہیں کریں گی۔" وہ کیا جواب دیتی گڑبڑا کر ماما کو دیکھنے لگی۔

"وہ تو اپنے دوست کے ساتھ کہیں نکلا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا لیٹ نائٹ آئے گا۔ اتنی دیر تک حوریہ بھوکی تو نہیں رہ سکتی۔" پھر اسے دیکھ کر بولی تھیں۔ "بیٹے آپ ایسا کرو ہمارے ساتھ کھانا کھالو شہیر نے اگر کھانا ہوا تو تھوڑا بہت اس کا بھی ساتھ دے لینا۔" وہ کیا کہتی سر جھکائے رہی۔

کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر ان کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔ ٹی وی پر کوئی میوزیکل شو براہ راست آ رہا تھا اور وہ ہر سنگر پہ بے لاگ تبصرے کرتے خاصی مگن تھیں جبکہ حوریہ جیسے ان کے درمیان بیٹھ کر بھی موجود نہیں تھی۔

گیٹ پہ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر حوریہ کو اپنے وجود پہ لرزا سا طاری ہوتا محسوس ہوا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ اندر چلا آیا تھا۔ نیوی بلیو پینٹ کوٹ میں غضب کی ہائٹ سمیت وہ نگاہ کو چونکائے دے رہا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" ان پہ ایک سرسری سی نگاہ ڈالتا جیسے از راہ مروت بولا تھا۔

"آیئے نا شہیر بھائی ہمیں جوائن کریں۔ بہت مزا آ رہا ہے۔" ربیعہ نے ڈرائی فروٹ سے کاجو چن کر پھانکتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھ کر آفر کی جسے اس نے اگلے ہی لمحے رد کر دیا تھا۔

"نو تھینکس اس وقت تو تھکا ہوا ہوں آرام کروں گا۔ البتہ آپ کو پھر کبھی کمپنی دوں گا۔" ربیعہ کی بات کا جواب دیتے اس کی نظر سر جھکائے ہاتھ مسلتی حوریہ پہ پڑی تو ایک پل کو حیران نظر آیا۔

"آ گئے شہیر کھانا کھاؤ گے۔" وہ پلٹ رہا تھا جب ماما نے اندر قدم رکھا۔

"میں کھانا کھا چکا ہوں۔ بس ایک گلاس دودھ بھجوا دیں۔" وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا بولا۔

"شہیر کچھ تو خیال کرو نئی نئی شادی ہوئی ہے اور تم اکیلے ہوٹلوں میں کھانے کھاتے پھر رہے ہو۔" ماما کے لہجے کی سختی ڈھکی چھپی ہرگز نہیں تھی گو کہ لہجہ دبا ہوا تھا شاید ان سب کی موجودگی کے باعث مگر شہیر نے جواباً ایسا تکلف بھی نہیں برتا۔

"میں اکیلا نہیں تھا میرے دوست میرے ساتھ تھے۔" وہ جتا کر بولا تھا۔

"کب جان چھوٹے گی ان آوارہ دوستوں سے اگر باہر کھانا کھانا تھا تو حوریہ کو بھی ساتھ لے جاتے۔" ماما کی بات پر وہ جھٹکے سے رکا اور اسی شدید موڈ میں ان کی سمت پلٹ کر سرخ آنکھوں سمیت اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کی بہو کے ساتھ ہی مجھے ساری عمر کھانے کھانے ہیں زندگی کو مجھ پہ اتنا تنگ مت کریں فار گاڈ سیک۔" اس کا آنچ دیتا لہجہ ماما کو بری طرح سے سلگا کر رکھ گیا..... مگر وہ رکا نہیں تھا دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ حوریہ کو ان کی باتیں تو نہیں سنائی دی تھیں کہ ٹی وی کا والیوم تیز تھا البتہ اس کے اور ماما کے چہرے کے تاثرات اس پہ ساری کہانی عیاں کر رہے تھے جبھی ماما سے نظریں ملائے بغیر وہ سر نیوڑائے بیٹھی رہی تھی۔ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اس کے سر میں جیسے دھماکے سے ہو رہے تھے مگر اس نے دل میں ٹھان رکھی تھی کہ کم از کم اس کے سونے سے پہلے ہرگز کمرے میں نہیں جائے گی۔ شو ختم ہونے کو تھا جب ایک بار پھر شہیر سیڑھیوں پہ برآمد ہوا۔

"شہلا تم لوگ ابھی تک سوئی کیوں نہیں؟" حوریہ پہ

کڑی نگاہ ڈالنے کے بعد وہ بمشکل مشتعل لہجہ کنٹرول کرتا ہوا شہلا سے مخاطب ہوا تھا۔ گولڈن سلیپنگ گاؤن میں سرخ آنکھوں اور بکھرے ہوئے بالوں سمیت وہ غضب کی مردانگی سمیت بھی حوریہ کو بالکل اچھا نہ لگا۔

"بس بھائی جا ہی رہے ہیں۔" شہلا نے گھبرا کر ٹی وی آف کیا اور دوپٹہ سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی تقلید میں ربیعہ، ثنا اور عائشہ بھی اٹھی تھیں البتہ حوریہ نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہیں کی۔

"یہاں چھپ کر بیٹھ کر تم سمجھتی ہو تم مجھ سے بچ جاؤ گی۔" وہ اس کے سر پہ پہنچ کر بھنچے ہوئے سرد لہجے میں غرایا تو حوریہ نے نظریں اٹھا کر بے خوفی سے اسے دیکھا۔ کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں، جبکہ شہیر ان نگاہوں سے چھلکتی سرد مہری اور نفرت کو پا کر جیسے آپے سے باہر ہوا تھا۔

"تم اندر چلو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ لب بھینچتا ہوا خود پر ضبط کے پہرے بٹھا کر مشتعل سا بولا۔

"میں آپ کے ساتھ اس کمرے میں نہیں جاؤں گی۔" اس کا انداز متنفر زدہ قطعی اور دوٹوک تھا۔

"ہاؤ ڈیر یو۔" اس کا ہاتھ پوری قوت سے فضا میں گھوم کر اس کے چہرے پہ تھپڑ کی صورت آ پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر گرتی مگر اس کے بروقت تھام لینے پہ اس کے بازوؤں کے سہارے سنبھلی تھی۔ "مگر تم اس بھول میں ہو کہ میں تمہاری منتیں کروں گا تو بہت غلط سوچ ہے۔" اسے شانوں سے جکڑتا ہوا وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا تھا۔ حوریہ کے تو اس ایک تھپڑ نے ہی حواس چھین لیے تھے اس پہ ستم اس کی تیز نظروں کا غیض و غضب کہاں کی جرأت اور کہاں کی بے خوفی وہ جیسے اس کے شدید رویے کے سامنے لمحوں میں زیر ہوئی تھی۔

"کیا ارادہ ہے چلوگی یا میں کچھ اور اقدام کروں۔" حقارت زدہ انداز میں اسے جھٹکتا ہوا وہ اس کی چھلکتی آنکھوں میں جھانک کر بولا جو اس ذلت آمیز رویے پہ رو دینے کو تھی۔ بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ پلٹی تو چوکھٹ پہ ششدر کھڑی ربیعہ کو دیکھ کر جیسے خود کو زمین میں دھنستا ہوا محسوس کیا۔

"وہ......وہ میرا اسیل فون یہاں رہ گیا تھا وہی لینے آئی تھی۔" شہیر کی تیز نظروں کے جواب میں گھبرا کر وضاحت دیتی وہ لپک کر فلور کشن پہ پڑے سیل فون کو اٹھاتی الٹے قدموں بھاگی تھی۔

"چلو تم بھی۔" شہیر نے اس کے ساکن وجود کو دھکیلا تو وہ بغیر کسی مزاحمت کے معمول کی طرح اس کے ساتھ ہولی۔

☆

اس کا رویہ کیسا تھا اب اس پہ سوچنے غور کرنے کی ضرورت نہیں تھی حوریہ کو لگتا تھا جیسے وہ کوئی وحشی درندہ تھا جو خوب صورت انسانی روپ میں اس پہ مسلط ہو گیا تھا اور بس حوریہ کے نزدیک اس کی یہی پہچان تھی اگلے روز اس کے دل میں جانے کیا سمائی تھی یا پھر ماما نے ہی فورس کیا تھا کہ وہ اسے بابا جان اور بی بی جان سے ملانے لے آیا اس کی بہنیں اس کی جانب سے مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکی تھیں۔ بابا جان کو وہ پہلے سے زیادہ خاموش اور عدم اعتماد کا شکار نظر آئی تو دل ملول سا ہو کر عجیب سے خدشات کا شکار ہونے لگا۔ واپسی پہ وہ بہت خاموش اور غم زدہ تھی جب شہیر نے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہوئے طنز کا تیر برسایا تھا۔

"لباس کا انتخاب بھی بندے کو اپنی شخصیت کو دیکھ کر کرنا چاہیے۔" وہ اس وقت سیاہ جھلملاتی ہوئی ساڑھی میں ملبوس تھی جو بطور خاص ماما نے اسے اپنی پسند سے نکال کر دی تھی، احساس کمتری سے اس کا جھکا سر کچھ اور جھک گیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو اسے نا چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہونا پڑا۔

"پتہ نہیں کیا سوچ کر ماما نے اپنے خوبرو شاندار بیٹے کے لیے تم جیسی عام سی لڑکی کا چناؤ کیا اب سمجھ رہی ہیں اس طرح مجھے قابو کر لیں گی۔ بے چاری ماما پہ مجھے ترس آ رہا ہے۔" ان کی تمام تر نادانی اور معصومیت سمیت وہ ہنس رہا تھا۔ انداز صاف دل شکنی والا تھا چڑاتا ہوا سا۔ حوریہ کے حلق میں کچھ پھنسنے لگا۔

"حیران ہوں ان کی سوچ پر شاید اگر وہ کوئی حور پری

میرے لیے لاتیں تو چانس بھی تھا میرا اس جال میں پھنس جانے کا اب کیسے...... رئیلی مجھے ماما پہ حیرت ہو رہی ہے کیا ہو گیا تھا انہیں۔" اس کی ہنسی قہقہے میں ڈھل گئی۔ حوریہ کو اپنی پیشانی ہی نہیں پورا وجود سلگتا بھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

"میرا گھر میرے پیرنٹس تمہارے ہو سکتے ہیں مگر حوریہ بیگم یہ گڈ لکنگ ڈیشنگ اور اسمارٹ شہیر ملک تمہارا نہیں ہو سکتا...... کبھی نہیں۔ یہ بات تم بے شک ماما کو بھی بتا دینا میں تمہیں کسی قسم کے دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا' جبھی بتا رہا ہوں کہ تم مجھے بالکل پسند نہیں ہو...... تم صرف ماما کی خدمتیں اور میری عارضی شکست جس کا میں بھرپور انتقام تم سے لے چکا ہوں۔" اس کی خوف تحیر اور رنج سے پھیلی آنکھوں میں جھانکتا ہوا از حد اطمینان سے گویا تھا۔

"کل میں اسلام آباد واپس جا رہا ہوں اپنی جاب پہ جہاں ٹینا ہے میری محبت۔ اسے ہی بیوی بھی بناؤں گا۔ اب تمہاری مرضی ہے تم چاہو تو یہاں ماما کے پاس رہ لینا ورنہ اپنے پیرنٹس کے پاس چلی جانا مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں اگر تم چاہو کہ میں تمہیں آزاد کردوں تو بھی مجھے اس میں کوئی عار نہیں۔ اینی ویز اب تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ میری بہر حال تم سے کوئی دشمنی نہیں کہ تمام عمر تمہیں سولی پر لٹکا کے رکھوں۔" ٹپ ٹپ اس کی پلکوں کی دہلیز سے پھسلتے بے بسی کے مظہر آنسو بہت سرعت سے اس کے گریبان میں جذب ہوتے رہے۔

❁......☆......❁

اگلی صبح وہ واقعی چلا گیا تھا ماما نے یقیناً اسے حوریہ کو ساتھ لے جانے پہ فورس کیا تھا مگر وہ کسی طور نہیں مانا۔ ماما بے بس سی ہو کر سر جھکا کر آنسو پونچھنے لگی تھیں۔

"تم جو بھی فیصلہ کرو مجھے آگاہ کر دینا۔ منتظر رہوں گا۔" جاتے ہوئے وہ محض ایک پل کو اس کے پاس تھم کر بولا اور حوریہ نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا تھا۔ اس کے بعد اس پہ ہر رات گزشتہ چار راتوں پہ بھاری پڑتی رہی اس کے کمرے میں موجود ہر چیز میں اس کی خوشبو کا احساس رچا بسا تھا۔ جیسے وہ وہاں سے جا کے بھی وہیں کہیں موجود تھا۔ چھ ہفتے تک بھی

جب وہ نہیں آیا تو ماما نے فون کیا مگر اس پہ جیسے اثر ہی نہیں تھا اس روز اس کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے جو وجہ بتائی اس نے ماما کو مطمئن کر دیا تھا۔ واپسی پہ مٹھائی ساتھ لائی تھیں۔ پاپا کو جب وہ بتا کر خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں تب اچانک ہی وہ بھی بنا اطلاع کے چلا آیا تھا۔

"مٹھائی یہ کس خوشی میں ہے بھئی۔" گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اس نے بہت سرسری لہجے میں پوچھا تھا جبکہ حوریہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ چاہتی تو اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکتی تھی مگر وہ تو جیسے کوئی فیصلہ کرنے کی تاب ہی کھو چکی تھی اس کی عدم موجودگی میں اس بے رحم بے حس کٹھور شخص کی محبت کا احساس اسے بھربھری مٹی کی طرح بکھیر چکا تھا۔ اس سلوک کے بعد گو کہ اس جذبے کی کہیں گنجائش نہیں نکلتی تھی مگر نکاح کے بولوں نے اس تعلق کو جائز بنا کر اس کے دل میں گنجائش پیدا کر دی تھی کہ وہ خود کو اس سے محبت کرنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"ارے تو فون پہ بتا تو بتاتے نہ' تو باپ بننے والا ہے۔" ماما نے چہک کر جس طرح مسکرا کر کہا تھا وہ ایک پل کو ہونق سا ہوا۔ نگاہ بے ساختہ ہی شرمائی جھینپی ہوئی سی حوریہ پہ پڑی تھی تو جیسے پورے وجود میں انگارے سے چٹخ گئے۔ منہ کی سمت جاتا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا۔ گلاب جامن کا بچا ہوا پیس وہیں پلیٹ میں پٹخا اور سرخ چہرہ لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ حوریہ اندر گونجتے سناٹوں کو وحشت بھرے انداز میں سنتی رہی تھی۔

"پتہ نہیں ماما اور پاپا نے اس کا یہ رویہ محسوس کیا تھا یا دانستہ نظر انداز کر رہے تھے۔ جو کچھ بھی تھا اس کے لیے بے حد تکلیف کا باعث تھا۔

"سنو تم ابارشن کرواؤ گی انڈر اسٹینڈ جو کچھ تھا میں تمہیں بتا چکا ہوں پھر یہ سب......" وہ خاصی دیر بعد اندر آئی تو اسے کمرے کے بیچوں بیچ سگریٹ پھونکتے ٹہلتے پایا اسے دیکھتے ہی وہ لپک کر آتے ہی اسے شانوں سے جکڑ کر جھٹکے سے اپنے مقابل کرتا ہوا انگارے چبانے لگا جبکہ حوریہ زرد سی ہو گئی تھی۔

"دیکھئے آپ اس طرح مت کریں پلیز میں آپ سے کوئی تقاضا تو نہیں کررہی جو ہے جیسا ہے رہنے دیں۔"

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔" وہ جیسے لہجے میں بادلوں کی گھن گرج کی طرح بولا۔ وہ سہم سی گئی۔ "تم سمجھ لو میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم سے میری نسل آگے بڑھے۔" وہ اسے اپنے سامنے سے جھٹکتا باہر چلا گیا۔

☆
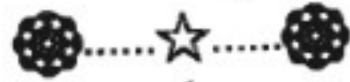
پھر وہ پلٹ کر نہیں آیا۔ ماما کی منت سماجت اور پاپا کی سرزنش کچھ بھی کام نہ آسکی۔ پاپا سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی تھی کہ اس نے ٹینا سے شادی کرلی ہے۔ پاپا خود وہاں جاکر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے۔ پاپا واپس لوٹے تو بے حد خاموش اور پریشان تھے۔ وہ دونوں باتیں کرتے رہتے اور اسے دیکھ کر فکرمند ہوتے رہتے۔ اس کے اچانک آجانے پہ دونوں ہی چپ سادھ لیتے۔ وہ کھٹک سی گئی تھی۔ ایسی کیا بات تھی جو اس سے چھپائی جارہی تھی۔ پاپا کا غصہ ماما کے آنسو سب کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ ان دنوں طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی اس رویے پہ گھبرا اٹھی۔

"ماما کیا ہوا ہے؟ میں محسوس کرتی ہوں آپ لوگ مجھ سے کچھ چھپارہے ہیں۔" تو ماما نے پُرزور انداز میں نفی کی۔ وہ یقین نہ کرنے کے باوجود جرح نہ کرسکی کہ یہ سب اس کی طبیعت کا حصہ نہ تھا۔ اس روز بھی وہ مضمحل سی پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ پاپا ابھی تک آئے نہیں تھے جبکہ ماما طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آرام کررہی تھیں۔ سورج واپسی کا سفر شروع کررہا تھا۔ جب کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

"کون سی پٹیاں پڑھائی تھیں پاپا کو تم نے کہ وہ اس قدر غصے میں وہاں آئے تھے اور ٹینا کو اتنی سخت باتیں سنائیں۔" وہ اسے دھکیلتا ہوا ٹینا سے ملنے والی خجالت پاپا کے رویے کا اشتعال اور سفر کی تمام جھنجلاہٹ اس پہ الٹتے ہوئے غراہٹ زدہ لہجے میں پھنکارا۔ حوریہ جو غیر متوقع طور پہ اسے سامنے پا کر ڈھنگ سے خوش بھی نہ ہو پائی تھی کہ اس اچانک حملے پہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی۔

"کیا سمجھتی ہو تم اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں سے مجھے پالوگی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" اس کا چہرا اپنے سخت فولادی ہاتھوں میں لے کر چیختا ہوا وہ سراپا قہر بن چکا تھا۔ حوریہ شدید تکلیف کے احساس سمیت بلبلا اٹھی۔ شہیر نے اپنی سخت گرفت میں مچلتی تڑپتی حوریہ کو نہایت حقارت زدہ انداز میں جھٹکا مگر اگلے ہی لمحے نہایت بے دردی سے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ "بولو پاپا کو تم نے وہاں بھیجا تھا...... ہاں میں نے شادی کی ہے میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں یہ بات تم پاپا کو بھی سمجھا دینا تمہاری جو حیثیت تھی اسے میں واضح کرچکا ہوں کہو تو ابھی تمہیں طلاق دے کر فارغ کردوں۔"

حوریہ اپنے بال چھڑانے کی کوشش میں تھی اس بات پہ لحموں میں سرد پڑ گئی۔ "بولو کیا چاہتی ہو مجھ سے۔" وہ دانت پیس کر بولا تو حوریہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئی۔ سرعت سے بہتے آنسو ہتھیلی کی مدد سے رگڑے اور بہت سارا حوصلہ مجتمع کرکے بولی۔

"کچھ نہیں مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے...... اور طلاق بھی نہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر اس وحشت سے روئی تھی کہ سنبھالنا مشکل ہوجائے۔ جبکہ شہیر قہر بار نظروں سے اسے دیکھتا وہی سے پلٹ گیا تھا۔

☆

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں ڈھلتے چلے گئے۔ وہ پھر لوٹ کر ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ اس کی ڈلیوری کی ڈیٹ قریب آگئی۔ بی بی جان کو اس کی خاصی فکر رہنے لگی تھی وہ تو چند دنوں کے لیے اسے لینے بھی آئی تھیں مگر ماما نے بہت سہولت سے انکار کردیا تھا۔

"بہن یہ تو ہمارے گھر کی رونق ہے آپ اسے لے جائیں گی تو ہم کیا کریں گے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں میں اسے بہو نہیں بیٹی بنا کر لائی تھی اللہ خیر کا وقت لائے میں اسے اچھی طرح سنبھال لوں گی۔" بی بی جان جو ہر قسم کے حالات سے بے خبر تھیں کہ داماد نے روز اول سے ہی جو اجنبیت بھرا

سلوک روا رکھا تھا ایک آدھ بعد کی ملاقات میں اس میں اضافہ ہی ہوا تھا وہ یہی سمجھی تھیں شہیر دوسرے شہر میں جاب کرتا ہے ہر ویک اینڈ پہ آجاتا ہے جبھی انہوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ ماما نے اپنی کہی بات پوری کر دکھائی تھی۔ حوریہ کی طبیعت خراب ہوئی تو پاپا کو تو فون کیا ہی ساتھ جانے کیا سوچ کر شہیر کو بھی کردیا۔ اس نے جانے کیا کہا تھا کہ وہ حسب سابق خاموش رہنے کی بجائے پھٹ پڑی اور اچھی خاصی سنانے کے بعد فون پٹخ دیا۔ پاپا کے آنے پر ماما اسے عجلت بھرے انداز میں ہاسپٹل لے آئی تھیں جہاں قدرت نے اس کے پاؤں تلے جنت بچھادی۔ ایک ہی وقت میں دو صحت مند خوب صورت بچوں کو پا کر بھی وہ بھرپور طریقہ سے اس احساس کو محسوس نہ کرپائی کہ دل و روح پہ غم کی گھٹائیں امڈی ہوئی تھیں۔ میجر آپریشن نے اس کے وجود کی رہی سہی طاقتیں بھی سلب کرڈالی تھیں۔ جب نرس نے کمبل میں لپٹے بچے اس کے دائیں بائیں لٹائے تو جانے کس احساس کے تحت وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی۔ ماما کے ساتھ بی بی جان اور بابا جان کو بھی تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ اس کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خاصی دیر تلک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے اور پھر دل پہ بہت بوجھ لیے اٹھ کر گئے تھے کہ ماما کی تسلیوں کے باوجود وہ انہیں سکھی نظر نہیں آئی تھی۔ اتنی بڑی خوشی کی خبر کو پا کر بھی شہیر وہاں نہیں پہنچا تھا تو یہ بات انہیں ازحد پریشانی اور تفکر میں مبتلا کررہی تھی۔ جب یہی بات بی بی جان نے شکایت بھرے انداز میں ماما سے کہی تو ان کی کتراتی ہوئی نظروں میں اتنا خوف اتنی بے بسی تھی کہ وہ کچھ بھی سمجھے بغیر متحیر سی رہ گئی تھیں۔ اسے ہاسٹل میں تیسرا دن تھا جب گرے سوٹ میں وہ نک سک سے تیار بالکل اچانک وہاں چلا آیا تھا۔ حوریہ کی اٹھی ہوئی نگاہ حیرت وغیر یقینی سے ساکن رہ گئی تھی۔ پاپا نے بچے سے کھیلتے ہوئے دروازہ کھلنے کی آواز پہ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ مسکرایا تھا۔ جبکہ پاپا کے سپاٹ چہرے پہ بھرپور تنفر چھلکا تھا۔ بچے کو کاٹ میں لٹاتے ہوئے وہ جھٹکے سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

"ماما......" وہ ماں کی سمت متوجہ ہوا نظروں میں باپ کے رویے کی بھرپور شکایت تھی۔ ماما نے چند ثانیے ڈبڈبائی شا کی نظروں سے دیکھا پھر پاپا کی طرح چپ چاپ باہر چلی گئی تھیں۔ شہیر نے ٹھنڈا سانس بھرا اور شانے جھٹکتا ہوا کاٹ کی سمت متوجہ ہوگیا۔ برابر رکھے دو کاٹ اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کرگئے۔

"اوہ...... تو آپ آہی گئے یقیناً ان بے بیز کے فادر ہیں آپ۔" اچانک نرس کی مداخلت پہ وہ چونکتا ہوا سیدھا ہوا۔ "آپ کے دونوں بچے بہت ہیلدی اور کیوٹ ہیں البتہ آپ کی وائف کی کنڈیشن بہت تشویش ناک رہی۔ ابھی بھی بہت ویک نیس ہے انہیں۔ بہترین خوراک ہی نہیں خوش رکھنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔" نرس حوریہ کو انجکشن لگا رہی تھی یونہی مصروفیت کے عالم میں بھی پٹرپٹر بولے گئی۔ شہیر کو جو تھوڑی بہت الجھن تھی وہ بھی رفع ہوگئی۔ وہ جھک کر باری باری دونوں بچوں کو پیار کرتا رہا اس دوران نرس جاچکی تھی۔ ننھے منھے گل گوتھنے سے خوب صورت بچے اسے یکا یک عجیب سے احساس کا شکار کرچکے تھے۔ محبت کے جذبات سے مغلوب ہوتا ہوا وہ ان کی پیشانیوں پہ بوسے ثبت کرتا سیدھا ہوا تھا۔ حوریہ آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ دل عجیب سے دکھ سمیت بوجھل ہونے لگا تھا۔ کتنا مکمل تھا سب کچھ مگر فریب نگاہ وہ اس کا ہوکر بھی تو اس کا نہیں تھا یہ بات وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی اس کی نفرت اس کا حد سے بڑھا ہوا تکلیف دہ رویہ مگر یہ احساس کہ وہ اس کا نہیں تھا اسے روہانسہ کرتا جارہا تھا۔ بچے کے نرم روئی کے گالے سے گال سہلاتے ہوئے اس نے اچانک نگاہ اٹھائی تھی۔ حوریہ نے لمحے کے ہزارویں حصے میں نہ صرف نظر کا زاویہ بدل ڈالا تھا بلکہ چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔ شہیر نے کسمساتے بچے کو آہستگی سے واپس کاٹ میں لٹایا اور اس کے سرہانے آن ٹھہرا۔

"میری خواہش کے برخلاف تم سے میری نسل بڑھی ہے تو یقیناً اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ضرور ہے کہ ایک کی بجائے دو دو بچے اس نے بیک وقت تمہاری گود میں ڈال

دیئے...... میں حیران ہوں' البتہ تمہیں میری جانب سے خوش فہمی کا شکار اب بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں ٹینا کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" اس کے بالوں میں ہاتھ الجھا کر ہلکے سے جھٹکے سمیت اس کا رخ اپنی جانب پھیرتا ہوا وہ ہمیشہ کے سے لہجے میں گویا تھا۔ حوریہ کی آنکھوں سے بہتا گرم سیال اس بے اعتنائی کے مظاہرے پہ مزید سرعت سے بہنے لگا۔

"میں تمہیں صرف یہ جتانے کی غرض سے آیا ہوں کہ اس آنر کے بعد خود کو مضبوط سمجھنے کی حماقت مت کر بیٹھنا ہمیشہ یاد رکھنا تمہاری حیثیت میرے نزدیک آج بھی وہی ہے جو روز اول سے تھی چونکہ یہ میرے بچے ہیں سو ان کے نام بھی میں ہی رکھوں گا۔" وہ پلٹا اور باری باری دونوں بچوں کو بانہوں میں سمیٹ کر اس کے پہلو میں لٹا دیا۔ "یہ عبداللہ ہے اور یہ عبدالرحمٰن...... تمہیں میں اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ تم ان کے نام ہی رکھ دو۔" وہ مسلسل چرکے لگا رہا تھا حوریہ نے سختی سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆......☆......☆

ماما اور پاپا کی شدید ناراضگی اس سے مخفی نہ رہ پائی تھی۔ ہاسپٹل میں جو رویہ انہوں نے شہیر کے ساتھ رکھا تھا اسے دیکھتے ہوئے حوریہ کو اپنی تمام زندگی سیاہ ہوتی نظر آ رہی تھی۔ دو بچوں کی مصروفیت نے آنے والے وقتوں میں اسے سر کھجانے کا بھی وقت نہیں دیا مگر یادوں کا اس مصروفیت نے بھی کچھ نہیں بگاڑا اسے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں تھا کہ ماما اور پاپا اس کا خیال اپنی اولاد سے بڑھ کر رکھتے...... ویسا ہی مان ویسی ہی محبت' کبھی کبھی تو اسے خود بھی لگتا وہ ان کی بہو نہیں بیٹی ہے ایسی بیٹی جس کا شوہر اس سے بے وفائی کا مرتکب ہو چکا ہو...... جس کے دکھ بربادی اور اذیت کا انہیں بھرپور احساس ہو۔ اسے ان کے خلوص اور محبتوں پہ شبہ نہیں تھا کہ اس کی خاطر ہی انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن میں ان کی جان تھی۔ ماما بھی بے اختیاری میں عبداللہ کی کسی حرکت پہ کہتیں بالکل باپ پہ گیا ہے وہ بھی بچپن میں بالکل ایسا ہی تھا مگر جب اس کے متغیر چہرے پہ نگاہ ڈالتیں تو چور سی بن جاتیں اور اگلے کئی لمحوں تک چپ مجرم سی بنی رہتیں۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی پہلی سالگرہ تھی پاپا کو اس نے صبح ہی تمام مطلوبہ چیزوں کی لسٹ بنا کر دے دی تھی مگر اب یاد آیا تھا کہ بچوں کی شیروانیوں کے ساتھ سنہری کھسے بھی چاہیے تھے۔ ماما کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اسی وجہ سے وہ عبداللہ کو سلا کر عبدالرحمٰن کو آیا کے حوالے کرتی دونوں کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے خود قریبی مارکیٹ تک آ گئی ارادہ تھا آدھے گھنٹے تک مطلوبہ سامان لے کر آ بھی جائے گی کہ اگر پاپا کا انتظار کرتی تو باقی کاموں کی تیاری کا تو پھر وقت ہی نہ مل پاتا۔ آف وائٹ بڑی سی چادر میں اچھی طرح خود کو لپیٹے وہ اس احساس سے بے نیاز تھی کہ وائٹ کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پہ موجود شہیر ملک اسے دیکھ کر چونکا تھا...... سڑک کراس کرتی وہ جیسے ہی مارکیٹ کی سمت مڑی' وائٹ گاڑی نہایت سبک رفتاری سے چلتی اس کے بالکل قریب آن رکی۔ حوریہ اپنے دھیان میں نہیں تھی۔ توجہ دیئے بنا آگے بڑھ گئی معاً بیچ روڈ کے اچانک کلائی پر مردانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ جیسے کرنٹ کھا کر مڑی اور اسے روبرو پا کے ششدر رہ گئی تھی۔

"کہاں آوارہ گردی کرتی پھر رہی ہو۔" طنز سے بھرپور کاٹ دار لہجہ حوریہ کو سرتاپا جھلسا کے راکھ کر گیا تھا۔

"لیومی۔" اس کی تمام سرشاری شدید اشتعال میں ڈھلی تھی جو اسے روبرو پا کے اچانک اندر سرائیت کر گئی تھی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے کچھ نہ کچھ تعلق تو ہمارے درمیان ہے نا آؤ بیٹھو۔" یک دم لہجہ بدلتا ہوا وہ مسکرا کر بولا اور اس کی سنے بغیر ہی زبردستی گھسیٹ کر فرنٹ ڈور اوپن کرتے ہی اسے اندر دھکیل دیا۔

"چھوڑیں مجھے آپ کے ساتھ مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ قدرے سختی سے بولی...... مگر اس کا جواب اسے بھک سے اڑا کے رکھ گیا۔

"میرے ساتھ نہیں جانا تو کیا کوئی اور دیکھ لیا ہے۔" لہجہ تھا یا دو دھاری تلوار جو اسے پل بھر میں کاٹ گیا۔ اس کا گلا

لمحے کے ہزارویں حصے میں رندھ گیا۔ اس قدر تذلیل شاید یہ شخص اسے سوائے تضحیک آمیز سلوک کے کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سرعت سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے حرکت میں آئی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ گاہے بگاہے اس کے ہچکیوں سے لرزتے وجود پہ نظر ڈالتا وہ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کی شاندار عمارت کے سامنے گاڑی روکتا ہوا وہ اسی انداز میں اس کی کلائی تھام کر دروازہ کھولتا ہوا اچانک اس کی سمت پلٹا تھا۔

"بند کرو یہ رونا دھونا اغوا نہیں کر رہا تمہیں۔" ٹشو بکس سے ٹشو کھینچ کر اس کی سمت پھینکتا ہوا وہ اس سے کیا چاہ رہا تھا حوریہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی جبھی جبراً خود کو مضبوط بناتی ٹشو سے آنکھیں اور چہرا صاف کرنے لگی وہ جیسے مطمئن ہونے کے بعد ہی گاڑی سے نکلا اور اسے یونہی اپنے ساتھ لیے ریسیپشن پہ آ کر چابی لی...... تب حوریہ کو اندازہ ہو پایا کہ وہ وہیں ٹھہرا ہوا ہے اس کے ساتھ کمرے میں آنے تک وہ کسی حد تک خود کو سنبھال کر متوقع صورت حال کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ اب جانے کون سا مطالبہ منوانے کی غرض سے اس طرح لایا تھا۔ وہ قطعی نہیں سمجھی جبھی خاصے غصے میں بولی تھی۔

"کیوں لائے ہیں مجھے یہاں؟" کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد کوٹ اتارتے دیکھ کر وہ سراسیمہ سی ہو کر بولی۔

"بتا دیتے ہیں جان من اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" وہ آگے بڑھتا تھا اور اس کی حیرت وخوف سے پھیلی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے ہنس کر اسے بیڈ پہ دھکا دیتے ہوئے بولا۔ حوریہ کے حلق سے چیخ نکلی تھی جس کا گلا اگلے ہی لمحے اس کے بھاری ہاتھ نے بہت بے دردی سے گھونٹ ڈالا تھا۔

☆

وہ آفیشل کام کی غرض سے یہاں آیا تھا۔ یہ تیسرا اور آخری دن تھا جب اس نے حوریہ کو بازار میں دیکھا تو ایک شیطانی خیال بہت سرعت سے اس کے دماغ میں گھسا تھا جسے اگلے ہی لمحے اس نے عملی جامہ پہنا دیا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ سگریٹ پیتے ہوئے حظ لیتی نظروں سے بری طرح سے سسکتی ہوئی حوریہ کو دیکھ رہا تھا اس کے کھل کر بکھر جانے والے بالوں نے اس کے نازک سراپے کو کسی حد تک چھپا لیا تھا۔ رسٹ واچ پہ نگاہ ڈالتا ہوا وہ سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال کر بیڈ سے اترا۔ فریش ہونے کے بعد تیار ہوا اور اپنی چیزیں سمیٹ سمیٹ کر سوٹ کیس میں رکھتا اس پہ بھی بھولی بھٹکی نگاہ ڈال لیتا۔ پھر اسے ہنوز اسی حالت میں پا کر قریب آیا۔

"کتنی نفرت کرتا ہوں میں تم سے۔ شاید کبھی بتانا چاہوں تو مناسب الفاظ کبھی نہ مل پائیں۔ کہ وہ تمام لفظ میری نفرت کے سامنے بے حد معمولی ہیں سو اس بات کو رہنے دو۔ بس اتنا جان لو کہ یہ جو کچھ بھی میں نے تمہارے ساتھ کیا تمہاری طلب میں بے بس ہو کر نہیں بلکہ نفرت کے شدید جذبے سے مغلوب ہو کر اپنی اس نفرت کا دائرہ میں وسیع کر دینا چاہتا ہوں اس طرح کہ صرف میں ہی نہیں ساری دنیا تم سے نفرت کرے۔ تم پہ تھو کرے میرے پاپا، میری ماما جنہیں تم جیسی گھٹیا عورت نے مجھ سے چھین لیا اب میں تمہیں ان کی نگاہوں سے گرانا چاہتا ہوں۔ ذرا سوچو جب تم ایک بار پھر پریگنینٹ ہوگی تو انہیں کیا منہ دکھاؤ گی...... ظاہر ہے میں تو تم سے نہیں ملا وہ یہی سمجھتے ہیں نا۔" وہ اس کی خوف سے پھیلی ساکن آنکھوں میں جھانکتا ہوا سفاکی سے کہتے لمحہ بھر کو تھما۔ "بہت محبت کرتے ہیں نا وہ تم سے اب دیکھنا یہ محبت کیسے پانی کے بلبلے کی مانند اپنا وجود کھوتی ہے اور یہی میرا مقصد ہے تا کہ تم ذلیل وخوار ہو کر اس گھر سے دفعان ہو تو میں ٹینا کے ساتھ وہاں آ کے رہ سکوں جب تک تمہارا منحوس وجود ہے میری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔" کس درجہ رحم سے عاری محسوس ہوا تھا وہ حوریہ کو اس لمحے...... ابھی وہ اسی شاک سے سنبھلی نہ تھی کہ وہ اس کا چھلنی وجود مزید تار تار کرنے لگا۔ دونوں بازو اس کے دائیں بائیں رکھ کے اس پہ جھکا اور اس کی پیشانی سے تھوڑی تک لکیر کھینچتے ہوئے سفاکی سے ہنسا تھا۔

"تم کیا جانو کہ میں کیا سمجھتا ہوں تمہیں' تم بتاؤ تمہیں اپنا آپ میری قربتوں میں کیسا لگا کیا تم نے میرے کسی بھی انداز سے محسوس کیا کہ تم میری بیوی ہو......نہیں نا......" وہ اس کی ساکت پلکوں کو چھو کر مسکرایا۔ "گڈ سمجھنا بھی نہیں کیونکہ میں بھی تمہیں بیوی نہیں اپنی داشتہ سمجھتا ہوں۔" حوریہ نے شدید کرب میں گھرتے ہوئے سختی سے آنکھیں بند کرلیں تو دو آنسو ڈھلک کر گالوں پہ پھیل گئے تھے۔ وہ سیدھا ہوا بریف کیس اٹھایا اور ہینڈل پکڑ کر مڑا کہ کچھ خیال آنے پہ بے ساختہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

"ہاں ایک بات اور بہت خاص ہے شاید تمہارے اس رنج وملال کو کم کردے۔" وہ اسے گھٹ گھٹ کر روتے دیکھ کر قریب آکر بولا۔ "تم اتنی بھی عام سی نہیں ہو جتنا میں آج تک سمجھتا رہا بلکہ اچھی خاصی خوب صورت ہو اور تمہاری اس خوب صورتی کا احساس آج سے قبل قطعی نہیں ہوسکا تھا۔" اس کا نخ ہوتا رخسار تھپتھپا کر متبسم لہجے میں کہتا وہ پلٹ کر کمرے سے نکل گیا جبکہ حوریہ سناٹوں میں گھری وہیں بیٹھی رہ گئی تھی چند منٹ کے توقف سے دروازے پر دستک ہوئی تو اس کے ساکن وجود میں تحریک پیدا ہوئی تھی۔

"سوری میم آپ کو یہ روم خالی کرنا پڑے گا صاحب جاچکے ہیں اور ادائیگی بھی ہوگئی ہے اس لیے پلیز آپ بھی یہاں سے تشریف لے جائیے۔" ویٹر اندر آکر مشینی انداز میں بولنا شروع ہوا تھا لہجہ مہذبانہ سہی مگر حوریہ اس کی نگاہوں سے پانی پانی ہوگئی تھی کیسے دیکھا تھا اس نے اسے وہ ان نظروں کے مفہوم کو خود پہ واضح نہ کرتے ہوئے بھی جیسے خود سے نگاہ ملاتے شرم سے کٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی سرعت سے دھند اتری تھی کہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی تب بھی رو پڑی تھی۔ شاید اس تذلیل پہ نہیں اس محبت پہ جو اس نے شہیر ملک سے کی تھی مگر اس ایک لمحے میں وہ ہمیشہ کے لیے اپنی موت مرگئی تھی۔

❀......☆......❀

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان مرد جب شادی کے لیے عورت منتخب کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ تین خوبیوں کو مدنظر رکھے اس عورت کا حسن' اس کی دولت اور اس کی دین داری اور ان سب میں سب سے اہم جو خوبی ہے وہ دین داری ہے' حوریہ کے پاس نہ بے تحاشہ حسن تھا نہ بہت زیادہ دولت البتہ اس کے پاس پارسائی تھی' دین داری تھی' اپنی فیملی اور ملنے ملانے والوں کے رویوں نے جب قدم قدم پہ اسے اذیت بخشی تھی تو اپنی ذات میں تنہا ہوتے ہوتے اس نے کب اللہ کو پہچانا کب اسے پایا اسے خود بھی خبر نہ ہوسکی' البتہ یہ ضرور ہوا کہ پھر اس نے خود کو دین کے راستوں کی راہی بنالیا' اللہ کی یاد میں دلوں کا سکون پوشیدہ ہے اس کے بھی مضطرب بے قرار دل کو جیسے قرار مل گیا تھا جبھی تو شہیر کے سخت سے سخت رویے کو بھی خندہ پیشانی سے سہہ کر حرف شکایت لبوں پہ نہ لائی حالانکہ اس کا تضحیک آمیز رویہ اس کی روح پہ تازیانے لگتا تھا وہ بلبلاتی رہی تھی محبت کے بغیر رہ سکتی تھی مگر مسرت کے بغیر نہیں اور اب جیسے انتہا کردی تھی...... شہیر ملک نے اس کی تذلیل کی اس نے آخری بار رو کر جیسے اس کی محبت کو اندر ہی اندر کہیں ہمیشہ کے لیے دفنا دیا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی وہ گھر کیسے پہنچی اس کی طبیعت اگلے کئی دنوں تک نہیں سنبھلی۔ ماما کے الگ ہاتھ پاؤں پھولے رہے۔ دن رات اس کی پٹی سے لگی رہتیں اس پہ دونوں بچوں کی ذمہ داریاں الگ' وہ تو ایک ہفتے میں ہی چکرا کر رہ گئی تھیں۔ حوریہ کی طبیعت تو سنبھل گئی البتہ دل نہیں ٹھہرا جو خوف کا عفریت وہ وہاں سے لے کر آئی تھی اس نے سجدے دراز کردیئے ایک ہی دعا خدا سے کرتی کہ اللہ اسے مزید کسی بھی آزمائش سے بچالے اور وہ تو اپنے بندوں سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اس کے کبھی اس خوف کو زائل کردیا اس کے بعد تو وہ اس قدر خوف زدہ ہوئی تھی کہ ہمیشہ کے لیے تنہا گھر سے نکلنے سے توبہ کرلی۔ وقت کتنا ہی کڑا کیوں نہ ہو بیت ہی جاتا ہے جس روز پاپا نے عبداللہ اور عبدالرحمن کا اسکول میں ایڈمیشن کروایا جانے کیوں بہت سے زیاں کا احساس اس کا دل بھینچنے لگا تھا زندگی کے قیمتی ماہ سال کسی کی بے حسی اور سفاکی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ پاپا نے اسے الگ گاڑی

لے دی تاکہ وہ بچوں کو وقت بے وقت پک اینڈ ڈراپ کر سکے۔ وہ تو تیزی سے گرتی صحت کے ساتھ بامشکل آفس کی ذمہ داریاں سنبھال پاتے تھے اس نے بھی پس وپیش سے کام نہیں لیا کہ ایک بے بنیاد خوف کے پیچھے وہ کب تک یوں بزدلوں کی طرح چھپ چھپ کر جیتی جبکہ اب وہ پہلے والی حوریہ بھی نہیں رہی تھی۔ اللہ نے اسے بلند عزم حوصلہ اور ہمت عطا کی تھی۔ پھر وہ کیوں خود کو محدود کرتی بس یہی سوچ کر اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں تھیں۔

☆

عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی چھٹی سال گرہ تھی اور دونوں کی رٹ تھی کہ اس مرتبہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ارینجمنٹ ہونی چاہیے گو کہ حوریہ نے سمجھایا بھی تھا بیٹا دادا اور دادو کے ساتھ کیک کاٹ لیں گے جیسے ہمیشہ کاٹتے ہیں تو عبداللہ جس کی طبیعت میں ضد اور نخرہ چھلکتا تھا اس بات پہ بری طرح اینٹھ گیا۔

"میرے تو سارے فرینڈز اپنے پاپا کے ساتھ جا کر ریسٹورینٹ میں برتھ ڈے سیلبریٹ کرتے ہیں۔ آپ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ وائے۔" وہ پاؤں پٹخ کر چیختا تھا پھر اس پہ گرفت کرتا ہوا بولا۔ "ایک تو پپا بھی کبھی نہیں آتے...... ہماری برتھ ڈے پر بھی نہیں آتے نہ ہی آپ ہماری کبھی ان سے فون پہ بات کرواتی ہیں۔ ہمیشہ ہمارے سونے کے بعد ہی ان کا فون کیوں آتا ہے اور وہی کیوں کرتے ہیں آپ کیوں نہیں کرتیں آپ کے پاس ان کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے کیا آپ نے تو کبھی انہیں واپس آنے پہ بھی فورس نہیں کیا...... کیوں؟" وہ کتنا سمجھدار اور ہوشیار بچہ تھا اس کا اندازہ حوریہ کو تھا مگر آج جس طرح اس نے اسے گھیرا تھا اس نے حوریہ کا رنگ فق کر ڈالا تھا۔ اگر ماما عبداللہ کو نہ بہلا لیتی تو شاید وہ اپنی باتوں سے اسے عاجز کر دیتا۔ اس نے بچوں کے ساتھ سالگرہ ہوٹل میں سیلبریٹ کرنے کا ارادہ کیا اور پاپا کو آگاہ کر دیا انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ماما شریک نہیں ہوئیں گھر پہ ہی دونوں بچوں کو گفٹ اور دعائیں دے دیں۔ وہ پاپا کے ساتھ جب رات کے دس بجے گھر لوٹی تو پورٹیکو میں کھڑی سیاہ نسان کو پاپا کے ساتھ اس نے بھی قدرے حیرانگی سے دیکھا...... شاید کوئی مہمان آیا ہے۔ پاپا نے از خود ہی اپنی الجھن رفع کر لی۔ اچھلتے کودتے عبداللہ کی انگلی تھامے پاپا اور سوئے ہوئے عبدالرحمٰن کو اس نے بمشکل اٹھا رکھا تھا جیسے ہی پاپا کے ہمراہ اس نے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا اپنی جگہ ٹھٹکی بھونچکی سی رہ گئی۔ ماما صوفے پہ بیٹھی تھیں اور ماما کی گود میں سر رکھے وہ شہیر ملک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا...... اس کی ساکت پلکوں سے پاپا کی نگاہ ٹکرائی تھی تب وہ جیسے ہوش کی دنیا میں ہڑبڑا کر لوٹ آیا بازوؤں کے گھیرے میں عبدالرحمٰن کو بھینچتی الٹے قدموں بھاگتی اپنے کمرے میں آئی اور بے دم سے انداز میں بیڈ پہ ڈھے گئی۔

☆

وہ اکیلا نہیں آیا تھا اس کی تین سالہ بیٹی امن اس کے ساتھ تھی جسے طلاق کے بعد ٹینا نے اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہیں کیا تھا...... یہ تمام باتیں ماما کے توسط سے اس تک پہنچی تھیں۔ شہیر مزاج میں یکسر تبدیلی کے ساتھ ویسا ہی جاذب نظر تھا کچھ دن تک تو حوریہ سے نظریں چراتا رہا تھا شرمندگی و خجالت اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ دھیرے دھیرے وہ جیسے سیٹ ہوا پاپا کی چند روزہ ناراضگی بھی بالآخر ختم ہو گئی جبکہ ماما نے تو کھلے بازوؤں سمیت اسے خوش آمدید کہا تھا حوریہ کو ماما اور پاپا سے شکایت نہیں تھی وہ ان کا بیٹا تھا اتنے سالوں سے دور تھا اب آیا تھا تو ان کے لیے اس کی محبت اور اہمیت کا اسے احساس تھا۔ امن کے ساتھ شہیر نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو بھی اپنی شفقتوں اور محبتوں میں حصہ دار بنا لیا تھا۔ یہی نہیں آفس بھی جانا شروع کر دیا جہاں پاپا نے سکون کا سانس لیا وہاں ماما بھی مطمئن نظر آنے لگیں۔

"اگر تم برا نہ مناؤ حوریہ تو امن کو بھی عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی طرح اپنے ساتھ سلا لیا کرو۔ وہ بہت چھوٹی ہے ماں کی محرومی اس کا نصیب نہ بناؤ۔" گو کہ انہوں نے بہت ڈرتے ڈرتے یہ بات کی تھی مگر حوریہ نے بہت محبت بھرے انداز میں ان کا مان بڑھا دیا تھا۔

"یہ میری بیٹی ہے ماما آپ بے فکر ہو جائیں۔ امن میرے لیے کسی طرح بھی عبداللہ اور عبدالرحمٰن سے کم نہیں۔ خدا نے مجھے دو بیٹوں سے نوازا تھا اب بیٹی کی کمی بھی پوری کر دی۔" ان کی گود میں بیٹھی امن کو اپنے بازوؤں میں لے کر پیار کرتے ہوئے اس نے اتنی محبت اتنی اپنائیت سے کہا کہ ماما کھل اٹھیں۔ اس نے اپنا کہا سچ بھی کر دکھایا تھا۔ واقعی اس نے تینوں بچوں میں کوئی تفریق نہیں رکھی۔

اگلے چند دنوں میں امن کا ایڈمیشن بھی عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے اسکول میں کروا دیا وہ جو کچھ بھی کر رہی تھی پیش نظر اللہ کی خوشنودی اور ماما پاپا کی محبتوں، شفقتوں کا حقیر سا بدل تھا...... بس ان دو عظیم انسانوں نے جو کچھ اس کے لیے کیا تھا وہ سمجھتی تھی اس کے جواب میں اس کی یہ قربانی کچھ بھی نہیں تھی۔ بچوں کو اب بھی اسکول وہی لینے جاتی، البتہ ڈراپ آفس جاتے ہوئے شہیر کر دیا کرتا۔ پہلے دن جب بچے اس کے ساتھ اسکول گئے وہ معمول کے مطابق عجلت بھرے انداز میں تمام کام نپٹاتی چادر اوڑھ کر پورٹیکو میں آئی تو شہیر تینوں بچوں کو پیچھے بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ رہا تھا وہ اپنی جگہ پہ تھم کر رہ گئی تھی۔

"مما...... اب ہم پپا کے ساتھ اسکول جایا کریں گے۔" عبداللہ نے خوب چہک کر اسے اطلاع بہم پہنچائی۔ تب وہ گہرا سانس کھینچ کر وہیں سے پلٹ گئی۔

"حوریہ......" تبھی شہیر کی اس بھاری بھرکم پکار پہ وہ جیسے خود کو زمین میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگی تھی۔ قدم بے اختیار ہی تھم گئے تھے۔ "یہاں آؤ...... مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" جب سے وہ آیا تھا براہ راست یہ پہلا موقعہ تھا جو اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔ حوریہ نے بغور اسے دیکھا اور لب بھینچتی ہوئی تیز قدم اٹھاتی اندرونی حصے کی جانب چلی گئی جبکہ شہیر ملک کے وجیہہ چہرے پہ عجیب بے بسی کا تاثر جھلکا تھا۔

☆

"مما...... آج بریک میں بچوں نے امن کو دھکا دے کر گرا دیا تھا۔ دیکھیں ذرا اس کے گھٹنے پہ چوٹ لگی ہے۔" عبداللہ نے نہ اسے رونے سے چپ کروایا نہ ہی اٹھنے میں مدد دی۔" عبدالرحمٰن کو ہوم ورک کے دوران اچانک یاد آیا تو پینسل کا سرا منہ میں دبا کر اسے بتایا۔

"تو بیٹا...... آپ خود اٹھا لیتے بہن کو۔" حوریہ امن کو گود میں بٹھا کر گھٹنے چیک کرتے ہوئے کہا واقعی امن کا گھٹنہ چھل گیا تھا اس نے عبدالرحمٰن کو دراز سے مرہم نکال کر لانے کا کہا اور خود عبداللہ کی سمت متوجہ ہوئی۔ "عبداللہ بیٹا...... یہ مما کیا سن رہی ہیں آپ نے، بہن کی ہیلپ کیوں نہیں کی ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے آپ کو پتہ ہے نا اسے آپ کی ہیلپ اور کیئر کی ضرورت ہے۔" اس کا رسانیت سے بھرپور لہجہ ازحد نرمی کے ساتھ سرزنش لیے ہوئے تھا۔

"مگر وہ میری بہن نہیں ہے۔" عبداللہ پہ الٹا اثر ہوا تھا۔ ہاتھ سے ریڈر بک پھینکتے ہوئے وہ تڑخ کر بدتمیزی سے چیخا۔ حوریہ قدرے گھبرا کر حیران و پریشان ہو کر اس چھوٹے سے بچے کا یہ غم و غصہ ملاحظہ کرنے لگی معاً اس نے خود کو سنبھالا اور بہت نرمی سے بولی۔

"واٹ یو مین مائی سن، امن آپ کی بہن نہیں ہے یہ آپ سے کس نے کہا؟"

"یہ میری ریئل سسٹر تو نہیں ہے...... اسٹیپ سسٹر بھی تو اسٹیپ مدر کی طرح بالکل اچھی نہیں ہوتی۔" حوریہ کا وجود جیسے دھماکے سے اڑ گیا تھا امن کو گود سے اتار کر اس نے اکھڑے اکھڑے سے عبداللہ کو خود سے قریب کیا۔

"بری بات ہے بیٹا...... بہن تو بس بہن ہوتی ہے ریئل یا اسٹیپ کے متعلق آپ نے بالکل نہیں سوچنا نہ بات کرنا ہے اگر مما نے آئندہ آپ کے منہ سے ایسی بات سنی تو خفا ہو جائیں گی اور کبھی آپ سے بات نہیں کریں گی اور ہاں امن آپ کی چھوٹی بہن ہے اور بڑے بھائی ہرگز کیئر لیس نہیں ہوتے آپ کو تو اس کا محافظ بننا ہے رائٹ۔" وہ مسکرا کر اس سے پرامس لے رہی تھی جبکہ کمرے کی چوکھٹ پہ کھڑے شہیر ملک کے چہرے پہ آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆

ماما نے شہیر کی پریشانی اور اضطراب کو دیکھتے ہوئے ہی حوریہ کو پاس بٹھا کر خاصا طویل لیکچر دیا تھا جس میں خطا کار کو معاف کردینے کی عظمت پر خصوصی روشنی ڈالی گئی تھی۔ حوریہ ان کا مقصد سمجھ کر بھی بظاہر انجان بنی خاموش بیٹھی رہی۔

''شہیر نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ہے تمہاری زندگی کا اجاڑپن بھی میرے سامنے ہے میں چاہتی ہوں اب تم دونوں انا کی اس دیوار کو گرا کر پھر سے ایک ہوجاؤ۔'' حوریہ نے دل پہ پتھر رکھ کر یہاں بھی ان کی بات مان لی تھی۔ یوں شہیر جو اتنے دنوں سے دوسرے بیڈ روم میں تھا اس کے ساتھ اسی کمرے میں آ گیا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے حوریہ...... پلیز دو گھڑی آرام سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔'' وہ جو کب سے اس کی توجہ کا طالب بنا بیٹھا تھا...... ایک گھنٹے سے زیادہ انتظار نہ کرسکا کہ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ بچوں کے یونیفارم استری کرنے' جوتے پالش کرنے ان کے بیگ تیار کرنے میں کچھ اس حد تک مصروف تھی کہ ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسے نہ دیکھا۔ اب جب اس نے پکارا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی سمت متوجہ ہوگئی۔

''جی کہیں......'' لہجہ و انداز یوں پُرسکون تھے کہ شہیر کو گمان گزرا جیسے درمیان کے عرصے میں ان کے مابین کوئی خفگی کوئی رنجش تھی ہی نہیں۔

''تم مجھ سے بات نہیں کرتیں میرے پاس نہیں بیٹھتیں۔'' وہ شاکی سا ہوا تو حوریہ نے صرف ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا۔ شہیر خجالت کے شدید احساس سمیت اس ایک خاموش نگاہ کی کاٹ کو محسوس کرتا رہا تھا پھر جیسے حوصلوں کو مجتمع کر کے بولا۔

''مجھے اعتراف ہے حوریہ کہ میں بہت زیادتی کرچکا ہوں تمہارے ساتھ۔ غلطی پہ تھا میں لیکن اگر تم مجھے معاف کرچکی ہو تو اپنے رویے کی مار تو مت مارو۔'' وہ سراپا عاجز ہوکر کہہ رہا تھا۔ حوریہ رخ پھیر کر الماری میں رکھے کپڑوں کو ازسرنو ترتیب سے رکھنے لگی۔ اس کے اندر شہیر کی باتوں سے گویا آنسوؤں کی برسات ہونے لگی تھی اسے وہ ایک ایک زیادتی یاد آنے لگی تھی جبکہ وہ اس کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

''بہت تھک گیا ہوں حوریہ تمہارے ساتھ جو کچھ کیا وہ شرمندگی وہ احساس ندامت مجھے دن رات کچوکے لگاتا ہے پلیز مجھے معاف کردو اس احساس سے نکال لو اپنے وجود کی مہربان چھاؤں سے میرے اندر کی دھوپ مٹا ڈالو۔'' اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر سر شانے پہ رکھتا ہوا وہ یکسر بدلے ہوئے روپ میں سامنے تھا۔ حوریہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی' کوئی احتجاج نہیں کیا۔

''تم...... تم نے مجھے معاف کردیا نا حوریہ میں...... میں تمہیں اب یوں نہیں چھونا چاہتا کہ تمہیں احساس ہو میں تمہیں تم سے چھین رہا ہوں تمہاری مکمل رضامندی اور سپردگی چاہتا ہوں۔'' وہ اس پہ جھکا اس کے جواب کا منتظر تھا۔ وہ زخمی سے انداز میں مسکرادی۔

''میں آپ کو آپ کی کسی بھی جسارت سے روکوں گی بھی نہیں شہیر ملک اس کے باوجود بھی کہ آپ کی قربت میں مجھے خود پہ بہت جبر کرنا پڑے گا' اس کے باوجود بھی کہ مجھے اپنا آپ کسی کال گرل اور آپ کی داشتہ سے زیادہ ہلکا لگے گا۔'' سارے آنسو اندر اتار کر اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تو شہیر اسے چھوڑ کر یوں پیچھے ہٹا جیسے کرنٹ لگا ہو اس کے وجیہہ چہرے پہ اذیت رقم ہوچکی تھی۔

''حوریہ......!'' اس کے لب کانپے تھے۔ ''یہ سزا مت دو مجھے حوریہ......'' وہ منت کے انداز میں عاجزی پہ اترا آیا تو حوریہ زہرخند سے ہنس دی۔

''سزا کیسی سزا یہ سزا تو میں خود کو دے رہی ہوں شہیر ملک' آپ کو کیا فرق پڑے گا' آپ کا تو مجھ سے ہمیشہ سے یہی رشتہ رہا ہے نا...... اذیت تو میں نے سہی ہے ایک شریف عورت کسی کی داشتہ بننے سے قبل مرجانا پسند کرتی ہے' آپ تو ہمیشہ سے خود مختار رہے ہیں تھے' کسی نے روکا ہے آپ کو۔''

''ہم...... میں تمہاری رضا......''

"ہاں رضا......" وہ زہر خند سے بولی تو شہیر لب بھینچتا ہوا سرعت سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔

☆......☆......☆
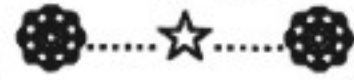
میں اس کی دسترس میں ہوں لیکن
وہ مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

جب ماما نے مجھ سے شہیر کو معاف کر دینے کا کہا تو میں ہمیشہ کی طرح ان کی بات رد نہ کر سکی ان کی بات مان لینے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ چھ سال گزر جانے کے بعد بھی میں انہیں آج تک یہ نہ بتا پائی کہ ان کے بیٹے نے میرے ساتھ کیسا انسان سوز سلوک کیا' میرے وجود پہ جو زخم ان کی وحشتوں کے گواہ بن کر اترے تھے انہیں وقت نے بھر تو دیا مگر روح کے زخم کینسر میں ڈھل گئے تھے۔ میں سب کچھ بھول سکتی ہوں' مگر وہ پل نہیں جب ہوٹل کے کمرے میں انہوں نے مجھے ہمیشہ کے لیے میری ہی نگاہوں سے گرا دیا تھا...... گو کہ ان کا رویہ مجھے کبھی بھی ان کی بیوی سمجھنے نہیں دیتا تھا مگر وہ سب میں چاہوں بھی تو بھلا نہیں پاؤں گی اس روز مجھے سچ مچ اپنا آپ کسی داشتہ کی طرح ہی کمتر محسوس ہوا تھا...... ویٹر کی نظروں میں اپنے لیے جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ آج بھی میری روح پہ تازیانے لگتا ہے...... کتنے ہی صفحات آگے خالی پڑے تھے۔ شہیر نے بے تابی سے صفحے پلٹتے وارڈ روب سے اپنی شرٹ ڈھونڈتے یہ بلیک مخملیں جلد کی ڈائری اس کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ معاً اس کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی اور نظریں بے تابی سے سطروں پہ پھسلیں۔

مجھے مصروف رہنے دو
تمہاری یاد کی کرنوں کو اب رستہ نہیں ملتا کہ میری جان کھا جائیں
بہت مصروف رہتی ہوں تمہاری یاد کی کرنوں سے کتنی دور رہتی ہوں
تب اور اب کی اس لڑکی میں چند صدیوں کی دوری ہے
بہت مصروف رہتی ہوں مجھے یہ فکر لاحق ہے
ابھی کھانا پکانا ہے ابھی میٹھا بنانا ہے
ابھی تو پیاز کٹنے ہیں ابھی سیلڈ بنانا ہے
ابھی سب آنے والے ہیں ابھی ٹیبل سجانا ہے
ابھی بچوں کے کپڑوں کو بھی دھونا ہے
ابھی بچوں کو کل کے واسطے لکھنا لکھانا ہے
ابھی سب آنے والے ہیں ابھی کھانا پکانا ہے
ابھی پھر شام ہوتی ہے ابھی چائے پکانی ہے
ابھی مہمان آنے ہیں
ابھی مجھ کو تمہاری یاد کی فرصت نہیں ملتی
مگر سوچو یہ اچھا ہے میرے حق میں تیرے حق میں
کہ میری یاد کی دنیا کو اب ویران رہنا ہے
مجھے تم سے یہ کہنا ہے
مجھے مصروف رہنے دو
مجھے مصروف رہنے دو

تحریر شہیر ملک کی نگاہوں میں دھندلا گئی۔ نم پلکوں کو جھپکتے ہوئے اس نے مزید پڑھنے کی کوشش نہیں کی اور ڈائری بند کر کے وہیں رکھ دی جہاں سے اٹھائی تھی۔ اسے یاد تھا جب وہ شادی کے بعد اسلام آباد جا رہا تھا تو حوریہ سسکتی ہوئی اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔

"مت جائیں شہیر مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جائیں میں جیتے جی مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے آپ سے محبت ہے آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔" مگر تب وہ بے حس بنا کھڑا رہا تھا اسے نہایت اہانت آمیز انداز میں جھٹک کر چلا گیا تھا اور آج وہ بے حس بن چکی تھی۔ وقت کا الٹا چکر شروع ہو چکا تھا اس نے اس کی بچی کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ اسے معاف نہیں کر سکی تھی اسے یاد تھا اس نے ہی اسے یہ اختیار سونپا تھا وہ اب اپنا فیصلہ کر لے اور فیصلہ ہو چکا تھا ایک عہد اس نے بھی کیا تھا اس پہ جبر نہ کرنے کا اس کے اعمال کی یہ سزا معمولی تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

حیاء بخاری

صبح سے دوپہر ہوگئی اور وہ ابھی تک منہ سر لپیٹے بیڈ پر تھی۔ عام دن ہوتا تو اماں اسے کبھی اتنی دیر تک نہ سونے دیتیں ویسے تو وہ خود بھی سویرے اٹھنے کی عادی تھی لیکن کبھی کبھار یونہی کہانیاں پڑھتے' فون پر اپنے دوستوں سے گپ شپ لگاتے رات دیر ہو جاتی تو صبح سویرے اٹھنا دشوار ہو جاتا لیکن اماں کے سامنے اس کی ایک نہ چلتی۔ وہ اسے اٹھا کر ہی چھوڑتی بقول ان کے دیر تک سونا نحوست کو گھر میں جگہ دینے کے برابر ہوتا ہے اور تب وہ بھی آرام سے اٹھ جاتی۔

لیکن آج ایک عام دن نہ تھا' سحر کے لیے یوم حشر کے بعد کا دن تھا۔ کل وہ ایک بار پھر لٹی تھی' صرف ایک چھوٹا سا لفظ اس کی ساری خوشیاں پل بھر میں اڑا لے گیا تھا' وہ رد کی گئی تھی اور وہ بھی قبول ہونے کے بعد...... اور یہ پہلی چوٹ نہ تھی ورنہ وہ شاید سہہ بھی جاتی یہ اس کے ساتھ تیسری مرتبہ ہوا تھا۔ پہلے صرف خاندانی تقریبات' میل جول میں وہ اکثر یہ ایک لفظ اپنے لیے سنتی تھی۔ پہلے پہل سن کر اداس ہو جاتی' آہستہ آہستہ اس نے اس کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا اس چیز کا اس کی ذات سے کوئی لینا دینا نہیں تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ زندگی کے سب سے اہم موڑ پر آ کر وہ خود اس چیز کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائے گی جو اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی ذات سے جڑ کر رہ گئی تھی۔

دسمبر کی ایک بھیگتی سرد شام تھی' جب اس نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ اس رات اس کے بابا دوسرے شہر میں تھے سات سال بعد صاحب اولاد ہونے کی خبر سنتے ہی وہ رات کو ہی سفر پر نکل پڑے۔ سر شام ہی ہر منظر کو لپیٹ میں لینے والی دھند اس قدر تھی کہ ایک فٹ کے فاصلے سے بھی کچھ نظر آنا ناممکن ہو رہا تھا اور صرف آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مزید سفر بے حد مشکل تھا تبھی وہ کسی پناہ گاہ کی تلاش میں گاڑی چلاتے رہے۔ سڑک کا اندازہ لگانا مشکل ہونے لگا اور اچانک ہی انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ سڑک سے گاڑی نیچے لے آئے تھے' انہوں نے بریک لگانے کی کوشش کی لیکن گاڑی نیچے سرکتی گئی' کار اب ان کے قابو سے نکل چکی تھی۔ وہ مسلسل اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے تبھی کار کو ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔ صفدر کا سر زور سے اسٹیئرنگ سے ٹکرایا' ان کے منہ سے کراہ سی نکلی تھی' گاڑی الٹی اور ان کی گردن میں شدید درد کی لہر جاگی تھی اور ہر سو اندھیرا چھا گیا تھا' گاڑی نیچے لڑھکتی چلی گئی تھی۔

خبر بھی نہ ہوئی اور خوشی غم میں بدل گئی' جیتے جاگتے' ہنستے مسکراتے رخصت ہونے والے صفدر سفید لباس میں لپٹے جب گھر لائے گئے تو کہرام بپا ہو گیا اور آنے والے ہر فرد نے جوان شخص کی موت کے افسوس سے زیادہ نڈھال سی ناہید کی گود میں سکون سے آنکھیں موندے سحر پر طعنوں کی بوچھاڑ جاری رکھی۔ غم سے نڈھال ناہید حیران آنکھوں سے آنے والے ہر فرد کو اپنی معصوم سی بیٹی کے لیے زہر اگلتا دیکھتیں اور زیادہ مضبوطی سے اسے خود سے قریب کر لیتی۔

"بے اولاد اچھا تھا میرا بھائی...... یہ منحوس آتے ہی نگل گئی میرے بھائی کو۔" چھوٹی نند نے سینے پر دوہتڑ مار کے اس سے پھول چھیننا چاہا تھا یوں جیسے ابھی اپنے ہاتھوں سے اسے چیر پھاڑ دے گی۔ ناہید نے دھکا دے کر اسے خود سے دور کیا۔

"کیا کر رہی ہو راعنہ...... یہ اللہ کے کام ہیں' اس معصوم

کا کیا قصور۔'' ناہید نے ایک نظر سحر کے خوب صورت گلابی چہرے پر ڈالتے ہوئے رابعہ کو سمجھایا۔

''رابعہ سچ کہہ رہی ہے ناہید۔'' پڑوسن زبیدہ آپا نے بھی رابعہ کی تائید کی وہ تو صدمے سے گنگ ہی رہ گئی۔

''تیری بچی منحوس ہے آتے ہی باپ کو نگل گئی' دیکھ لینا تیری جوانی تیرا بخت بھی نگل لے گی۔'' اور وہ بھلے کتنی ہی تردید کرتی رہی' سب کو بار بار باور کراتی رہی کہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ معصوم سی سحر کا اس میں کوئی قصور نہیں لیکن لفظ ''منحوس'' اس کی گڑیا کی ذات سے جڑ کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرنے لگی لیکن یہ تکلیف نئے سرے سے تب شروع ہوئی جب سحر بھی اپنے بارے میں لوگوں کی آراء کا مطلب سمجھنے لگی۔ اس کی مسکراتی آنکھوں میں لہر اس کا رنگ گہرا ہونے لگا' کبھی کبھار وہ لوگوں کے رویے سے تنگ آ کر تنہائی کا شکار ہونے لگتی۔ بلاوجہ ہی رونا شروع ہو جاتی اور اس کے آنسو ناہید کا دل چھلنی کر دیتے لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی مضبوط ہونے لگی۔ ناہید کی محنت اور نصیحت سے وہ جلد ہی سنبھل گئی۔ ناہید اب اسے کم ہی کہیں لوگوں میں لے کر جاتی' اکیلے ہی اس کا اعتماد بڑھانے کی کوشش کرتی اور اس کی ساری توجہ پڑھائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی نتیجہ یہ نکلا کہ سحر نے بہت اچھے نمبروں سے ایم ایس سی کا امتحان پاس کر لیا۔ ناہید نے اس کے لیے اچھے رشتے دیکھنے شروع کر دیئے تھے اور جلد ہی اللہ نے سبب بھی بنا دیا' لڑکا برسر روزگار تھا۔

اس کے والد احمد صفدر کے ایک دور کے رشتہ دار تھے' شہر کی ایک بڑی مارکیٹ میں ان کی اپنی چار دکانیں تھیں۔ زمین دار بھی تھے' اچھا خاصا امیر کبیر خاندان تھا سو ناہید نے حامی بھرنے میں دیر نہ لگائی تھی۔ خود سحر بھی اس رشتے سے خوش تھی' لڑکا اس کا کلاس فیلو رہا تھا' وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی دیکھ چکی تھی اور اس لڑکے نے اس سے بات کرنے کی بجائے اس کی ماں سے براہ راست رابطہ کیا تھا یہ بات سحر کو بے حد اچھی لگی تھی۔ وہ بے حد مسرور تھی' جب ایک صبح اس لڑکے کی امی آئیں اور قیامت ڈھا گئیں۔

خاندان میں کسی نے انہیں سحر کی ''پیدائشی صفت (نحوست)'' کے متعلق بتا دیا تھا۔ لڑکا بھلے ہی جدید دور کا تھا لیکن اس کی ماں ان توہمات پر مکمل یقین رکھتی تھیں' سو لڑکے کی ایک نہ سنی گئی اور رشتہ توڑ دیا گیا تھا۔ سحر جیسے ٹوٹ کے بکھری تھی' سعد نے اس بار خود اس کی امی سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے سحر سے بھی بات کرنا چاہی تھی لیکن اس نے قطعی طور پر منع کر دیا تھا۔ اسے اپنی ذات سے جڑے لفظ ''منحوس'' سے نفرت تھی اور جو لوگ اس کی ذات سے یہ لفظ جوڑتے ان سے شدید ترین نفرت...... وہ سعد کو معاف کر بھی دیتی تو اس کے گھر والوں کو وہ قطعی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے اس باب کو شروع ہونے سے پہلے ہی بند کر دیا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ سنبھلنے لگی' اس نے جلد ہی ایک اچھی کمپنی میں جاب کر لی تھی۔ سعد بھی اسی کمپنی میں جاب کرتا تھا' سعد نے ایک دو مرتبہ اس کی طرف پیش قدمی کی لیکن اس کے سرد رویے نے سعد کو دور رہنے پر مجبور کر دیا۔

چند ہفتوں بعد ہی اس کے لیے خاندان سے ہی ایک اچھا رشتہ آیا تھا' اماں نے اس دفعہ اس کی رائے لینا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے فیصلہ کا اختیار اماں کو دے دیا تھا' اماں نے اس بار سادگی سے اس کی بات طے کردی تھی۔ یہ منگنی ایک ماہ تک رہی سحر کچھ پُرامید ہونے لگی تھی' لڑکے والے شادی کی جلد تاریخ مانگنے لگے تھے۔ اماں نے بلاتردد دو ماہ بعد کی تاریخ دے دی اور ٹھیک اسی دن لڑکے کے گھر کے ایک کمرے کی چھت گر گئی۔ کچھ بدخواہوں نے جا کر صاف صاف کہہ ڈالا کہ سب سحر کے نصیب کی وجہ سے ہوا ہے' ابھی تو شادی طے ہوئی تھی' شادی ہونے کے بعد مزید بھگت سکتے تھے اور لڑکے والے فوراً رشتہ توڑ گئے۔

اور اب تیسری مرتبہ...... بات اس مرتبہ بھی نہ بن سکی تھی' اسے بھی اب یقین ہونے لگا تھا وہ منحوس تھی۔ وہ جو کل سرشام ہی سونے لیٹ گئی تھی' اس کا درد اماں سے مخفی کہاں تھا۔ وہ چادر میں چھپ کر اور اماں ساری رات جاء نماز پر بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھیں۔ اماں کے آنسو اسے مزید شرمندہ کرتے رہے صرف وہی تو تھی جو بچپن سے ان کے لیے دکھوں کا باعث تھی۔

''سحر......'' نہ جانے کب تک وہ یونہی لیٹے الٹا سیدھا سوچتی رہتی جب اماں اسے پکارتے ہوئے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

''سحر بیٹا...... اٹھ جاؤ' کچھ کھالو۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی' اسے ہمیشہ اماں کو یوں تکلیف دینا بُرا لگتا تھا لیکن یہ سب اس کے اختیار میں بھی کہاں تھا جب بھی وقت نیا گھاؤ لگاتا وہ یونہی جیسے چادر میں خود کو چھپالیا کرتی۔

''رات بھی تم کھانا کھائے بغیر ہی سوگئیں۔'' اماں اس کے نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے محبت پاش لہجے میں بولیں' وہ بتا ہی نہ سکی کہ وہ تو ساری رات سو ہی نہ سکی تھی۔

''اماں......؟'' بکھرے بکھرے لہجے میں اس نے بمشکل ماں کو پکارا۔

''جی اماں کی جان۔'' ناہید نے لب اس کے ہاتھ پر ثبت کیے تھے۔

''کیوں کرتی ہیں اتنا پیار مجھ سے' کیوں اٹھاتی ہیں میرے اتنے لاڈ جبکہ میری ذات نے صرف آپ کو دکھ ہی دکھ دیئے ہیں۔'' وہ ان کے ہاتھوں پر چہرہ رکھ کے رودی' اماں نے اسے خود سے لگالیا۔

''نہ سحر...... ایسے نہیں کہتے بیٹا۔'' اماں کی پلکیں بھی بھیگنے لگیں۔

''نہیں اماں...... اب آپ بھی مان لیں' میں واقعی منحوس ہوں۔ میری وجہ سے ہی بابا کی ڈیتھ ہوئی اور آپ کی ساری زندگی' ساری خوشیاں میری نحوست کھا گئی۔'' وہ بلکنے لگی۔

''استغفار کرو لڑکی...... کیوں لوگوں کی طرح خود کو گناہ گار کرنے پر تلی ہو''کن'' کا اختیار صرف اس رب جلیل کے ہاتھ میں ہے۔ ہم خاکی لوگ ہیں' ہمارے اختیار میں کچھ نہیں۔ اس طرح کے توہمات میں پڑنا صرف شرک ہے' کفر ہے۔ اللہ پر کامل یقین ہونا چاہیے' سب اس پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے بولیں۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے اماں؟''

''یہ سب آزمائش ہے اور میرا رب اپنے پیاروں کو آزماتا ہے۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اپنے اللہ پر یقین ہی ہے جو تمہارے بابا کے انتقال کے بعد بھی اس پاک ذات نے مجھ کسی در کا محتاج نہیں بننے دیا۔ یقین کرو سحر...... جب بندہ اپنے آپ کو رب کی حفاظت میں دے دیتا ہے نہ تو اسے اس دنیا کے جھوٹے حیلوں کا آسرا نہیں رہتا۔ مشکل ہو یا خوشی' سب وقتی ہے اور وقت تو گزر جاتا ہے ناں بیٹا......'' اماں اس کے لمبے کالے بال سہلا رہی تھیں۔ سکون سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

''اچھا...... اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آجاؤ' میں نے تمہارے لیے شامی کباب بنائے ہیں' چائے بھی ادرک اور دم والی۔''

''سچی......'' وہ کھل اٹھی۔

''ہاں' جلدی سے کھالو پھر بھلے دوبارہ سو جانا۔'' اماں

نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چومی اور باہر نکل گئیں‘ سحر اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

❁........❁........❁

آفس میں آج سارا دن بہت مصروف رہا تھا‘ جب سے اس کی آفس برانچ تبدیل ہوئی تھی وہ بے حد مضطرب رہنے لگا تھا ایک ہی آفس میں ہوتے ہوئے بھلے وہ سحر سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہوتا لیکن کم از کم وہ اس کے سامنے رہتی تھی۔ آفس ورکرز کے ذریعے اس کی ذات سے جڑی خبریں اس تک پہنچ جاتیں اور اس طرح وہ اس کے حالات سے آگاہ رہتا تھا لیکن اب تو جیسے ہر طرف اندھیرا سا محسوس ہوتا تھا۔

کبھی کبھی اسے خود پر بے اختیار غصہ بھی آتا تھا‘ سحر کے سرد ترین رویے کے باوجود اس کا دل تھا کہ اسی کی طرف ہمکتا رہتا تھا لیکن وہ اس معاملے میں مکمل طور پر بے بس تھا ویسے بھی اسے اچھی طرح پتا تھا کہ اس کی محبت یک طرفہ تھی۔ سحر سے نہ تو اس معاملے پر اس کی کوئی بات ہوئی تھی نہ ہی سحر کی طرف سے ایسی کوئی پیش قدمی جو اس کے جذبات کو حوصلہ دیتی۔ صرف ایک کسک دیتی یاد تھی جو اسے ذرا سا یقین بخش دیتی کہ سحر بھی اسے پسند کرتی ہے اور وہ یاد اس کی ختم شدہ منگنی سے جڑی ہوئی تھی۔ منگنی والے دن وہ چند لمحوں کی ملاقات اور سحر کا شرماتا‘ مسکراتا روپ۔ سحر کی آنکھوں میں چھلکتی سچی خوشی سعد کے دل کو تسلی دیتی اور وہ بے اختیار دوبارہ اس سے ملنے کی امید باندھ لیتا۔

آج بھی اس نے کام ختم ہوتے ہی اپنے انچارج سے پرانی برانچ میں شفٹ ہونے کی بات کی اور اس نے اسے تسلی بھی کرائی تھی کہ وہ ہیڈ آفس اس کی بات ضرور پہنچائے گا۔ وہ آفس سے نکلا تو شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے‘ گاڑی پارکنگ سے سڑک پر آئی تو اس کا سیل بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے موبائل کی اسکرین دیکھی‘ اس کی پرانی کولیگ زویا کی کال تھی خود بخود اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

''تمہاری کال گویا زندگی کی نوید ہوتی ہے۔'' کال پک کرتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف زویا کھلکھلائی۔

''اس دن جب سحر کی منگنی کا بتایا تھا تب تو بہت غصہ ہوئے تھے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی۔

''معذرت بھی تو کرلی تھی فوراً۔'' وہ مسکرایا۔

''پھر تم نے خبر بھی تو ایسی دی تھی جیسے میرے دل پر خنجر چلادیا ہو۔'' سعد نے موڑ کاٹتے ہوئے بات مکمل کی' دوسری طرف زویا نے قہقہہ لگایا۔

''اور مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آج تم میرا فون اٹھاؤ گے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم ہمیشہ سحر کے حوالے سے ہی بات کروگی' میں جانتا ہوں کبھی ایسا سوچنا بھی مت۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''اور اگر آج خبر اس کی منگنی یا شادی کے حوالے سے دوں تو کیا تم تب بھی سن سکو گے سعد احمد؟'' زویا کے لہجے میں شرارت امڈ آئی۔

''ری ایکٹ جیسے بھی کروں' پر خبر سنوں گا ضرور۔ تم جانتی ہو سحر میرے لیے سانس جیسی ہے' بس کسی طرح اس کا ذکر ہو تو زندگی چلے ورنہ تو دم رکنے لگتا ہے۔'' ایک چوک پر رکتے ہوئے وہ بھاری لہجے میں بولا۔

''ہائے صدقے......'' زویا ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی۔

''کبھی کبھی تمہاری محبت مجھے حیران کردیتی ہے' پُرشوق اور خود میں مست' محبوب کے ذکر کو راحت جاں سمجھنے والا اور کبھی کبھی تم مجھے پاگل لگتے ہو۔'' اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

''اچھا...... اب خبر بھی نشر کردو' میں ڈرائیونگ کررہا ہوں۔'' روڈ پر رش بڑھ گیا تھا' اس نے کار کی رفتار کم کردی۔

''سحر کی یہ منگنی بھی ٹوٹ گئی۔'' پیر خود بخود بریک پر جا پڑا تھا۔ اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ موڑا' گاڑی ایک چنگھاڑ کے ساتھ سڑک کے کنارے بنے پیٹرول پمپ کے وسیع احاطے میں کافی آگے جاکر رکی تھی۔

''سعد......'' زویا تیز آواز سن کر چلائی' پیٹرول پمپ کے صحن میں بیٹھے دھوپ سینکتے لوگ بھی اس کی طرف بھاگے تھے اس نے کھڑکی سے ہاتھ ہلا کر ان کو جیسے مطمئن کیا تھا۔

''سعد......!'' زویا نے پھر پکارا۔

''ہاں...... میں سن رہا ہوں۔'' اس نے سیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے دھیرے لہجے میں کہا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' زویا پریشان ہوئی۔

''ہاں...... ڈونٹ وری' میں ٹھیک ہوں۔'' اس کی آواز اب بھی بے حد بدہم تھی۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی اس بریک اپ کی۔'' زویا بمشکل بول پائی۔

''سحر کو مسلسل تیسری چوٹ ملی ہے' میں خوش کیونکر ہوسکتا ہوں۔'' بند آنکھوں سے بغاوت کرتا ایک آنسو اس کے گال پر لڑھکتا چلا گیا۔

''نہ جانے اس لڑکی کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔'' زویا کو اس کے لفظ سن کر اپنی سوچ پر شرمندگی ہوئی اس نے تو سوچا تھا سعد خوشی سے جھوم اٹھے گا یہ خبر سن کر۔

''آئی ایم رئیلی سوری سعد......'' وہ واقعی شرمندہ ہوئی۔

''سحر کے لیے دعا کیا کرو زویا...... دعا سب سے بہترین اور قیمتی تحفہ ہے جو بنا کوئی قیمت چکائے ہم آسانی اپنے پیاروں کو گفٹ کرسکتے ہیں اور......'' سعد نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا پھر ایک دم خاموش ہوگیا۔

''اور...... کیا سعد؟'' زویا نے پوچھا۔

''اور میرے لیے بھی دعا کرنا زویا...... تم جانتی ہو مجھے کتنی ضرورت ہے۔'' نہ جانے کیوں اس کا لہجہ بھرا رہا تھا' وہ گاڑی آگے نہ بڑھا سکا۔

''میں دعا کروں گی سعد...... اس اداس لڑکی کی زندگی میں صرف سعد احمد جیسا بھرپور شخص ہی آئے اس کی زندگی مکمل کرنے کے لیے۔'' اس نے سچے دل سے وعدہ کیا'

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سعد اداسی سے مسکرادیا۔
"اللہ حافظ۔"
"فی امان اللہ!" کہتے ہی سعد نے گاڑی آگے بڑھادی۔

❁........❁........❁

"کیا بات ہے امی؟" وہ جب سے آفس سے آئی تھی' ماں کے چہرے پہ اضطراب نوٹ کررہی تھی۔ پہلے تو وہ نظر انداز کرگئی مگر کھانا کھاتے ہوئے بھی اس نے واضح طور پر یہ محسوس کیا کہ اماں اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھیں۔ وہ آج کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھارہی تھیں۔ ایک نوالہ لے کر اتنی دیر چباتیں جیسے اگلا نوالہ لینا بھول ہی گئی ہوں تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی اور تب مزید پریشان ہوئی جب اماں نے اس کی آواز تک نہ سنی یونہی سوچوں میں گم نوالہ چباتی رہیں۔
"اماں......" اس نے ماں کے کندھے کو ذرا سا ہلا کر ان کو پکارا تو وہ بُری طرح چونکیں۔
"ہاں۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگیں۔
"تم کھانا کیوں نہیں کھارہیں' یہ دال تو چکھو' لہسن کا تڑکہ لگایا ہے' تمہیں بہت پسند ہے نا۔" اماں اس سے نظریں چراتے ہوئے دال کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔
"اماں' میں کب کا کھانا کھاچکی ہوں' آپ نہیں کھا رہیں اور یہی میں پوچھ رہی ہوں کہ کیوں؟" اس نے پیار سے ماں کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"بات کیا ہونی ہے' اصل میں گرم گرم روٹی پکاتے وقت کچھ بھوک لگی تو دال کے ساتھ کھالی۔ اس لیے اب بس تمہارا ساتھ دینے کے لیے چند لقمے لے لیے۔" اماں نے جیسے اسے ٹالا' وہ فی الوقت سر ہلا گئی۔ برتن سمیٹے' کچن کو صاف کیا پھر نماز پڑھنے چلی گئی۔ واپس آئی تو اماں بھی نماز پڑھ کر تسبیح میں مصروف تھیں لیکن اس وقت بھی ان کا دھیان کہیں اور تھا' وہ جا کر ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گئی اور سر اماں کے کندھوں سے ٹکادیا۔

"تھک گئی ہو؟" اماں نے چونکتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"نہیں اماں۔" وہ سر اٹھاتے ہوئے بولی۔
"پریشان ہوگئی ہوں۔" اماں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔
"یا اللہ خیر...... دفتر میں کوئی بات ہوئی کیا؟" اماں کا دل ہول اٹھا۔
"نہیں اماں۔"
"تو پھر۔"
"گھر میں کوئی بات ہوئی ہے؟" اس کی بات پر اس نے واضح طور پر اماں کو نظریں چراتے دیکھا تھا' وہ مسکرادی۔
"میں ذرا چائے لے آؤں' تم تھک گئی ہوگی۔" وہ اٹھنے لگیں' سحر نے ان کے ہاتھ پکڑ کران کو روک لیا۔
"آپ کیا چھپا رہی ہیں اماں؟" ناہید نے نم ہوتی آنکھوں سے سحر کو دیکھا۔ زندگی کی 26 بہاریں دیکھنے کے باوجود اس کے چہرے پر بچپن والی پاکیزگی اور معصومیت تھی' ان کا دل کرتا وہ اپنی بچی کی راہ کا ہر کانٹا اپنے ہاتھوں سے چن لیں لیکن نصیبوں پر کس کا زور چلتا ہے۔
"اماں......" سحر نے ان کا ہاتھ دبایا۔
"تمہاری چھوٹی پھوپو آئی تھیں۔" اماں مدہم آواز میں اسے بتانے لگیں۔
"اوہ...... مطلب پھر آج وہ آپ کو میری نحوست کے طعنے دے کر گئی ہوں گی۔" پل بھر میں سحر کو ساری بات سمجھ آگئی۔
"تم جانتی ہو مجھے اس کے طعنوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اور واقعی ایسا ہی تھا' ناہید کو کسی کے خیالات سے کوئی سروکار نہ تھا' وہ صرف اللہ پر کامل یقین رکھتی تھیں اور انہیں ہمیشہ اچھے کی امید رہتی تھی۔
"تو پھر کیا بات ہے اماں؟" سحر الجھی۔
"آج خالہ رضیہ بھی آگئیں۔" ناہید نے اٹھتے ہوئے بتایا۔
"وہ رشتے کروانے والی خالہ......" سحر بھی اٹھ

کھڑی ہوئی۔

''ہاں۔'' اماں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''پھر کوئی رشتہ لائی ہوں گی' صاف منع کردیجیے گا اس بار۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''خالہ رضیہ نے رابعہ کے سامنے بتایا کہ پہلی دونوں جگہوں پر تمہاری برائی تمہاری سگی پھوپو نے ہی کی ہے۔'' اماں نے رک رک کر بولتے ہوئے گویا بم پھوڑا تھا لیکن سحر فقط دھیرے سے مسکرادی۔

''تو اس بات پر آپ پریشان ہیں' اماں...... ان لوگوں سے آپ نے اچھے کی توقع بھی کیوں رکھی بھلا؟'' سحر ان کا ہاتھ سہلانے لگی۔

''نہیں...... پریشان اس بات سے ہوں کہ کہیں تمہارے راستے میں آگے بھی یہ لوگ کانٹے نہ بچھائیں۔''

''اللہ ہے نہ اماں...... پھر آپ کی دعا بھی تو ہے میرے ساتھ۔'' اماں مسکرادیں۔

''میری دعا تو بس تیرے ہی لیے ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔

''اچھا...... اب آپ آرام کریں اور اچھا سوچیں' میں ابھی چائے لاتی ہوں۔'' وہ کچن کی طرف بڑھ گئی' اماں اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔

❁......❁......❁

آج زویا نے اسے گھر چھوڑنے کی ریکوئسٹ کی تھی' کسی وجہ سے اس کا بھائی اسے لینے نہیں آیا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھنے کی وہ عادی نہیں تھی سو اسے یہی غنیمت لگا کہ سعد کی مدد لے۔ سعد نے فوراً حامی بھرلی تھی اور فارغ ہوتے ہی بس ایک میسج کرنے کا کہا تھا تقریباً تین بجے کے قریب اسے زویا کا پیغام ملا وہ نکل رہی تھی۔ سعد بھی انچارج کو انفارم کرکے باہر نکل آیا' تیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ زویا کے آفس کے سامنے کھڑا تھا' زویا اس کے انتظار میں باہر ہی کھڑی تھی' فوراً گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''سحر چلی گئی یا ابھی آفس میں ہے؟'' متلاشی نظروں سے دائیں طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''آئی ہی نہیں آج وہ۔'' زویا مسکرائی' سر ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی۔

''خیریت؟'' مین روڈ پر آتے ہی سعد نے سوال کیا۔

''طبیعت خراب تھی کچھ' موسم کی وجہ سے شاید۔'' زویا نے جواب دیا۔

''اس دفعہ تو سردی سے زیادہ یہ دھواں پڑا ہے' جسے دیکھو فلو کھانسی کا شکار نظر آتا ہے۔'' سعد نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کہوں سعد......'' زویا اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں کہو۔'' وہ بدستور سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تم سحر سے بات کیوں نہیں کرتے۔''

''تم جانتی ہو میں کئی بار کوشش کرچکا ہوں۔''

''آفس میں نہیں' میں کہیں باہر ملنے کی بات کررہی ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے جو لڑکی مجھ سے آفس میں بات نہیں کرنا چاہ رہی وہ میرے ساتھ کہیں باہر چلے جائے گی؟''

''کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔''

''مطلب......!'' سعد نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب اس بار اگر میں تمہاری مدد کروں تو......'' زویا مسکرائی۔

''اوہ ریئلی......!'' سعد چہک اٹھا۔

''ہاں اور مجھے یقین ہے وہ میرے ساتھ آنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرے گی۔'' زویا پر یقین تھی۔

''وہ تم سے بدظن نہ ہوجائے' دیکھ لو۔'' سعد نے خدشہ ظاہر کیا۔

''کچھ نہیں ہوگا ویسے بھی تم پہلے سے وہاں نہیں ہوگے میں جب کسی بہانے سے اٹھوں گی تو تم اتفاق ظاہر کرتے ہوئے آنا۔ اسے شک نہیں ہوگا پھر ہم کوئی غلط کام تو نہیں

کررہے۔ میں تم سے زیادہ یہ سب سحر کے لیے ہی کررہی ہوں۔" وہ مطمئن تھی۔

"پھر تو میں ضرور ملنا چاہوں گا۔" اس بار وہ کھل کے مسکرایا۔

"اور مجھے یقین ہے تم اسے اس بار ضرور قائل کرلو گے۔"

"قائل نہ بھی کرسکا تو کم ازکم اپنے دل کا بوجھ تو ہلکا کر ہی دوں گا۔ کچھ بوجھ تو اس کے دل پر بھی پڑے نہ محبت ہو نہ ہو کچھ دن میرے بارے میں سوچ کی ضرور' بے چین بھی رہے گی۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اوہ...... بدلہ۔" زویا نے سیٹی سی بجائی۔

"ہاں بدلہ۔" سعد نے اس کی طرف جھکتے ہوئے پراسرار ہوتے لہجے میں کہا' زویا قہقہہ لگا کے ہنس دی۔

✿......✿......✿

"سحر...... بیٹا کل آفس سے ذرا رابعہ کی طرف چلی جانا۔" وہ آفس کے لیے اپنا ڈریس پریس کررہی تھی' اماں کی بات پر اس کے چہرے پر بےزاری سی پھیل گئی۔

"اب کون سی تقریب رکھ دی اماں انہوں نے۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"بری بات' اپنوں کے ذکر پر یوں منہ نہیں بناتے۔"

"جی اور یہ اپنے آپ کے ساتھ جو چاہیں کریں۔" وہ چڑ گئی۔

"ہمیں اپنی راہ پر چلنا ہے کسی کی منزل ایک نہیں ہوتی۔ سب کے لیے اللہ نے الگ رکھا ہے' وہ ہمارے ساتھ کچھ نہیں کرسکتے۔" اماں نے اسے سمجھایا۔

"میں ویسی نہیں ہوں اماں۔" وہ کپڑے ہینگر کرتے ہوئے بولی۔

"نہ ہی ان کی طرح کرنا چاہتی ہوں مگر بس پتا نہیں کیوں' دل رشتوں سے بےزار رہنے لگا ہے۔" وہ اداس ہونے لگی۔

"رشتے ہمیشہ ساتھ کہاں رہتے ہیں' جگہ' مقام' حیثیت سے بدلتا رہتا ہے۔ لوگ بھی بدل جاتے ہیں تب کیفیت بھی ایک جیسی نہیں رہتی۔ تم بھی ان شاء اللہ ایسے رشتوں میں بندھو گی کہ بےزاری بھول جاؤ گی' صرف مسرت اور محبت ہوگی۔" اماں نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے کہا' وہ مسکرادی۔

"خیر اماں...... میں بتانا بھول گئی' کل تو آفس کے بعد زویا کے ساتھ جانا ہے مجھے شاپنگ کرنے۔" وہ ماں کو بتانے لگی۔

"زویا سمجھدار بچی ہے' تم کسی اور دن کا پروگرام بنالو۔"

"نہیں اماں...... آپ رابعہ پھوپو سے معذرت کرلینا کیونکہ کل ہاف ڈے ہے پھر کام کا برڈن بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارا جانا ضروری ہے۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا تو ناہید سر ہلا کر رہ گئیں۔

"چلو ٹھیک ہے میں خود چلی جاؤں گی۔"

"ویسے تقریب کس سلسلے میں ہے؟" اسے خیال آیا۔

"نائلہ کی سالگرہ کا کہہ رہی تھیں' اسی خوشی میں کھانا ہے اور ڈھولک بھی رکھوائی ہے۔" اماں تفصیل بتانے لگیں۔

"ہم...... ناچ گانے کے نت نئے بہانے......" وہ منہ بنا کر بولی۔

"برا بول نہیں بولتے توبہ کرو اللہ سے۔" اماں نے پھر ڈرایا۔ وہ فوراً کان کو ہاتھ لگا کر استغفار کرنے لگی' اماں اس کی حرکت پر مسکرادیں۔

✿......✿......✿

اسے انتظار کرتے پندرہ منٹ سے اوپر ہوگئے تھے' نہ جانے زویا اسے وہاں بٹھا کر کہاں غائب ہوگئی تھی۔ شاپنگ کے بعد تھکن سے نڈھال وہ وہاں کچھ کھانے پینے آئے تھے' زویا اپنی کوئی چیز بھول گئی تھی وہ اسے دس منٹ کا کہہ کر گئی تھی اور ابھی تک غائب تھی۔ سحر نے اس کی تلاش میں بیرونی دروازے کی طرف نگاہ کی اور ساکت رہ گئی۔ سعد اندر آرہا تھا' اتفاق سے اس کی بھی نظر پڑ چکی تھی' سحر نے نظریں موڑ لیں' سعد سیدھا اس کی طرف چلا آیا۔

"سحر......! تم یہاں......؟" وہ یوں اس سے مخاطب ہوا کہ جیسے پرانا دوست ہو۔

''جی، زویا کے ساتھ آئی تھی۔'' وہ مختصر بولی۔

''واؤ...... زویا بھی ساتھ ہے۔'' وہ بے فکری سے کہتا کرسی سنبھال گیا۔ سحر اندر ہی اندر تپ کے رہ گئی، کئی لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

''بہت دنوں بعد دیکھ رہا ہوں تمہیں۔'' بھاری لہجے پر سحر کی نظریں یکبارگی اٹھیں اور ساکت رہ گئیں۔ یہ وہ سعد تو نہیں تھا، ہشاش بشاش سا، نرم مسکراہٹ والا، خوش مزاج سعد۔ وہ تو کئی سالوں کا تھکن زدہ، پریشان حال نظر آرہا تھا۔

''تھوڑی دیر بات تو کر ہی سکتے ہیں، کولیگ بھی رہے ہیں ہم آخر۔'' سعد کے چہرے پر اداس مسکراہٹ تھی، نظریں مسلسل سحر کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی کوئی تلخ جواب نہ دے سکی، سعد کچھ لمحے خاموش رہا۔

''پتا ہے سحر...... کبھی کبھی میں حیران ہوتا ہوں، جب تمہارے ساتھ میرا نصیب نہیں جڑا تھا تو میرے دل کو تمہاری تڑپ کیوں بخشی گئی۔'' گمبھیر بھاری لہجہ، سحر کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''اور اس سے بھی زیادہ حیرانگی مجھے اس بات پر ہوتی ہے کہ میری یہ تڑپ کیوں تمہارے دل پر دستک نہیں دے پائی۔ جس آگ نے میرا من، میری روح تک سلگا دی ہے اس کی ذراسی آنچ تو تمہیں بھی پہنچنی چاہیے تھی نا، میں اکیلا نشانہ کیوں؟'' وہ خاموش رہی۔

''کوئی تو راہ نکالو سحر...... میں تمہارے لیے ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''میں صرف اپنے لیے آپ کو ساری دنیا سے الگ نہیں کرسکتی سعد...... پھر قصور آپ کا نہیں اور جن کا ہے انہیں میں معاف نہیں کرسکتی۔ ایم سوری......'' اس نے صاف معذرت کی، سعد ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بایاں بازو دوسری کرسی کی پشت کے پیچھے ڈال کر ٹیک لگاتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''میرے چھوٹے بھائی کی منگنی ہوئی ہے کچھ ماہ پہلے اس کے چند دن بعد ہی ہماری ایک بڑی دکان جل کر راکھ ہوگئی۔ اماں نے فوراً منگنی توڑ دی۔'' سحر حیرانگی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی وہ اسے یہ سب کیوں بتارہا تھا۔

''میرے بھائی نے خودکشی کی کوشش کی لیکن بچ گیا اور اماں اس کی جان بچانے کے لیے دوبارہ اس لڑکی کے گھر منت کرنے گئیں۔'' وہ خاموشی سے سنے جارہی تھی۔

''میں تمہارے لیے سب کرتا رہا، ماں باپ کو سمجھاتا رہا تمہیں مناتا رہا۔ اللہ کے سامنے گڑگڑاتا رہا، بس یہ خودکشی والا کام نہ کرسکا مجھے معاف کردینا سحر......'' وہ سب کہہ کر اٹھ کر چل دیا تھا۔ سحر دیر تک اس کے لفظوں کے حصار میں قید رہی تھی۔

❁......❁......❁

''سحر...... سر بلا رہے ہیں تمہیں اندر۔'' زویا نے اس کے آفس آتے ہی اطلاع دی۔

''آج دیر ہوگئی کافی، لگتا ہے ڈانٹ پڑے گی۔'' سحر گھبرائی، زویا مسکرا رہی تھی۔

''نئے ڈائریکٹر آئے ہیں، ڈونٹ وری، بس فائل ورک چیک کریں گے۔'' زویا نے خبر دی۔

''شکر۔'' سحر کی جان میں جان آئی، وہ پرس رکھ کے سر کے روم کی طرف بڑھ گئی۔

''یس......'' دستک دیتے ہی آواز سنائی دی تھی، سحر اندر چلی آئی اور اگلے ہی لمحے ٹھٹک گئی۔ سامنے سعد بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''آئیے مس سحر...... میں آپ کا ہی انتظار کررہا تھا۔'' وہ بالکل پیشہ ورانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوا اس کے باوجود بھی وہ قدم آگے نہ بڑھا سکی۔

وہ جتنا اس شخص سے بھاگتی، اسی قدر قسمت اسے اس کے سامنے لا کھڑا کردیتی جو منزل اس کی تھی ہی نہیں۔ راستے بار بار اسی طرف نکل آتے تھے نہ جانے کیوں؟ وہ سوچ گئی۔

''مس سحر...... بیٹھیے پلیز۔'' سعد نے دوبارہ پکارا تو وہ چونک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

''آپ کا ریکارڈ بہت اچھا ہے، کافی ایکٹو ممبر ہیں آپ ہماری۔''

''شکریہ سر......'' وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔

''میں امید کرتا ہوں آپ میرے ساتھ بھی اسی طرح کوآپریٹ کریں گی' مجھے آپ کی کافی مدد درکار ہوگی۔'' سعد کے ہونٹوں پر شرارت مچل رہی تھی اور وہ خوب صورت سوبر سا نوجوان سحر کو اس وقت ڈسکوری چینل کی کسی ڈاکیومنٹری کا بندر لگ رہا تھا۔

''کاش کہ میں اپنے دل کی بات اسے بتا پاتی۔'' وہ اندر ہی اندر بل کھاتی رہی۔

''جو بھی کہنا ہے کہہ دیں' آپ کے لفظ قابل احترام ہیں۔'' وہ مزید مسکرایا' سحر کی جان جل گئی۔ وہ اس کے چہرے کو پڑھ رہا تھا۔

''کاش میں یہاں سے غائب ہوجاتی۔'' اس نے جلتے ہوئے حسرت کی۔

''آپ جب چاہیں میرے کیبن میں آ اور جاسکتی ہیں۔ آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔'' اس کی شریر مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔ سحر نے تیزی نے سر ہلایا' اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ سعد دروازہ بند ہوتے ہی کھل کر ہنس دیا تھا۔

❀......❀......❀

''تم مجھے بتا نہیں سکتی تھیں کہ نئے باس سعد ہیں۔'' باہر آتے ہی وہ زویا پر پل پڑی۔

''میں نے سوچا' جس طرح مجھے سرپرائز ملا ویسے ہی تمہیں بھی حیران ہونے دوں۔'' زویا نے کہا تو اس نے زور سے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی' وہ سی کر کے رہ گئی۔

''میں حیران نہیں پریشان ہوکر رہ گئی ہوں۔'' دونوں ہاتھوں میں سر دیئے وہ کرسی پر ڈھے سی گئی۔

''پاگل ہو تم سحر......اس میں ایسی کیا بات ہے؟'' زویا خفا ہوئی۔

''بات ہے زویا......میں اس شخص سے جس قدر دور بھاگتی ہوں وہ اتنا ہی میرے قریب چلا آتا ہے میں اس کی آنکھوں میں جس قدر واضح اور خوب صورت عکس اپنا دیکھتی ہوں تو ڈر جاتی ہوں' کہیں وہ عکس اور سارے منظر ہٹا نہ دے۔ سعد کے گھر والے مجھے قبول نہیں کرسکتے اور میں ہرگز نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے سعد اپنے گھر والوں سے دور ہو۔'' وہ واقعی پریشان تھی۔

''اس کے گھر والے تمہاری وجہ سے نہیں' اپنی ضد کی وجہ سے سعد سے دور ہوں گے اور وہ بھی فضول ضد کی وجہ سے۔'' زویا تلخ ہوئی۔

''میں بحث نہیں کرنا چاہتی زویا......جو کچھ ہوا وہ بیت گیا لیکن اب میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے سعد مزید ہرٹ ہو یا میں مزید بکھروں جو کچھ بھی تھا یک طرفہ تھا پھر سعد کے نام کی انگوٹھی پہننا۔ وہ بھی بہت انوکھا تھا مگر اب سب کچھ ختم ہوچکا ہے زویا......میں مزید نہیں بکھرنا چاہتی' نہ ہی میں اپنی قسمت کی سیاہی سعد کی زندگی میں لانا چاہتی ہوں۔'' وہ مایوس تھی۔

''پاگل ہو سحر......اتنی پڑھی لکھی ہو کر تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو' تم جیسی معصوم' پُرخلوص دل والی لڑکی بھی منحوس ہو ہی نہیں سکتی۔'' زویا ناراضگی سے اسے ڈانٹنے لگی۔

''یااللہ! میں جاؤں تو جاؤں کہاں۔'' وہ بنا سر اٹھائے' ٹیبل پر انگلیاں پھیرتی آنسو بہاتی رہی' زویا کچھ اور نہ کہہ سکی۔

❀......❀......❀

وہ بیڈ پر اخبار پھیلائے بیٹھی تھی' اماں چائے لے کر آئیں تو حیران ہوئیں۔

''آج اتنے عرصے بعد پھر کیوں اخبار اٹھالائیں۔''

''اماں......نوکری تلاش کرنی ہے۔'' اخباروں میں سر دیئے اس نے جواب دیا تھا۔

''نوکری......لیکن کیوں؟ اس قدر اچھی جگہ تو چل رہی ہے نوکری۔'' اماں پریشان ہوئیں۔

''وہاں میں نے استعفیٰ دے دیا۔''

''کیوں؟'' ماں کے سوال پر وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔

''اماں آپ کو سعد یاد ہے۔'' اماں کا چہرہ بجھتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی' اسے امید نہیں تھی کہ اماں کو سعد یاد ہوگا۔

''وہ اب میرے باس بن گئے ہیں۔'' اس نے ماں

کو بتایا۔

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔" اماں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

"جی۔" وہ دوبارہ کام میں مگن ہوگئی۔

"کتنا پیارا بچہ ہے' سچ کہوں تو اس کے علاوہ مجھے کوئی اور تمہارے قابل ہی نہیں لگتا۔" اماں کی آواز میں ان کی حسرت بول رہی تھی۔

"اماں نہ سوچا کریں اتنا۔" وہ بے زار ہوئی۔

"اولاد کے لیے کون نہیں سوچتا بھلا۔" اماں بولیں۔

"ہونا تو وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے تو سوچنے کا فائدہ۔" وہ کچھ زیادہ ہی مایوس ہونے لگی تھی' اماں نے اداسی سے اس کے خوب صورت چہرے پر نگاہ کی تھی۔

"اللہ تمہارے نصیب روشن کرے۔" دعا کر کے وہ اٹھ گئیں اور نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے اس کے لب آمین بول گئے تھے۔

❁......❁......❁

"ہیلو....." زویا کی کال تھی' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال پک کی۔

"تم پاگل ہوگئی ہو؟" زویا نے اس کی آواز سنتے ہی تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کوئی شک ہے کیا؟" اس نے جیسے مکھی اڑائی' زویا کچھ دیر خاموش رہی۔

"تم کرنا کیا چاہتی ہو سحر؟" دوسری بار اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

"مجھے یقین ہے' میرے ارادے تمہیں سعد ضرور بتاچکا ہوگا۔" سحر بے پروائی سے بولی۔

"میں شام کو تمہارے گھر آرہی ہوں' تفصیل سے بات ہوگی۔" زویا نے کہا تو وہ مسکرادی۔

"موسٹ ویلکم..... مگر پلیز مجھ پر کوئی پریشر ڈالنے کی کوشش مت کرنا۔" سحر نے کہا۔

"دیکھتے ہیں کیا کرنا چاہیے' کیا نہیں۔" زویا نے کہہ کر کال بند کردی وہ کچھ دیر یونہی موبائل کو گھورتی رہی۔

اور پھر شام ہوتے ہی وہ واقعی اس کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"یہ اب کیا نیا ڈرامہ ہے؟" وہ تپی ہوئی تھی۔

"کون سا ڈرامہ؟" سحر نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے ریزائن کیوں کیا؟"

"میری مرضی۔" سحر نے کندھے اچکائے۔

"پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی؟" زویا حیران تھی۔

"وجہ بس یہی ہے کہ اس جاب سے میرا دل بھر گیا ہے اب کچھ نیا کروں گی۔" سحر نے وجہ بتائی۔

"تم ایسا کہو گی تو کیا میں یقین کرلوں گی۔" زویا نے اسے گھورا۔

"مطلب؟"

"مطلب صاف ہے کہ تمہارے ریزائن کرنے کی وجہ صرف اور صرف سعد ہے۔" زویا کو اب کے غصہ آیا۔

"جب جانتی ہو تو کیوں پوچھ رہی ہو۔" سحر بھی سنجیدہ ہوگئی۔

"کم آن یار..... تمہیں ہو کیا گیا ہے۔" زویا کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا وہ اس لڑکی کے ساتھ کیا کرے۔

"تم صرف تب سمجھ سکتیں زویا..... جب تم میری جگہ پر ہوتیں۔" سحر کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"سحر پلیز..... تم جانتی ہو میں تمہیں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" اس نے سحر کے ہاتھ تھامے۔

"میں اس شخص کا سامنا نہیں کرسکتی زویا....." وہ رونے لگی۔

"اس کی آنکھوں میں..... میں نے اپنا عکس اس قدر شفاف اور خوب صورت دیکھا ہے کہ میں نہیں جانتی کب میں بھی اس عکس کو بار بار دیکھنے کی آرزومند ہوگئی' کب وہ مجھے خود سے بھی عزیز ہوگیا۔ میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں زویا....." وہ روتے روتے اعتراف کررہی تھی' زویا تو خوشی سے جیسے کھل اٹھی۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو سحر.....! اوہ مائی

"گاڈ......!" وہ جوش سے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہوئے بولی۔
"لیکن...... لیکن......" سحر نے ہچکی لی۔
"لیکن کیا سحر...... مشکل کیا ہے، وہ تمہیں کس قدر چاہتا ہے۔"
"لیکن میں اس کی زندگی پر اپنا کالا سایہ نہیں ڈالنا چاہتی۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔
"تم پاگل ہوگئی ہو یہ کیا جاہلوں والی بات ہوئی۔" زویا چڑ گئی۔
"میں پاگل نہیں ہوں۔" سحر چلا اٹھی۔ "میں حقیقت پسند ہوگئی ہوں۔" اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ "تم خود سوچو زویا...... لوگ میری، صرف میری ذات سے لفظ منحوس کیوں جوڑیں گے۔ تمہارے یا کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں جڑا یہ لفظ۔" زویا لب کاٹنے لگی، یہ سحر کیا سوچنے لگی تھی۔
"کیونکہ تم لوگ منحوس نہیں ہو، میں منحوس ہوں اسی لیے سب مجھے منحوس کہتے ہیں۔ بابا اماں ان کے ساتھ میں نے کیا کیا، سچ کہوں تو اماں کو یوں آدھی آدھی رات جاگ کر گھر کی حفاظت کرتے اور اللہ کی عبادت کرتے دیکھتی ہوں تو ان کی زندگی کی تمام مشکلات کا ذمہ دار میں خود کو سمجھتی ہوں۔ میں مر کیوں نہیں جاتی زویا...... کم از کم مجھ سے جڑے لوگوں کی تکلیف تو کم ہو۔" وہ اور شدت سے رونے لگی، زویا نے اسے خود سے لگالیا۔
"یہ صرف تمہاری سوچ ہے سحر...... تم کیوں ایسا سوچنے لگی ہو۔" زویا صدمے کی حالت میں بولی، سحر جیسی لڑکی جس کی سمجھداری کی وہ خود قائل تھی۔ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بے حد کمزور ہو رہی تھی اور یہ بات بے حد خطرناک تھی۔ یہ چیز اس کی پوری زندگی تباہ کرسکتی تھی اور بات صرف سعد کی نہ تھی، زویا سمجھ چکی تھی کہ اگر یہ سوچ سحر میں پختہ ہوجاتی تو ساری زندگی اس خول سے وہ باہر نہ آپاتی اور تنہائی اور ذہنی کشمکش اس کا مقدر بن جاتی۔ اس نے فی الفور سعد اور ناہید آنٹی سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

نظم

ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں

ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں
ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو، اسے واپس بلانا ہو
ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں
مدد کرنی ہو اس کی، یار کی ڈھارس بندھانا ہو
بہت دیرینہ رستوں پر کسی سے ملنے جانا ہو
بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو
کسی کو یاد رکھنا ہو، کسی کو بھول جانا ہو
ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں
کسی کو موت سے پہلے کسی غم سے بچانا ہو
حقیقت اور تھی کچھ اس کو جا کے یہ بتانا ہو
ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں

شاعر: منیر نیازی
فیض محمد شیخ...... بھاگ ناڑی بلوچستان

جب سے سحر نے استعفیٰ دیا تھا، وہ بے حد شاکڈ تھا۔ اسے امید تو تھی کہ سحر ضرور اسے یوں دیکھ کر ری ایکٹ کرے گی لیکن اس قدر جلد اتنا بڑا فیصلہ کرلے گی اسے قطعی امید نہ تھی، سحر کی اس حرکت نے اسے صحیح معنوں میں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم اس وقت آفس میں بیٹھا تھا۔
"مے آئی کم ان سر......" زویا کی آواز پر وہ چونکا۔
"آئیں مس زویا......" اس کی آواز مدہم تھی۔
"کیسے ہو سعد؟" اندر آتے ہی زویا نے بے تکلفی سے پوچھا۔ سعد کو وہ بھی پریشان نظر آ رہی تھی، دوستی اپنی جگہ لیکن آفس ورکرز کے سامنے وہ ایک دوسرے کو اپنے عہدوں کے مطابق ہی ٹریٹ کرتے تھے۔
"تمہارے خیال میں کیسا ہوسکتا ہوں؟" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"اس بار سحر نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔" وہ میز پر پڑے ننھے سے گلوب سے کھیلتے ہوئے بولا۔

"میں نہ جانے کیوں سمجھتا تھا کہ کہیں نہ کہیں' کچھ نہ کچھ سحر بھی میرے لیے پسندیدگی رکھتی ہے۔ اس کے دل میں بھی میرے لیے ایک نرم گوشہ ہے اور میں اپنے مسلسل اعتراف اور اظہار کی نرم بوندوں سے اس کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن اس نے......" وہ کچھ دیر رکا۔

"لیکن اس نے سب کچھ واضح کر دیا' اس کی زندگی میں تو میری جگہ تھی ہی نہیں' کبھی۔"

"وہ تم سے محبت کرتی ہے سعد......" زویا نے جیسے بم پھوڑا۔ سعد نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم کب تک مجھ سے ہمدردی کرو گی زویا؟" وہ جیسے بکھر سا گیا تھا۔

"یہ میں نہیں' حقیقت میں سحر نے مجھے کہا ہے کہ وہ تم سے کس قدر محبت کرنے لگی ہے۔" اور پھر زویا نے اسے سحر سے ہونے والی ساری گفتگو تفصیل سے بتائی' اس کا چہرہ جہاں خوشی سے کھلا تھا' وہیں وہ پریشان بھی ہو گیا۔

"یہ تو ٹھیک نہیں ہے' اس طرح کی منفی سوچیں اس سے کوئی غلط قدم بھی اٹھوا سکتی ہیں۔" سعد واقعی میں گھبرا گیا۔

"یہی خدشہ مجھے پریشان کر رہا ہے' جس طرح وہ موت کی بات کر رہی تھی' کہیں وہ کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے۔" زویا خود پریشان تھی۔

"میرے خیال میں سعد...... تمہیں دوبارہ اپنی امی سے بات کرنی چاہیے۔" زویا نے اسے مشورہ دیا۔

"امی تو خود کئی بار ان کے ہاں جانے کا کہہ چکی ہیں' چھوٹے بیٹے کی حرکت نے انہیں میری خواہش کی اہمیت اچھی طرح سمجھا دی ہے لیکن سحر کی طرف سے ہی کچھ کلیئر نہیں ہو رہا تھا۔ میں آج ہی امی سے بات کرتا ہوں۔" سعد نے فوراً حامی بھری۔

"میں بھی ناہید آنٹی سے مل کر ان کو ساری صورت حال بتاتی ہوں اور سحر کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔" زویا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو سعد نے سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁

اگلے دن اس نے فوراً جا کر ناہید بیگم سے بات کی' ناہید ساری بات سن کر سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"یقین کریں آنٹی...... سعد بے حد اچھا لڑکا ہے آپ کو تو کم از کم اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" ناہید اٹھ کر مشین سے کپڑے نکالنے لگی۔

"آنٹی میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔" زویا بھی ان کی مدد کرنے لگی۔

"مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض کبھی تھا ہی نہیں بلکہ باقی دونوں بار سحر کی بات طے کرتے ہوئے بھی مجھے اس رشتے کا افسوس ہوا تھا۔" ناہید کے لہجے میں تاسف تھا۔

"بالکل آنٹی...... سحر کے لیے سعد سے اچھا لڑکا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"لیکن تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ یہ رشتہ سعد کے والدین نے ہی ختم کیا تھا اور وجہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ کیا اس سب کے بعد سحر اس رشتے کو مانے گی۔"

"اگر آپ مان جائیں گی تو اسے بھی ماننا پڑے گا آنٹی۔" زویا گیلے کپڑے تار پر پھیلاتے ہوئے بولی۔

"میں ایک مرتبہ پھر اپنی بیٹی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ اب جو اللہ چاہے گا مجھے منظور ہے باقی سحر کی شادی کا تمام تر اختیار اب اس کے پاس ہے' میں یہ فیصلہ کرنے کی ہمت کھو چکی ہوں۔" ناہید کا لہجہ بھیگنے لگا تھا' وہ چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ زویا ہاتھ سکھاتی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"یقین کریں آنٹی نہ صرف سعد' سحر کو بلکہ سحر بھی سعد کو بہت پسند کرتی ہے اور وہ مان بھی جاتی لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ لوگوں کی مسلسل اس کی ذات پر نشتر زنی سحر کے دماغ میں بس گئی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کی نحوست سعد کو بھی لے ڈوبے گی۔ سحر جیسی سمجھدار لڑکی خود کو بابا کی ڈیتھ اور آپ کی تمام تر تکالیف کا مجرم سمجھتی ہے' اس طرح تو وہ خود کو تباہ کر لے گی پلیز آنٹی...... صرف میں اور آپ ہی ہیں جو اسے اس کی ذات کا اعتماد لوٹا سکتے ہیں اور سعد بھی اس میں

ہماری کافی مدد کرسکتا ہے۔" ان کے ہاتھ تھامے وہ جیسے ان سے التجا کررہی تھی۔ ناہید چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں۔

"پلیز آنٹی...... آپ ایک مرتبہ حامی تو بھریں سحر کو منانا ہمارا کام ہے۔ یقین کریں اس بار کچھ بھی بُرا نہیں ہوگا۔" وہ ان کے ہاتھ دباتے ہوئے ان کو یقین دلاتے ہوئے بولی۔

"ان شاء اللہ۔" ناہید نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بے اختیار کہا۔

گرمیاں آخری سانسیں لے رہی تھیں پھر بھی دن میں خاصی تپش تھی۔ آج معمول کے خلاف سڑک بھی سنسان تھی، چلتے چلتے وہ نہ صرف پسینے سے شرابور ہوچکی تھی بلکہ تھکن سے بھی چُور ہونے لگی تھی لیکن دور دور تک کسی ٹیکسی، رکشے کا نام ونشان نہ تھا۔ چلتے چلتے یونہی وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی، بچپن سے لے کر آج تک سوائے ماں اور چند ٹیچر زیا دوستوں کے علاوہ اپنوں میں سے کسی کا اس کے ساتھ محبت بھرا برتاؤ اسے یاد نہ تھا لیکن تلخ یادیں بہت تھیں۔

ایک دفعہ جب چھوٹی پھوپو اپنی چھوٹی بیٹی کے لیے شاپنگ کرکے لائی تھیں اور اس نے ہمکتے دل کے ساتھ اس کی کالی نیٹ والی فراک کو بس ذرا سا چھو کر دیکھا تھا تو گویا قیامت برپا ہوگئی تھی تب وہ صرف آٹھ سال کی تھی اور سمجھ ہی نہ سکی تھی کہ اس نے کیا، کیا ہے؟ جب پھوپو نے اس کے معصوم چہرے پر ہاتھ جما دیا تھا۔

"منحوس......" پھوپو نے نہ جانے اور کیا کیا سنایا مگر وہ تو اس ایک لفظ پر اٹک گئی جو اسے بار بار کہیں نہ کہیں سننا پڑتا تھا۔ پھوپو نے وہ سوٹ اسی وقت قرآن پاک لا کر اس سے لگا لگا کر سحر کے ہاتھ کی نحوست دور کی تھی۔

"قرآن پاک سے لگاؤں گی تو اس منحوس کی کالی نظر اور نحوست سے محفوظ رہے گی میری لاڈلی......" اور پھر یہ دن وہ کبھی بھلا نہ سکی چاہنے کے باوجود بھی۔

اور پھر بڑی پھوپو کی بیٹی کی شادی میں دعوت دینے

اک پیغام...... مسیحا کے نام

کتابوں سے زیادہ علم اس مسیحا میں پنہاں ہے جو علم کا جام پی کر محبت وشفقت سے آراستہ تمہارے سامنے انسانیت کی معراج تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اس مسیحائے انسانی میں جتنا علم وہنر ہے اس کو کتابوں سے بالاتر ہوکر پڑھو، سیکھو اور یاد رکھو جو صاحب بصیرت اس مسیحائے فکر کو نہیں پہچانتا وہ سب سے بڑا جاہل ہے۔ میرے نزدیک نسل انسانی کی ترقی کا اہم راز اسی مسیحا کی مرہون منت ہے۔ اگر تم نے اس کی بے ادبی کی تو علم کی دیواروں میں شگاف پیدا ہوگا جو جہالت کو راستہ دے گا اور ہم جانتے ہیں، جہالت کی تاریکی انسانی آنکھ کو اندھا اور ہنر کو مفلوج کردیتی ہے۔

اس لیے خبردار ہوجاؤ اس عمل سے جو حرمتِ استاد کو ٹھیس پہنچائے ورنہ نسل انسانی ہاتھ ملتے رہ جائے گی اور دیوار علم وہنر بھربھری دیوار کی طرح ڈھے جائے گی اور تم نے قیصر وکسریٰ کے ملبوں کا ڈھیر دیکھ رکھا ہے۔

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

کے لیے جب پھوپو آئیں تو اس کی اماں کو صاف ہدایت کرگئیں۔

"بھئی...... تم ایک ہی بھاوج ہو میری اور بھتیجی بھی اکلوتی شامل تو ضرور ہوگی میری خوشی میں بس ایک بھلا کردینا۔ نحوست کی پوٹلی کو میری عذرا سے دور رکھنا۔ تم تو جانتی ہو کتنی مشکل سے اس کی شادی طے ہوئی تھی، میں چاہتی ہوں کوئی بُرا سایہ نہ پڑے۔" ناہید چپ چاپ سر ہلائے گئیں اور چودہ سالہ سحر اچھی طرح سمجھ گئی کہ وہ بُرا سایہ اس کی ہی ذات ہے۔ پوری حسرت سے شادی کی تیاری کرنے والی سحر، شادی والے دن پڑوسن کے گھر رہ لی۔ اماں ضد کرتی رہیں لیکن سحر نہ مانی، سو انہیں اکیلے ہی جانا پڑا اور پھر اس کی پے در پے ٹوٹنے والی تین عدد منگنیاں، جیسے اس کی نحوست پر مہر لگا گئیں۔

"سب سچ کہتے ہیں کیا؟" وہ چلتے چلتے خود سے ہم

کلام ہوئی تھی۔

"سب مجھ سے دور بھاگتے ہیں تو پھر سعد کیوں؟" اسے حیرت تھی۔

"تو کیا میں سعد کو سب کچھ سمجھ لوں۔"

"صرف ایک مرتبہ...... ایک مرتبہ پھر اپنا مقدر آزما لوں۔" وہ چلتی رہی۔

"کیا پتا' اس بار صرف میری قسمت روشن ہو۔" وہ خوش فہم ہوئی۔

"کیا پتا' مجھ سے جڑا وہ منحوس لفظ ہمیشہ کے لیے دھل جائے۔" امید نے اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھیر دی۔

"اور اگر......" اس کا دل ڈوب کے ابھرا تھا۔

"اور اگر...... یہ سب سچ ہوا؟" قدم رک گئے۔

"اگر میں واقعی برا سایہ نکلی۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"سعد کا سب کچھ اجڑ گیا' وہ برباد ہوگیا۔" اس کی سانسیں جلنے لگیں۔

"اور اگر سعد کو ہی کچھ ہوگیا تو......" وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکی' اس کا دل پھٹنے کے قریب ہوگیا آنکھوں سے آنسو تواتر سے گرنے لگے۔

یونہی سوچوں میں نہ جانے وہ کب تک گم رہتی' کسی گاڑی کے رکنے کی تیز آواز نے اس کا دل دھڑکا دیا تھا۔ اس نے چونک کر اس طرف دیکھا' وہ سعد کی گاڑی تھی سعد اتر کر اس کی طرف ہی آرہا تھا۔

"سحر...... تم اس وقت اتنی گرمی میں یہاں......؟" وہ اسے یوں تھکا تھکا' بھیگا چہرہ دیکھ کر ایک دم خاموش اور پریشان ہوا تھا۔

"کیا ہوا سحر...... آر یو اوکے؟" وہ تیزی سے اس کے قریب آیا تھا' نہ جانے اسے کیا ہوا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

"سحر...... کیوں ڈرا رہی ہو یار۔" وہ واقعی میں پریشان ہوگیا تھا۔ سحر کا رونا' اس کی اداس الجھی آنکھیں اور تھکن زدہ حلیہ سب سعد کا دل جیسے چیرے دے رہے تھے۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ۔" نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے گاڑی تک لے آیا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چلتی آئی' سعد اسے بٹھا کر اپنی سیٹ پر واپس آیا اور آہستگی سے گاڑی آگے بڑھائی۔ سحر ابھی تک رو رہی تھی' اس بار سعد نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ رونے دیا۔ وہ چاہتا تھا سحر اپنے اندر قید سارے غبار دھو ڈالے ہر خوف بہا دے۔

کچھ دیر بعد وہ ذرا سنبھلی تو سعد نے منرل واٹر کی بوتل اسے تھمائی' وہ تیزی سے پانی پینے لگی۔ سعد اس کے آخری گھونٹ تک خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا' سحر اب سامنے دیکھ رہی تھی۔

"پتا ہے سحر...... ہمارا سب سے بڑے دشمن کون ہوتا ہے؟" اس نے گاڑی کی اسپیڈ مزید کم کرتے ہوئے پوچھا' سحر نے جواب دینے کی بجائے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہمارے اندر کا خوف۔" وہ گیئر تبدیل کررہا تھا اس کی فراخ پیشانی پر آتے اس کے گھنے کالے بال اسے بار بار ڈسٹرب کرتے اور بڑی بے پروائی سے وہ ان کو انگلیوں کی مدد سے دوبارہ سیٹ کرلیتا۔ اس کے گلابی کٹاؤ دار ہونٹ ہمہ وقت مسکراتے محسوس ہوتے یا شاید واقعی یہ مسکراہٹ اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

"یہ خوف ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑتا۔" سعد اسے سمجھا رہا تھا' وہ توجہ سے سن رہی تھی۔

"بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے اندر کا خوف ہمارا کچھ نہیں چھوڑتے' تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔" وہ موڑ کاٹتے بولا۔

"تو کیا یہ اچھا نہیں کہ ہم سب کچھ' اپنا سکون' خوشی اور محبت صرف ایک خوف پہ قربان کرنے کی بجائے' اس ایک خوف کو قربان کریں۔ خود کو مضبوط کرلیں' قسمت کو آزمائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں اور آگے بڑھ جائیں۔" سحر پھونکا جارہا تھا' سحر اسے خود پر طاری ہوتا محسوس کررہی تھی۔

"زندگی کبھی ایک سی نہیں رہتی
ایک سی رہ بھی نہیں سکتی
یہ قانون فطرت کے خلاف ہے

دن کو شام اور رات پر حاوی ہونا ہے خوشی کو غم پر۔ زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد حیات دائمی۔ کسی چیز کو دوام نہیں تو خوف اور توہمات کو کیوں اتنا مضبوط گردانا جائے جبکہ میرے رب کا وعدہ ہے۔

''ہر غم کے بعد خوشی ہے''

''بات صرف ہمارے یقین تک ہے۔'' وہ خاموش ہوگیا تھا سحر نے لمبی سانس بھر کر نظریں پھیر لی تھیں۔ سعد نے گاڑی اس کے گھر کی گلی کے سامنے روکی تو وہ چپ چاپ نکل کے چل دی نہ شکریہ کہا نہ کچھ اور...... سعد دیر تک وہیں رکا رہا کیوں...... وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

❁......❁......❁

تھکی ہاری وہ گھر پہنچی تھی تو اماں اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں۔

''کہاں رہ گئی تھیں' آج تو میرا دل ہولتا رہا۔'' اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

''آپ کو تو پتا ہے امی...... اس آفس کا' کس قدر دور ہے۔'' وہ پرس اور چادر چارپائی پر اچھال کر صحن میں لگے واش بیسن پر منہ دھوتے ہوئے بولی۔

''تم نے خوامخواہ ہی اتنی اچھی نوکری چھوڑ دی۔'' اماں اس کے لیے کھانا نکالتے ہوئے تاسف سے بولیں۔

''اماں...... کھانا نہیں کھاؤں گی' نماز پڑھ لوں تو چائے پیوں گی۔'' سحر نے بات بدل دی۔

''اچھا پھر میں لا دیتی ہوں چائے' کباب بھی تل دیتی ہوں۔ تم نماز پڑھ لو۔'' اماں نے فوراً ہی کہا وہ مسکرادی۔

وہ نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ اس نے باہر دروازے پر دستک سنی' وہ باہر آئی تو زویا اماں کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف آ رہی تھی۔

''زویا......'' اتنے دن بعد یوں اچانک اسے سامنے دیکھ کر اسے حقیقی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

''تم تو بھول ہی گئیں' میں نے سوچا میں ہی چکر لگا لوں۔'' زویا اس کے گلے لگتے ہوئے شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

غزل

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں' فرصت کتنی ہے
پھر بھی تیرے دیوانوں کی شہرت کتنی ہے!
سورج گھر سے نکل چکا تھا کرنیں تیز کیے
شبنم گل سے پوچھ رہی تھی ''مہلت کتنی ہے!''
بے مقصد سب لوگ مسلسل بولتے رہتے ہیں
شہر میں دیکھو سناٹے کی دہشت کتنی ہے!
لفظ تو سب کے اک جیسے ہیں' کیسے بات کھلے؟
دنیا داری کتنی ہے اور چاہت کتنی ہے!
سپنے بیچنے آ تو گئے ہو' لیکن دیکھ تو لو
دنیا کے بازار میں ان کی قیمت کتنی ہے!
دیکھ غزالِ رم خوردہ کی پھیلی آنکھوں میں
ہم کیسے بتلائیں دل میں وحشت کتنی ہے!
ایک ادھورا وعدہ اس کا' ایک شکستہ دل
لٹ بھی گئی تو شہرِ وفا کی دولت کتنی ہے!
میں ساحل ہوں امجد اور وہ دریا جیسا ہے
کتنی دوری ہے دونوں میں' قربت کتنی ہے

امجد اسلام امجد

انتخاب: کہکشاں صابر...... فیصل آباد

''تمہیں کوئی بھول سکتا ہے بھلا۔'' سحر نے اس کا گال چوم لیا۔

''ڈرامے ہیں تمہارے بس' یاد آتی تو ملنے نہ آ جاتیں' کیوں آنٹی؟'' زویا نے گلہ کرتے ہوئے ناہید سے تائید مانگی۔

''بالکل۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی حمایت کردی۔

''اماں...... آپ گواہ ہیں میں اسے کتنا یاد کرتی ہوں۔'' سحر نے بھی فوراً اماں کی مدد مانگ لی۔

''ہاں...... یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' اماں کو ہنسی آ گئی۔

''اچھا اب کیا دونوں لڑتی رہو گی یا آرام سے بیٹھ کر

باتیں بھی کروگی۔ اندر چلو تم دونوں، میں کباب اور چائے لے کر آتی ہوں۔" اماں نے جھگڑا ختم کیا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"کیسی ہو؟" زویا نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"بہت اچھی ہوجاتی اگر میری بات مان لیتی۔" زویا نے خفگی سے کہا۔

"مان لیتی اگر اپنی قسمت پر بھروسہ ہوتا۔" سحر نے نظریں پھیرلیں۔

"محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے، قسمت بھی بدل دیتی ہے۔"

"قسمت میں بھی بہت طاقت ہوتی ہے، محبت چھین بھی لیتی ہے۔" وہ کس قدر مایوس ہوچکی تھی، زویا کو تاسف نے گھیرلیا۔

"سعد ایسا نہیں سوچتا۔" زویا کے لہجے میں افسوس تھا۔

"میں تو سوچتی ہوں۔" سحر نے دلیل دی۔

"اور تم غلط ہو پھر جب سعد رسک لے رہا ہے تو تم کیوں نہیں۔" اسے غصہ آیا۔

"تم جانتی ہو۔" سحر نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"میں چائے لے آؤں۔" سحر اٹھنے لگی وہ بات بدل رہی تھی اور زویا یہی نہیں چاہتی تھی اس نے فون کی اسکرین پر ٹچ کیا اور......

"تم ہمیشہ سحر کے حوالے سے بات کروگی، میں جانتا ہوں۔" سحر کے قدم بھاری آواز سن کر ایک دم رکے تھے وہ حیرت سے مڑی تھی۔

"اور اگر آج خبر اس کی منگنی یا شادی کی ہو؟" زویا کی آواز تھی۔

"ری ایکٹ جیسے بھی کروں خبر سنوں گا ضرور۔" سحر کے جسم سے جیسے کسی نے جان نکال لی تھی۔

"بس کسی طرح اس کا ذکر ہو تو زندگی چلے۔" وہ بت بنی کھڑی رہی۔

"سحر میرے لیے سانس جیسی ہے۔" اور سحر کو لگا وہ سانس لینے لگی تھی۔

"سحر کی منگنی ٹوٹ گئی سعد......" اور پھر تیز آواز گونجی تھی جیسے ایکسیڈنٹ ہوا تھا "سعد" سحر چلائی تھی...... سحر تقریباً دوڑتی ہوئی زویا تک پہنچی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے، یہ کافی پرانی بات چیت ہے۔" زویا مسکرائی تھی نہ جانے کیوں سحر کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

"سحر......" زویا نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، یاد ہے تمہیں اس دن ہوٹل میں جب وہ تمہیں ملا تھا، پریشان سا اس دن اس کے چھوٹے بھائی نے خودکشی کی تھی لیکن اسے پتا تھا کہ تم نے میرے ساتھ وہاں آنا ہے۔ وہ یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا بھی اس قدر پریشانی میں بھی وہ تمہیں ملنے آیا۔ صرف تمہاری محبت میں تاکہ تمہیں سب بتاسکے، اپنا آپ تم پہ کھول سکے۔ وہ تو ہمیشہ تمہارے لیے مخلص تھا، غلطی ہوئی تو اس کے گھر والوں سے۔ اسے تو بہت میں بعد پتا چلا کہ اس کے گھر والوں نے کیا حرکت کی ہے، اس کے ناکردہ گناہ کی اس قدر طویل اور سخت سزا نہ دو پلیز۔" زویا اسے دیر تک سمجھاتی رہی، ناہید چائے لے کر آئیں تو وہ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئی۔ سحر مسلسل سعد کے متعلق سوچتی رہی تو کیا زندگی واقعی اس پر مہربان ہونے لگی تھی وہ سوچ گئی۔

❁......❁......❁

سعد کی امی رشتہ لے کر آئی تھیں، ناہید نے انہیں جلد خوش خبری سنانے کی امید دلا کر بھیجا تھا۔ وہ سحر کو مسلسل سمجھا رہی تھیں، خوش قسمتی ایک مرتبہ پھر اس کے در پر دستک دے رہی تھی۔

"خوش بختی دستک دے کر خود لوٹ جائے تو کوئی بات نہیں لیکن اسے کبھی خود سے ٹھوکر نہ ماری جائے۔ تم بھی ایسا نہ کرو سحر...... میری بات مان لو ان شاء اللہ اس دفعہ سب اچھا ہی ہوگا۔" اور پھر اس نے ہاں کردی تھی صرف چند دن بعد ہی سعد کی امی مٹھائی لے کر آئی تھیں اور بقول ان کے سعد

نے اس بار منگنی سے انکار کردیا تھا۔ اس نے ماں کو شادی کی تاریخ لینے بھیجا تھا' سحر اس کے فیصلے پر حیران رہ گئی تھی' اماں نے بھی بلاتردد اگلے ماہ کی تاریخ دے دی تھی۔

سعد نے اس سے خود رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی اور یہی چیز سحر کو پریشان کررہی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا کہ بات پکی ہوتے ہی سعد ضرور اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا لیکن یہ نہیں ہوا تھا۔

"کیا سعد ناراض ہے۔" اسے نیا ڈر لاحق ہوا۔

وہ پریشانی میں اپنے کیبن میں آئی تو اس کی ٹیبل سرخ گلابوں کا بکے اور دلفریب کارڈ اس کے منتظر تھے۔

"یہ کون بھیج سکتا ہے؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ٹو مائی لو...... فارم سعد!" کارڈ کے اوپر سنہری جگمگاتے حروف اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئے۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے کارڈ کھولا۔

"بھیگتے دسمبر میں......
بھیگے بھیگے لفظوں سے
میں نے حال دل اپنا
آپ کو بتایا ہے
بھیگتے دسمبر میں......
التجا ہے اتنی سی
میرے بھیگتے من کو
اور نہ بھگو دینا
بھیگتے دسمبر کی......
بس یہی سفارش ہے
اتنی سی گزارش ہے
بھیگتے دسمبر کی......
اس دفعہ کی بارش میں
آپ میرے ہو لینا
میرے بھیگتے من کو
چاہ سے بھگو دینا

خوب صورت نظم اور بے حد دلکش صاف لکھائی اسے اپنے دل پر نقش ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اٹھی اور تازہ گلاب لیے اپنے کیبن کی کھڑکی میں آٹھہری۔ یہ کھڑکی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف بنے پارک میں کھلتی تھی' اس نے ذرا سا دھکا دیا اور کھڑکی کھلتی چلی گئی۔

دسمبر واقعی بھیگ رہا تھا' صبح سے گھر گھر کرآنے والے بادل کن من سی بارش برسانا شروع ہوچکے تھے۔ سال کا اختتام بہت قریب تھا اور شاید اس کی محرومیوں کا بھی۔

"بس ذرا سی امید دے یارب! ذرا سی کرن کہ جو میرے سارے خوف مٹادے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر بارش کو محسوس کرتے ہوئے دل سے دعا کی تھی تبھی اس کا سیل فون بجا تھا' اس نے جا کر سیل اٹھایا۔ سعد کا نام جگمگا رہا تھا' زویا نے دو دن پہلے ہی اسے نمبر دیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کال پک کی اور دوبارہ کھڑکی میں آگئی۔

"سحر......" بہت مدہم آواز میں اس کا نام پکارا گیا' اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"جی۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"میری پرموشن ہوگئی ہے' مجھے مین برانچ میں شفٹ کردیا گیا ہے از آ ڈائریکٹر......" سعد کی آواز میں خوشی تھی۔ "تم میرے لیے بہت لکی ہو۔" وہ بول نہ پائی۔

"میں تمہارا اور اپنی خوش بختی کا انتظار کررہا ہوں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے فون بند کردیا تھا۔

سحر نے حیرت سے آسمان کی طرف دیکھا' اس کی دعا قبول ہوگئی تھی اور وہ جان گئی کہ نحوست جیسی چیزیں کچھ نہیں ہوتیں۔ یہ تو صرف توہمات ہوتے ہیں' اصل چیز تو یقین کامل اور دعا ہے اور یہی کامیابی ہے۔

وہ بھیگتے دسمبر میں' ٹھنڈی بارش میں دیر تک ہاتھ چہرہ بھگوتی رہی۔ دسمبر بھیگتے بھیگتے اسے بھی خوشیوں میں بھگو گیا تھا۔

قسط نمبر 14

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سائرہ بیگم بیٹے کی بات مانتے رشتہ پر حامی بھر لیتی ہیں اور اس مقصد کی خاطر فائز کے ہمراہ خان ہاؤس جانے کی تیاری کرتی ہیں تاکہ فائز اور سفینہ کے نکاح کی بات کی جاسکے دلشاد بیگم کو بیٹی کا یہ فیصلہ قطعاً پسند نہیں آتا جب ہی وہ آنے والے حالات سے ڈراتیں انہیں روکنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن فائز نانی کی باتوں کو نظرانداز کرتے سفینہ کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ ریحانہ بیگم سفینہ کے رشتہ طے ہونے کی بات کرتی ہیں ایسے میں سائرہ بیگم دنگ رہ جاتی ہیں بچوں کی خوشیوں کا ذکر کرتے وہ ریحانہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں لیکن ریحانہ بدلے کی آگ میں جلتی ان کی ہر بات سننے سے انکاری ہوجاتی ہیں۔ سفینہ اور فائز دونوں کے لیے یہ صورت حال بہت سی مشکلات لاتی ہے، سفینہ کو لگتا ہے کہ وہ فائز کو ہمیشہ کے لیے کھودے گی، دوسری طرف فائز بھی اپنی محبت کے بچھڑنے پر غم زدہ ہوتا ہے، سائرہ بیگم اس تذلیل پر بے حد خائف ہوتی ہیں اور گھر آکر جلال خان کو تمام باتوں سے آگاہ کرتی ہیں جلال خان کے لیے بھی یہ صورت حال نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے انہیں اپنے بھائی سے اس قدر بے رخی کی توقع نہیں ہوتی جب ہی وہ بیٹے کی خوشیوں کی خاطر بہزاد خان سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف صائمہ نبیل کی اصلیت شرمیلا پر ظاہر کرنا چاہتی ہے اور اس کی دیگر لڑکیوں سے دوستی کا ذکر کرتی ہے لیکن شرمیلا نبیل کے دام میں اس طرح الجھ جاتی ہے کہ وہ صائمہ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں کرتی ایسے میں صائمہ نہایت بے بس ہوجاتی ہے۔ روشی عشو بیگم کی باتوں میں آکر سفینہ اور آفاق کے رشتے پر آمادہ نہیں ہوتی اسے یہی لگتا ہے کہ سفینہ کے اس گھر میں آجانے سے وہ بھائی کی محبت سے محروم ہوجائے گی دوسری طرف اسریٰ خالہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں تو وہ ان سے بھی بدگمان ہوجاتی ہے ایسے میں آفاق اس کی شادی کا ذکر کرتے اسے خود کو بدلنے کا کہتا ہے مگر روشنی اس بات پر آمادہ نہیں ہوتی۔ ریحانہ بیگم بیٹی کا رشتہ بڑے گھر میں طے کرنے پر جہاں بے حد خوش ہوتی ہیں وہیں اخراجات کا سوچ کر گھبراہٹ کا شکار بھی نظر آتی ہیں ایسے میں انہیں یہی حل نظر آتا ہے کہ خان ہاؤس بیچ کر وہ ہر ضرورت کو باآسانی پورا کرسکتی ہیں جب ہی وہ یہ بات بہزاد خان سے کرتی ہیں مگر بہزاد خان ان کی اس بات پر نہایت طیش میں آجاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

ڈھلتے سورج کے ساتھ ہی آسمان پر کئی رنگوں کا مجموعہ پھیلتا چلا گیا۔ سفینہ بہزاد نے اپنی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے سر اٹھایا اور سفید روئی کے گالوں کو سرمئی آسمان پر پیر پھیلانے کی کوشش میں مصروف پایا۔ چمکدار جھلملاتی شعاعوں کی تپش نے نرم پڑتے ہوئے کئی رنگوں کو اپنے بس میں کرلیا تھا۔ سفینہ نے سستی سے جان چھڑاتے ہوئے ٹھٹھرتے گداز وجود کو سیاہ گرم شال میں لپیٹا اور گھر کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ اس بار اس کے مزاج پر سرما کی دھندلی صبحوں اور اداس شاموں کا جادو بھی نہ چل پایا، شاید دل کا موسم ناخوش تھا، اسی لیے فطرت کا حسن بھی اثر انداز نہیں ہورہا تھا۔ آسمان پر کئی

رنگوں کے ملاپ سے بے حد خوب صورت اور جاذب نظر منظر اپنا نقش ونگار چھوڑ گئے۔ سفینہ نے کیاری کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے، ایک بار پھر نگاہ اٹھائی، فطرت کی دلکشی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی مزاج میں پھیلی ترشی کو کم نہ کرسکی۔ دیوار کے ساتھ پھیلی خودرو بیل پر چھوٹے چھوٹے پھول اسے، بہت کچھ یاد دلا گئے۔

فائز ہمیشہ ان ننھے رنگ برنگ پھولوں کو چوٹی کے ایک ایک بل میں سجانے کی فرمائش کرتا اور وہ منہ چڑا کر بھاگ جاتی تھی، موسم سرما کی گلابی شام، زردی مائل پڑتی خودرو بیل، کہیں کہیں جھومتے ہوئے پھول اور اس کا اپنا گھلتا ہوا وجود، اب بھی سب کچھ ویسا ہی تھا۔ بس نہیں تھا تو فائز کا ساتھ، ضبط کرنے کی کوشش میں اس کے لب آپس میں پیوست ہوکر رہ گئے، آنکھوں سے سرخی چھلک پڑی۔

فائز کی یاد کے ساتھ سفینہ کا دل یوں دھڑکنے لگا، جیسے جاڑے کی خنک شاموں میں، یخ بستہ ہوائیں اپنے ساتھ دل کو گرما دینے والی یادوں کے ساتھ خان ہاؤس کے آنگن میں آٹھہری ہوں۔ اس نے مخروطی انگلیوں سے سوکھی بیل کو پیار سے چھوا اور گالوں پر قطار در قطار آنسو بہتے چلے گئے۔

***

''بہزاد...... یہاں کیا کررہے ہیں؟'' ریحانہ نے شوہر کی پشت پر آ کر اونچی آواز سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی۔'' وہ بجھے انداز میں جواب دینے کے بعد دوسری طرف دیکھنے لگے۔

''کمال ہے، میں نے آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈ لیا اور آپ چھپ کر یہاں بیٹھے ہیں۔'' وہ قدم بڑھاتی ہوئی ایک اسٹیپ اوپر آئیں اور ان کے برابر میں زینے پر بیٹھ گئیں۔

''ہونہہ۔'' وہ لاپروائی سے سرہلا کر زمین میں جانے کیا تلاش کرنے لگے۔

''چپ چپ سے لگ رہے ہیں۔'' شوہر کو گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد پوچھا۔

''کسی سے بھی بات کرنے کا دل نہیں کررہا۔'' بہزاد جو ہنوز گم صم اور خاموش لب بستہ تھے، مسلسل ہوتے سوال وجواب پر ایک دم چڑ کر بولے۔

''ایسا کیا ہوگیا؟'' ریحانہ کا انداز اپنائیت آمیز ہوا، ان کے بازو کو پیار سے چھو کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

''نہیں...... کچھ بھی نہیں ہوا۔'' بہزاد نے کاندھے اچکا کر لاپروائی کا تاثر دینے کی کوشش کی۔

''جب تم میری بات سمجھنے کی روادار نہیں تو پھر تم سے کچھ نہیں کہنا۔'' وہ ہرگز بھی ریحانہ سے اپنے دل کا درد بیان کرنا نہیں چاہتے تھے، دل میں سوچ کر رہ گئے۔

''کس سوچ میں ہیں؟'' ریحانہ نے کچھ دیر بعد شوہر کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تاکہ دل کی بات جان سکیں۔

''تمہیں میری سوچ سے کیا فرق پڑتا ہے، جاؤ جا کر خوشیاں مناؤ۔'' بہزاد کے ہونٹوں نے کڑواہٹ اگل ہی دی، اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے۔

''ہائے کیوں بھئی مجھے کیوں بھگا رہے ہیں۔'' وہ نرم پڑتے ہوئے مسکرائیں۔

''جانتے ہوئے انجان بننا کوئی آپ سے سیکھے۔'' وہ مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جانتی تو سب کچھ ہوں مگر اتنے اچھے موسم میں کوئی اختلافی بات کرنے کا موڈ نہیں۔'' ریحانہ نے خوش اسلوبی سے ٹالنا چاہا۔

''ریحانہ...... آپ میری بات کیوں نہیں مان لیتی۔'' بہزاد مڑ کر بیوی کا ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگے۔

''ایک بار پھر سے وہ باتیں نہ چھیڑیں۔'' وہ بھنائیں۔

"دیکھو سارے اختلاف ختم ہو سکتے ہیں، اگر تم مان جاؤ تو۔" بہزاد نے پیار سے منانا چاہا۔
"مجھے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہنا اور ناں ہی سننا ہے۔ جس کے بعد ہمارے تعلقات بھی خرابی کی طرف جانے لگتے ہیں۔" ریحانہ کے لہجے میں اضطراب سا در آیا۔
"یعنی کہ تم نہیں مانو گی؟" بہزاد نے لحہ بھر کو انہیں گھور کر دیکھا اور شکست بھرے انداز میں پوچھا۔
"نہیں۔" مختصر جواب کے بعد ریحانہ نے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا، جیسے کچھ اور بول کر جھگڑا نہیں بڑھانا ہو۔
"دیکھو بابا جان کا یہ گھر ہم سب کے لیے گھنا سایہ ہے، ویسے ہی جیسے جلال بھائی کی ذات اور تم ان دونوں سے دور کرنے پر تلی بیٹھی ہو۔" وہ بظاہر بے تاثر لہجے میں گویا ہوئے۔ مگر اندر ہی اندر غصہ ابل رہا تھا۔
"ٹھیک ہے آپ اپنی مرضی کر لیں مگر......" ریحانہ سمجھ گئی کہ ان کے اندر کون سا بڑا طوفان پوشیدہ ہے، اسی لیے بند باندھنے کی سعی کی۔
"آپ کے یہ اگر اور مگر مجھے بہت خوف زدہ کرتے ہیں۔" بہزاد نے مڑ کر بیوی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔
"سفینہ کو فائز کے ساتھ بیاہنے کے ساتھ ساتھ مجھے دفنانے کا بھی انتظام کر رکھئے گا۔" وہ بڑے مضبوط اور سخت انداز میں بول کر رکی نہیں اٹھ کر اندر کی طرف چل دیں۔
"یہ......عورت......" بہزاد نے دکھ سے انہیں جاتا دیکھا، پھر بے جان لاشے کی طرف سن سے بیٹھے بیوی کی بات پر دہلتے رہے۔

❁......❁......❁

سائرہ کے لیے زندگی کا ایسا پہلو، چبھنے لگا تھا۔ جس میں جلال خان بے بسی کی تصویر بنے ایک جگہ لیٹے خلاؤں میں جانے کیا کیا تلاش کرتے رہتے، وہ اپنے حسین ماضی میں کھو جاتیں۔ انہیں لگتا جیسے وہ ساری باتیں خواب جیسی ہوں۔ اس وقت جن باتوں کو انہوں قابل اعتناء نہیں جانا، اب دل کے نزدیک محسوس ہوتیں۔ ایک وقت تھا جب وہ سر اٹھا کر ریحانہ کی زندگی میں ستم توڑتیں، کبھی ساس کو ورغلاتی، کبھی شوہر کو بھائی کی فیملی سے ملنے جلنے سے منع کرتیں، ایسا کرتے ہوئے انہیں کبھی شرمندگی نہ ہوئی نہ ہی ان کی روح کانپتی تھی مگر آج شوہر کی کسمپرسی انہیں رلا دیتی، ان کے مزاج میں خود بخود گداز در آیا تھا، ان کا اکلوتا بیٹا فائز جلال' دادا کا لاڈلا، چاچا کا دلارا، غم تو اسے چھو کر بھی نہ گزرا تھا، بڑی ہمت سے ایسے مسائل سے لڑ رہا تھا، جو کسی حد تک ان کے پیدا کردہ تھے۔ فائز کے لیے ان کی آنکھوں نے بڑے بڑے خواب دیکھے تھے، وہ کتنا چپ چپ اور اداس رہنے لگا تھا، اس کے قہقہے، شوخیاں، ہنسی مذاق، وقت کی دھول میں کہیں کھو گئے تھے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے واپس نہیں لا سکتی تھیں۔ فائز نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی اعلیٰ تعلیمی اسناد کو ایک طرف رکھ دیا اور ایسی ملازمت کے لیے حامی بھر لی جو اس کی قابلیت سے میل نہیں کھاتی تھی۔ ماضی کی باتیں خیالوں میں گھومتی تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔ خان ہاؤس میں گزارے گئے وہ بھر پور دن جب انہوں نے ایک ایک لمحے سے خوشیوں کا رس کشید تھا، سب کچھ یاد کر کے منہ سے سرد آہ نکل جاتی۔ سائرہ نے ہونٹ چباتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ان سے گھر کے دونوں مردوں کی اداس اور زندگی سے بے رغبتی دیکھی نہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ دنیا میں ایک ہی لڑکی ہے جو انہیں واپس جینے پر مجبور کر سکتی ہے اور وہ ہے سفینہ بہزاد۔
"میں ایک اور کوشش کرتی ہوں۔" سائرہ نے دماغ لڑایا اور کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد سب سے چھپ کر دیور کو کال ملائی اور دفتر سے واپسی پر اپنے میکے بلوایا۔ بہزاد نے پہلے تو کئی بہانے بنانے کی کوشش کی مگر آ گئے سامنے سائرہ تھیں، ایک نہ

چلنے دی تو آنے کی حامی بھر لی۔

❁......❁......❁

"روشنی بیٹا...... آنکھیں کھولو۔" وہ بے اختیار چلایا۔

"ہائے ہائے کیا ہو گیا میری بچی کو؟" عشو اماں یوں اندر داخل ہوئیں، گویا باہر منتظر کھڑی تھیں۔

"پتا نہیں اماں۔" آفاق کو خود بھی سمجھ میں نہیں آیا، ان کو کیا بتاتا۔

"کافی دنوں سے میری بچی ٹینشن میں ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔" عشو نے بات کو مزید گھمبیر بنانا چاہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" آفاق نے مڑ کر عائشہ بیگم کو گھورا تو وہ دبک گئیں۔

"روشنی...... چندا آنکھیں کھولو۔" اس نے بہن کے ساکت وجود کو ہلانے جلانے کی کوشش کی۔

"پانی کے چھینٹے مارو۔" عشو نے پاس پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے پکڑایا مگر وہ اپنے حواسوں میں کہاں تھا۔ بہن کو تکتا رہا۔

"ہمت کرو...... اٹھ کر بھائی کو دیکھو بیٹا۔" عشو نے روشنی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تو اس کی پلکیں لرز اٹھیں۔

"اماں...... روشنی کو سہارا دیں۔ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔" آفاق نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے ایک طرف سے تھاما۔

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔" عشو نے دوسری طرف سے تھام کر اٹھایا اور بولیں۔

"یہاں بٹھائیں۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" آفاق نے لان میں بنی سنگ مرمر کی بنچ پر سہارا دے کر بٹھایا اور کار پورچ کی طرف بڑھا۔

"بیٹا...... جیسا میں نے سمجھایا تھا ویسا ہی کرنا۔" عائشہ نے آفاق کو دور جاتا دیکھا تو موقع دیکھ کر روشنی کا ہاتھ دبا کر کچھ سمجھانا چاہا۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے غیر محسوس انداز میں ایک بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور سر ہلا کر دھیرے سے بولی اس کے بعد فوری طور پر آنکھیں موند لیں۔ آفاق لان کے نزدیک گاڑی پارک کرنے کے بعد تیز قدموں سے ان کی جانب آ رہا تھا۔

❁......❁......❁

بہزاد نے تو بیٹھتے ہی ایک ایسا دھماکا کیا کہ ان کے ہی پرخچے اڑ گئے وہ تو دیور سے اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کی امید رکھتی تھیں مگر انہوں نے تو خان ہاؤس بیچنے کی بات کر کے ایک اور چرکا لگا دیا تھا۔ پہلے تو وہ ہک دک سی انہیں دیکھتی رہیں پھر برس اٹھیں۔

"تم لوگوں پر ایسی کون سی فقیری آ گئی ہے، جو ابا جان کی جائیداد بیچنے کی نوبت آ گئی۔" وہ بری طرح سے چلائیں۔

"بھابی...... میں اس گھر کو بیچنے کے حق میں تو نہیں تھا مگر اب ایسی مشکل آن پڑی ہے۔" بہزاد نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی تو پتا چلے ایسے کون سے مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں؟" ان کا لہجہ طنز میں بھیگا ہوا تھا۔

"سفینہ کا رشتہ ایک بڑے گھر میں طے پا گیا ہے، شادی کے انتظامات بھی اسی حساب سے کرنے ہوں گے اور میری آمدنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔" وہ دیوار کی جانب دیکھتے رہے، نگاہیں ملانے کی جرأت نہ تھی۔

"میرے بھائی...... اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ سفینہ اور فائز کی شادی کردو۔" وہ بولتے بولتے تھم کر دیور کے تاثرات جانچنے لگیں۔
"ہاں یہ تو ہے......" وہ بھی کچھ کہتے کہتے رکے۔
"ارے میں کہتی ہوں ساری مشکل پل میں آسان ہوجائے گی۔" سائرہ کے لہجے میں امید جاگی تو جوش سے بولیں۔
"میرے لیے اس سے اچھی بات اور کیا ہوتی مگر اب یہ ممکن نہیں۔" بہزاد نے سر کھجاتے ہوئے دکھی انداز میں کہا۔
"کیوں اب میرے بیٹے میں کون سے کیڑے نکل آئے ہیں؟" سائرہ نے بھنویں اچکاتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔
"نہیں...... نہیں یہ بات نہیں۔" بہزاد کے لیے ان کے سوالات کے جواب مشکل ہوگئے تو انہیں ٹالنا چاہا۔
"اچھا تو پھر کون سی بات ہے وہ ہی بتادو؟" سائرہ پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی، کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمر پر ہاتھ رکھ کر بولیں، بہزاد نے سرد آہ بھری اور نگاہیں چرائیں۔

❁......✿......❁

سفینہ کی بھوری چمک دار آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جا کر مرکوز ہوگئیں، دماغ میں مسلسل ایک ہی بات گردش کررہی تھی، چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ اس کی "خان ہاؤس" بیچنے پر ماں سے بہت بحث ہوچکی تھی مگر ریحانہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔
ایک ہی بات سوچ سوچ کر سفینہ کا دماغ کھولنے لگا۔ ماں کا ظالمانہ فیصلہ پہلے ہی اس کے وجود پر ایک کوڑے کی طرح برسا اور کئی جگہ ان دیکھے گھاؤ چھوڑتا چلا گیا اس کے بعد اس گھر سے جدائی اس کے لیے سوہان روح تھی۔ کیا' کیا نہیں تھا یہاں، دادا ابا کی خوشبو، دادی اماں کی محبتیں، فائز اور اس کے بچپن کی شرارتیں، تائی اماں کی کھٹی میٹھی باتیں تو تایا جان کے مشفقانہ انداز اس کے سارے اثاثے تو گھر کی ایک ایک اینٹ تلے مدفون تھے، پھر وہ کیسے کسی غیر کے پیروں تلے روند کر ان کی بے حرمتی ہونے دیتی۔ اس نے ایک بار پھر ماں کو سمجھانے کی ٹھانی اور اندر کی جانب قدم بڑھائے مگر ماں کو دیکھ کر منہ سے الفاظ نہ نکلے وہ بری طرح سے سسک کر رو پڑی۔ ریحانہ نے تڑپتے ہوئے اسے سینے سے لگایا اور وجہ پوچھتی رہ گئیں۔ اس کی سسکیاں ہچکیوں میں ڈھل گئیں۔ ماحول بے حد سوگوار مایوس کن اور رنجیدہ ہونے لگا، بیٹی کی حالت پر ریحانہ کی جان پر بن آئی۔ وہ اس سے رونے کی وجہ پوچھتی رہ گئیں آخر سفینہ نے منہ کھولا تو ان کو چپ لگ گئی۔

❁......✿......❁

"اب چپ کیوں ہوگئے، کچھ تو بولو۔" سائرہ کا تجسس عروج تک جا پہنچا تو دیور کو چونکایا۔
"بس میں نہیں چاہتا کہ رشتوں کے بیچ مزید دراڑیں پڑ جائیں۔" بہزاد نے کچھ سوچا اور پھر بات بدل ڈالی۔
"بہزاد اور کسی کا نہیں تو اپنے بیمار بھائی کا ہی خیال کرلو۔" سائرہ نے انا کو ایک طرف رکھ کر دیور کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"میرا بس چلے تو مگر......" وہ افسوس سے سر ہلانے لگے۔
"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خود نہیں چاہتے؟" سائرہ کا لہجہ بجھ سا گیا۔
"نہیں...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ جلدی سے تردید کر بیٹھے۔
"نہیں وہ نہیں تو پھر بات کیا ہے؟" سائرہ کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

''بھابی...... اس بار ریحانہ اڑ گئی ہے۔'' بہزاد نے ہاتھ ملتے ہوئے شرمندہ لہجے میں سچائی اگل دی۔
''اس بات کا اندازہ تو مجھے اسی وقت ہوگیا تھا جب میں تاریخ طے کرنے گئی تھی۔'' سائرہ کو وہ بھسم کر دینے والا لمحہ یاد آیا۔
''بس اسی لیے میں نے سفینہ کی شادی غیروں میں کرنے کی ٹھانی ہے۔'' بہزاد کا شکست خوردہ انداز انہیں ایک آنکھ نہ بھایا۔
''اوہ...... تو یہ بولو کہ تم مکمل طور پر جورو کے غلام بن گئے ہو۔'' سائرہ نے یوں دانت کچکچائے، جیسے ریحانہ کو چبا رہی ہوں۔
''نہیں مگر زندگی میں پہلی بار اس نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔'' بہزاد نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیوی کا دفاع کیا۔
''پہلی بار مانگا بھی تو کیا، جس نے ہم سب کا چین وسکون چھین لیا۔'' وہ جل بھن گئیں۔
''بھابی...... پلیز اس طرح ہم سب سکون سے جی سکیں گے۔'' بہزاد نے اٹھتے ہوئے سمجھایا۔
''ہمیں اذیت میں مبتلا کرنے کے بعد صرف تمہاری بیگم ہی سکون سے جی سکے گی۔'' سائرہ نے دانت بھینچ کر کہا۔
''جو بھی ہے اب اس بات کو ختم سمجھیں اور مجھے اجازت دیں۔''
''ریحانہ پر سختی کیوں نہیں کرتے؟'' وہ بھڑکانے پر اتر آئیں۔
''سب کر کے دیکھ لیا مگر بیکار ثابت ہوا، الٹا میں ہی اس کے آگے ہار گیا ہوں۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولے اور قدم بڑھائے۔
''ایسی بھی کیا مجبوری ہے جو تم اپنے باپ جیسے بھائی کا بھی خیال نہیں کر رہے؟'' سائرہ نے پیچھے سے آواز لگا کر جذباتی طور پر بلیک میل کرنا چاہا، بہزاد کے قدم جیسے زمین پر جم کر رہ گئے۔
''جی؟'' وہ انہیں اصل بات کیسے بتاتے، انہیں تکتے رہ گئے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

آفاق کو کچھ پتا نہ چلا وہ تو ایمرجنسی کی کیفیت میں اسے گاڑی میں ڈال کر فیملی ڈاکٹر انور خان کے کلینک بھاگا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ پریشانی کی تو ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مکمل چیک چپ کے بعد سب کچھ نارمل نکلا۔ روشنی بھی ہوش میں بیٹھی ان کی ہدایت غور سے سن رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ڈاکٹر انور نے مسکرا کر انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے باوجود روشنی طبیعت خرابی کی دہائی دیتی رہی۔ آفاق کی تسلی نہ ہوسکی تو گھبرا کر بہن کے ڈھیر سارے ٹیسٹ کروانے کے لیے ڈاکٹر انور پر زور دیا۔ ان کا کیا جاتا تھا پیسے بنانے کے لیے ڈھیر سارے ٹیسٹ لکھ ڈالے۔ ٹیسٹ ہوتے گئے اور ایک کے بعد ایک ہر چیز او کے ہوتی چلی گئی۔ آفاق حیران رہ گیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے تو روشنی کس لیے اتنی ہاہا کار مچا رہی ہے۔ وہ روشنی کو بنچ پر بٹھا کر ایک بار پھر ڈاکٹر انور سے بات کرنے اندر آیا۔
''دیکھو آفاق۔ مجھے لگتا ہے کہ بچی کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے پین میز پر مارتے ہوئے بولے۔
''ڈاکٹر صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' وہ بوکھلایا۔
''میں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ روشنی ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے مگر وہ......'' وہ ایک دم سے کچھ کہتے کہتے رک گئے۔
''جی وہ تو رپورٹس بتا رہی ہیں۔'' آفاق نے سر ہلا کر اتفاق کیا۔
''اس کے باوجود وہ جو بلاوجہ بیمار ہونے کی ایکٹنگ کر رہی ہے تو......'' ان کی پُرسوچ نگاہیں خلاء میں معلق ہوئیں۔

"بیماری کی ایکٹنگ۔" وہ بھونچکا رہ گیا۔ اسے روشنی سے ایسی باتوں کی امید نہ تھی۔

"ہاں میرا یہی مطلب ہے۔" آفاق کے چہرے کے رنگ اترتے دیکھ کر انہیں خاموش ہونا پڑا، معاملہ حساس تھا، اسی لیے وہ بہت زیادہ بولنا نہیں چاہ رہے تھے۔

"وہ ایسا کیوں کرے گی اسے بھلا کس چیز کی کمی ہے۔" آفاق نے سوال کیا۔

"شاید کوئی نفسیاتی گرہ ہے یا تمہاری مکمل توجہ حاصل کرنے کے لیے ہو سکتا ہے کسی کے کہنے میں آ کر......" ڈاکٹر انور نے اس کے سامنے تین آپشن رکھے اور سوچ کے نئے در وا کر دیئے۔

❁......❁......❁

"امی...... یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔" سفینہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر لجاحت سے پھر سمجھانا چاہا۔

"ایسا کون سا غضب ہونے جا رہا ہے، جو تم نے ماں کو ظالم قرار دے دیا ہے۔" ریحانہ نے مٹر چھیلنا چھوڑ کر جواب دیا۔

"آپ کو احساس ہی نہیں کہ کیا ہونے جا رہا ہے؟" اس نے ماں کے پیروں کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

"میں بے حس نہیں ہوں سفی۔" ریحانہ نے بیٹی کے گالوں کو چومتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

"پھر پے در پے کیوں ظالمانہ فیصلے کرتی چلی جا رہی ہیں؟"

"میری جان...... جو بھی ہونے جا رہا ہے اس میں تمہاری بھلائی چھپی ہوئی ہے۔" وہ محبت سے چور لہجے میں بولیں۔

"مجھے ایسی بھلائی نہیں چاہیے، جو میرے جسم سے روح کھینچ لے۔"

"سفی...... خیر کے جملے منہ سے نکالو۔" ریحانہ کو بھی تپ چڑھی۔

"کوئی خیر کی خبر ملے تب نا۔" اس نے گلابی لبوں کو بے دردی سے کاٹا۔

"سفی...... تم ابھی نا سمجھ ہو مگر بعد میں تمہیں میری ہر بات کی سمجھ آئے گی۔"

"امی...... صرف ایک بات مان جائیں، یہ گھر نہ بیچیں۔"

"ماننے والی بات ہوتی تو ضرور مانتی۔" سفینہ کی منت سماجت خاطر میں نہ لاتی ہوئی وہ اڑ گئیں۔

"اس بات کے ماننے میں کیا مشکل ہے؟"

"سفی...... ہر بات منہ سے کہنے کی نہیں ہوتی، کچھ چیزیں سمجھنے کی ہوتی ہیں۔"

"مجھے پھر بھی جاننا ہے۔" وہ ایک دم ضد پر اتر آئی۔

"تمہاری دھوم دھام سے شادی کے لیے ہمیں اس گھر کو بیچ کر اپنا حصہ لینا پڑے گا۔" ریحانہ کی آواز میں لرزش پیدا ہوئی۔

"اگر یہ بات ہے تو مجھے نہیں کرنی شادی۔" وہ ایک دم تپ گئی۔

"یہ بات دوبارہ مت کہنا سفی۔" ریحانہ ہونق ہو گئی۔

"امی...... تو پھر نکال دیں یہ خیال دل سے ہمیشہ کے لیے۔" سفینہ چلائی وہ اپنے ارادے سمیت ان کے سامنے عیاں ہو گئی تھی۔

"ہم اسی آس میں تو جی رہے ہیں تمہیں محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر خود سکون سے آنکھیں موند سکیں۔" ریحانہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"امی...... ایسے نہ کہیں۔ اللہ آپ دونوں کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے۔" سفینہ کو لگا جیسے کسی نے کلیجہ نوچ لیا ہو، ناراضی سے ماں کو دیکھا۔

"سفینہ...... تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو۔ آج ہم میاں بیوی کو کچھ ہو جائے تو تمہارا کیا بنے گا کبھی سوچا ہے۔" ریحانہ نے بڑی سنجیدگی سے تلخ سچائی بتائی۔

"یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کچھ ہونے جا رہا ہے وہ مجھے زندہ درگور کر دے گا۔" سفینہ نے ماں کو دیکھ کر آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہیں کہ زندگی میں اتنی آسانیاں کہاں ہوتی ہیں کہ ہر خواہش پوری ہو جائے۔" انہوں نے چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے اسے سمجھانے کا فریضہ جاری رکھا۔

"یہی تو میں بھی آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں امی...... زندگی میں پہلے ہی آسانیاں کم ہیں، اللہ کے واسطے مشکلات میں اضافہ نہ کریں۔" اس کے پاس بھی ایک سے بڑھ کر ایک جواب موجود تھا۔

❁......❁......❁

واپسی کے سفر میں سرمئی شام ساتھ چل پڑی۔ ڈاکٹر انور کے کلینک سے فراغت پانے کے بعد وہ خاموشی سے باہر کی طرف بڑھا، روشنی کو بھائی کے مزاج میں پیدا ہونے والا بدلاؤ پریشان کر گیا۔ اس کی معنی خیز خاموشی سے وہ تھوڑا گھبرائی اور پھر اس کا موڈ بھی آف ہو گیا۔

آفاق کو شہر میں جاری کھدائی کی وجہ سے متبادل راستہ اختیار کرنا پڑا جو ذرا طویل تھا وہ چڑ گیا۔ اس پر جگہ جگہ ٹریفک جام کی وجہ سے وقت کا ضیاع...... اس نے اسٹیئرنگ پر جھنجلا کر ہاتھ مارا۔ روشنی نے گردن اچکا کر بھائی کو دیکھا، جس کے چہرے پر بیزاری کی چھاپ واضح دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ نیا تو نہیں ہوا تھا، مگر اس کا ذہن الجھا وہ اس نہج تک جا پہنچا کہ ہر چیز تکلیف دے رہی تھی۔ روشنی کا بلاوجہ کا شور مچانا جہاں ڈاکٹر انور کو حیرت زدہ کر گیا تھا۔ وہیں آفاق کو بھی بہت کچھ سمجھا گیا۔ اس کے دماغ میں اسریٰ خالہ کی باتیں گونج اٹھیں۔ روشنی کے عمل نے ہر بات کی تصدیق کی اور وہ دکھی ہو کر چپ سا رہ گیا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے مڑ کر عقبی سیٹ پر نیم دراز حالت میں بیٹھی روشنی کو دیکھا جو کہیں سے بھی بیمار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ تھک تو وہ گیا تھا صرف جسمانی نہیں بلکہ ذہنی تھکان اس کے اعصاب پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔ خیالوں میں وہ لمحہ چمکا اور اس کے ہاتھ کپکپا اٹھے وہ کتنا ڈر گیا تھا۔ جب روشنی اچانک بے ہوش ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔

خلاف مزاج آفاق نے بھی پورے راستے بڑی خاموشی سے ڈرائیونگ کی۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ روشنی جیسی معصوم لڑکی کس کے کہنے میں آ کر ایسا کر رہی ہے، وہ اچھی طرح سے جان چکا تھا، اس کے اندر خوف کی ایک نئی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

"بھائی...... بات سنیں۔" روشنی نے تکلیف دہ خاموشی سے بچنے کے لیے بھائی کو مخاطب بھی کیا پر آفاق کی سوچوں کا تسلسل پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا بھی تو کیسے۔ زندگی میں پہلی بار بہن کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے گاڑی چلانے میں مشغول رہا۔

"عشو اماں...... ٹھیک کہتی ہیں بھائی بدل گئے ہیں۔" روشنی کی ذہنی رو منفی سمت مڑ گئی آنکھیں بھر آئیں۔

"چلو اترو۔" وہ تھوڑا روڈ لہجے میں گویا ہوا۔ گھر پہنچنے کے بعد روشنی کو تھام کر گاڑی سے اتارنے کا مرحلہ پیش آیا۔

"ہائے میری بچی آ گئی۔" بیل بجاتے ہی عشو اماں بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئیں اور بڑھ کر روشنی کو سنبھالا۔

"سب ٹھیک رہا نا۔" عشو جانے کیا جاننا چاہتی تھی، مخفی انداز میں روشنی کا ہاتھ دبا کر پوچھا۔
"ماں...... میں اب ٹھیک ہوں۔" روشنی نے اشارے میں مزید کچھ پوچھنے سے روکا۔
"ہونہہ۔" عشو نے سر ہلایا اور دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ آفاق کی نگاہوں سے ان کے تاثرات چھپے نہ رہ سکے، اس کا دل بری طرح سے خراب ہونے لگا۔ روشنی عائشہ بیگم کا سہارا لیے ہوئے اندر کی جانب چل دی۔ آفاق نے بڑے دکھ بھرے انداز میں ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور اسریٰ کو فون ملا کر سارا واقعہ گوش گزار کرنے لگا۔

❁......❁......❁

"جاؤ نہ کرو شادی...... پھر بھی میں یہ فیصلہ بدلنے والی نہیں۔" ریحانہ اپنے فیصلے پر ڈٹی کھڑی رہیں۔
"ٹھیک ہے...... میں بھی دیکھتی ہوں کہ ایسا کیسے ہوتا ہے۔" وہ دھمکی دینے کے بعد پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی جانب دوڑی۔
"اس لڑکی کا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔" ریحانہ بیٹی کے ایسے ردعمل پر گھبرا گئیں۔
"سفی...... ایک منٹ بات سنو۔" پیچھے سے اسے پکارا۔
"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔" اس نے ماں کی پکار کو نظر انداز کرتے ہوئے سوچا اور کھٹاک سے کمرہ بند کر لیا۔
"امی...... اتنی منتوں کے بعد بھی اپنا فیصلہ نہیں بدل رہی۔" سفینہ کو ایک یہی غم کھائے جا رہا تھا۔
"فائز سے جدائی کا دکھ کم تھا جو۔ اس کے ساتھ اب یہ دادا ابا کی نشانی بیچنے کا نیا قصہ کھڑا ہو گیا۔" وہ سر تھام کر بستر پر گر گئی۔
"ایسا صرف ایک میری ذات کے لیے کیا جا رہا ہے۔" اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔
"میں اس بات کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔" وہ منہ میں تکیہ ٹھونس کر چلائی۔
غصہ جنون کی شکل اختیار کر گیا تو بے اختیار ہاتھ ہلایا جو پاس پڑے گل دان سے جا ٹکرایا۔ شیشے کا پاٹ تھا چھناکے کے ساتھ میز سے گر کر ٹوٹ گیا اور زور کی آواز پیدا ہوئی، کرچیاں دور دور تک بکھرتی چلی گئیں۔ دروازے سے کان لگائے کھڑی ریحانہ کے سینے میں سانس اٹک کر رہ گئی۔

❁......❁......❁

"بھابی...... چھوڑیں نہ۔" وہ گھبراہٹ کا شکار ہوئے۔
"نہیں اب تو تمہیں بتانا پڑے گا۔" سائرہ ڈٹ گئیں۔
"بس ہے ایک ایسی بات جو میں اس حد تک مجبور ہو گیا ہوں۔" بہزاد نے سر کھجایا۔
"ہاں...... ہاں تو میں بھی اسی بارے میں پوچھ رہی ہوں۔" وہ بدمزا ہو رہی تھیں۔
"ریحانہ نے دھمکی دی ہے......" بہزاد کچھ کہتے کہتے تھم گئے۔
"دھمکی...... کیسی دھمکی؟" وہ چونک کر سوال کر بیٹھیں۔
"ریحانہ نے کہا ہے کہ اگر فائز اور سفینہ کی شادی ہوئی تو وہ نکاح کے وقت خود کو آگ لگا لے گی۔" بہزاد نے جھلا کر سچ بول دیا۔
"کیا...... !یہ کیا کہہ رہے ہو؟" ان کے منہ سے چند سرسراتے الفاظ نکلے۔
"جی میں سچ بول رہا ہوں۔ وہ صرف ایسا بول نہیں رہی کر کے بھی دکھائے گی۔" بہزاد نے سر جھکا کر کہا۔

"ریحانہ اس حد تک چلی جائے گی مجھے یقین نہیں آرہا؟" سائرہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آہ...... پتا نہیں اسے ہو کیا گیا ہے اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار نہیں۔" بہزاد نے دہلیز پر رک کر سائرہ کو دیکھا اور باہر نکل گئے۔

"ریحانہ بیگم تم نے میرے اندر کی ضدی عورت کو جگا دیا ہے۔" سائرہ لمحے بھر کو ہک دک رہ گئیں پھر پیر پٹخ کر بولیں۔

"دیورانی جی...... اب تم خودکشی تو کرو گی مگر سفینہ اور فائز کی شادی کی خوشی میں۔" سائرہ نے دانت کچکچا کر کہا اور ذہن میں تانا بانا بننے لگیں۔

※ ...... ※ ...... ※

"یہ لڑکی تو بہت ہی ضدی ہو گئی ہے۔" ریحانہ بیٹی کی حرکت پر چکرا کر رہ گئیں۔

"سفی...... سفی......" آوازیں دیں، کتنے چکر اس کے کمرے کے لگا لیے۔

"میری بچی اپنی ماں کی بات تو سنو۔" محبت سے پچکارا، پیار سے پکارا۔

"میں کہتی ہوں کھولو دروازہ ورنہ۔" تھوڑا غصہ بھی دکھایا مگر اس کی خاموشی نہ ٹوٹی۔

"توبہ...... توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔" گال پیٹتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئیں۔

"کہیں بے ہوش تو نہیں ہو گئی جو کوئی جواب نہیں دے رہی۔" یہ ہی سوچ کر وہ کئی بار دروازہ بجا چکی تھیں۔

"اللہ اب میں کیا کروں؟" کان لگائے مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا مسلسل پانی گرنے کی آواز باہر تک آرہی تھی تھوڑا اطمینان ہوا۔

"یہ بہزاد کہاں رہ گئے سب مل کر تنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" ریحانہ نے کچھ دیر بعد گھڑی پر نگاہ ڈال کر سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"سفی جان...... بات نہ کرو مگر دروازہ تو کھولو۔" ایک بار پھر دہائی دی مگر جواب ندارد۔

"یہ لڑکی تو باپ کے قابو میں ہی آسکتی ہے۔" انہیں سفینہ کی اس حرکت سے خوف محسوس ہوا۔

※ ...... ※ ...... ※

"اے میں کہتی ہوں دل کو چین پڑ گیا؟" دلشاد بانو نے صحن میں داخل ہوتے ہی طنزیہ لہجے میں بیٹی سے پوچھا۔

"کس کے دل کو چین ملا ہے اماں۔" سائرہ کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"اے تجھ کو اور کس کو اپنی دیورانی کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے بعد؟" انہوں نے مسکرا کر تپایا۔

"اچھا تو اب آپ زخموں پر نمک چھڑکنے آئی ہیں۔" وہ بھی دبنگ انداز میں مڑ کر بولیں۔

"نہیں بچی تیری آنکھیں کھولنے آئی ہوں۔" انہوں نے تھوڑا سنبھل کر جواب دیا۔

"اماں مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔" سائرہ جو پہلے ہی جلی بھنی تھی کمر پر ہاتھ رکھ کر چیخ پڑی۔

"اے لو کسی کا غصہ کسی پر اتار رہی ہے۔" دلشاد بیگم بھی تپ گئیں۔

"تو اور کیا کروں؟"

"میں تو کہتی ہوں لعنت بھیج دے ان سب پر اور شرمیلا سے رشتہ جوڑ لے۔"

"اماں پلیز بس کر دیں۔" سائرہ نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"سچ تو بول رہی ہوں کھڑے کھڑے فائز کا نکاح پڑھوا دے۔" وہ رازبھرے انداز میں بولیں۔ "دیکھنا تو تیرے دیور کے منہ پہ کیسا جوتا پڑے گا۔"

''کس سے نکاح پڑھواؤں؟'' ماں کی بات پر سائرہ نے غائب دماغی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''اے لو اوپر والی شرمیلا سے اور کس سے۔'' دلشاد بانو نے انگلی سے اوپر کا اشارہ کیا۔
''اماں سوچ سمجھ کر بات کریں۔'' سائرہ کو تو پتنگے لگ گئے۔
''آئے کیوں؟'' دلشاد نے منہ میں انگلی دبائی۔
''شرمیلا کے کچھن آپ کی نگاہوں سے مخفی ہوں گے مگر میں سب جانتی ہوں۔'' سائرہ نے انکشاف کیا۔
''ہائیں اس نے ایسا کیا کر دیا جو تو اس کے پرخچے اڑانے پر تل گئی ہے۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے پوچھا۔
''اماں میرا منہ نہ کھلوائیں آپ کی آنکھیں بند ہوں گی مگر میری کھلی ہیں۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولیں۔
''توبہ ہے...... میں نہیں مانتی اتنی معصوم بچی ہے۔'' دلشاد بانو نے کلیجے پیٹ کر نفی میں سر ہلایا۔
''مجھے نہ جھٹلائیں۔ اب کی بار اوپر جائیں تو بتول آپا سے پوچھیے گا کہ ان کی بیٹی کس امیر زادے کے ساتھ گاڑی میں گھومتی پھرتی ہے۔'' سائرہ نے گرم شال کو کاندھے پر ڈالا اور اندر کی جانب بڑھتے ہوئے زور سے کہا۔ سیڑھیاں اترتی ہوئی شرمیلا نے چونک کر سائرہ خالہ کی اپنے بارے میں گوہر افشانیاں سنیں اور سن سی کھڑی رہ گئی۔

❁......❁......❁

''اس لڑکی نے تو میرا بڑھاپا خراب کر دینا ہے۔'' ریحانہ کو سچ مچ بیٹی کی حرکتوں پر جلال آرہا تھا۔
''ایک بار یہ مکان بک جائے تو شادی کی تاریخ دے دوں۔'' آخر تھک کر وہ کمرے کے سامنے لاؤنج میں رکھے تخت پر بیٹھ گئیں۔
''خوب دھوم دھام سے رخصت کردوں اس کے بعد چین کی نیند سوؤں گی۔'' وہ خواب بننے لگ گئیں۔
''سفی کر کیا رہی ہے؟'' تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد پھر پریشانی شروع ہوئی۔
''دیکھوں تو۔'' ان کے وجود میں جنبش ہوئی بند دروازے کو سر اونچا کر کے دیکھا، کچھ نئی بات دیکھنے کو نہ ملی۔
''بہزاد کو کال کر کے بیٹی کی حرکتیں بتاتی ہوں۔'' ریحانہ کو خیال آیا تو شوہر کا نمبر ڈائل کیا۔
''ان کو دیکھو یہ بھی فون نہیں اٹھا رہے۔'' وہ تپ گئیں۔
''بہزاد...... کال تو پک کریں۔'' ریحانہ نے خود کلامی کی مگر بیکار، بہت دیر تک بیل جاتی رہی مگر دوسری طرف سے کال ریسیو نہیں کی گئی۔
''شاید راستے میں ہوں گے۔'' خود کو تسلی دیتے ہوئے لائن کاٹ دی۔
سفینہ نے بہت دیر تک بستر پر پڑے رونے کے بعد خود کو بہتر محسوس کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماں سے ناراض تھی تو باہر سے ہونے والی کسی دستک کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا رونے کی وجہ سے آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔ کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو واش روم میں جا کر جلتے وجود کو بہت دیر تک شاور کے نیم گرم پانی سے بھگوتی رہی۔ تھوڑا سکون حاصل ہوا تو لباس بدل کر باہر آئی اور بالوں کو تولیہ سے پونچھ کر انگلیوں سے سنوارتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔ دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی تخت پر ریحانہ نیم دراز دکھائی دیں۔ اس نے منہ پھیر لیا۔
کھٹکے کی آواز پر ریحانہ خیالات کو ایک طرف دھکیل کر حال میں واپس آئیں، کھلے کمرے سے سفینہ نکلتی دکھائی دی، وہ گیلا تولیہ باہر رسی پر ڈالنے کے لیے، ماں کے قریب سے ایسے گزر گئی جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو، ریحانہ جل بھن کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

''روشنی کی سوچ ایک معصوم بچے جتنی رہ گئی ہے۔'' اسریٰ نے بھانجے کو سمجھایا۔ سارا واقعہ سن کر ان سے رہا نہ گیا دوڑی چلی آئیں۔

''ہاں...... ایسا بچہ جو آگ سے کھیلنا چاہتا ہے۔'' آفاق نے دبے لہجے میں شکایت کی۔

''ہم اسے ان دیکھی آگ سے بچالیں گے۔'' اسریٰ نے حوصلہ آمیز لہجے میں کہا۔

''خالہ جانی وہ بہت دور نکل گئی ہے۔'' اس کا لہجہ مایوسی کی حدوں تک جا پہنچا۔

''نہیں جان...... ہم اسے سنبھالیں گے۔''

''پتا نہیں کیوں وہ ہر بات کا غلط مطلب نکال رہی ہے۔''

''میں تو تمہیں بہت دن سے یہی بات سمجھانا چاہ رہی تھی۔''

''میں اپنے آپ کو اس بات کے لیے معاف نہیں کروں گا۔'' لہجے میں تھکن جاگی۔

''کس بات کے لیے؟'' اسریٰ نے حیرانی سے دیکھا۔

''آپ ہر بات جانتے ہوئے بھی یہ سوال کر رہی ہیں۔'' وہ بلاوجہ تنگ سا گیا تو انہیں خاموش ہونا پڑا۔

''سوری...... میں کچھ زیادہ ہی اونچا بول گیا۔'' اسے فوراً ہی احساس ہوا تو معذرت کی۔

''اٹس اوکے...... بیٹا میں تمہاری ذہنی کشمکش سے آگاہ ہوں۔'' وہ مسکرائیں۔

''کیسا اندھیر ہے کہ روشنی گھریلو سیاست کا شکار ہوگئی اور میں بے خبر رہا۔'' سپید فراخ پیشانی پر شکنوں کا جال۔ وہ بھنچی آواز میں بولا۔

''نہیں...... نہیں خالہ کی جان ایسا الٹا سیدھا مت سوچو۔'' سرسری انداز میں جواب دیا۔

''آپ جانتے بوجھتے یہ بات کہہ رہی ہیں۔''

''میں ہر بات جانتی ہی نہیں بلکہ سمجھتی بھی ہوں۔'' ان کے لہجے کی معنی خیزی اسے الجھا گئی۔

''پھر بھی۔'' آفاق نے مزید کچھ بولنا چاہا مگر دروازے کا پردہ ہلتا دیکھ کر چونک کر چپ ہوگیا۔

''ایک منٹ۔'' اسریٰ نے خوبرو بھانجے کو انگلی سے خاموش رہنے کو کہا اور دھیرے دھیرے دروازے کی جانب بڑھتی چلی گئیں۔

❂......❀......❂

اداسیوں کے موسم میں جاڑوں کی خنکی سے بچنے کے لیے اپنے نازک وجود کو گرم شال میں لپیٹے رات دیر تک ٹہلنا سفینہ کو بہت زیادہ بھاتا تھا، ان سب باتوں سے قطع نظر کے خزاؤں کا ڈیرہ اس موسم کی رعنائی نگل لیتا ہے۔ وہ اس ماہ کو نئے آنے والے سال کی امید قرار دیتی آئی تھی۔ اسی لیے جب بھی دسمبر کی آمد پر سفینہ خوشی سے جھومنے لگتی تو ریحانہ اسے خبطی قرار دیتیں۔ مگر مجال ہے جو وہ ذرا سا بھی اثر لیتی...... ہنستے ہوئے ریوڑیوں کے ساتھ الائچی سے مہکتا سبز قہوہ بنا کر ماں باپ کو پیش کرتی تو کبھی گاجر کا حلوہ فرمائش کر کے منگواتی۔ ان دنوں کو ہر انداز میں انجوائے کرنا اس کی عادت تھی۔

برسات میں نکھرتا گلابی سردیوں کا رنگ، چھت پر ٹہلتے ہوئے گرما گرم کافی کا کپ پیتے ہوئے فائز سے دنیا جہان کی باتیں کرنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ وہ باپ یا تایا ابا کے ساتھ لان میں بیٹھ کر پھیکی پڑتی ہلکی نارنجی دھوپ سینکتی یا تخت پر بیٹھ کر ڈھیروں کینو چھیل چھیل کر نمک لگا کر خود بھی کھاتی اور ماں کو بھی کھلاتی۔ کبھی کبھی رات کے وقت تنہا چہل قدمی کرتے ہوئے زرد ہالے میں چمکتے چاند کا نظارا اس کے معمولات کا حصہ تھا۔ ایسے میں گھر لوٹتے ہوئے فائز جیبوں میں چھپا کر اس کے لیے مونگ پھلی اور چلغوزے لاتا تو وہ سنہری رخساروں پر نرم ہتھیلیاں رکھ کر بچوں کی طرح خوشی سے ناچ

اٹھتی اور فائز کی پیار بھری نظروں کا حصار اس کے اردگرد پھیلتا چلا جاتا......اس ایک لمحے میں ساری عمر گزار دینے کی خواہش اس کے من میں جاگتی مگر اب وہ لمحے کیسے لوٹ کر آئیں گے......یہ سوال اسے اذیت دے رہا تھا۔

❁......❁......❁

ہوٹل کی بلند و بالا اور شاندار عمارت کے سامنے کھڑے ہو کر جانے کیوں شرمیلا پہلی بار پزل ہو کر رہ گئی۔ ہوٹل کے جگمگاتے گلاس ڈور کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے اندر خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کا محافظ اسے اندر جانے سے نہ روک دے مگر اچانک اس کے ہاتھ پر نبیل کی مضبوط گرفت محسوس ہوئی اور اندر تک اطمینان چھا گیا۔ وہ بے فکری سے قدم بڑھانے کا سوچنے لگی واقعی پیسے میں بڑی طاقت ہے۔

"چلو یہاں کیوں رک گئی؟" وہ محبت سے بولا تو خیالات کی رو ٹوٹی۔

"آں ہاں کچھ نہیں۔" اس نے بظاہر مسکرا کر مگر لرزیدہ قدموں کے ساتھ چمکتی سیڑھیاں عبور کی۔

"میں تمہیں یہاں ایک بہت خاص بات بتانے لایا ہوں۔" وہ کھڑکی کے ساتھ رکھی ٹیبل پر بیٹھتے ہی بے چینی سے بولا۔

"اچھا ایسی کیا بات ہے۔" شرمیلا کو خود پر قابو پانے کا موقع مل چکا تھا۔ مسکرا کر بولی۔ اندر کا ماحول باہر سے مختلف تھا۔ وہاں ایک نئی دنیا آباد تھی۔ خود میں مگن، ہر کوئی دوسرے سے بے نیاز اور لاتعلق، آلودگی سے یکسر پاک، ٹھنڈک آمیز اور پُرسکون فضائیں، جس میں مزیدار کھانوں کی خوشبو گھوم رہی تھی۔

"میری شادی طے پا گئی ہے۔" وہ اس کی جانب دیکھتے جھکتے ہوئے بولا۔ شرمیلا کو ایک شاک پہنچا۔

"اچھا......مبارک ہو۔" مگر اپنی کمزوری کا اظہار کرنا اسے آتا ہی نہیں تھا، خوش دلی سے بولی۔

"بابا کے دوست کی بیٹی ہے۔" وہ خود سے تفصیل بتانے لگا۔

"اچھا......" اس کی غیر معمولی مردانہ وجاہت اور امیرانہ انداز اسے یہاں موجود بہت سارے لوگوں میں ممتاز کر رہے تھے، مگر شرمیلا کو رتی برابر بھی پروا نہیں تھی کیونکہ دل فائز میں جو اٹکا ہوا تھا وہ اگر اس کے ساتھ یہاں تھی تو صرف فائز کو نیچا دکھانے کے لیے۔

"بہت خوب صورت اور امیر ہے۔" وہ زچ ہو کر اسے جلانے کی بھونڈی کوشش کرنے لگا۔

"چلو یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ وہ دیکھی بھالی اور ہم پلہ بہولا رہے ہیں۔" اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"مطلب تمہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوا۔" وہ مایوس اور کافی حد تک دکھی ہوا۔

"افسوس کس بات کا یہ تو خوشی کی خبر ہے۔" اب کی بار اس نے نبیل کو جان بوجھ کر چڑایا۔

"یہ لڑکی مجھے ہمیشہ چونکنے پر مجبور کرتی ہے۔" نبیل نے اس کے حسین چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لیا اور دل میں سوچا ورنہ وہ تو سوچ رہا تھا کہ شرمیلا اس کی منت سماجت پر اتر آئے گی۔

"اچھا مگر ایک اچھی خبر اور بھی ہے۔" نبیل کا انداز ڈرامائی ہوا۔

"وہ بھی سنا دو۔" شرمیلا نے اپنے شفاف ناخنوں کو گھورتے ہوئے بے دلی سے پوچھا۔

"میں تم سے بھی شادی کروں گا۔" اب کی بار اس نے شرمیلا کو چونکا ہی دیا۔

"واٹ......شادی یا دوسری شادی۔" وہ ماحول کا خیال کیے بناء چلائی۔

"کول ڈاؤن بے بی۔" نبیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا مگر شرمیلا کا غصہ کم نہیں ہوا۔

''خیریت تو ہے عائشہ بیگم؟'' اسریٰ نے بڑے جارحانہ موڈ میں کن سوئیاں لیتی ہوئی ملازمہ کے مقابل پہنچ کر پوچھا۔

''وہ...... وہ...... میں کھانے کا پوچھنے آئی تھی۔'' یوں پکڑے جانے پر عشو بیگم کی جان نکل گئی، انگلیاں مروڑتے ہوئے بولیں۔

''ابھی تو کھانے کا وقت نہیں ہوا پھر آپ کو کس بات کی فکر کھائے جا رہی ہے۔'' اسریٰ انہیں کوئی رعایت دینے کو تیار نہ تھیں۔

''ہائے ہائے اگر پوچھ لیا تو کون سا گناہ ہو گیا؟'' عائشہ بیگم نے چڑ کر آنکھیں چڑھا کر کہا۔

''گناہ اور ثواب کا بھلا آپ سے کیا واسطہ؟'' وہ بھنا کر چلائیں۔

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' عشو بیگم نے گھبرائے لہجے میں پوچھا۔

''اگر آپ میں تھوڑی سی بھی مروت ہوتی تو ان یتیم بچوں کی زندگی سے یوں نہ کھیلتی۔'' اسریٰ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''بس یہ ہی سننے کو رہ گیا تھا۔'' عشو نے جان کر زور سے چلا کر کہا، روشنی کو سنانا مقصود تھا۔

''ایک لفظ بھی غلط ہو تو مجھے جھٹلا دیں۔'' اسریٰ کی جرح جاری تھی۔

''بی بی میری وفاداری پر انگلی نہ اٹھائیں۔'' عائشہ بیگم گڑبڑائیں۔

''ابھی حساب کتاب شروع کہاں ہوا ہے ورنہ بڑے کھیلے نکلیں گے۔'' اسریٰ آج انہیں بے نقاب کرنے کے موڈ تھیں۔

''توبہ توبہ الزام تو نہ لگائیں۔'' عشو نے کلے پیٹتے ہوئے زور زور سے کہا۔

''آپ لوگ مالک میں ملازمہ میری یہ مجال جو آپ کو جھٹلا سکوں۔'' وہ مگرمچھ کے آنسو بہانے پر آ گئیں۔

''جھٹلانے کے لیے سچائی کی قوت کا ہونا ضروری ہے۔'' عائشہ بیگم آپے سے باہر ہو گئیں۔

''روشنی آفاق یہاں آؤ اور دیکھو آج مجھے اس گھر میں کیسی عزت سے نوازا جا رہا ہے۔'' عائشہ بیگم نے دہائی دی ساتھ ہی رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا۔ آفاق تو سب جانتا تھا، اس لیے دخل دینے سے پرہیز کیا۔ اسریٰ البتہ ملازمہ کی ایسی دیدہ دلیری پر منہ کھول کر دیکھتی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

سفینہ آگے کی جانب بڑھی تو ہر طرف بکھرے زرد خاکستری اور سرخ پتے اس کے نرم پیروں تلے آ کر چرمرا اٹھے...... وہ بے اختیار زمین پر بیٹھ کر ان پتوں کو ہتھیلی کی اوک میں بھرنے لگی۔ جانے کیوں یہ مہینہ جدائی اور ہجر کا استعارہ بنا ہوا تھا۔ وہ اس انجام پر افسردہ ہو گئی۔ اداسی نے ماحول کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ فائز کی محبت بھرے انداز شوخی کا پہناوا اوڑھے اس کے پاس چلے آئے، ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ بہت دیر تک ان میں کھوئی رہی پھر کچھ دیر بعد گردن اٹھا کر خان ہاؤس کی وسیع و عریض عمارت کا جائزہ لیا۔ دل بجھنے سا لگا ایسی جذباتی وابستگی محسوس ہوئی کہ وجود میں درد کی لہریں دور تک بہتی چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد سرد آہ بھرتے ہوئے اٹھی اور دو قدم چل کر اونچی ڈھلان پر جا کھڑی ہوئی۔ فضاء میں خشک پتوں کی مہک میں پھیلی اپنائیت اس کے دل پر اثر کر گئی۔ اداس ہوائیں جانے کس بات کا ماتم کرتی ہوئیں اس طرف چلی آئی، سنہری آنکھوں کے گلابی گوشے بھیگ اٹھے۔ کہتے ہیں کہ عشق سچا ہو تو میلے میں بھی اکیلا کر دیتا ہے، اس کے اردگرد بھی تو یادوں کا میلا لگا ہوا تھا۔

"فائز......فائز......" ایک ہچکی منہ سے نکلی اور اس نے ہاتھوں میں منہ چھپا کر بے آواز لہجے میں محبوب کو پکارا۔ دکھ، درد اور نارسائی کی کیفیت سے گزرنا کتنا جان لیوا ہے، اس سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی فطرت کی اس آنچ سے خود کو بچا نہیں سکتی تھی جسے محبت کہتے ہیں اور فائز کی چاہت تو اس کے اندر سے امڈتی، ایک تند لہر تھی جو اس کا وجود اپنے ساتھ بہائے لیے جارہی تھی۔ سفینہ نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

❁......❁......❁

"کیا ہوا ہے؟" شور کی آواز سن کر روشنی اور آفاق بھی کوریڈور کی طرف چلے آئے۔

"دیکھو بچوں...... مجھے اب کیا کیا سننے کو مل رہا ہے۔" وہ بے قراری سے روشنی اور آفاق کو دیکھ کر بلکنے لگیں۔

"بس بس بچوں کو بلیک میل نہ کریں۔" اسریٰ کو ہوش آگیا، کمر پر ہاتھ رکھ کر دو قدم آگے آئیں اور عائشہ بیگم کو گھورا۔

"یہاں کس بات پر بحث چل رہی ہے؟" روشنی نے حیرت سے پوچھا۔

"بچوں......اس گھر کے در و دیوار گواہ ہیں کہ میری جوانی کے سنہری سال تم لوگوں کی دیکھ بھال میں گزر گئے۔" عشو نے ان دونوں کی جانب دیکھا۔

"اماں آپ کو صفائی دینے کی ضرورت نہیں۔" روشنی نے عائشہ کا بازو تھام کر تسلی دی۔

"اس گھر کی دیواریں تو نمک حرامی کی بڑی داستانیں اپنے دامن میں سمیٹے کھڑی ہیں۔" اسریٰ کا طنز تیر کی طرح عائشہ بیگم کے دل میں پیوست ہوا تھا۔

"نہیں بی بی اتنا ظلم نہ ڈھاؤ۔" عائشہ بیگم کو سچ مچ میں رونا آگیا۔

"آپ دونوں خاموش ہوجائیں پلیز۔" آفاق نے زچ ہو کر انہیں دیکھا مگر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ ہوئیں۔

"اس گھر کے در و دیوار لالچ، ہوس اور بے ایمانی کے نظاروں کی بھی گواہ ہیں۔" اسریٰ کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا چلا کر بولیں۔

"دیکھو اب سفید چونڈے پر تمہاری خالہ کالک ملنے چلی ہیں۔" وہ ماتھا پیٹتی چلی گئیں۔

"اماں پلیز روئیں تو نہ۔" روشنی نے جلدی سے بڑھ کر عائشہ بیگم کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھا اسے کسی اور کی پروا بھی نہیں تھی۔

"نہیں بیٹا بہت سن لیا۔" عشو کا مقصد پورا ہوا، وہ اس کے جذبات سے کھیلنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

"ایسی باتوں سے ان بچوں کو بے وقوف بناؤ مگر میں نہیں بن سکتی۔" اسریٰ نے آفاق کے اشاروں کو نظرانداز کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

"بس آفاق گاؤں کا ٹکٹ لادو۔" انہوں نے ترپ کا پتا پھینکا۔

"وہ کس لیے اماں؟" روشنی نے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔

"میں شام کی گاڑی سے واپس گاؤں جانا چاہتی ہوں۔" عشو زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئیں اور سر پر ہاتھ رکھ کر آنسو بہاتے ہوئے ایک ہی بات کی گردان کرنے لگیں۔

❁......❁......❁

"فائز......فائز......" سائرہ نیم اندھیرے کمرے میں اسے پکارتی ہوئی داخل ہوئیں۔

"جی ممی......؟" ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی آنکھ لگی تھی کہ ماں کے پکارنے پر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا سو گئے ہو؟" انہوں نے بے تکا سوال کیا۔

"بس ایسے ہی لیٹا تو نیند آ گئی۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھ ملتے ہوئے جواب دیا۔
"ایک کام تھا تم سے۔" وہ رک رک کر بولیں۔
"پاپا کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس کا دل باپ کی طرف ہی لگا رہتا تھا، چونک کو پوچھا۔
"ہاں ابھی تو انہیں میڈیسن کھلائی ہے۔" سائرہ کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا، اصل بات بتانا بھول گئیں۔
"ہونہہ۔" اس کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بولے تو سر ہلا دیا۔
"بہت چپ چپ ہو گئے ہو۔" بلیو جینز، گرے ٹی شرٹ میں ملبوس اداس آنکھوں اور اپنے لمبے چوڑے وجود کے ساتھ سامنے بیٹھے بیٹے کی نظر اتارنے کا دل چاہا۔
نہیں تو۔" اس نے بڑی سرعت سے نگاہوں کا زاویہ بدلا، ماں کو اپنی کمزوری دینا نہیں چاہتا تھا۔
"بیٹا...... میں ہر بات اچھی طرح سے سمجھتی ہوں مگر......" ذرا سا جھک کر سرسراتے لہجے میں جتایا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔" فائز نے بھنویں اچکا کر مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔
"اچھا تو سچ سچ بتاؤ تمہیں اپنی چاچی کے انکار کا دکھ نہیں؟" سائرہ نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے کریدا۔
"ممی اب وہ بات اپنے انجام تک پہنچ چکی ہے چھوڑیں۔" اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھتے ہوئے، اس نے لہجے میں مصنوعی اطمینان گھسیٹا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔
"نہیں فائز ابھی تو اصل شروعات ہوئی ہے اسی کام سے تو میں آئی ہوں۔" اسے ماں کی آواز میں ماضی کے رنگ چھلکتے محسوس ہوئے دل کو گھبراہٹ ہوئی۔
"ممی......! اب میں اپنی زندگی میں کوئی نیا تماشہ نہیں چاہتا۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا سا تھا۔
"تماشہ تو ہوگا مگر کسی اور کی زندگی کا۔" ان کا عجیب سا لہجہ نظر ملنے پر وہ اندر ہی اندر کپکپایا۔
"آپ کیا سوچ رہی ہیں پلیز مجھے بتائیں؟" وہ ایک دم ماں کے مقابل آ کھڑا ہوا اور سخت لہجے میں بولا۔
"اتنی جلدی بھی کیا ہے تھوڑا انتظار کرو سب پتا چل جائے گا۔" ان کا انداز آگ بن کر تپا گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وقت کے ظالم ہاتھوں میں آ کر جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ بس ایک کسک سی تھی جو من کو جلائے رکھتی۔ اس دسمبر میں اس نے نہ کینو چھیلے، نہ قہوہ بنایا، گاجر کے حلوے سے بھی منہ موڑ لیا اور مونگ پھلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس وقت بھی موسم کا حسن اسے، بہت دیر تک اپنے سحر میں جتلا نہ کر سکا۔ وہ خلاؤں میں ان کھوئے ہوئے محبت بھرے لمحوں کو تلاشتی رہی مگر لاحاصل۔ اسے اب سرما کی دھوپ سے بھی اکتاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ نہ وہ دسمبر رہا نہ خوب صورت باتیں، سب کچھ ماضی کی یادیں بن گئیں، چڑچڑاہٹ میں سفینہ نے سنہری گالوں میں گھلتی سرخی کو ہاتھ کی پشت سے دھکیلا اور اندر کی جانب قدم بڑھائے رائٹنگ ٹیبل پر رکھی سیاہ ڈائری نے جیسے اسے پکارا...... ہاتھ میں لے کر احتیاط سے کھولا اور جیسے محو ہو گئی۔

وہ آخری چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں

رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل سی دل میں سجتی ہے
فون کی ڈائری کے صفحوں سے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس قدر پیارے پیارے ناموں پر
رینگتی بدنما لکیریں سی
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں، ان کے حرف
ایسے کاغذ پہ پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون کے سوکھے نشان
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن ہیں
ہر برس کی طرح سے اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس برس کے آخر تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کی ڈھیریوں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں میں
اک دن اس طرح بھی ہونا ہے
رنگ کو روشنی میں کھونا ہے
اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان کی آنکھوں کے خواب دانوں میں
اک صحرا سا پھیلتا ہوگا

اور کچھ بے نشاں صفحوں پہ
نام میرا بھی کٹ گیا ہوگا
(امجد اسلام امجد)

اس بار دسمبر بھی اس کے احساسات پر حاوی نہ ہوسکا، ہوتا بھی تو کیسے، وہ تو فائز کی چاہت کے ساتھ ساتھ اس آنگن کی دھوپ، ان درختوں پر آنے والا پت جھڑ اور خشک پتوں کی خوشبو سے محروم ہونے کے خوف میں مبتلا تھی۔ غم سوا ہو چلا تھا۔

❁......❁......❁

"سو تو آپ جا رہے ہیں۔" شرمیلا نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگئی۔
"ہاں جانا تو نصیب ٹھہرا۔" نبیل جو دوسری طرف متوجہ تھا چونک کر اسے دیکھتے ہوئے فلسفہ جھاڑا۔
"چلو اچھا ہے جو فیصلہ کل ہونا تھا وہ آج ہو جائے۔" شرمیلا کا لہجہ کچھ شکستہ ہوا، جس پر اس نے مسکراہٹ کا پردہ ڈالا۔
"اب بھی وقت ہے اگر تم نکاح کے لیے مان جاؤ تو۔" نبیل نے برابر میں بیٹھی شیشے سے بنی لڑکی کو نرم نگاہوں سے تکتے ہوئے کہا۔
"نہیں، میں شراکت برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کے لہجے میں رسانیت ابھری، گلابی لب خشک ہوئے۔
"جان وہ تو صرف نام کی بیوی ہوگی، مجھ پر تو مکمل طور پر تمہارا اختیار ہوگا۔" نبیل کا انداز دلجوئی کا تھا مگر شرمیلا کو خاندانی بیویوں کی قوت کا مکمل اندازہ تھا۔
"ایسا نہیں ہوتا نبیل۔" شرمیلا کے چہرے سے واضح بے بسی کا اظہار جھلکنے لگا تھا۔
"میں ہر طرح کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔" اس کی رضا کا پاس تھا ورنہ تو وہ کسی بھی حد پر جا کر اسے اپنا بنانا چاہتا تھا۔
"جانے آنے والا وقت کیا رنگ دکھلاتا ہے ایسے دعویٰ نہ کریں۔" وہ ایک دم ملول ہوگئی۔
"شرمیلا...... ایک بات کہوں تم میری زندگی میں آنے والی وہ واحد لڑکی ہو جس کو میں نے اپنی عزت جانا ہے۔" نبیل نے اُسے بھرپور توجہ و محبت سے دیکھتے ہوئے جانے کیا باور کرانا چاہا۔
"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" اس نے خود پر قابو پا کر نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔
"لڑکیوں کی محبت اور قربت نبیل علی کے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے شرمیلا۔" نبیل کا بھاری لہجہ اور انداز بڑا خاص تھا۔
"پلیز ز...... مجھے اس لسٹ میں شامل نہ کریں، جو آپ کی دولت پر فریفتہ رہی ہیں۔" شرمیلا نے اسے تیکھی نظروں کی زد پر رکھا۔
"جانتا ہوں جان اسی لیے تو تمہیں اپنی عزت بنا کر بیوی کا درجہ دینا چاہتا ہوں۔" نبیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر جتایا۔
"تو پھر وہاں انکار کر دیں اور اپنے والدین کو میرے گھر لے آئیں۔" شرمیلا نے بڑی مشکل سے یہ جملہ ادا کیا۔
"کاش یہ آسان ہوتا مگر کوئی فائدہ نہیں اگر میں نے ہمت کر بھی لی تب بھی ایسا نہیں ہوسکتا۔" نبیل یکا یک سنجیدہ ہو کر بولا۔
"اچھا تو پھر میں اس ملاقات کو آخری سمجھوں۔" وہ تھوڑا اچھلائی۔ خود کو بہت مضطرب اور بے کل محسوس کر رہی تھی۔
"نہیں...... بیوی تو تمہیں میری بننا پڑے گا۔" وہ اس کی جانب قدرے جھکا اور شرارت آمیز انداز میں اس کی ناک کو پکڑ کر زور سے دبایا۔

"ان حالات میں تو ایسا ممکن نہیں۔" شرمیلا نے ہونٹ چبائے۔
"اچھی طرح سے سوچ لو میں واپس آؤں گا تو یہ خوشگوار فریضہ انجام دیا جائے گا۔" اس کا خوب صورت بھاری لہجہ بہت آسودگی سے پُر تھا۔
"ٹھیک ہے تو اس لڑکی سے شادی سے انکار کردیں۔" وہ بھی اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔
"پلیز شرمیلا...... بس اب تم مزید ایک لفظ بھی نہیں کہو گی۔ اوکے؟" وہ یک دم رُوڈ ہوا شرمیلا پہلے حیرت زدہ رہ گئی پھر اس کی نگاہوں میں شکایت اتر آئی۔
"میرا خیال ہے کہ مجھے چلنا چاہیے۔" شرمیلا نے کچھ دیر تک اسے زخمی انداز میں دیکھا پھر خشک لہجے میں بولی۔
"اوکے...... بائے۔" نبیل نے ایک جھٹکے سے روڈ کی سائیڈ پر لے جا کر گاڑی روک دی۔ شرمیلا نے دروازہ کھولا اور نبیل کے اہمیت نہ دینے پر وہ پیر پٹختی ہوئی قریب کھڑے رکشے کو ہاتھ دے کر اس میں بیٹھ گئی۔
"یہ لڑکی جتنی مشکل ہے، اتنی مجھے عزیز ہوتی جارہی ہے۔" نبیل نے گہرا سانس بھرا اور سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کرکے مین روڈ پر ڈال دی۔
"شرمیلا جان میں اس موقع پر تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا مگر تم مجھ سے وہ بات منوانا چاہتی ہو جو میرے اختیار سے باہر ہے۔" اس کے اعصاب پھر تناؤ کا شکار ہونے لگے۔ اسٹیرنگ پر مکا مارا۔ شرمیلا اس کی محبت تھی اور اس کی ہستی نبیل کے نزدیک بے حد اہم، مگر اس وقت وہ اُس کے پیچھے جانے اُسے منانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسے واپس جانا تھا ورنہ ملازم گاؤں خبر کرکے اس کے لیے نئی مشکلات کھڑی کرسکتا تھا۔

❁......❁......❁

فائز ٹہلتے ٹہلتے ایک دم خیالات کی یلغار سے پریشان ہوکر صوفے پر لیٹ گیا۔ اس کا وجود ان دیکھی تھکن سے چور چور ہونے لگا۔ کئی دنوں سے وہ دکھوں کے دلدل میں جیسے دھنستا چلا جارہا تھا۔ ایک وقت تھا جب اسے خوش رہنا ہنستے کھلکھلاتے رہنے کا مرض لاحق تھا۔ یوں اداس، غمگین مجنوں کی طرح سینہ مسلتے سوز وغم میں مبتلا رہنے والوں پر اسے بے حد ہنسی آیا کرتی تھی مگر اب جب بھی کاموں سے فرصت ملتی، اس کے سوچوں کا بہاؤ خود بخود سفینہ کی طرف مڑ جاتا۔ کیا اب وہ خود پر ہنس سکتا تھا، اسے اپنے آپ پر ترس آنے لگتا۔ یوں جینے کے گر وہ خوب جانتا تھا اور اچھے برے لوگوں پر فتح پانے کا دلدادہ مگر سب کچھ بھول چکا تھا۔

سفینہ سے الگ ہونے کا خدشہ اس کے دل کے ہر گوشے میں ایسے چھپ کر بیٹھ گیا تھا کہ اس کی ساری تیزی، طراری، ہنسی مذاق، شوخی شرارت کہیں جا سوئی تھی۔ اب تو وہ منتظر تھا کہ کس دن چاچا کے گھر سے اس کی موت کا پروانہ، شادی کے کارڈ کی شکل میں آتا ہے۔

دیر تک کسی بات کو دل میں رکھ کر اپنے آپ کو میلا کرنے کی اس کی فطری سادہ لوحی متحمل ہی نہ ہوسکتی تھی۔ مگر جانے کیوں چاچی سے وہ دل ہی دل میں ناراض ہو بیٹھا تھا۔ وہ بچپن سے ان کا شیدائی تھا، چھوٹا تھا تو ان کا پلو تھامے تھامے پھرتا...... ریحانہ بھی فائز کا بہت خیال رکھتی، اس کے لیے گرما گرم میٹھا پراٹھا پکا کر اپنے ہاتھوں سے کھلاتی، سفینہ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں، وہ انہیں اپنی دوسری ماں سمجھتا تھا مگر اب جوانی میں جہاں اپنی اولاد کی بات آئی تو انہوں نے اسے پرایا کردیا تھا۔

❁......❁......❁

"جاؤ آفاق لے آؤ ٹکٹ۔" اسریٰ نے شہہ دی۔

"ہاں...... ہاں بس یہ ہی سننے کی کسر رہ گئی تھی۔" عشو نے متوحش ہو کر سب کو دیکھا۔
"ویسے بھی عائشہ بیگم کو اپنا بڑھاپا اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا چاہیے۔" اسریٰ نے بڑے اطمینان سے جتایا۔
"آہ...... میں نے تو ہمیشہ ان بچوں کو ہی اپنا سمجھا تھا۔" عائشہ بیگم نے ایک اور کمزوری سے کھیلا اور منہ پر دوپٹہ ڈال کر بلکنے لگ گئیں۔
"آپ ہماری اماں ہیں نا۔" روشنی کو جیسے ہوش آیا تو پچکارا۔
"کاش ایسا ہی ہوتا۔" اسریٰ نے گھورا۔
"جاؤ بیٹا جلدی کرو۔" عائشہ بیگم کو پتا چل گیا کہ روشنی اب جانے نہیں دے گی، اسی لیے اعتماد سے کہا۔
"ٹھیک تو ہے اب یہ معاملہ بھی صاف ہو جائے۔" اسریٰ نے بڑی دیدہ دلیری سے انہیں گھورتے ہوئے آفاق سے کہا۔
"ہائے ہائے یہ عورت تو مجھے مروائے گی۔" عشو نے کنکھیوں سے پہلے اسریٰ اور پھر آفاق کے وجیہہ چہرے کو دیکھا۔
"ہاں میں تمہیں مزید ان بچوں کا استحصال نہیں کرنے دوں گی۔" اسریٰ نے بت بنے کھڑے بھانجے بھانجی کو دیکھ کر کہا۔
"اگر بچوں کی یہ ہی خواہش ہے تو جاؤ آفاق بیٹا جلدی سے ٹکٹ لے آؤ اب یہاں کا پانی بھی مجھ پر حرام ہے۔" انہوں نے ایک اور چال چلی۔
"یہ سلسلہ کہاں تک جائے گا؟" آفاق کے چہرے پر تفکر کے رنگ ابھرے۔
"آپ لوگ پلیز۔ خاموش ہو جائیں۔" روشنی نے التجائیہ انداز میں کہا تو عائشہ بیگم کو سہارا حاصل ہوا۔
"نہیں بیٹا اب جانے دو بہت بے عزتی اٹھالی۔" عائشہ بیگم نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے چادر کے کونے سے آنکھ پونچھی۔
"عزت اور ذلت کروانا انسان کے اپنے اختیار میں بھی ہوتا ہے۔" اسریٰ اس وقت کڑی کمان بنی ہوئی تھیں۔
"بی بی اپنی چپل اتاریں اور میرے سر پر ماریں مگر زبان سے یوں زخم نہ لگائیں۔" عشو بیگم نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ڈرامہ کیا۔
"اُفوجاؤ نا ٹکٹ لے آؤ۔" اسریٰ کو انہیں چڑانے میں مزہ آنے لگا۔
"اماں جانا چاہیں تو؟" آفاق کو بھی یہ حل نظر آیا مجبوراً سر ہلایا۔
"میرے خیال میں عائشہ بیگم کو اب آرام کی ضرورت ہے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں تسلی دی۔
"بھائی...... جائیں ٹکٹ لے آئیں۔" روشنی نے کھڑے ہوتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا اور منہ پھلالیا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہے روشنی؟" سب کے ساتھ ساتھ عشو بیگم بھی ہکا بکا رہ گئیں۔
"دیکھا میری بچی کتنی سمجھدار ہوگئی ہے۔" اسریٰ نے مسکرا کر بھانجی کو دیکھا۔
"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔" روشنی نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"کیا مطلب تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" آفاق کو اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا کہ روشنی ایک ٹرانس میں ہے، اسی لیے کسی دھماکے کی منتظر تھا۔
"بھائی...... اماں کے ساتھ میرا ٹکٹ بھی لادیں۔" روشنی نے واقعی میں دھماکا کر ڈالا تھا۔
"کیا مطلب کہنا کیا چاہتی ہو؟" اسریٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"مجھے یہی امید تھی۔" آفاق کو ذراسی بھی حیرانگی نہیں ہوئی، اس نے بہن کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔
"اگر اس گھر سے عشو اماں جائیں گی تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گا۔" روشنی نے عائشہ بیگم کو خود سے لپٹا کر روتے ہوئے کہا۔
"روشنی......" اسریٰ نے سرسراتے لہجے میں بھانجی کو پکارا مگر اس نے ذرا لفٹ نہ کروائی۔ عائشہ بیگم نے البتہ بڑی فاتحانہ نظروں سے انہیں گھورا اور روشنی کو ساتھ لگائے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

❁......❁......❁

فائز کا غصہ اور جھنجلاہٹ سفینہ کی موجودگی میں جیسے ہوا ہوگیا۔ زندگی میں پھیلے کانٹے ہمیشہ اس کی قربت میں کند ہوجایا کرتے، اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ ساری دنیا میں اس کے لیے وہ واحد ہستی تھی جسے صرف محبت کی نظر سے دیکھا جاسکتا تھا۔ شک کی نگاہ سے نہیں لہٰذا اس نے سفینہ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا اور ملنے کے لیے اسی پارک میں بلوایا جہاں انہوں نے ایک ساتھ کئی حسین پل گزارے تھے۔
"سفی سنو تو۔" فائز نے اسے بے ساختہ مخاطب کیا۔
"سب ٹھیک تو ہے ناں؟" سفینہ نے پریشان نظریں اس کے چہرے پر ڈالی اور پوچھا۔
"تم......" ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ سفینہ کی گھبراہٹ پر دھیرے سے مسکرایا۔
"میں کیا؟" فائز کے اس طرح مسلسل دیکھنے پر وہ کنفیوز ہوکر خود کو دیکھنے لگی۔
"حد سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔" فائز نے آہستگی سے اس کے قریب ہوکر کان میں پیار بھری سرگوشی کی۔
"فائز کے بچے یہ بات کہنے کے لیے ارجنٹ کال کرکے بلوایا تھا۔" سفینہ کا دل خوشگوار دھڑکنوں کے شور میں ڈوب گیا۔
"نہیں یہ بتانے کے لیے کہ ممی نے ہم دونوں کے ملن کے لیے ایک حل ڈھونڈ نکالا ہے۔" فائز کے لہجے کی نغمگی اسے زندہ کرگئی۔
"اچھا واقعی میں......!" سفینہ کی رگوں میں سرشاری کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔
"ہاں واقعی۔" فائز نے یونہی جھکے سر کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر مسکرا کر پیار سے کہا۔
"کاش ہمارا یہ خواب سچ ہوجائے۔" فائز کو سفینہ کی چمکتی دمکتی سنہری آنکھوں میں آس اور امید نظر آئی۔
"ممی تو اس بات کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔" فائز کی نگاہوں میں خوشی کی رمق ہلکورے لینے لگی۔
"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری فتح کا دن قریب ہے۔" سفینہ کا لہجہ شرارتی ہوا۔
"ٹھہر جاؤ میں بتاتا ہوں چچی کو کہ ان کی لڑکی ہاتھ سے نکل رہی ہے۔" اس نے بھی ایک آنکھ بند کرتے ہوئے چھیڑا۔
"تمہاری محبت میں ہر بات جائز لگتی ہے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔
"اچھا جی ایسی بات ہے کیا؟" فائز نے اس کی لٹ کھینچی نگاہوں سے تفاخر چھلکا۔
وہ بہت خوش تھا سفینہ کی لگاوٹ، محبت اور ادائیں تسکین کا احساس دلا رہی تھیں۔

ہر ایک زخم کا چہرہ گلاب جیسا ہے
مگر یہ جاگتا منظر بھی خواب جیسا ہے
یہ تلخ تلخ سا لہجہ، یہ تیز تیز سی بات
مزاج یار کا عالم شراب جیسا ہے

مرا سخن بھی چمن در چمن شفق کی پھوار
ترا بدن بھی مہکتے گلاب جیسا ہے
بڑا طویل، نہایت حسین، بہت مبہم
مرا سوال تمہارے جواب جیسا ہے
تو زندگی کے حقائق کی تہہ میں یوں نہ اتر
کہ اس ندی کا بہاؤ چناب جیسا ہے
تری نظر ہی نہیں حرف آشنا ورنہ
ہر ایک چہرہ یہاں پر کتاب جیسا ہے
چمک اٹھے تو سمندر، بجھے تو ریت کی لہر
مرے خیال کا دریا سراب جیسا ہے
ترے قریب بھی رہ کر نہ پا سکوں تجھ کو
ترے خیال کا جلوہ حباب جیسا ہے
(محسن نقوی)

❁......❁......❁

سادگی سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں بتول نے بڑی خوش دلی سے ان دونوں خواتین کو بٹھایا اور حال احوال پوچھنے لگیں۔ ان کے اسکول میں کام کرنے والی ایک ساتھی ٹیچر نے اپنے جاننے والوں میں سے بہت اچھے گھرانے کا رشتہ شرمیلا کے لیے بھیجا تھا۔ لڑکے کا اپنا کاروبار تھا۔ شرمیلا تو یہ سب سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی...... پھر ماں کے آنسوؤں سے مجبور ہو کر مانتے ہی بنی۔ بتول کا نکالا ہوا سبز گلابی لباس بے دلی سے زیب تن کیا۔ بہن کے اصرار پر ہلکا سا میک اپ کیا اور کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالیں تو ایک دم چمک اٹھی۔

''بہن اگر بچی کو جلدی بلوا لیتی تو اچھا رہتا۔'' بڑی عمر کی عورت انیسہ جو لڑکے کی ماں تھی بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

''جی...... ضرور میں دیکھتی ہوں۔'' بتول نے سر ہلایا اور چھوٹی بیٹی کو اشارے سے شرمیلا کو بلانے کے لیے کہا۔

''آپ کی بیٹی کہیں جاب بھی کرتی ہے کیا؟'' شازیہ جو لڑکے کی بہن تھی اور شکل سے ہی تیز وطرار نظر آ رہی تھی، تجسس سے پوچھا۔

''نہیں جی ابھی تو وہ پڑھائی سے فارغ ہوئی ہے۔'' بتول نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اسلام علیکم!'' شرمیلا ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔

وعلیکم السلام۔'' دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا اور پسندیدہ نگاہ ڈالی۔

''ماشاء اللہ کیا نام بتایا تھا۔'' انیسہ اس کی خوب صورتی پر دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئیں اور کھسک کر اپنے قریب جگہ دی۔

''شرمیلا نام ہے اس کا۔'' بتول نے ان کی دلچسپی دیکھی تو اطمینان کی سانس بھری۔

''کون سے کالج میں پڑھتی ہیں۔'' شازیہ نے تجسس سے پوچھا۔ شرمیلا نے دھیرے سے مقامی کالج کا نام بتایا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''کمال ہے۔ میں بھی اسی کالج میں پڑھتی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

شرمیلا جو اپنے خوب صورت ہاتھوں کی لکیروں سے اُلجھی ہوئی تھی چونک اٹھی۔
"اِن کی پہلے بھی منگنی ہوچکی ہے کیا۔" شازیہ نے سموسہ کھاتے ہوئے اپنی الجھن دور کرنا چاہی۔
"نہیں تو۔" بتول کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"اچھا پھر مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" شازیہ کا انداز معنی خیز تھا۔
"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" شرمیلا نے ایک دہکتی ہوئی نگاہ ان ماں بیٹی پر ڈالی اور جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔
"یہی کہ اکثر آپ کو لینے ایک بڑی سی گاڑی کالج کے دروازے پر آتی تھی۔" شازیہ نے زہر خند لہجے میں کہا اور ماں کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔
کیوں؟" انیسہ نے حیرت سے بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر فوراً کھڑی ہوگئی، شرمیلا اپنی جگہ جم سی گئیں۔
"کافی چرچے ہیں اس امیر زادے کے اور ان کی دوستی کے۔" شازیہ نے صاف لہجے میں ماں کو بتایا۔
"وہ...... تو میرا ایک رشتے دار ہے۔" بتول نے گھبرا کر جھوٹی صفائی دینا چاہی۔
"ایک مشورہ دوں آنٹی پھر اپنی بیٹی کی شادی اسی رشتے دار سے کروادیں۔" شازیہ طنزیہ انداز میں بولتی ہوئی ماں کا ہاتھ تھام کر باہر چل دی۔
شرمیلا جیسے زمین میں گڑ گئی۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑتا چلا گیا۔ طیش کی بہت زوردار لہر اس کے اندر اٹھی وہ شازیہ کے پیچھے جا کر اس کی طبیعت صاف کردینا چاہتی تھی، اس نے گردن موڑ کر پانی سے بھری آنکھوں سے ماں کی جانب دیکھا۔
"نہیں جو کچھ تم کرچکی ہو وہ ہی بہت ہے۔" بتول کی نظروں میں غصہ، بے بسی آنسو اور التجائیں تھیں۔
"بات کو بڑھا کر مزید ذلیل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں، دہی تو اپنا کھٹا تھا۔" ان کے چہرے کے تاثرات صاف پڑھے جارہے تھے۔
"اماں میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا نبیل کے ساتھ......" شرمیلا نے صفائی دینا چاہی۔
"اسی دن کے ڈر سے تو روکتی تھی اب کون مانے گا تمہاری یہ بات۔" بتول چلائیں۔
کتنا سمجھایا مگر شرمیلا پر تو جانے کون سا بھوت سوار تھا، سارے زمانے میں اپنی بدنامی کرانے کے بعد اب گھر بیٹھ بھی جاتی تو کیا فائدہ۔ بتول کی پیشانی عرق ریز اور چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس قسم کی ذلت کا واسطہ انہیں زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ اسی لیے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ فشارِ خون بڑھتا چلا گیا اور آنکھیں جلنے لگیں وہ ایک دم تیورا کر زمین پر گرتی چلی گئیں۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

دسمبر بیت نہ جائے

راشدہ علی

وہ آج پھر اسی پارک میں تھا Semionte Canyan State Park ٹیکساس کا ایک یادگار تاریخی پارک۔ وہ تاریخی مقامات کا دیوانہ تھا۔ ٹیکساس آتے ہی وہ پہلی تاریخی جگہ تھی جس نے اس کے قدموں کو چھوا تھا۔ بے تحاشا پیڑ پودوں، سرو قد درختوں سے ڈھکا یہ پارک کسی گھنے جنگل کا سا نظارہ پیش کرتا، وسیع و عریض، کشادہ، سرسبز و شاداب...... پارک اس کی ٹیکساس سے پہلی یہ واقفیت تھی۔

یہ پہلی وہ جگہ تھی جہاں وہ پہلی بار لوسیانا کو ملا تھا، حسین و جمیل نازک سی لڑکی...... وہ پہلی بار محبت کے بے مثال جذبے سے آگاہ ہوا تھا۔

"تمہیں یاد ہے ہم فرسٹ ٹائم کب اس پارک میں ملے تھے۔" بلیو وائٹ جینز پر بلو شرٹ پہنے اوپر کی کیپ سر پر چڑھائے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس سے دو قدم آگے تھی پُراشتیاق نظروں سے فسوں خیز منظر کو دیکھتی۔ اس کے بے حد سرخ نیم گھنگھریالے بال کیپ کی دونوں سائیڈوں سے نکل رہے تھے۔ دائیں، بائیں اس کے رخساروں پر جھول رہے تھے۔

"ہاں، شاید قبل مسیح میں......" بے حد سادہ لہجہ لیکن براؤن آنکھوں میں ناچتی شرارت، لوسیانا خفا ہوئی۔

"جی نہیں، ہم ٹھیک آٹھ ماہ قبل اسی پارک میں ملے تھے تب یہ اتنا اجڑا اجڑا اور ویران نہیں تھا۔ کتنا سرسبز تھا تب......" شستہ انگریزی میں بولتے وہ افسوس ناک نظروں سے بے برگ ویران شجر دیکھنے لگی تھی۔ وہ ایک لمبے پتوں والے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ احمر اس کے قریب کھڑا تھا، اس طویل ترین پارک میں وہ مسلسل چلتے تھک چکے تھے۔

دسمبر کی کہر آلود ٹھنڈ نے پورے پارک میں اداسیاں بکھیر رکھی تھیں۔ سرسبز و شاداب درخت خزاں کے ہاتھوں اپنی بربادی پر ماتم کناں تھے۔ خزاں کے ستم رسیدہ ہاتھوں نے ان کی ساری دلکشی و رعنائی چھین لی تھی۔

"تم کب واپس آؤ گے؟" بے حد نیلی کانچ سی آنکھوں میں بے چینی اور اداسی کی لہریں مچلیں۔

"اسی موسم میں، اسی مہینے میں، اگلے سال......" وہ اسپورٹس شوز سے خشک گھاس کو پاؤں تلے مسل رہا تھا۔

"ایک سال......؟" لوسیانا نے لانبی ٹھنڈی سفید انگلیوں پر گننا چاہا۔ وہ اداس سا ہنسا تھا، لوسیانا کو یخ بستہ لہریں سنسناتی محسوس ہوئیں۔

"کیسے گزرے گا ایک سال......؟" اس کے گال اور ناک سردی کی شدت سے سرخ پڑنے لگے تھے، اس نے ہاتھوں کی بند مٹھیاں جینز پر رگڑیں۔

"گزر جائے گا، جیسے یہ سال گزرا ہے۔ میں لوٹ آؤں گا ضرور، تم میرا انتظار کرنا۔ انتظار کرو گی نا لوسی؟" وہ کون سا عہد باندھ رہا تھا، لوسی خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس کے سلیقے سے جمے سیاہ بال ہلکی سی ہوا کے ساتھ اڑ رہے تھے۔

اس نے فقط اثبات میں سر ہلایا، نیلگوں آنکھوں میں آبی لہریں دوڑنے لگیں۔ احمر کے لیے ان کانچ سی آنکھوں میں جھانکنا مشکل ہوگیا۔ اس موسم میں جب پرندے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ ہوا ٹھٹھرتیں پھرتیں، رگوں میں خون منجمد ہونے لگتا وہ ہجر کے خوف سے سہمے کھڑے تھے، ان کے احساسات برف ہونے لگے۔

"پاکستان جانا ضروری ہے؟"

"ہاں۔" احمر نے ٹھنڈی سانس لی، اطراف میں دھواں

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 5-L/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

سا بکھر گیا۔ ”امی بہت بیمار ہیں انہیں میری ضرورت ہے، لوٹنا تو پڑے گا نا لوسی...... بس تم میرا یقین کرو میں واپس آؤں گا...... ضرور آؤں گا۔“ وہ محبت میں گندھی اس پاگل سی لڑکی کو انتظار اور یقین کی ڈور تھما رہا تھا اور وہ محبت کی شاہراہ پر آنکھیں بند کرکے چلتی اس کا اعتبار کر رہی تھی۔ محبت ڈھارس دینا سیکھ جاتی ہے مگر بچھڑنے کا کوئی جواز نہیں پیش کرسکتی۔

احمر نے سلگتی آنکھوں سے گم ہوتے سورج کو دیکھا جس کی ملول، ڈری سہمی سی کرنیں اپنے پر سمیٹ رہی تھیں۔ اس کی نظریں وسیع پارک پر گردش کرنے لگیں، یادوں کی رنگین کوٹھڑی میں کوئی منظر سا جھلملانے لگا۔

ٹھیک آٹھ ماہ قبل جب وہ یہاں آیا تھا، تب وہ لوسیانا سے پہلی مرتبہ ملا تھا تب اس پارک کی حالت دیکھنے لائق تھی۔ اس کی زرخیزی اور ہریالہ پن عروج پر تھا۔ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ جوس کے سپ لینے اور کسی مسئلے پر زور و شور سے بحث کرنے میں مگن تھا جب ہوا کے جھونکے کی طرح وہ لڑکی چیختے ہوئے گزری تھی۔ وہ بے اختیار پلٹا تھا، وہ رسی کھینچ رہی تھی۔ رسی سے بندھا اس کا بل ڈاگ اسے گھسیٹ رہا تھا۔ وہ چلاتے ہوئے اسے رکنے کا کہہ رہی تھی، وہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا بھاگتا رہا۔ لڑکی کے ہاتھ سے رسی چھوٹ گئی، بل ڈاگ دور بھاگا وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی تھی۔ اس کا پاؤں کسی سنگلاخ شے سے رپٹا تھا، وہ پھسلی اور چت زمین پر جا گری۔ احمر نے بے اختیار آنکھیں موندی تھیں، وہ پیٹھ کے بل گری تھی، ٹانگیں اوپر کو اٹھ گئیں۔ اب روہانسی بیٹھی تھی، ناراض آلتی پالتی مارے، وہ بل ڈاگ اب پریشان سا اس کے پاؤں چاٹ رہا تھا غالباً اسے منا رہا تھا۔ وہ مسلسل رخ پھیرے روٹھی ہوئی تھی، احمر کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ رینگ گئی تھی، دودھیا رنگت والی بے حد سرخ بالوں والی اسپینش لڑکی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا، یہ جانے بنا کہ اس کا دوست معنی خیزی سے اس کا ارتکاز اور محویت نوٹ کر رہا تھا۔

❁......❁......❁

”آئی شاہ (عائشہ) اگر تمہیں کسی سے محبت ہوگئی تو......“ سرخ پھولوں کیاری کو ہاتھوں کے لمس میں محسوس کرتے اس نے عائشہ سے پوچھا تھا۔ وہ آج پھر اس کے لیے پھول لائی تھی، سرخ بے حد خوب صورت گلاب، اسے پھولوں سے عشق تھا۔ پھولوں کو توڑنے پر اسے سخت تکلیف ہوتی تھی، وہ اکثر عائشہ کو سمجھاتی۔

”پھول شاخوں سے بچھڑ کر مرجھا جاتے ہیں، اپنی شادابیت کھو دیتے ہیں۔ سوکھتے ہیں اور پھر ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔“ عائشہ اس کے پاگل پن پر ہنسا کرتی۔

”پھولوں سے دوستی کرلی ہے؟“

”پھول انسان کے دوست ہی ہوا کرتے ہیں۔“ وہ بڑی جاذبیت سے جواب دیتی، کلیاں مہک اٹھتیں۔ بادِ صبا جھوم کر لوسیانا کی بلائیں لیتیں جو پھولوں کی نرماہٹ کو چھو کر اس کے گداز لمس کو محسوس کیا کرتی۔

”اگر تمہیں کسی سے محبت ہوگئی تو......“ برتن ترتیب سے جوڑتی عائشہ کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے پلٹ کر لوسی کو دیکھا

جوناخن کتر رہی تھی۔

"تو......" اس نے حیرت سے پوچھا' لوسیانا لب کچلنے لگی تھی۔ گرم گرم بھاپ اڑاتے چائے کے کپ پر رقصاں بھاپ میں کچھ کھوجنے لگی تھی۔ کانچ سی آنکھوں میں یاسیت نے بسیرا کررکھا تھا۔

"توتم کیا کروگی؟"

"تو اسے پانے کی کوشش کروں گی اور کیا......؟" اس نے پائن ایپل کیک کاٹ کر ایک پیس لوسی کی پلیٹ میں رکھا' جس کا دماغ کہیں اور ہی محوِ پرواز تھا۔

"اور اگر وہ نہ ملا تو......" لہجے میں خدشہ سا چھلکا' کھڑکی کے پار فاختہ پر مارنے لگی۔

"تو میں اسے اپنے اللہ سے مانگ لوں گی۔" عائشہ نے پُریقین لہجے میں کہا' وہ چونکی۔

"اللہ سے......"

"ہاں اللہ سے' وہ مجھے ضرور دے گا۔ میں اس کے سامنے ہاتھ پھیلا لوں گی۔ کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا' پتا ہے ماں کہتی تھیں حدیث میں آتا ہے جب بندہ اپنے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اسے خالی ہاتھ لوٹاتے شرماتا ہے۔" اللہ سے محبت تھی یقین تھا' سب محبت کے رنگ تھے۔

لوسیانا چپ خاموش آنکھوں سے اسے دیکھے گئی' دل میں چپکے سے کچھ مہکا تھا' کہیں دور سائرن بجنے لگے۔

"محبت ہار جائے تو......" ہوائیں سر پٹخنے لگیں' اس کی آنکھوں میں اداسیوں نے ڈیرہ جمایا' پنچھی ساکت بیٹھے تھے۔ کپ کی سطح پر چلتی عائشہ کی انگلی رکی تھی' اس نے چونک کر لوسی کی آنکھوں میں جھانکا۔ درد' خوف' خدشے' ہجر کی تڑپ' کیا نہیں تھا ان نیلی نیلی آنکھوں میں۔

"محبت ہارتی ہے دعائیں نہیں' دعائیں جیت جاتی ہیں۔ میں اسے دعاؤں سے جیتوں گی۔" سادہ سے جملے کسی کے لیے جیون امرت تھے' پھول کھلنے لگے۔ امید اور یقین نے پَر پھیلائے اور اس کے گرد ناچنے لگے۔ وہ پروانے کی طرح جھومتی ان کے سنگ ڈولنے لگی تھی۔ ہواؤں میں تیزی آنے لگی تھی' لوسی کی آنکھوں میں قندیلیں روشن ہوگئیں۔

❀......❀......❀

اداس مچلتی شام تھی' موت کی سی خاموشی چہار سو چھائی ہوئی تھی۔ اداس' سسکتی سرد سردی کی لپیٹوں نے سب جگہ سکوت برپا کردیا تھا۔ اکا دکا لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ سنگی بنچ پر ساکت بیٹھی تھی' پاؤں کو چھوتا لمبا کوٹ۔ گھنگھریالے بال' کس کر پونی میں قید کردیئے گئے تھے۔ گردن کے گرد لپیٹا سرخ مفلر' سر پر پڑا لیڈیز ہیٹ' اس نے یخ بستہ ہاتھوں کو کوٹ کی جیبوں میں گھسیڑا۔ اس کے اردگرد خشک' بے جان' مردہ پتوں کا جال بچھا تھا۔ بے یارومددگار آوارہ پتے' پیڑوں سے بچھڑنے کے غم میں نوحہ کناں' کئی زرد خشک پتے اس کے پاؤں تلے آکر چرمرا گئے۔ نیلگوں آنکھوں میں تیرگی مچلنے لگی۔

"تم کب آؤ گے احمر......" سرخ مچلتے لب دہک اٹھے' ہوائیں کرلانے لگیں۔ اداسیاں اس کے گرد قہقہے بکھیرنے لگیں۔

"یہ دسمبر بھی گیا' تم نہ آئے احمر...... تم نے تو وعدہ کیا تھا' توڑ دیا۔ بھول گئے سب وہ وعدے وہ وفائیں' اتنے کچے جذبے تھے تمہارے احمر۔" سیاہ لیدر کی ڈائری پر مخروطی انگلیوں نے لفظ گھسیٹے۔ نیلی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔

"سنا تھا محبت مر بھی سکتی ہے' ٹوٹ بھی سکتی ہے' بکھر بھی سکتی ہے' ضرب ہو بھی سکتی ہے مگر...... محبت' بھول نہیں سکتی۔ تم بھول گئے احمر...... سات سمندر پار ٹیکساس کی ایک سنسنان سی گلی میں ایک عقوبت خانے میں کوئی وجود سراپا انتظار رہتا ہے۔ جو ہر دسمبر انہی راستوں انہی راہوں پر اندھا دھند چلتا ہے جن پر تم انہیں چھوڑ کر گئے تھے' انتظار کی ڈور تھما کر۔ تم کیسے بھول سکتے ہو احمر...... کوئی کیسے بھول سکتا ہے' بھلا محبت بھلائی بھی جاسکتی ہے۔" اس نے تھک کر سر بنچ کی پشت سے ٹکادیا۔ سلگتی آنکھوں میں دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے اور ان بادلوں کی تاب نہ لاتے

ہوئے اشک مچلے اور اس کے گالوں پر بہنے لگے تو اتر سے ابابیل سہم گئے ہوائیں دہکنے لگیں۔ وہ محبت نگر کی باسی محبت کے دیپ جلائے اپنے محبوب کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اس کا اوڑھنا بچھونا محبت تھا اس کی سانس میں محبت بسی تھی۔

دسمبر کی الوداعی ساعتوں نے اپنا آنچل سمیٹ لیا بے دردی سے شب کی تاریکی چھانے لگی اندھیرا بڑھنے لگا شور تھمنے لگا۔ انتظار ساکت رہ گیا اور ایک اور دسمبر بیت گیا۔

❀......❀......❀

"وہ نہیں آئے گا تم اس کا انتظار کرنا چھوڑ دو۔ پاکستانی مرد بہت بے وفا ہوتے ہیں خود ہی عہد باندھتے ہیں اور خود ہی بے دردی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ تو اپنے شہر اپنے وطن اپنی گلی میں کسی کو انتظار کا مژدہ سنا کر بھول جاتے ہیں کبھی پلٹ کر نہیں آتے تو کسی انجانے سینکڑوں ہزاروں میل دور وطن کی باسی اسے کیسے یاد رہے گی۔ میری مانو اسے بھول جاؤ۔" عائشہ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔

دن بہ دن کمزور پڑتی لوسیانا کو اس دن دیکھتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی لہجے میں درد اور کرب کی لپٹیں تھیں۔ وہ درد جو ٹوٹ جانے چوٹ کھانے کے بعد لہجے میں در آتا ہے۔ سیاہ جلد کی ڈائری پر اس کی چلتی انگلیاں تھم گئیں کانچ سی زرد پڑتی آنکھوں میں یقین کی لو ڈبڈبائی یوں جیسے آخری ہچکیاں لے رہی ہو۔

"نہیں وہ ضرور آئے گا مجھے یقین ہے۔"

"دو سال ہو گئے ہیں کب آئے گا آخر مان جاؤ وہ بے وفا تھا اور تم پاگل جواب تک آنکھیں بند کیے اس کا انتظار کررہی ہو۔"

"محبت پاگل بنا دیتی ہے آئی شاہ!" لوسی کا لہجہ محبت کے اثر سے بوجھل تھا کچھ تھکا تھکا سا بے جان۔ عائشہ نے بے اختیار گہری سانس لی تھی لوسی کو سمجھانا بے کار تھا۔ اس کی محبت کو نوچنا یقین کو متزلزل کرنا آسان کہاں تھا وہ محبت کی باسی تھی کیسے خود کو اس شکنجے سے چھڑا پاتی۔

غزل

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تری یادوں کی خوشبو کھڑکیوں میں رقص کرتی ہے
ترے غم میں سلگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
میں ہنس کے جھیل لیتا ہوں جدائی کی سبھی رسمیں
گلے جب اس کے لگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
نہ جانے ہو گیا ہوں اس قدر حساس میں کب سے
کسی سے بات کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
وہ سب گزرے ہوئے لمحے مجھ کو یاد آتے ہیں
تمہارے خط جو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
میں سارا دن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جونہی
قدم چوکھٹ پہ رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ہر اک مفلس کے ماتھے پر الم کی داستانیں ہیں
کوئی چہرہ بھی پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
بڑے لوگوں کے اونچے بدنما اور سرد محلوں کو
غریب آنکھوں سے تکتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ترے کوچے سے اب مرا تعلق واجبی سا ہے
مگر جب بھی گزرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ہزاروں موسموں کی حکمرانی ہے مرے دل پر
وصی میں جب بھی ہنستا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: ام رباب...... ڈیرہ اسماعیل خان

وہ ہر وقت ہر لحظہ احمر کو اللہ سے مانگتی تھی عائشہ کے "اللہ" سے۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے۔ اسے عائشہ کے اللہ سے مانگنا اچھا لگنے لگا تھا وہ مسلمان نہیں تھی پر اللہ سے تعلق سرور بخشنے لگا تھا۔ احمر کو مانگتے مانگتے وہ اللہ سے محبت کر بیٹھی تھی۔ اللہ جس کا ذکر اس کے سلگتے من کو شانت کر دیتا تھا آخر اللہ میں ایسا کیا خاص تھا جو وہ یوں بنا ڈور کے بندھی چلی آتی تھی۔ اس کے سامنے جھولی پھیلاتی اسے اپنا دکھ بتاتی اس کی اوپن ونڈو سے جھانکتی

بوگن ویلیا حیرت سے اس کا جنون تکے جاتی، بوگن ویلیا کے کاسنی اور گلابی رنگ کے پھول اطراف میں بکھر جاتے مہکنے لگتے۔

وہ احمر کے مذہب کو پڑھنے لگی تھی، وہ اللہ سے مانگنے کا طریقہ سیکھنے لگی تھی۔ وہ اللہ کی نشانیوں اس کے معجزوں اس کے تاثیر بھرے کلمہ کو پتھر کی طرح ساکت ہوئے پڑھے جاتی۔ اللہ کا تصور اس کا احساس اس کے دل و دماغ پر چھانے لگا۔ احمر کا خیال اپنی کروٹ بدل لیتا۔ نیلی آنکھیں مسکرانے لگیں، نئی زندگی نئی راہیں بانہیں پھیلانے لگیں، وہ آنکھیں موندے اندھادھند ان راہوں پر چل نکلی۔

"میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔" کھلتے پھولوں کے موسم میں اس نے عائشہ سے کہا تھا، بہار کی مہکی مہکی خوشبوئیں اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگیں تھیں۔

"کیا تم میری مدد کرو گی؟" عائشہ نہ حیران ہوئی، نہ ساکت نہ چونکی۔ بس غیر یقینی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھے گئی جوان دو سال میں پہلی بار اتنا چمکا تھا، نور سا ہالہ تھا یا اللہ کی محبت کی لپٹیں چہرہ دمکنے لگا۔ اس کے اردگرد تتلیاں رقص کرنے لگیں۔ امبر پر بادلوں کا سفید ٹکڑا روئی کے گالوں کی طرح بکھرا، عائشہ نے بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما، اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان راہوں پر اس کا پورا ساتھ دے گی۔

❀.......❀.......❀

یہ دسمبر بھی کہیں بیت نہ جائے
لاحاصل سا کوئی سفر
آسیت کی راہوں میں
کوئی زیست کا اک لمحہ
جو تیری یاد کے بنا گزرا ہو
وہ پل سارے
جو سنگ تیرے
گزرے تھے لٹادو نا.......
انتظار کا ننھا سا دیا
جو تم نے کسی کے سرد ہاتھوں میں
دسمبر کی سرد رتوں میں
خونِ محبت سے جلایا تھا
وہ بے قرار و بے ثبات سا
اب جل کر بجھنے لگا ہے
تیرے ساتھ کا موسم
اب دھیرے سے بیتنے لگا ہے
کہ یہ دسمبر بھی
اپنے پر سمیٹ رہا ہے
سنو.......
کسی کا انتظار کسی کا کرب، مٹادو نا
اب تو لوٹ آؤ نا
کہیں یہ دسمبر بھی بیت نہ جائے۔

❀.......❀.......❀

موسم نے یکایک رُت بدلی تھی، سیاہ گھنگھور گھٹائیں چھائیں تھیں۔ عصر کے وقت شام کا گمان ہونے لگا۔ سرد مچلتی ہوائیں سر پٹخ رہی تھیں۔ شائیں شائیں کرتے درخت، کھڑکیاں ہوا کے زور سے ہلنے لگیں۔ وہ ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی، موسم کے خطرناک تیور دیکھ کر دہل اٹھی۔ آگے بڑھ کر کھڑکیاں بند کردیں، تند و تیز ہوا میں مزید تیزی آرہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر خاموش صوفے پر دبکی بیٹھی رہی۔ باہر ہواؤں کا چنگاڑتا شور، ہلتی چیزیں اور عقوبت خانے میں ناچتی عفریت۔ خوف نے بھرپور انگڑائی لی اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تنہائی اور اکیلے پن نے رہی کسر تمام کردی۔ بادل زور سے گرجے تو ہمت دم دبا کر بھاگ اٹھی وہ یک دم اٹھی اور بیرونی دروازہ لاک کرکے باہر نکل آئی۔ سڑک کے پار لائنوں میں لگے پیڑ زمین کو چھو رہے تھے۔ اس کے پڑوس کی عورتیں بھی اس کی طرح نکل آئی تھیں، پام ٹری اس کے قریب جھولا۔ مارے دہشت کے کربناک چیخ نکل گئی، سر کے گرد لپٹا اسکارف اور تن پر لپیٹا دوپٹہ ہوا کے دوش پر پھڑپھڑایا۔

وہ گیراج کے قریب کھڑی ہوگئی، دو تین بچے اور پڑوسن بھی قریب آئی، دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا، نہ

جانے اس قسم کے موسم سے وہ کیوں خوف کھاتی تھی۔ دل پر بوجھ سا پڑا' کسی کی یاد کے آکٹوپس نے بڑی بے دردی سے وجود کو جکڑا۔

قلب میں بے کراں سمندر موجزن ہوا' شوریدہ سر پٹختی لہریں دل کی سرزمین پر شور مچانے لگیں۔ وہ اس بچے کی طرح خود کو محسوس کررہی تھی جو پسندیدہ کھلونوں کی دکان کے سامنے تشنہ بے قرار کھڑا ہو۔ آنکھوں میں حسرت لیے بند مٹھی میں ایک بوسیدہ سکہ پکڑے محض چند قدم مگر ڈھیر ساری حدیں۔

وہ دسمبر کی بارہ تاریخ تھی' برف کی دبیز تہیں' احساسات کو منجمد کررہی تھیں۔ وہ دھیرے سے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھی' ہوائیں تھمنے لگیں۔ بادل گھر آئے اور زور سے برسنے لگے' وہ گھنے درختوں کے سائے میں سیمنٹ کے بنچ پر بیٹھ گئی۔ نہ جانے کتنے پل بیت گئے' وحشت ناک ہوائیں اب ٹھنڈی پڑگئی تھیں۔ پانی کی ایک لمبی پھوار پتوں کا سینہ چیر کر اس کے سفید چہرے پر پڑی۔ شبنمی قطرے گالوں پر پھسلنے لگے' محبت میں آہٹ ابھری' لوسی کی سماعتیں یک دم چوکس ہوئیں' دل دھڑکنا بھول گیا۔ بے جان جسم اٹھایا' گھومی اور بس دیکھتی رہ گئی' لب کچھ کہنے کی کوشش میں پھڑپھڑا گئے۔ لبوں سے نکلا بھی تو فقط' اللہ...... ہوا کے ایک سرد جھونکے نے خشک زرد پتوں کو دور اڑایا' آنکھوں میں غیر یقینی' تحیر' کھوج سی اتری۔

''احمر......'' اداسیوں نے پر سمیٹنے شروع کردیئے' کوئل کوکنے لگی۔ وہ اس کے سامنے اس بنچ پر آبیٹھا جہاں کچھ پل قبل لوسی بیٹھی تھی۔

محبت دیس کی باسی جیت گئی تھی' دعائیں بارآور ثابت ہوئیں۔ شدتیں رنگ لائیں' وہ آزردہ سا سر جھکائے بیٹھا تھا' لوسی کو وہ بہت تھکا تھکا سا لگا تھا۔

''آئی ایم سوری لوسی...... رشتوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ چاہتے ہوئے بھی نہ آسکا' پھر پتا نہیں کیوں آپ ہی آپ کھنچتا چلا آیا' دھاگے کی طرح' پتا نہیں۔ مجھے لگا تم مجھے آواز دے رہی ہو' آواز کا تعاقب کرتا میں یہاں تک چلا آیا۔'' ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کیے وہ الجھا الجھا سا دکھا۔ لوسی کے لب مسکرائے' کلیاں سی کھل اٹھیں' سائرن بجنے لگے۔ پتوں نے جھوم کر حسرت سے اس کی نیلی چمکتی آنکھوں کو دیکھا۔

''تمہیں لوٹنا ہی تھا احمر...... میری دعاؤں میں استادم تو تھا۔ آپی شاہ کہتی تھی ''اللہ'' دعائیں رد نہیں کرتا جو سچے من اور پورے یقین کے ساتھ کی جائیں۔ میں نے بس اسی یقین کے ساتھ اللہ سے تمہیں مانگا۔'' ہواؤں نے جھوم کر اس کا استقبال کیا تھا۔ احمر کی آنکھوں میں استعجاب اتر آیا۔ سیاہ اسکارف کے ہالے میں مقید اس کا بے حد سرخ وسپید چہرہ' شانوں پر پھیلایا آنچل وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ محبت نے کیا گل کھلایا تھا' وہ عشق کے سمندر میں جاگری' اس کی محبت نے اسے اللہ سے عشق کرنا سکھادیا۔

محبت میں گلے شکوے نہیں ہوتے' عداوتیں نہیں ہوتیں' بس ایک وسیع دل ہوتا ہے جو محبوب کے لیے چاروں راہیں کشادہ کیے رہتا ہے۔ یہ دسمبر وصال کا پہلا دسمبر ثابت ہوا' یخ ہواؤں نے تان اڑائی' محبت مچلنے لگی۔ احمر نے بنا کچھ کہے' کوئی صفائی پیش کیے اپنے سرد ہاتھوں میں لوسی کا ہاتھ تھام لیا تھا' محبت صفائیاں نہیں مانگتی نا' بس وصال چاہتی ہے۔ لوسی نے آسودگی سے آنکھیں موند لیں۔

''اے دسمبر...... اب بھلے سے بیت جاؤ'' اس نے للکارا تھا' سرد برفیلی ہواؤں کو' دسمبر شکست خوردہ سا محبت باسیوں کے بیچ سے نکلتا چلا گیا۔

''جس کو اللہ مل جائے اسے زندگی کی ہر نعمت مل جاتی ہے۔''

کتنے معتبر ٹھہرے

نادیہ احمد

تواتر سے برستی بارش کی بوندیں دھرتی کی پیاس بجھانے کو جل ترنگ چھیڑ چکی تھیں۔ باؤنڈری وال سے لپٹی بیلیں، ہوا کے دوش پہ لہلہاتیں ابرِ رحمت میں نہا کر نکھر سی گئی تھیں۔ آج تو لان کی ہریالی دیدنی تھی۔ کل تک شدید گرمی کا راج تھا اور بس ایک ہی پل میں موسم نے پلٹا کھایا تھا۔ بارش نے ایک ثانیے میں موسم کی بساط الٹ دی تھی۔ لو میں لپٹی گرم ہوائیں سرد جھونکوں میں بدل گئی تھیں۔ نئی کونپلیں کسی الہڑ دوشیزہ سی منہ زور اور بے پروا نظر آرہی تھیں۔ اس غم سے چنداں بے پروا کہ یہ برستی بارشیں اوائلِ خزاں کا نقارہ بجا رہی ہیں۔ باغ کی یہ حسن وخوب صورتی جلد پت جھڑ کی نذر ہوجائے گی اور رنگ و نور سے بھرپور رت اداس شاموں میں بدل جائے گی۔ یا پھر وہ نظامِ زندگی کے اس پہیے سے سمجھوتہ کرچکی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ زندگی کی ادھ کھلی اور نوخیز کونپل جب کھل کر گلاب بنتی ہے تو پرت در پرت انہیں مرجھا کر گرنا ہوتا ہے۔ پر اس پل وہ فلسفۂ موت وحیات سے بے نیاز اپنی ہی مستی میں مگن ان حسین رتوں کا جشن منا رہی تھیں۔

"موسم اچانک بدلا ہے نا۔" رومیلہ نے ٹیرس میں گرتی بوندوں کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"ابھی کل تک تپتی دوپہریں جان کو آرہی تھیں اور حبس سے برا حال تھا پر آج دیکھو کیسا پیارا اور خوشگوار موسم ہوگیا ہے۔ سمجھو سردی آہی گئی۔" ستارہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر اس نے ہاتھ میں پکڑے کافی کے مگ سے گھونٹ بھرا۔ وہ دونوں فرینچ ونڈو سے باہر کا نظارہ کرتیں کافی اور باتوں سے لطف اندوز ہورہی تھیں۔

"بدلنے کی یہ ادا شاید انسانوں سے مستعار لی ہے موسم نے۔" رومیلہ نے گردن گھما کر ستارہ کی طرف دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھتی ہاتھ میں تھامے مگ کے کناروں پہ انگلی چلا رہی تھی۔

"اب اس فلسفے کا مطلب بھی سمجھا دو۔" رومیلہ کی بات پہ ستارہ کے حسین لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

"سمجھ جاؤ گی، جس دن زندگی کا فلسفہ سمجھ آجائے گا اس دن موسم اور انسانوں کی یہ قدرِ مشترک بھی واضح ہوجائے گی۔" ستارہ نے دھیمے لہجے میں رومیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم آسان زبان استعمال نہیں کرسکتی؟" رومیلہ الجھ کر بولی تو ستارہ بے اختیار مسکرادی۔

"اور مجھے تو یہی سمجھ نہیں آتا کہ تم ہر وقت اتنا فلسفیانہ سوچتی ہی کیوں ہو۔ بارش ہورہی ہے انجوائے کرو۔" رومیلہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

"اس لیے کہ بدلتے انسانی رویوں اور مصنوعی پن کو بہت قریب سے دیکھ رہی ہوں۔ میرے اردگرد منافقت کی زندہ مثالیں اتنی افراط سے موجود ہیں کہ اب تو یقین ہی نہیں آتا انسان کا اصلی چہرہ کون سا ہے اور کوئی اصلی چہرہ ہے بھی یا نہیں۔" ستارہ کی بات کی گہرائی سے رومیلہ پوری طرح واقف تھی پر وہ نہیں چاہتی تھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر وہ ستارہ کو مزید مایوس کرے بلکہ وہ اسے اس کے خود ساختہ ڈپریشن سے نکالنا چاہتی تھی اور اس وقت اپنے آغازِ گفتگو کو ہی کوس رہی تھی۔

"یہ مصنوعیت اور منافقت، ایک چہرے پہ کئی چہرے سجانے والے کوئی بطورِ خاص تمہارے گرد ہی موجود نہیں ہیں مائی ڈیئر بلکہ یہ تو ہماری سوسائٹی کا المیہ ہے۔ یوں بھی آپ سب کے سامنے اپنا حالِ دل کھول کر بیٹھ تو نہیں سکتے نا۔ تم جسے منافقت گردانتی ہو میری نظر میں تو یہ رکھ رکھاؤ

ہے۔" ہمیشہ کی طرح ستارہ کے پاس رومیلہ کی ہر بات کا لوجیکل جواب موجود تھا اور وہ جانتی تھی محض چند منٹوں میں وہ اس کی بولتی بند کرادے گی پر اپنی پیاری دوست پہ یہ جبر کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ وہ اگر خوش خیال اور بے پروا زندگی گزارنا چاہتی تھی تو ستارہ کو اس بات کا حق ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس سے یہ قیمتی دن چھین لے۔

☆☆☆......☆☆☆

نک سک سے تیار رومانہ فیروز تیزی سے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ بے پروا انداز میں بستر پہ اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ان کی چوڑی صبیح پیشانی پہ چند ناگوار شکنیں نمایاں ہوئیں جنہیں انہوں نے جلد ہی جھریوں کے ڈر سے ہٹایا۔ ایک گہرا سانس لے کر اپنے غصے کو قابو کرتے ہوئے وہ اونچی ایڑھی کی سینڈل پہنے خراماں خراماں چلتیں اس تک پہنچیں۔ ان کی موجودگی کا احساس ہونے پر بھی اس نے منہ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"جانتی ہو کیا وقت ہو رہا ہے۔" اس بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"دعوت میں دیر سے جانا مناسب بات نہیں۔" رومانہ فیروز اپنا بھاری لباس سنبھالتے ہوئے اس کی کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھیں۔

"اور دیر سے واپس آنا۔" ان کے قدم رکے تھے۔ وہ اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اپنے شانوں پہ بکھرے لیے گھنے بالوں کو ہاتھوں سے لپیٹ کر انہیں کیچر میں جکڑ رہی تھی۔

"میں تمہارے کپڑے نکال رہی ہوں۔ جلدی سے بہت اچھے سے تیار ہو کر نیچے آؤ۔" اسے نظروں سے تنبیہہ کرتی انہوں نے چہرے کا زاویہ درست رکھا تھا۔ ایسا کرنے سے میک اپ کی پرتوں میں دراڑیں پڑنے کا امکان تھا۔

"ممی میرا بالکل موڈ نہیں ہے آپ کے اس ماڈرن بردکھووے میں جانے کا۔" وہ شدید جھنجلاہٹ سے بولی۔

"ستارہ الف......" شاید اب رومانہ فیروز کا صبر بھی جواب دے گیا تھا۔

"آئی ایم سوری ممی پر آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش تو کریں۔" ستارہ نے سر جھکاتے ہوئے معذرت کی۔

"کیا سمجھوں میں تمہاری باتوں کو بولو...... تم سمجھتی ہو میرے مسائل؟" اس کی الماری میں لٹکے قیمتی ملبوسات کو پرکھتے ہوئے رومانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"ممی آپ کے مسائل خود ساختہ ہیں۔ ٹرسٹ می ایک بار آپ لوگوں کی پروا کرنا بند کردیں یقین جانیں ہماری زندگی کا ہر مسئلہ حل ہو جائے گا۔" ستارہ نے دھیمے مگر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ماں سے اختلاف کے باوجود اس کا لہجہ ادب سے عاری نہ تھا۔

"لوگوں کی پروا کرنی پڑتی ہے۔ ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں بہت سوچ سمجھ کر چلنا پڑتا ہے۔ لوگ اپنی سوچ، اپنے نظریوں سے نہیں بلکہ اپنے بنک بیلنس اور سوشل اسٹیٹس سے جانچے جاتے ہیں۔" رومانہ بالآخر ایک ڈریس فائنل کر چکی تھیں۔

"اس کا مطلب ہم ایک انتہائی کھوکھلی سوسائٹی کا حصہ ہیں جہاں ہمیں بحیثیت انسان نہیں بلکہ رتبے اور پس منظر کو اہمیت حاصل ہے۔" ستارہ نے احتجاج کیا جسے نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے جوتوں والی الماری سے اس کی میچنگ کے سینڈل نکالے۔ وہ اب اس کی میچنگ جیولری کا انتخاب کر رہی تھیں۔

"میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔ ویسے بھی وقت بہت کم ہے لہٰذا اپنی یہ دانش مندی کا لیکچر کسی اور وقت پہ موقوف کرو اور فوراً تیار ہو کر نیچے آؤ۔" اپنا کام مکمل کر کے انہوں نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

"یہ بہت ہیوی ہے۔ میں یہ ڈریس نہیں پہنوں گی۔" ستارہ نے اپنی جھنجلاہٹ اس بار کپڑوں پہ نکالی۔

"تم محض اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔" رومانہ فیروز نے پلٹ کر دھمکی آمیز نظروں سے ستارہ کو دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

"مدعی سست، گواہ چست۔" زوار آفندی نے حیرت سے عباد مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا؟" بیڈ کراؤن پہ سر ٹکائے وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے اپنے کام میں مگن تھا۔

"یعنی ابھی کچھ ہوا ہی نہیں۔" عباد نے منہ بنایا۔

"تمہیں کس نے چھیڑ دیا۔" اس بار زوار آفندی نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

"میں تمہارے چکر میں کب سے تیار ہو کر بیٹھا ہوں اور تمہارا تو موڈ ہی نہیں لگ رہا کہیں جانے کا۔" عباد نے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پینٹ اور ٹی شرٹ پہنے انتہائی ریلیکس انداز میں بیٹھا کوئی دفتری کام کر رہا تھا۔

"یار واقعی میرا موڈ نہیں کہیں بھی جانے کا۔" دونوں بازو سر کی پشت پہ ٹکائے اس نے بہت تھکے انداز میں کہا۔

"کیوں اپنا موڈ کینیڈا چھوڑ آئے ہو کیا۔ کہو تو کوریئر کر کے منگوالوں؟" عباد نے تمسخر سے کہا۔ اس کی تیاری بھرپور تھی۔

"مذاق کی بات نہیں ہے عباد۔" زوار بےدلی سے بولا۔

"تو سنجیدگی کہاں ہے اس میں۔" عباد سنگل سیٹر پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا مخاطب ہوا۔

"وہاں تمہاری والدہ محترمہ تمہارے لیے سوئمبر رچانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔" زوار نے اپنی مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی۔

"ذرا سوچو اندر کے اکھاڑے میں جنت کی اپسرائیں بنی سنوری پھولوں کی مالا تھامے بے چین کھڑی ہوں گی اور راج کمار زوار آفندی کی رانی بننے کو بےقرار نظر آئیں گیں۔ سچی مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔" عباد کا انداز ایسا تھا کہ زوار چاہ کر بھی اپنا قہقہہ اب کی بار روک نہیں پایا۔

"اڑا لو مذاق، تم جیسے دوست کے متعلق ہی مشہور ہے ان کے ہوتے دشمنوں کی ضرورت کیا ہے۔" لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اس نے شرارت سے کہا۔

"اچھا تو اب ہماری دوستی پہ بھی تہمت لگ گئی۔" عباد برجستہ بولا۔

"جناب عالی! بندہ حقیر بے تقصیر پورے سولہ گھنٹے کا ہوائی سفر کر کے اور اپنی انتہائی دفتری مصروفیات پہ خاک ڈال کر فقط خاطر، آپ کا حوصلہ بڑھانے اور بقول آپ کی والدہ آپ کو کھونٹے سے باندھنے پاکستان آیا ہے۔ اور یہاں احسان ماننا تو دور کی بات دوستی کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔" زوار نے ہنسی دباتے ہوئے سر ہلایا۔

"کیا ہوا کچھ زیادہ کہہ گیا میں؟" عباد نے فوراً پوچھا۔

"میں سوچ رہا تھا میری عقل اس وقت کہاں تفریح کر رہی ہوگی جب میں نے تم جیسے انسان سے دوستی کی۔" اب زوار کی باری تھی حساب چکتا کرنے کی۔

"زوار آفندی...... یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا۔" عباد نے منہ بسورا۔

"اچھا چل اب لڑکیوں کی طرح ناراض ہو کر منہ نہ سوجا لینا۔ میرا منانے کا موڈ نہیں۔" لیپ ٹاپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے زوار نے جوابی کارروائی کی۔

"یار ویسے مجھے یہ سمجھ نہیں آتی میں نے تیرے جیسے خود پسند انسان سے دوستی کی ہی کیوں۔" عباد صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کا جواب تو بیٹا مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ بہرحال یہ بتاؤ کیا حالات ہیں۔" زوار نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر اینڈ مسز یاور آفندی یعنی آپ کے ڈیئرسٹ مام اور ڈیڈ کی طرف سے فائنل کال آئی ہے جلد سے جلد ہوٹل پہنچا جائے۔" عباد نے تفصیل بتائی جس پہ زوار کا چہرہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ویسے وہ دونوں دس منٹ پہلے نکل چکے ہیں۔ اب تم بھی یہ شغل چھوڑو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن عباد نے اسے موقع نہیں دیا۔ چاروناچار زوار ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے پارٹی میں جانا ہی تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

آواری کے بینکوئٹ ہال میں شہر کی اشرافیہ جمع تھی۔ ویک اینڈ پہ اس قسم کی پارٹیوں کا مقصد دوستوں سے ملاقاتوں سے بڑھ کر اب فقط نمود ونمائش تک محدود رہ گیا تھا۔ اپنی کلاس اور اسٹیٹس کا نقارہ بجاتے شہر کے مشہور بزنس مین، قیمتی زیورات اور ڈیزائنر کپڑوں میں ملبوس ان کی بیگمات اور مہنگی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتی مگر تہذیب سے عاری ان کی نئی نسل کی بدولت ایسی پارٹیوں میں رنگ ونور قائم تھا۔

اس فیشن پریڈ میں ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دھن میں مبتلا تھا۔ مرد خواتین سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ یہاں رواداری و اخلاقیات سے بڑھ کر نمبر چلتے تھے۔ اسٹاک ایکسچینج، بینک بیلنس اور منافع وخسارے کے نمبر۔ یہاں سب میں ایک قدر مشترک تھی اور وہ تھی "منافقت" دلوں میں کدورت، چہروں پہ مسکراہٹ سجائے بغل میں چھپائی اپنی ایلیٹ کلاس کی چھریوں سے انسانی قدروں کا قتل کرتی شہر کی یہ اشرافیہ انسانیت کے ماتھے کا بدنما داغ تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

بھاری لباس میں چہرے کی جھریوں کو میک اپ کی تہوں کے نیچے چھپائے، رومانہ فیروز ہمیشہ کی طرح چاق و چوبند اور سماجی آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنی ہم عصر خواتین سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ پچھلے چند سالوں میں ان کے مزاج میں بے حد تبدیلی آئی تھی اور رواداری کی جگہ تصنع و بناوٹ نے لے لی تھی۔ ستارہ کو وہ ہر بار کی طرح آج بھی اس پارٹی میں لے آئی تھیں لیکن وہ ان سے الگ تھلگ رومیلہ کے ساتھ محو گفتگو تھی۔ ان کے برعکس ستارہ، اپنی سنجیدہ طبیعت اور رکھ رکھاؤ کو ایسے موقعوں پہ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

شاہ نواز فیروز، منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والا ایک ایسا انڈسٹریلسٹ جس نے پیسے کو پیسے سے کھینچ کر محض چند سالوں میں باپ دادا کی دولت کو دوگنا کیا تھا۔ طبیعت میں عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ زندگی میں دشمن نہ ہونے کے برابر تھے۔ رومانہ فیروز جیسا جیون ساتھی پا کر زندگی مکمل ہوئی تو ستارہ جیسی ذہین اور سمجھدار اولاد کی بدولت گل وگلزار ہوگئی۔ زمانے کے انداز بدلے پر شاہ نواز فیروز نے کبھی خود کو دنیا کی روش پہ نہیں ڈالا تھا۔ ان کے نزدیک معیارِ زندگی آج بھی انسانیت اور اخلاق ہی تھا نا کہ دولت اور نمود ونمائش۔ ان کی اچانک موت کے بعد رومانہ فیروز کی بیس سالہ پُرسکون زندگی میں کہرام مچ گیا تھا۔ پچھلے پانچ سالوں میں دنیا کا جو روپ رومانہ اور ستارہ نے دیکھا تھا، جس طرح ان کے رویوں کو جھیلا تھا یہ سب ان دونوں کے لیے بہت بڑا شاک تھا۔ عزیز و رشتہ دار بھی شاہ انڈسٹری کے ڈوبتے جہاز سے جان بچا کر جلد فرار ہوگئے اور نام نہاد دوستوں نے بھی دامن بچا لیا۔ ہزار کوشش کے باوجود رومانہ فیروز اپنی کمپنی کی گرتی ہوئی ساکھ اور مالی نقصان کو روک نہ پائیں۔ نتیجہ دیوالیہ ہونے کی صورت میں نکلا اور بڑی جائیداد بیچ کر اس بحران سے نکلا گیا۔ اب نا تو وہ پہلے سے ٹھاٹھ باٹھ تھے نا ہی آن بان یہاں تک کہ دوستوں رشتوں داروں سے بھی کنارہ کر چکی تھیں جو باقی تھا محض سفید پوشی کا بھرم تھا۔ ستارہ چاہتی تھی کہ وہ اس شاندار مکان کو بیچ کر ایک مناسب گھر لے لیں، اپنے اخراجات کو کنٹرول کرلیں تا کہ اس طرح ان کے مالی مسائل کا تدارک ہوسکے مگر ستارہ اپنے معاشی بحران سے نکلنے کی جو سبیل رومانہ کو بتا رہی تھی اس پہ انہیں اعتراض تھا۔ وہ اس لائف اسٹائل کی عادی تھیں اور انہیں اس پہ سمجھوتہ منظور نہیں تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے انہوں نے ایک اور پلاننگ کی تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ سوشل ہوگئی تھیں۔ شہر کی ہر بڑی پارٹی میں ان کی شمولیت لازمی ہوگئی تھی۔ وہ وہاں سب کو یہی ظاہر کرتیں کہ جیسے ان کے معیارِ زندگی اور سوشل اسٹیٹس کو کوئی فرق پڑا ہی نہیں۔ اب ان کے سامنے بس ایک ہی مقصد تھا کہ ستارہ کی شادی اس شہر کے کسی بھی بڑے گھرانے میں ہوجائے تا کہ اس تعلق کو رسی بنا کر وہ اپنی پہلی والی جگہ پہ واپس آسکیں۔ اس مقصد کے حصول

کے لیے رومانہ زبردستی ستارہ کو اپنے ساتھ ان خاص خاص محفلوں میں لازمی لے کر آتیں جہاں شہر کے معزز نامی گرامی افراد موجود ہوتے۔ ستارہ کو ماں کا یہ بدلا ہوا روپ تکلیف دیتا تھا۔ وہ رشتے داروں اور دوستوں کی بے اعتنائی کو سہہ گئی تھی پر اپنی ماں کی اس سوچ کے ساتھ سمجھوتہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ پر سچ تو یہ تھا وہ رومانہ کے خلاف چاہ کر بھی جا نہیں سکتی تھی کیونکہ یہ اس کے اختیار میں نہ تھا۔

اس بار اس عالی شان دعوت کا اہتمام مسٹر اینڈ مسز انصاری کی طرف سے تھا جو ان کے کاروباری دوست یاور آفندی کی پاکستان آمد پہ ویلکم ڈنر کی صورت میں دیا گیا تھا۔ یاور آفندی بیس سال پہلے اپنی بیگم فہمینہ آفندی اور اکلوتے بیٹے زوار آفندی کے ساتھ اپنا کاروبار سمیٹ کر کینیڈا شفٹ ہوگئے تھے پر پاکستان سے ان کا تعلق کاروباری اور قریبی دوستوں کی بدولت اب بھی قائم تھا۔ شاہ نواز فیروز اور یاور آفندی کے درمیان دوستی کا مضبوط رشتہ قائم تھا۔ گو شاہ نواز کے انتقال کے بعد تعلق نہ ہونے کے برابر ہوگیا تھا لیکن اس ریفرنس سے شاہ نواز کی فیملی ان کے لیے غیر نہ تھی۔ اس بار ان کی پاکستان آمد کا مقصد دوستوں، رشتے داروں سے ملاقات یا کاروباری نوعیت کا نہیں تھا بلکہ اپنی بیگم فہمینہ آفندی کے اصرار پر وہ یہاں اپنے اکلوتے بیٹے زوار کی دلہن تلاش کرنے آئے تھے اور آج کی شام فہمینہ آفندی، بہت سی خواتین بالخصوص رومانہ فیروز کی ہٹ لسٹ پہ تھیں۔ جب سے وہ دونوں شریک محفل ہوئے تھے رومانہ مسلسل ان پہ اپنا امپریشن جمانے کی کوشش کررہی تھیں۔ دوسری طرف فہمینہ آفندی نے اپنی کلاس اور دولت کے خمار میں سامنے والے کو کبھی کچھ سمجھا ہی کہاں تھا۔ پہلے تو فقط امارت کا غرور تھا اب تو فارن نیشنل کا لیبل بھی چسپاں ہوچکا تھا۔ لہٰذا آج کی یہ شام رومانہ فیروز، فہمینہ آفندی اور ان کی ہم مزاج خواتین کی بدولت شعلہ و شبنم ہورہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے ہال میں موجود لوگوں سے زبردستی ملاقاتیں کرتا بالآخر تھک کر ایک کونے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے مزاج کے بالکل برعکس تھا۔ وہ پارٹی پرسن کبھی نہیں تھا بلکہ اسے یہ سب باتیں وقت کا ضیاع محسوس ہوتی تھیں مگر وائے ستم کہ اسے ایسے بناوٹی ہائی پروفائل ڈنر اٹینڈ کرنا ہی پڑتے تھے کیونکہ اس کے پسِ پشت فقط ایک ہی وجہ تھی اور وہ وجہ تھی فہمینہ آفندی یعنی اس کی ڈیئر ممی۔

"سیریسلی یار۔ کبھی کبھی ممی حد کر دیتی ہیں۔" زوار نے تاسف سے کہا۔ وہ اور عباد ساتھ ساتھ ہی تھے۔

"آئی مین، پہلی بات مجھے تو اس ارینج میرج کا سوچ کر ہی وحشت ہو رہی ہے۔ آپ کسی کو جانتے نہیں، پہچانتے نہیں۔ آپ کی اس کے ساتھ کوئی انڈرسٹینڈنگ نہیں اور بس اسے آپ کے گلے ڈال دیا جائے گا کہ اس ڈھول کو تمام عمر بجاؤ۔" عباد دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور دوسری بات؟" انداز میں شرارت تھی۔

"دوسری بات اگر میری شادی اپنی پسند سے کرنی ہی تھی تو طریقہ بھی کوئی مناسب اختیار کیا جاتا۔" زوار سنجیدگی سے بولا۔

"ہم ان فیملیز سے پرسنل بھی تو مل سکتے ہیں۔ یہ کیا کسی بھی ایکس وائی زیڈ کی پارٹی میں چند لڑکیوں کو ٹارگٹ کر کے ان کا معائنہ کرنا کہ آیا وہ اس معیار پہ پوری اترتی ہیں یا نہیں۔" اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس نے مزید کہا۔

"یار جولیانا، ریٹا اور مارگریٹ میں تم انٹرسٹڈ نہیں تھے تو یہاں روا، حنا، ریشم کو دیکھنے میں کیا احتراز ہے میرے بھائی۔" عباد کی اپنی منطق تھی۔

"جولیانا ہو یا ریشم، شادی کرنے کے لیے جو امتیازی اوصاف وہ ان سب میں نہیں ہیں۔"

"اس کی صورت، میری دولت، بس اس پیمانے پہ شادی کرنی تھی تو پھر یہاں کیوں آئے۔ نہ تو کینیڈا میں حسین لڑکیوں کا قحط پڑا ہے اور نہ میرے اسٹینس میں کمی جو انہیں مرعوب نا کر سکوں۔" اس کی بات میں وزن تھا پر فہمینہ کو یہ بات سمجھانا آسان کام نہ تھا۔

"بھائی میرے پتا نہیں تمہیں کس کی تلاش ہے؟" عباد نے بے دلی سے کہتے ہوئے اردگرد موجود لوگوں کو سرسری دیکھا۔

"وہ جس کے سر پہ آنچل نہ سہی نظروں میں حجاب تو ہو مگر یہاں اب تک جس سے بھی ملا، بے حجاب ہی پایا۔" زوار نے دانت پیستے ہوئے ہال میں موجود مغرب کی تقلید میں اپنی پہچان کھوتی لڑکیوں پہ سخت تبصرہ کیا۔

"تم آنچل اور حجاب والی کی تلاش جاری رکھو لیکن مجھے لگتا ہے یہاں آ کر میری تلاش ختم ہوگئی ہے۔ اب تجھے قسم لگے وہ اس کونے میں کھڑی حسینہ کو آج بلکہ ابھی سے، بہن، بیٹی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دے۔" زوار کی باتوں سے بور ہو کر عباد نے ہال میں کھڑے لوگوں پہ ایک ناقدانہ نگاہ دوڑائی اور پھر اس کی نگاہ انہی کی طرح سب سے الگ، دوسرے کونے میں کھڑی دو لڑکیوں پہ جا ٹکی۔ بے ساختہ اس کے منہ سے جو الفاظ نکلے اس پہ چونک کر زوار نے بھی اسی جانب دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

سیاہ شیفون کا ہلکے کام والا گاؤن شام کے فنکشن کی مناسبت سے اس کے متناسب جسم پہ شاندار لگ رہا تھا۔ میچنگ نفیس جیولری اور سلور ہائی ہیل سینڈل میں مقید اس کے دودھیا پاؤں بے ساختہ اسے دیکھنے پہ مجبور کر دیتے تھے۔ ہلکے پارٹی میک اپ میں اپنے لمبے کھلے بالوں کے ساتھ وہ واقعی جاذبِ نظر اور حسین لگ رہی تھی۔ ہمیشہ کی سادگی پسند ستارہ کے لیے رومانہ فیروز کی پسند سے یہ سارا اہتمام کرنا اتنا معیوب نہ ہوتا گر اسے اپنی اس پارٹی میں آمد کا مقصد معلوم نہ ہوتا۔ رومانہ خود تو مستقل یاور اور فہمینہ کے سر پہ سوار تھیں اور یہی امید وہ ستارہ سے لگائے بیٹھی تھیں کہ وہ بھی فہمینہ سے راہ و رسم بڑھائے اور اس کی نظروں میں رہے پر ستارہ کے لیے یہ سب قابلِ قبول نہ تھا لہٰذا رومیلہ کو ساتھ لے کر وہ سب سے سرسری ملاقات کے بعد اس کونے میں آ کھڑی ہوئی تھی جہاں کوئی بلاوجہ اسے

پریشان نہ کرسکے۔

''اوہ مائی گاڈ...... ستارہ ذرا وہاں دیکھو۔'' عباد اور زوار ساتھ ساتھ تھے۔ رومیلہ نے زوار کو دیکھ کر بے اختیار کہا۔ سیاہ ڈنر سوٹ، سفید قمیص اور چیکرڈ ٹائی میں وہ سچ مچ خاصا ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ چھ فٹ قد، تیکھے نقوش پر سنجیدہ اور ذہین آنکھیں۔ وہ سامنے والے کی توجہ آپ اپنی طرف مبذول کروانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

''دیکھ چکی ہوں، شکل سے ہی کھڑوس لگتا ہے۔'' ستارہ نے منہ بناتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''اب تم زیادتی کر رہی ہو، تعریف ختم ہے اس بندے پہ یار...... وہ بہت ہینڈسم ہے۔'' رومیلہ نے ستارہ کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا تم کیوں ادھر دیکھ رہی۔ خوامخواہ غلط امپریشن جائے گا۔ پہلے ہی ممی کی وجہ سے اتنا اوورڈریس ہو کر آنا پڑا ہے۔'' ستارہ نے اسے ٹوکا۔

''نہیں یار...... ٹھیک لگ رہی ہو۔'' رومیلہ نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

''سنو وہ ادھر ہی آ رہے ہیں۔ پلیز اپنی چونچ بند رکھنا۔'' عباد اور زروا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر رومیلہ نے جلدی سے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی زوار پہ ستارہ کا کوئی غلط امپریشن پڑے۔

''یہی میں تم سے کہتی ہوں اپنی چونچ بند رکھنا۔'' ستارہ نے تنبیہہ کی۔

''ویسے وہ یہاں کیوں آ رہا ہے۔'' وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی اس سے پہلے کہ رومیلہ اسے کچھ جواب دیتی عباد، زوار کو لیے ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''اوہ...... ہائی گرلز۔'' عباد کا انداز بے تکلف تھا۔

''ہیلو۔'' رومیلہ نے خوش دلی سے کہا البتہ ستارہ خاموش رہی۔

''عباد مصطفیٰ۔'' تعارف رومیلہ کی طرف دیکھ کر کروایا گیا تھا۔

''رومیلہ ہارون۔'' وہ کچھ کنفیوز سی ہوئی۔

''نائس ٹو میٹ یو۔'' عباد برجستہ بولا۔

''سیم ہیئر۔'' رومیلہ نے خوش اخلاقی نبھائی ساتھ ہی ایک نظر پاس کھڑے زوار کو دیکھا۔

''اوہ...... ہاں ان سے ملیں یہ میرے عزیز دوست ہیں زوار آفندی۔ ویسے آپ کیا کرتی ہیں مس رومیلہ۔'' خاموش تماشائی بنے زوار آفندی کا مختصر تعارف کروا کر وہ ایک بار پھر ٹریک پہ آیا تھا۔

''میں...... وہ...... میں نے حال ہی میں ماسٹرز کیا ہے کمپیوٹر انجینئرنگ میں۔'' اس بے وقت انٹرویو سے رومیلہ واقعی بوکھلا گئی تھی۔

''اوہ واؤ کمپیوٹر انجینئرنگ میں ماسٹرز، کمال کی بات ہے نا پاکستان کتنی ترقی کرچکا ہے۔ اب لڑکیاں بھی ٹیکنالوجی اور کمیونیکیشن کی فیلڈ میں آ رہی ہیں۔'' عباد کی تعریف پہ رومیلہ کا چہرہ خوامخوہ سرخ پڑ گیا جبکہ ستارہ نے اپنی ہنسی دبانے کو نچلا لب کاٹا۔ زوار جو بظاہر ان تینوں سے لاتعلق کھڑا تھا اس نے ستارہ کی حرکت کو باقاعدہ نوٹس کیا تھا۔

''یہ ستارہ فیروز ہیں۔ میری دوست۔'' رومیلہ نے جان چھڑانے والے انداز میں عباد کی توجہ پاس کھڑی ستارہ کی جانب مبذول کروائی۔ عباد کے ساتھ ساتھ زوار نے بھی ستارہ کی طرف دیکھا پر اگلے ہی پل ستارہ کو اپنی طرف دیکھتے پا کر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''ہائے مس ستارہ۔'' عباد نے ازراہِ تکلف کہا۔ ستارہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

''رومی میں ممی کے پاس جا رہی ہوں۔'' ستارہ نے سچویشن کو انجوائے کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''رکو میں بھی آتی ہوں۔'' رومیلہ جلدی سے بولی۔ ستارہ نے اس کا کندھا تھام کر اسے روک دیا۔

''نہیں تم رکو میں چلتی ہوں۔'' اپنی مسکراہٹ دباتی ستارہ نپے تلے قدموں سے چلتی رومانہ فیروز کے پاس چلی آئی۔ حدِ نگاہ زوار آفندی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆☆☆......☆☆☆......☆☆

"یاور بھائی اور ان کی فیملی کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے میں نے۔" ستارہ اسٹڈی میں بیٹھی کمپیوٹر پہ کچھ کام کررہی تھی۔ رومانہ کی اچانک آمد سے چونک کر اس نے جلدی سے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ رومانہ کو محسوس نہیں ہوا یا شاید وہ اس وقت اتنی زیادہ ایکسائیٹڈ تھیں کہ انہیں ستارہ کی گھبراہٹ پہ سوچنے کا خیال ہی نہیں رہا۔

"تمہیں کہا بھی تھا فہمینہ کو کمپنی دینا لیکن تم میری کوئی بات کبھی نہیں سنتی۔" اسٹڈی میں رکھے صوفہ پہ بیٹھتے انہوں نے شکوہ کیا۔ ستارہ اب لیپ ٹاپ بند کرکے اپنی فائل سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"آپ جانتی ہیں یہ سب چھچھورپن مجھ سے نہیں ہوتا۔ ویسے بھی آپ کی ایک بہت بڑی بات مان چکی ہوں اس سے آگے مجھ سے مزید توقع مت رکھیں۔" میز پر سے اپنے کاغذوں کا پلندہ فائل میں رکھتے اس نے تحمل سے کہا۔ رومانہ نے اسے باقاعدہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ کل رات کی پارٹی کے بعد ان کا پہلا مقصد کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ یاور اور فہمینہ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ اگر ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلتا ہے تو رشتے کی بات آسانی سے شروع ہوجاتی۔

"تمہارے ہی بھلے کو کررہی ہوں یہ سب، کتنے سال جی لوں گی اور کہاں تک مینیج کرپاؤں گی ان حالات میں۔" وہ تنک کر بولیں۔ ستارہ کو کون سی پروا تھی وہ سکون سے فائل میں لگے کاغذات پہ نظر ڈالتی ان کے تیوروں کو نظر انداز کررہی تھی۔

"تمہاری شادی ہوجائے تو چین سے مرسکوں گی۔" اس بار ان کے لہجے میں بلا کا درد تھا جو ستارہ کے لیے ہرگز نیا نہیں تھا۔ وہ ان کے منہ سے یہ فقرہ آج سے پہلے بھی کئی بار سن چکی تھی۔

"آپ کو پتا ہے نا مجھے ایسی ایموشنل باتیں پسند نہیں۔" بے پروائی سے جواب دیتے اس نے رومانہ فیروز کو اندر ہی اندر سلگا دیا تھا۔ اب تو یہ ہتھیار بھی ناکارہ ہوچلا تھا۔

"تو پھر سن کیوں نہیں لیتی میری بات۔" اونچی آواز میں کہتیں وہ ایک دم صوفے سے اٹھیں۔ ستارہ نے عاجز آکر ان کی طرف دیکھا جو غصے میں سرخ قندھاری انار سا چہرہ لیے اسے گھور رہی تھیں۔

"اور کیسے سنوں۔" اپنا دایاں ہاتھ سر پہ مارتے ہوئے ستارہ نے بے بسی سے کہا۔

"اب ایسا بھی کون سا مشکل کام بتارہی ہوں جس کے لیے اتنے جوکھم ہوں گے۔" رومانہ نے ایک گہرا سانس لیا اور دوبارہ صوفہ پہ براجمان ہوگئیں۔ مطلب بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ستارہ نے تاسف سے سر کو جھٹکا۔

"خیر...... بات کیا ہورہی تھی اور تمہاری بے تکی باتوں کی وجہ سے کہاں نکل گئی۔" اچانک سب غصہ بھول بھال وہ ایسے نارمل بات کررہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ستارہ ان کے اس انداز سے واقف تھی اس لیے اسے ہرگز تعجب نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنا ردِعمل اسی طرح ظاہر کرتی اور پھر سارا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح سیکنڈوں میں غائب ہوجاتا۔

"پرسوں رات میرے کہے بغیر ہی تیار رہنا اور ہاں، اپنی اوور اسمارٹنس ان کے سامنے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فہمینہ بظاہر جتنی بھی ماڈرن ہے مگر بہو ڈھونڈتے ہوئے اس کے اندر کی دقیانوسیت عروج پہ ہے۔ کوشش کرنا اس کے مزاج کے برخلاف کوئی بات نہ ہو۔" بہت سنجیدگی سے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے رومانہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لہجے میں تنبیہ تو تھی ساتھ ہی ساتھ التجا بھی جھلک رہی تھی۔

"تو ایسے دقیانوسی لوگوں سے رشتہ جوڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے جن کے سامنے عقل کی بات کرکے پچھتانا پڑے۔" ستارہ نے حجت کی، وہ تو ویسے ہی ان کی اس شادی مہم سے ناک تک تنگ آئی بیٹھی تھی۔ رومانہ کو تو جیسے اس کی بات سن کر پتنگے لگ گئے تھے۔

"ضرورت ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولیں۔
"کیونکہ زوار آفندی صرف پاکستان نہیں کینیڈا کے بھی بہت بڑے بزنس گھرانے کا اکلوتا وارث ہے۔ اتنی سی عمر میں اس کی بزنس سینس اور فہم وفراست مثالی ہے۔ صورت، شکل تو اللہ نے شاندار دی ہی ہے مزید سونے پہ سہاگا اس کی سماجی حیثیت اور یہ مکمل پیکج اگر کوئی لڑکی حاصل کرپائے گی تو اس کے لیے فقط ایک معیار مقرر کیا گیا ہے وہ ہے اس کی ماں فہمینہ آفندی کی نظروں میں اپنا مقام بنانا۔" ستارہ سر پہ ہاتھ رکھے کرسی پہ بیٹھی چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ ان سے بحث کا پہلے بھی کہاں فائدہ ہوا تھا۔
"لہٰذا اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ فہمینہ تم سے ناراض نہ ہو۔ سمجھی تم؟" فاتحی صوفہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے اسے بغور دیکھتے ایک آخری وارننگ دی گئی تھی اور پھر اسٹڈی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے تک ستارہ سر پہ ہاتھ ٹکائے آنکھیں نیچے کیے بیٹھی یہی سوچتی رہی کہ اس بار اسے اس کینیڈین مصیبت سے جان کیسے چھڑانی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

بہت مدت بعد ستارہ منزل میں گہما گہمی اور چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ چند سال پہلے شاہ نواز فیروز کی حیات میں تو یہاں دوستوں رشتے داروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ خاوند کی طرح رومانہ کی مہمان نوازی بھی مشہور تھی پر وقت اور حالات کے ساتھ فقط پیسے نے ہی نہیں قرابت داروں نے بھی منہ موڑ لیا تھا۔ اب نہ تو وہ پہلے سے عزیز اور دوست احباب تھے نا ہی رومانہ فیروز کا مزاج۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ گھروں میں دعوتوں کی جگہ ہوٹل کی پارٹیوں نے لے لی تھی۔ خلوص سے عاری رشتے ناطوں میں آج وہ پہلی سی رواداری کہاں بچی تھی لیکن آج سب کچھ بہت بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ گھر میں تقریباً سبھی ملازم صبح سے مصروف تھے اور رومانہ پہلے کی طرح ان کے سر پہ سوار کبھی کچن، کبھی لاؤنج کے انتظامات دیکھتی ہلکان ہورہی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں خاطر داری میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی تاں رہ جائے لہٰذا سب کام اپنی نگرانی میں کروا رہی تھیں۔ ٹھیک چھ بجے یاور آفندی اپنے اہل وعیال کے ہمراہ ستارہ منزل پہنچے۔ رومانہ کے ساتھ ستارہ نے بھی دروازے پہ ان کا استقبال کیا۔ آخر اسے رومانہ کی طرف سے خاص ہدایات جو ملی تھیں۔ کھانے سے پہلے چائے کا دور چلا۔
"بہت اچھا لگ رہا ہے آپ لوگوں سے دوبارہ مل کر، آپ تو کاروباری مصروفیات میں دوستوں کو بھول ہی گئے۔" سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے جب رومانہ نے خوش دلی سے کہا۔ بہت سال بعد سہی پر یاور اور فہمینہ کے ساتھ گیٹ ٹو گیدر کوئی پہلی بار تو نہیں تھا۔ وہ لوگ تو برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔
"اسی لیے اب سب کچھ زوار کو سونپ کے میں تو سمجھیں بس ریٹائر ہوچکا ہوں۔" یاور آفندی کو اللہ نے بہت نوازا تھا پر کامیابی نے ان میں غرور نہیں عاجزی بھر دی تھی۔ بہت ہلکے پھلکے انداز میں گپ شپ کررہے تھے۔ ساتھ ساتھ اپنے لختِ جگر زوار آفندی کی تعریف بھی کررہے تھے۔
"اب اسی کی مرضی چلتی ہے۔ ویسے خاصا ذہین ہے خوب نئے آئیڈیاز ہیں اس کے دماغ میں۔" زوار ان کی بات پہ ہلکا سا مسکرایا۔ وہ زیادہ وقت عباد کے ساتھ ہی مصروفِ گفتگو تھا جبکہ فہمینہ آفندی اپنے ایٹی ٹیوڈ میں گرفتار خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ یا شاید اس وقت وہ رومانہ اور ستارہ کو جج کررہی تھیں۔
"ماشاء اللہ لائق اور ہونہار بیٹے والدین کا نام ایسے ہی روشن کرتے ہیں۔" رومانہ نے ستارہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ان کے اندر کا کرب ستارہ تک ان کی آنکھوں کی بدولت پہنچ گیا تھا۔ نرینہ اولاد نہ ہونے کا قلق شاہ نواز فیروز کے انتقال سے پہلے کبھی رومانہ کو چھو کر بھی نا گزرا تھا پر جب سے کاروبار ہاتھ سے نکلا تھا وہ ستارہ کو کئی بار اپنی کم مائیگی کا احساس دلا کر اس کے بیٹی ہونے کا طعنہ سنا چکی تھیں۔ ستارہ کو اس بار بھی ان کے لفظوں سے زیادہ ان

کے لہجے نے تکلیف دی تھی۔ وہ اللہ کی لاکھوں نعمتوں کو بھول کر، اس کی کروڑوں مہربانیوں کو فراموش کرکے ایک ایسی شے کے لیے ناشکری کررہی تھیں جس کے بدلے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا تھا۔

"پروڈکشن یونٹ پاکستان شفٹ کرنے کا پلان ہے اس کا۔" یاور آفندی، ستارہ اور رومانہ کی ذہنی حالت سے بے خبر انہیں تفصیل بتانے لگے۔

"پاکستان میں؟" رومانہ کے ساتھ ساتھ ستارہ بھی اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آئی تھی۔

"یہاں تو مارکیٹ بہت ڈپریشن میں جارہی ہے۔" رومانہ نے آگاہ کیا۔ ظاہر ہے ان کا تو اپنا تجربہ انتہائی تلخ تھا۔

"کینیڈا کے مقابلے میں پاکستان میں پروڈیکشن کوسٹ بہت کم ہے۔ سستی لیبر اور ہیڈ ایکسپنسز کم ہونے سے پرافٹ اپنے آپ ڈبل ہوجائے گا۔" پہلی بار ان کی گفتگو میں زوار نے حصہ لیا۔ پُراثر اور دھیمے لہجے میں اس نے مختصراً اپنا موقف واضح کیا۔

"وہی انگریز کا پرانا حربہ۔ نیٹو لیبر کا استحصال کرکے اپنا خزانہ بھرنے کی آرزو۔" رومانہ کے ساتھ بیٹھی ستارہ کی بڑبڑاہٹ وہاں بیٹھے سبھی لوگوں کے سماعت تک پہنچی تھی۔

"ایکسیوز می۔" زوار کے ساتھ ساتھ یاور، فہمینہ اور عباد نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ظاہر سی بات ہے وہاں تو سب خرچ ڈالروں میں کرنے پڑتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ لیبر قوانین اور پابندیوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست کی پاسداری کرنی پڑتی ہے۔ ان کے قانون کے مطابق مزدور کو اس کا جائز حق دیا جاتا ہے۔ یہاں کی طرح تو نہیں چند ہزار روپوں کے عوض غریب لوگوں کو استعمال کیا جائے۔ پرافٹ تو ڈبل ہوں گے ہی۔" ستارہ نے کندھے اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اب نجانے یہ رشتے والی بات کی پُرخاش تھی یا رومانہ کے طعنے کا فی البدیہہ ردعمل، ستارہ کا انداز جتانے والا تھا۔

"یہ محض آپ کی سوچ ہے۔ میں مانتا ہوں مغربی ممالک کی نسبت تیسری دنیا میں معاوضہ قدرے کم ہیں لیکن اس وجہ سے ان ممالک میں سرمایہ کاری کا رجحان تیزی سے فروغ پارہا ہے۔" رومانہ فیروز کے بدن میں تو شاید اس پل کاٹنے سے لہو نا ملتا۔ البتہ فہمینہ کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات میں ناگواری کا عنصر نمایاں تھا۔

"ایک صنعت لگنے سے بیروزگاری جیسے بڑے مسئلے پہ قابو پانے کے علاوہ لوکل مارکیٹ سے خام مال کی خرید کی بدولت زرِ مبادلہ حاصل ہوگا۔ حکومت کو ٹیکس کی صورت میں انکم ہوگی۔ مارکیٹ امپرو کرے گی۔ دنیا گلوبل ولیج میں بدل چکی ہے۔ انٹرنیشنل ٹریڈ ایک طرح سے پاکستان کے حق میں ہی جاتا ہے۔" ایک پل ٹھہر کر زوار نے سلسلہ کلام دوبارہ شروع کیا۔ بہت کمپوزڈ اور سنجیدہ انداز میں اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ ستارہ کا اسے غصہ دلانے کا اگر کوئی منصوبہ تھا تو وہ پورا نہیں ہوسکا تھا۔

"جس ملک کے حکمران ٹیکس چور ہوں وہاں پرافٹ ڈبل کرنے والے سرمایہ کار کیا خاک ٹیکس دیں گے۔" وہ بھی ہارنے والوں میں سے نا تھی پر رومانہ نے گھر کا۔

"کیا فضول بولے جارہی ہو ستارہ؟" ستارہ نے فوراً لب بھینچ لیے۔ فہمینہ کے سوا سب کو رومانہ کا یہ انداز نہیں بھایا تھا۔

"چھوڑیں یہ سب باتیں فہمینہ آپ بتائیں پاکستان آکر کیسا لگ رہا ہے۔ ٹھیک سے ایڈجسٹ تو ہوگئی ہیں نا؟" رومانہ جانتی تھیں بات کاروبار سے متعلق رہی تو ستارہ کی زبان روکنا مشکل ہوجائے گا لہٰذا انہوں نے خود ہی موضوع اور ماخذ بدل دیا تھا۔ چہرے کے تاثرات کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپاتے وہ خوش اخلاقی سے بولیں پر فہمینہ کے ماتھے پہ نمایاں ناگواری کے بلوں میں ہرگز کمی واقع نا ہوئی تھی۔

"ابھی کہاں۔ میری تو طبیعت ہی سیٹ نہیں ہورہی۔ عادت نہیں رہی نا اتنی ڈسٹ کی اور یہاں تو اس قدر آلودگی ہے کہ اللہ کی پناہ۔ جب سے آئی ہوں ڈسٹ الرجی میری

معروف صحافی، ادیب اور مفسر مشتاق احمد قریشی ایک اور معرکۃ الآرا تالیف

امام الآئمہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ اہل سنت اور فقہ حنفی کے بانی ہیں
حنفی فقہ کے بانی، امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی سیرت، حیات اور ان کی فقہی زندگی اور کام کے بارے میں ایک مختصر جائزہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ

حیات و فقہی کارنامے

تلخیص و تالیف: مشتاق احمد قریشی ◆ ہدیہ: ایک سو پچاس روپے

منگوانے کا پتہ
نیو نقش گروپ آف پبلیکیشنز 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400 فون: 021-35620771/2
اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ لاہور فون: 042-37116257

جان نہیں چھوڑ رہی۔" ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بڑے تکلف اور کسی حد تک ناگواری سے کہے گئے جملے سے فہمینہ کی اوازاری کا پتا چل رہا تھا۔

"پتا نہیں آپ لوگ کیسے رہ لیتے ہیں ایسے ماحول میں۔" فہمینہ کی بات پہ رومانہ نے پہلو بدلا، یہ ڈائریکٹ اٹیک تھا پر مصلحت کا تقاضہ خاموشی تھی لیکن یہ مصلحت ستارہ کے لیے لازمی نہیں تھی۔

"بالکل اسی طرح جیسے کبھی آپ رہا کرتی تھیں۔" زوار کے ساتھ ساتھ یاور آفندی کے لبوں نے بھی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

"ویسے آلودگی ٹورنٹو میں بھی کچھ کم نہیں۔" وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ موقع خود فہمینہ نے دیا تھا پھر وہ بھلا ہاتھ سے کیسے جانے دیتی۔

"موجودہ اعداد وشمار تو اسی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ دن بہ دن بڑھتی ہوئی آلودگی، فضا میں دھوئیں کی مقدار اور انڈسٹریل ویسٹ کی بدولت ہے جو ترقی یافتہ ممالک کا بڑا المیہ بنتی جارہی ہے۔" ستارہ تو لگتا ٹھان کر بیٹھی تھی کہ شادی کی بات تو کجا فہمینہ آفندی کو اپنے نام سے بھی تائب کر دے۔ رومانہ کو اندر ہی اندر ہول پڑا ٹھے رہے تھے۔ ان کا سارا کیا دھرا خاک میں مل رہا تھا اور وہ بے بسی سے بس تماشہ ہی دیکھ رہی تھیں۔

"آہم ...... آہم ......" زوار کے ساتھ بیٹھے عباد مصطفیٰ نے ایک فلک شگاف قہقہے کا گلا گھونٹنے کی کوشش میں کھنکارہ جسے زوار کے سوا کسی نے نہیں سنا۔ گردن گھما کر اس نے عباد کو دیکھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا رہا تھا۔

"اس کا نام ستارہ کس نے رکھ دیا اسے تو جھانسی کی رانی یا قلو پطرہ بلانا چاہیے۔" دھیمی آواز میں کہے عباد کے الفاظ پہ زوار نے مسکراہٹ دبانے اور اپنے تاثرات کو نارمل رکھنے کی کوشش میں نچلا لب دبایا۔ یقیناً یہ شام اس کی زندگی کی حیرت انگیز شام تھی اور عباد اس کا چشم دید گواہ تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگی

"شعر اچھا ہے۔" رومیلہ نے انتہائی دکھی انداز میں ہوک بھرتے اینٹری ماری۔ ستارہ سینے پہ بازو باندھے اس کی سنجیدگی کو انجوائے کررہی تھی۔

"تم پہ ایک دم صادق آتا ہے۔" کرسی سنبھالتے ہوئے رومیلہ جھٹ بولی۔ وہ دونوں اس وقت لان میں بیٹھی تھیں۔ موسم خوشگوار تھا اس لیے چائے کا کپ لیے وہ وہیں چلی آئی تھی اور ٹھیک اسی وقت رومیلہ کی آمد ہوگئی۔

"لگالو تم بھی الزام، آج میں الزامات سننے کے موڈ میں ہوں۔" ستارہ نے فون چیک کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"شرم تو نہیں آئی ہوگی میری پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہوئے۔" رومیلہ کا انداز تاسف بھرا تھا یہ اور بات سامنے میز پہ دھرا چائے کا مگ اب اس کے قبضے میں تھا۔

"لگتا ہے عباد مصطفیٰ نے دن چڑھنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ چلو انگریزوں سے اور کچھ نہ سہی وقت کی قدر تو سیکھ ہی لی۔" ستارہ کو پہلے سے ہی اندازہ تھا اسی لیے وہ اس کے موڈ کو خاطر میں نہیں لارہی تھی۔ کل رات ڈنر کے بعد عباد نے موقع ملتے ہی ستارہ سے رومیلہ کے لیے نا صرف اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا بلکہ اس سے انتہائی عاجزی سے درخواست کرتے ہوئے رومیلہ کا فون نمبر بھی ہتھیا لیا تھا۔ ظاہر ہے ستارہ خود بھی رومیلہ کی نظروں میں اس رات عباد کے لیے پسندیدگی کا عنصر دیکھ چکی تھی اسی لیے متانت سے اس کی درخواست پہ غور فرماتے ہوئے اسے اپنی پیاری دوست کا نمبر عنایت کردیا تھا۔

"بکومت۔" رومیلہ خفگی سے بولی۔

"چلو تمہیں موقع دیتی ہوں۔" دوسری طرف شانِ بے نیازی کا ثبوت دیا تھا۔

"ستارہ...... کیا ضرورت تھی اسے میرا نمبر دینے کی؟" ملازمہ ایک اور چائے کے مگ کے ساتھ چند لوازمات بھی لے آئی تھی۔ دوسرا کپ اٹھا کر سپ لیتے ستارہ نے اس

کے چہرے کے مصنوعی غصے کو انجوائے کیا۔

"بے چارہ اتنی منتیں کر رہا تھا۔ ویسے مجھے تو انسان کا بچہ لگا سوٹ کرے گا تمہارے ساتھ۔" اسے چڑانے کا اپنا مزا تھا۔ اس بار بلش کرتی رومیلہ نے نظریں چرا کر اپنی مسکراہٹ دبانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف تھیں یونہی تو اتنے سالوں پرانی دوستی قائم نہ تھی۔

"میچ میکنگ تمہاری چل رہی تھی اور تم نے میری شروع کردی۔" ناخن کریدتے اب کی بار لہجہ یکسر بدل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی محترمہ کے دل میں خوشی سے لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔

"میری تو ہونے سے رہی، تمہاری ہی سہی۔" بسکٹ کھاتے ہوئے ستارہ کی بات پہ رومیلہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"کیا مطلب میری نا سہی۔ کیا وہ لوگ تم میں انٹرسٹڈ نہیں۔ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا پوچھنا کل کا ڈنر کیسا رہا۔" وہ تو کچھ اور ہی امید لگائے بیٹھی تھی پر ستارہ کی بات نے اسے چونکا دیا۔

"یہ تو تم ممی کے موڈ سے جانچ لو۔ کل رات سے مجھ سے تمام تعلقات قطع کرچکی ہیں۔" کل رات کی معرکہ آرائی کے بعد رومانہ فیروز کا کھلی آنکھوں سے دیکھا ہوا ستارہ اور زوار کی شادی کا خواب تو چکنا چور ہو چکا تھا ساتھ ہی ساتھ ان کی ستارہ سے ان معاملوں میں تعاون کی امید بھی دم توڑ چکی تھی۔ اس سے پہلے وہ بک جھک کر اپنا غصہ نکال لیا کرتی تھیں پر اس بار سب کچھ ان کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا یا شاید ان کی امید ہی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے ٹوٹنے کا شاک انہیں اس فیز میں لے گیا تھا۔ وہ کل رات سے ستارہ سے بات چیت بند کیے زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزار رہی تھیں۔ یہ ناراضگی کی انتہا تھی ستارہ جانتی تھی پر وہ خود کو اس معاملے میں حق بجانب سمجھتی تھی۔ اسے یہ زبردستی کا بندھن منظور نہیں تھا۔ وہ کسی کو جانے، پرکھے اور سمجھے بغیر اس کی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی تھی۔

تمام عمر اس احساسِ کمتری میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس کی ماں نے جھوٹ سچ بول کر محض اپنی جھوٹی شان بچانے کی خاطر اسے کسی بھی امیر شخص کے پلے باندھ کر اس سے اس کی شناخت چھین لی ہے جو ظاہر ہے فقط دولت کی محتاج نہیں تھی۔

"اس کا مطلب تم نے ضرور کچھ اوٹ پٹانگ حرکت کی ہوگی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا تم آخر چاہتی کیا ہو۔" رومیلہ نے تاسف سے سر جھٹکا۔ وہ ساری بات سمجھ گئی تھی کیونکہ ستارہ کے خطرناک ارادے وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

"میں نے تو فقط سچ بولا تھا پر ممی اور ان کے ملنے والوں کو سچ ہضم نہیں ہوتا۔ خیر تم چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ عباد سے کیا بات ہوئی؟" بہت عام سے لہجے میں کہے گئے فقرے میں بہت اہم مطلب پنہاں تھا۔ وہ مزید اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی لہٰذا بات کا رخ وہیں موڑ دیا گیا جہاں سے آغاز ہوا تھا۔

"یار وہ ملنے کا کہہ رہا ہے۔" رومیلہ بھی آج کسی اور موڈ میں تھی لہٰذا جلدی سے بولی۔

"گڈ گوئنگ پھر کیا کہا تم نے؟" ستارہ نے ابرو اٹھا کر شرارت سے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔ رومیلہ پہلے ہی سب طے کر کے آئی تھی یہ بات تو ستارہ کے فرشتوں نے بھی نہیں سوچی ہوگی وہ تو یہی سمجھی تھی کہ ابھی وہ اس سے مشورہ کرے گی پر یہاں تو دونوں طرف جلدی مچی ہوئی تھی۔

"ماڈل ٹاؤن پارک......" اس نے جگہ کا نام بتایا جسے سن کر ستارہ کا ایک زوردار قہقہہ لگانے کو دل چاہا، یعنی وہ دونوں ٹین ایجرز کی طرح پارک سے سلسلہ ملاقات شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے پر اپنی اس شدید خواہش کو مصنوعی غصے کے پردے میں چھپا کر اس نے اپنے بلند و بانگ قہقہے کا گلا بری طرح گھونٹا تھا۔

"ملاقات فائنل کر کے آرہی ہو اور مجھ پہ ایسے بگڑ رہی تھی جیسے میں نے تمہارے پیچھے زومبی لگا دیا ہو۔" ابھی حساب چکتا کرنے کا وقت تھا لہٰذا بہت اچھے طریقے سے

اس کی کلاس لے رہی تھی۔

"بس تم نے میرے ساتھ چلنا ہے۔" وہ بھی آخر رومیلہ تھی۔ چکنا گھڑا' اتنی آسانی سے خود پہ پانی کہاں پڑنے دیتی البتہ ستارہ کے لیے یہ نیا فرمان چونکا دینے والا تھا۔

"کس جرم میں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"مورال اسپورٹ کے لیے۔" چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھاتے مسکراتے ہوئے رومیلہ نے ستارہ کی طرف دیکھا۔

"تم دونوں کا مورال تو ویسے ہی بہت ہائی لگ رہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی پر رومیلہ بھی اس معاملے میں رومانہ کا پرتو تھی۔

"میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ ہو تم۔" واہ کیا لوجک بیان کی تھی۔ ستارہ کا دل چاہا اس کی پٹائی کردے۔

"سمجھو آج سے دشمنی شروع۔" ترنت جواب دیا۔

"پھر اسے میرا نمبر کیوں دیا؟ اکیلے نہیں جاؤں گی میں بتا رہی ہوں۔" کیا ادائے دلبرانہ تھی ستارہ کا بے اختیار داد دینے کو دل چاہا۔

"تو مت جاؤ، کوئی زبردستی نہیں۔" اس نے جان چھڑاتے ہوئے کرسی سے اٹھنا چاہا۔

"مجھے بھی تو زبردستی لے کر جاتی ہو نا۔ بس میں نے کہہ دیا تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔" رومیلہ کو بازی ہارتی ہوئی محسوس ہوئی تو اب کی بار روہانسی ہو کر جذباتی بلیک میلنگ کی کوشش کی۔ عجیب سی پچویشن تھی اس کے ساتھ نہیں جاتی تو دوست کا دل برا ہوتا اور جانے کا تو سوچنا ہی آکورڈ لگ رہا تھا۔ آخر ان دونوں کے بیچ وہ کباب میں ہڈی بن کر کرے گی کیا۔ کرسی پہ واپس بیٹھ کر اس نے سر پکڑتے ہوئے رومیلہ کی طرف سنجیدہ نظروں سے دیکھا جواباً مسکینی شکل بنائے اپنی چائے کے آخری گھونٹ پی رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

پارک کی وسیع پارکنگ سے نکل کر وہ دونوں گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ عباد نے کھوجتی نظروں سے پارک کا جائزہ لیا اور پھر رومیلہ کے بتائے پوائنٹ کا عندیہ لگا کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔ زوار بھی اس کے ساتھ ہی تھا جس کے چہرے پہ شدید جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

"ڈیٹ تمہاری ہے تو میں یہاں کیا کروں گا؟" زوار نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سوال کیا۔ وہ اچھا خاصہ اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ دونوں میں تمام راستے بھی یہی بحث ہوتی رہی تھی اگر زوار کو ذرا برابر علم ہوتا کہ عباد اسے اپنے ساتھ کہاں لے کر جا رہا ہے تو وہ ہرگز نہ آتا۔ یہ تو اسے راستے میں معلوم ہوا کہ عباد مصطفیٰ صاحب ایک عدد لڑکی سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔ عباد اسے گاڑی سے بھی بہت مشکل سے اتار کر لایا تھا۔

"یار پروٹیکشن کے لیے کسی کا ساتھ ہونا نہایت ضروری ہے۔" عباد نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ زوار کے خراب موڈ کا اس نے نوٹس نہیں لیا۔ اس کی نظریں تو رومیلہ کی دید کی پیاسی تھیں جسے اس رات پارٹی میں دیکھ کر وہ پہلی نظر والے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ایسا زوار نے ہی اسے کہا تھا۔

"کیا بات ہے یعنی مجھے باڈی گارڈ بنا کر لائے ہو۔" زوار اس کی منطق پہ چڑ کر بولا۔ وہ دونوں بچپن کے دوست تھے، مزاج میں زمین آسمان کا فرق اور ایسا پہلی بار نہیں تھا کہ عباد کی وجہ سے زوار کو ایسی خجالت کا سامنا کرنا پڑا ہو بلکہ اکثر عباد کی وجہ سے اسکول، کالج یہاں تک کہ یونیورسٹی میں زوار کو عباد کی وجہ سے عجیب وغریب حالات سے گزرنا پڑتا تھا پر یہی ان کی دوستی کا حسین پہلو تھا ورنہ کوئی یوں دوست کے کہنے پر اپنی سالانہ چھٹیاں کسی روح پرور مقام پہ گزارنے کو ترجیح دینے کی بجائے اس کے ساتھ اس کی شادی مہم میں صرف نہیں کرتا۔ زوار اکیلا پاکستان نہیں آنا چاہتا تھا اور عباد نے بس ایک بار کہنے پہ اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھر لی تھی۔ اسی کی کمپنی تھی جس کی وجہ سے زوار اس عجیب وغریب ٹرپ کو بھی انجوائے کر رہا تھا ورنہ اسے تو سوچ کر بھی اپنا تماشہ بننے پہ غصہ آتا تھا۔

"تم تو جانتے ہو یہ میرا پہلا تجربہ ہے۔" عباد نے گھڑی دیکھتے ایک نیا انکشاف کیا۔

"میری جان اس میں میرا کیا قصور؟" سیاہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے زوار نے کندھے اچکائے۔

"پتا نہیں کیوں بس مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" شام میں ہلکی سی خنکی تھی۔ سورج کی کرنیں سات رنگوں میں تقسیم ہو کر اب زمین پہ اپنی آخری نگاہ ڈال رہی تھیں۔ عباد نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ایکسائٹمنٹ تھی یا کچھ اور وہ بہرحال ٹینس لگ رہا تھا۔

"کم آن عباد، وہ ایک بائیس تیئس سال کی لڑکی ہے، خودکش حملہ آور نہیں جو دوپٹے میں بم باندھ کر لے آئے گی۔" زوار کو پہلی بار واقعہ کی سنگینی کا احساس ہوا۔ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ عباد اسے بلاوجہ اپنے ساتھ گھسیٹ لایا ہے پر اسے لڑکیوں کی طرح نروس ہوتا دیکھ کر اسے ہنسی آگئی۔ وہ دونوں جس معاشرے کی پیداوار تھے وہاں تو ان موقعوں پہ لڑکیاں بھی ایسی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتی تھیں...... پتا نہیں اسے عباد کی اس کیفیت کا پہلے علم کیوں نہیں ہوا۔ وہ واقعی گھبرا رہا تھا۔

"یار کچھ پتا تھوڑی چلتا ہے۔ کیا پتا غصے اور جذبات میں آ کر تیزاب وغیرہ ہی پھینک دے۔" اب پتا نہیں وہ مذاق کر رہا تھا یا واقعی اتنا گھبرایا ہوا تھا کیونکہ اس کے چہرے کا کوئی بھی تاثر اس کے اندر کا بھید نہیں دے رہا تھا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے ایسے واقعات کا شکار خواتین ہوتی ہیں، مرد نہیں۔" دل تو قہقہہ لگانے کو چاہا تھا پر کیا کرتا دوستی نبھانے کا فریضہ اپنی جگہ تھا بہرحال جواب بھی اسی سنجیدگی سے دیا تھا۔

"پھر بھی اس نے کسی بات پہ برا منا کر لوگوں کو اکٹھا کر لیا اور میری جوتوں سے پٹائی کروا دی تو......" یعنی حد ہی ہوگئی تھی۔ ذہن میں تو آیا کہے میاں عباد مصطفیٰ عرف رومیو ایسی باتیں دل لگانے سے پہلے سوچنے کی ہوتی ہیں اب جوتیاں پڑیں یا کنکریاں برداشت کرو حوصلے سے پر کیا کریں یہ کم بخت دوستی بڑی ظالم شے ہے۔ لہٰذا دل کے ارمانوں پہ ٹھنڈا پانی ڈال کر حوصلہ افزائی کرنا ضروری تھا۔

"سنا ہے، مجنوں نے لیلیٰ کی محبت میں پتھر کھائے تھے، تم کیسے عاشق ہو عباد مصطفیٰ، عشق میں دو چار جوتیاں نہیں کھا سکتے۔" عباد کے چہرے پہ اچانک ناقابلِ یقین حیرانگی بھرا تاثر دیکھ کر زوار نے چونک کر اس کی نگاہوں کے زاویے کو تلاش کیا۔ وہ سامنے سے آتی دو لڑکیوں کو دیکھ کر فریز ہو گیا تھا جو تیز قدموں سے چلتی انہی کی طرف آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک دوشیزہ کو زوار آفندی مستقبل قریب میں تو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

"مارے گئے۔" عباد زیرِ لب بڑبڑایا مگر زوار دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھ سامنے سے کون آ رہا ہے۔" رومیلہ کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی ستارہ۔ وہ دونوں انہی کی طرف چلی آ رہی تھیں پر فاصلہ اتنا تھا کہ ان دونوں کی آواز بہرحال ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"ہمم...... جھانسی کی رانی۔" زوار نے مسکراتے ہوئے عباد کی طرف دیکھا۔

"جوتیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی زوار آفندی، یہ تو باتوں کے گولہ بارود سے شب خون مارنے کی قدرت رکھتی ہے۔" عباد کو یقین تھا رومیلہ اسے باڈی گارڈ بنا کر لائی ہے اور شاید ستارہ نے اسے اتنی آسانی سے جو رومیلہ کا نمبر دے دیا تو اس کے پیچھے ضرور یہی مقصد پوشیدہ ہوگا کہ یہاں پارک میں بلا کر اس کی ذلت بھری بارات نکالی جائے۔ وہ کچھ اور بھی ہراساں ہو گیا تھا۔

"دیکھتے ہیں......" گہری نظروں سے دیکھتے زوار نے سینے پہ ہاتھ باندھے۔ عباد کے برعکس وہ اس وقت مکمل کمپوزڈ اور پُرسکون لگ رہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

رومیلہ کے ساتھ ستارہ کو دیکھ کر جو شاک عباد اور زوار کو لگا تھا کچھ ویسا ہی شاک ان دونوں کے لیے بھی تھا۔ بہرحال دونوں طرف سے اپنی حیرت کو نہایت خوبی سے چھپایا گیا۔ گفتگو کا آغاز ہلکے پھلکے انداز میں ہوا۔ ظاہر ہے

اصل مقصد تو عباد کا رومیلہ سے ملاقات کرنا تھا جبکہ زوار اور ستارہ ایکسٹراز کی طرح ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگ باتیں کرو، میں پارک کا ایک راؤنڈ لگاتا ہوں۔" زوار چونکہ عباد کی اندرونی کیفیت سے واقف تھا اسی لیے خود ہی منظر سے نکلنے کا سوچا اور کچھ ایسی ہی سوچ ستارہ کے ذہن میں بھی گردش کررہی تھی اس نے خود زوار کے ساتھ واک کی خواہش کا اظہار کیا۔

"یہیں آس پاس ہی رہنا۔" عباد نے گھبرا کر کہا۔ زوار کے ساتھ ستارہ اور رومیلہ نے بھی حیرت سے عباد کی حالتِ غیر کو دیکھا۔

"میرا مطلب تم پاکستان میں نئے ہونا کہیں گم نہ ہوجانا۔" ان تینوں کو اپنی طرف دیکھتا پاکر شرمندگی سے اس نے مزید کہا۔

"چھوٹا سا پارک ہے یہ کون سا کُم کا میلہ ہے جو یہ گم جائیں گے۔" رومیلہ نے بروقت مداخلت کی۔ ویسے تو اسے زوار کی موجودگی سے کوئی ایشو نہ تھا پر یہاں معاملہ ستارہ کا تھا وہ تو چاہتی تھی ستارہ کسی طرح زوار کی طرف مائل ہوجائے اور اگر اللہ اللہ کر کے انہیں پرائیویسی دینے کے چکر میں ہی سہی وہ ساتھ جارہے تھے تو عباد کا ٹانگ اڑانا اسے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

سر جھٹکتے ہوئے عباد کی بات کو انجوائے کرتے زوار نے ستارہ کے ساتھ پگڈنڈی کا رخ کیا جبکہ عباد اور رومیلہ وہیں مصنوعی جھیل کے کنارے کھڑے رہے۔ انہیں کچھ وقت ساتھ گزارنے کی ضرورت تھی اور ان دونوں کی موجودگی میں وہ کس طرح کھل کر بات کرسکتے تھے۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے اور وہ دونوں دھیمے قدموں سے ساتھ ساتھ چلتے ایک دوسرے کی موجودگی سے باخبر پر ایک دوسرے کو نظر انداز کرتے خاموش تھے۔

"ویسے بحث اور جراح کرنے کے علاوہ اور کون سے مشاغل ہیں آپ کے۔" بالآخر سلسلہ کلام کا آغاز زوار نے کیا۔ دایاں ہاتھ جینز کی جیب میں ڈالے اس نے ستارہ کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"اکثر لوگ سچ کو بحث و جراح کے زمرے میں لے جاتے ہیں، بہرحال آپ کو ناگوار گزرا تو معذرت۔" اس طنزیہ سوال کے جواب میں کچھ ایسے ہی چبھتے ہوئے جواب کی امید تھی۔ نگاہیں سامنے درختوں کی قطار پہ رکھے وہ سینے پہ ہاتھ باندھے اس کے ہمراہ تھی۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا بلکہ میں تو آپ کی معلومات سے خاصہ امپریس ہوں۔" زوار نے رک کر ستارہ کی طرف دیکھا۔ اس کے بڑھتے قدم بھی تھم گئے تھے۔ سفید لباس میں وہ لمبے بالوں کو کیچر میں لپیٹے سادہ مگر منفرد لگ رہی تھی۔ زوار نے محسوس کیا وہ ہر روپ میں دلکش لگتی تھی۔

"لڑکیوں کے پاس فیشن اور بیوٹی ٹپس جیسے مواد کی تو بہتات ہوتی ہے لیکن آپ کی طرح کاروباری معاملات پہ کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔" قدم ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے تھے۔ خاموشی پہ کلام حاوی ہورہا تھا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، مدر ٹریسا سے لے کر ہیلری کلنٹن تک تاریخ بھری پڑی ہے ایسی مثالوں سے جو اپنی فہم وفراست اور ذہانت کی بدولت دنیا میں اپنی پہچان اپنا الگ مقام بنا چکی ہیں۔" اس بار لہجہ نارمل تھا۔ قطرہ قطرہ اترتی رات میں پگڈنڈیوں کے کنارے پہ لگی دھندلی پول لائٹس میں اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ متاثر کن تھی۔

"ان کی زندگی بیوٹی ٹپس اور فیشن سے بہت اگلی سطح پر ہے۔ ہوم میکر سے لے کر لاء میکر تک خواتین نے ہر جگہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔" ستارہ نے گفتگو جاری رکھی۔ زوار ایک بار پھر وہیں رک گیا تھا اس بار مقصد ان تراشیدہ ہونٹوں پہ پھیلی مسکراہٹ کا نظارہ کرنا تھا جو پاس کھلے پھولوں سے بڑھ کر حسین ودلکش تھا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں ہم خواتین کی صلاحیتوں سے منحرف نہیں ہوسکتے۔" ستارہ کی خاموشی پہ اپنے خیالوں سے چونک کر اس نے بے ساختہ کہا۔ سفر ایک بار پھر شروع ہوا تھا اور ظاہر ہے اختتام سفر تو آغاز سفر سے ہی طے ہوتا ہے۔ وہ دونوں بھی پارک کے مین گیٹ

کے قریب جارہے تھے۔

"مستقبل کے کیا پلانز ہیں۔" بات سے بات نکالتے وہ اس وقت کو بہترین انداز میں استعمال کررہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" جواب یک لفظی اور لہجہ سفاک تھا۔

"لیکن کیوں؟" سوال میں تجسس سے زیادہ حیرت تھی۔

"میرے مطابق آپ کو اپنے والد کا بزنس سنبھالنا چاہئے۔ آپ پوری طرح اس کی قابلیت رکھتی ہیں۔" وہ ستارہ کی تعلیمی قابلیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کی بات چیت میں کم عمری یا اَن میچورٹی نہیں بلکہ سمجھداری جھلکتی تھی۔ حال ہی میں اس نے اپنا ایم بی اے مکمل کیا تھا اور اس کی شاندار جی پی اے کا تذکرہ تو رومانہ پچھلی ملاقات میں بڑے تفاخر سے کرچکی تھیں۔ وہ لب بھینچے ساتھ چل رہی تھی۔

"زوار صاحب، شاہ نواز انڈسٹری تھی۔ اب جو کچھ بچا ہے وہ محض ایک نیم ٹیک ہے۔ ایک ایسا جہاز جو پچھلے چار سال سے خسارے کے سمندر میں ڈولتا اب بس ڈوبنے والا ہے۔" سچ کڑوا تھا اور اسے دہرانا اس سے بھی زیادہ تلخ پر سچ سے نظریں چرانے والوں سی منافقت اس میں مفقود تھی۔ جانتی تھی دنیاوی غرض مال و حشمت پہ مشروط ہے اور شاید آج کے بعد زوار آفندی اور اس کی فیملی کے پہلے سے مراسم نہ ہوں پر جھوٹ پہ کھڑی عمارت سے سچ کی کڑواہٹ بہتر تھی۔

"آپ کی کمپنی کے خسارے سے میں واقف ہوں مس ستارہ۔ میری معلومات کے مطابق موجودہ حالات کی ذمہ دار فقط بدانتظامی اور غلط لوگوں کی انوالومنٹ ہے۔" یہ ستارہ کے لیے یقیناً ایک نیوز تھی۔ تو اب ان کے کاروبار کی دگرگوں حالت فقط اس شہر تک محدود نہ تھی بلکہ ملک سے باہر بھی یہ چرچا عام تھا کہ شاہ انڈسٹریز کھوکھلی ہوچکی ہے۔

"جو کچھ بھی ہوچکا ہے اب اسے سدھارنا اور پہلے والے مقام پر لانا تو ممکن نہیں ہے۔" اس نے لب کاٹتے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہے لفظوں نے آنکھوں کی نمی بڑھادی تھی۔

"مجھے آپ سے تو ایسی توقع ہرگز نہیں تھی۔ آپ تو ریس سے پہلے ہار مان گئی ہیں۔ تو وہ جو اتنی بڑی بڑی باتیں تھیں وہ محض کتابی ہیں۔ بے عمل علم الٹا نقصان کا موجب ہوتا ہے۔" رات کے اندھیرے میں اس کی طرف دیکھے بغیر بھی ان بھیگے ہوئے لفظوں سے وہ اپنے ساتھ چلتی لڑکی کی اندرونی کیفیت سمجھ رہا تھا پر اس سے ہمدردی دکھا کر اس پہ ترس کھا کر وہ اس کی خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ بشاش لہجے میں وہ محوِ کلام تھا اور اتنا وقت کافی تھا ستارہ کو سنبھلنے کے لیے۔ آنکھوں کی نمی کو پلکوں میں سمیٹ کر اس نے سوال کیا۔

"تو آپ کے خیال میں ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔" چہرے کی اداسی کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپاتے وہ زوار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہی جو کوئی بھی پڑھا لکھا نارمل اور باشعور انسان کرتا ہے کوشش۔ آپ اپنے والد کی ساری عمر کی محنت کو یوں سکون سے گھر بیٹھے تباہ ہوتا دیکھ رہی ہیں جو میرے نزدیک حماقت ہے۔" بہت سلجھے ہوئے اور دوستانہ انداز میں کہی بات نے ستارہ کے دل میں زوار کے متعلق بنی رائے میں دراڑ ڈال دی تھی۔ بظاہر سنجیدہ اور اپنی ذات کے خول میں لپٹے زوار سے مل کر پہلا تاثر احساسِ برتری و تفاخر میں ڈوبے شخص کا معلوم ہوتا تھا پر اس وقت جو اس سے ہم کلام تھا وہ ایک مختلف انسان تھا۔

"ان حالات میں کوئی کیسے سکون سے رہ سکتا ہے پر میرے پاؤں میں لڑکی ہونے کی بیڑی پہنادی گئی ہے۔ ویسے بھی ممی کے مطابق اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔ رومیلہ کے بعد زوار وہ دوسرا انسان تھا جس کے سامنے ستارہ نے کھل کر بات کی تھی۔

"معذرت چاہتا ہوں لیکن مجھے اس فرسودہ سوچ نے ہرگز قائل نہیں کیا۔ یہ نہائت بودی دلیل ہے اور کوشش کے بغیر منزل نہیں ملا کرتی یہ تو پھر شاہ نواز انڈسٹری ہے۔" زوار

نے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر ستارہ کی دلیل کی نفی کی تھی۔ شاید اس کی تلخ باتوں کا مو جب وہ اب جان چکا تھا۔ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی ایسے میں کسی بھی ذی شعور میں تلخی آنا فطری ہوتا ہے۔

"آپ ساری دنیا کو قائل کر سکتے ہیں پر اپنی ماں کو سمجھانا پہاڑ کھسکانے کے برابر ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ زوار بھی ہنس پڑا۔

"متفق۔" اس کا تو ذاتی تجربہ تھا۔

"آپ چاہیں تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ فارن انویسٹرز کو سرمایہ کاری پہ آمادہ کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ شاہ نواز انڈسٹری کا نام اتنا بڑا ہے کہ آسانی سے ہو جائے گا یہ کام۔" وہ دونوں اب پارک کے داخلی دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ وقت رخصت آن پہنچا تھا پر آج کی شام دونوں کے درمیان پچھلی ملاقات کی برف پگھلنے کا آغاز ہو چکا تھا۔

"بہت شکریہ، میں دیکھتی ہوں کیا کر سکتی ہوں۔ پچھلے کچھ عرصے میں ممی سے چھپ کے کچھ ورکنگ کی تو ہے میں نے۔" پارکنگ میں کھڑے ہو کر وہ دونوں عباد اور رومیلہ کے منتظر تھے۔ ستارہ نے وہ انکشاف کیا جو اس سے پہلے رومیلہ کے سوا صیغہ راز تھا۔

"مجھے آپ کی مدد کر کے انتہائی خوشی ہوگی۔" عباد کو کال کرنے کے لیے زوار نے اپنا سیل فون نکالا۔ خوش اخلاقی نبھاتے اس نے مسکراتے ہوئے ستارہ کو یقین دہانی کرائی اور پھر کال کرنے لگا۔

☆☆☆......☆☆☆

زوار کی عباد سے بات ہوئی تو اس نے پانچ منٹ میں پارکنگ تک پہنچنے کا کہا۔ ظاہر ہے اتنا ہی وقت رومیلہ کو بھی لگنا تھا۔ گو ستارہ اب گاڑی میں بیٹھنا چاہتی تھی پر زوار چونکہ وہیں کھڑا تھا تو بد اخلاقی کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں تھا اسی لیے وہ بھی رومیلہ کے انتظار میں وہیں کھڑی تھی۔ پارک کے باہر اس وقت شام کی سیر کے بعد لوگوں کی بھیڑ تھی اور ساتھ ہی مختلف چیزیں بیچنے والے لے پاکر بھی موجود تھے۔ اسی پل ایک آٹھ دس سالہ لڑکا ہاتھ میں پکڑی لمبی چھڑی پہ موتیے اور گلاب کے گجرے سجائے ان کے پاس چلا آیا۔

"گجرے لے لیں سر۔" زوار نے ہنس کر اس چھوٹے سے بچے کو دیکھا جو اس کے پاس کھڑا بڑے اعتماد سے بات کر رہا تھا۔

"یار یہ گجرے میں تو نہیں پہنتا۔" جواب ایسا تھا کہ ستارہ نے بھی ہنستے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"آپ کو تھوڑی پہننے کا کہہ رہا ہوں۔" بچے نے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا جیسے جتا رہا ہو بھئی بڑے بیوقوف ہو۔

"تو پھر؟" معصومیت سے سوال کیا تھا یقیناً وہ بھی اس گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"اپنی گرل فرینڈ کے لیے لے لیں۔" اس کی اگلی بات پہ زوار کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا جبکہ ستارہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ زوار ستارہ کی آنکھوں میں شرمندگی محسوس کر چکا تھا۔

"پہلی بات یہ میری گرل فرینڈ نہیں ہیں۔" اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے زوار نے کہا۔ بچہ ہرگز شرمندہ نہیں ہوا تھا۔

"اور دوسری بات؟" انتہائی اعتماد سے پوچھا۔

"دوسری بات، تمہیں اتنی چھوٹی عمر میں گرل فرینڈ کا کس نے بتایا۔" زوار کی بجائے ستارہ نے پوچھا۔ لہجہ تھوڑا ڈپٹنے والا تھا۔

"چھوٹا ہوں پر بیوقوف نہیں ہوں۔ روز پارک میں یہی سب دیکھتا ہوں۔" اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر مسکراتے ہوئے کہا...... جملہ سن کر زوار نے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی کو روکا۔

"اچھا یہ بتاؤ اسکول جاتے ہو؟" اس نے موضوع بدلا۔ شاید وہ عباد کا انتظار کرتے وقت گزارنا چاہتا تھا۔

"جاتا ہوں نا، صبح کو اسکول اور شام میں گجرے۔" وہ سینہ تانے اعتماد سے بولا۔

''آپ خرید لیں نا پلیز۔ اگر یہ آپ کی گرل فرینڈ نہیں تو جو بھی ہوا سے دے دیجئے گا۔'' وہ ایک بار پھر اسی موضوع پہ واپس آیا تھا۔ ظاہر ہے یہ اس کا کاروبار اور ذریعہ روزگار تھا اور اسے گاہک کو کنوینس کرنے کے سب طریقے آتے تھے۔

''چلو یار تم بھی کیا یاد کرو گے۔'' زوار نے اپنے والٹ سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اتنا بڑا نوٹ، لیکن میرے پاس تو چینج نہیں ہے۔'' وہ پریشانی سے بولا۔

''یہ سب تمہارے۔ میری طرف سے کتابیں خرید لینا۔'' تھوڑا سا جھک کر اس کے لیول تک آتے، آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا پر بچے نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں سر میں یہ پیسے نہیں لے سکتا، اماں کو بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ جیسے بے حد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ زوار نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

''کہہ دینا بڑے بھائی نے دیئے ہیں، پھر اماں کچھ نہیں کہیں گی۔'' وہ چند لمحے سوچتا رہا۔

''اچھا...... پھر آپ یہ سب رکھ لیں۔'' پتلے بانس میں لپٹے دس بارہ گجرے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے جیسے فیصلہ کیا تھا۔

''لیکن میں اتنے گجروں کا کروں گا کیا؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا اور ستارہ کی طرف دیکھا جو ان دونوں کی اس عجیب و غریب گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''پھر یہ پیسے واپس لے لیں۔'' بچے نے دو ٹوک انداز میں نوٹ زوار کی طرف بڑھایا۔

''اچھا ایک کام کرو بس دو دے دو...... دو سے زیادہ نہیں۔'' زوار نے ہار مانتے ہوئے بانس میں سے دو گجرے نکال لیے۔ بچہ کچھ سوچتے ہوئے راضی ہو گیا اور پھر نوٹ لپیٹ کر اپنی قمیص کی جیب میں رکھ کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ زوار نے ہاتھ میں پکڑے گجرے ستارہ کی طرف بڑھائے۔

''یہ...... میں......'' وہ حیران و پریشان کھڑی کبھی زوار کو اور کبھی اس کے ہاتھ میں پکڑے گجروں کو دیکھ رہی تھی۔

''پلیز......'' زوار نے ستارہ کی آنکھوں میں دیکھتے التجا کی۔ کچھ سوچتے ہوئے ستارہ نے ہاتھ بڑھا کر پھولوں کے کنگن تھام لیے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

واپسی پہ گاڑی رومیلہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ ستارہ برابر والی سیٹ پہ خاموش بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پھولوں کے گجروں کی مسحور کن خوشبو کو سانسوں میں اتارتے مسکراہٹ نے خود بخود اس کے حسین چہرے کا احاطہ کیا تھا اور پھر اس نے باری باری وہ گجرے اپنی دونوں کلائیوں میں پہن لیے تھے۔ پھولوں کی چند پتیاں ٹوٹ کر اس کی جھولی میں گریں تھیں۔

''معاملہ سیٹ ہو گیا؟'' رومیلہ نے اعلانیہ کہا۔ گو نگاہیں سڑک پہ تھیں پر دھیان ستارہ کی حرکت پہ۔

''واقعی......؟'' ستارہ اپنے دھیان سے چونک کر مخاطب ہوئی۔ ''کیا بات ہوئی تمہارے اور عباد کے درمیان؟'' اس نے رومیلہ کی طرف دیکھتے تجسس سے سوال کیا۔

''میں تمہاری اور زوار کی انڈرسٹینڈنگ کی بات کر رہی ہوں۔'' رومیلہ کی بات پر ستارہ کے چہرے سے مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی تھی۔

''کیا فضول بولے جا رہی ہو۔ کون سی انڈرسٹینڈنگ تم ہی کھینچ کر لائی تھی مجھے۔'' گڑبڑا کر کہتے نگاہیں سڑک پہ مرکوز کر لیں تھیں۔ رومیلہ نے شرارتی مسکراہٹ سے جتاتے ہوئے کہا۔

''پر یہ موتیے اور گلاب کے گجرے تو کچھ اور ہی داستان سنا رہے ہیں۔'' نگاہ اس پل اپنی کلائیوں کی طرف گئی تھی جہاں ابھی چند لمحے پہلے پہنے تازہ گجروں کو دیکھ کر وہ یوں ہنسی جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

''اوہ یہ...... یہ تو وہ بچہ ضد کر رہا تھا۔'' اس نے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ رومیلہ

نے اس پل گردن گھما کر ستارہ کی طرف دیکھا۔ نچلا لب دبائے وہ اس وقت اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔

"تو بچے نے پہنائے ہیں؟" ستارہ نے رومیلہ کی طرف دیکھنے سے اجتناب برتتے ہوئے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔

"اس کا مطلب مسٹر کھڑوس نے لے کر دیئے ہیں......واہ بھئی۔" رومیلہ نے توصیفی انداز میں کہا۔ ستارہ نے آنکھیں سکیڑتے رومیلہ کی طرف دیکھا۔

"ویسے اتنا کھڑوس نہیں ہے جتنا میں اسے سمجھتی تھی۔"

"تو پھر کتنا کھڑوس ہے؟" بے ساختہ سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا اس بات کا بتاؤ جس چکر میں تم یہاں آئی تھی۔ عباد سے کیا بات ہوئی تمہاری؟" موضوع بدلتے ہوئے اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بات کو بدلو مت۔" اس نے گھر کا۔

"فضول بات کرنے کا فائدہ؟" ستارہ نے آنکھیں گھمائیں۔ اس کا گھر آنے والا تھا اور رومیلہ خود بھی اس سے اپنی باتیں شیئر کرنا چاہتی تھی لہٰذا اس کی بات مانتے ہوئے فی الوقت اس موضوع کو چھوڑ کر اس نے عباد والا قصہ چھیڑا۔

"عباد اچھا لڑکا ہے۔ بہت اچھی کمپنی میں بہترین پوسٹ پہ کام کررہا ہے۔ شروع میں تھوڑا فنی سا لگا تھا مجھے پر اس سے بات کرکے لگا وہ اچھا سلجھا ہوا انسان ہے۔ زندگی کے ہر رنگ کو انجوائے کرنے والا۔" آدھے پونے گھنٹے کی بات چیت میں وہ بہرحال اس سے متاثر نظر آرہی تھی۔ بہت زیادہ بات چیت کے بغیر بھی ستارہ کی عباد کے متعلق رائے ملتی جلتی ہی تھی۔ وہ اسے بھی اپنی عزیز از جان سہیلی کی مناسبت سے اچھا لگا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تو پھر کیا سوچا تم نے اب کیا کرنا ہے؟" وہ خوش دلی سے بولی۔

"میں نے کیا کرنا ہے......یہ تو عباد کو سوچنا ہے کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ میں تو صاف کہہ آئی ہوں اس سے کہ سیدھی طرح میرے ممی ڈیڈی سے آکر ملے۔ یہ افیئر چلانے کا ٹیمپرامنٹ نہیں ہے میرا۔" رومیلہ نے جلدی جلدی کہا۔ ستارہ کو اس کی تنک مزاجی پہ ہنسی آئی۔

"تو پھر کب جارہا ہے؟" کمال کا سنجیدہ انداز تھا۔

"کہاں ہمارے گھر؟" رومیلہ نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں...... واپس کینیڈا۔" ستارہ کی اگلی بات پہ رومیلہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ستارہ کی ہنسی نکل گئی۔ شاید اب یہ سب رومیلہ کے بس سے بھی باہر ہوگیا تھا لہٰذا بے اختیار ایک قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔

"بہت بدتمیز ہو تم ویسے۔" باقی کا تمام راستہ ان دونوں کے ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

موتیے کے گجروں پہ انگلیاں پھیرتے اس نے خود کو عجیب انداز میں آئینے میں دیکھا تھا۔ بہت احتیاط سے اپنی کلائیوں سے اتارنے کے بعد یوں کہ کوئی پنکھڑی ٹوٹ نا جائے اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھے اپنے کرسٹل کے جیولری باکس میں ان دونوں گجروں کو محفوظ کردیا تھا۔ یہ کرسٹل کا جیولری باکس اس کے والد کا دیا تحفہ تھا جو اسے بہت عزیز تھا اور آج تک خالی تھا کیونکہ بقول ستارہ، اس کے پاس ایسا کوئی قیمتی زیور نہیں جو اس جیولری باکس میں رکھے جانے کی شان رکھتا ہو۔ پر پھولوں کا یہ زیور وہ پہلی شے تھی جسے یہ اعزاز سونپا گیا تھا۔ کئی منظر نگاہوں کے سامنے لہرائے تھے جنہیں سر جھٹکتے مسکراتے ہوئے ذہن کے پردے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ دھیمے قدموں سے چلتی وہ بیڈ کے ایک طرف آکر بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اس نے گزری شام کے بیتے لمحوں کو ذہن میں دہرایا۔ بہت دنوں بعد وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا، بہت مختلف اور بہت خوش محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی عادت کے برخلاف بہت سی باتیں کی تھیں۔ وہ آج بہت عرصے بعد اتنا ہنسی تھی۔ طمانیت کا فرحت بخش احساس تھا جو برسوں بعد لوٹ آیا تھا۔ وہ واقعی آج بہت خوش تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

یاور آفندی نے کمرے میں قدم رکھا تو زوار کو حسبِ معمول کام میں مصروف پایا۔ وہ ایک فائل کھولے بیٹھا تھا۔ ان کی کمرے میں موجودگی محسوس کرتے وہ اپنے دھیان سے چونکا اور مسکراتے ہوئے ان کو سلام کیا۔

"ہاں تو برخوردار، کیا چل رہا ہے آج کل؟ اور یہ عباد نظر نہیں آرہا، غالباً کہیں گیا ہوا ہے۔" ریلکیس انداز میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے ایک ساتھ کئی سوال کیے تھے۔ بات چیت کا انداز باپ بیٹے سے بڑھ کر دوستانہ تھا۔

"کچھ خاص نہیں ڈیڈ بس یہ لوکل مارکیٹ پہ ایک سروے رپورٹ دیکھ رہا تھا۔" زوار نے فائل بند کر کے ان کی طرف بڑھائی۔ چند صفحات کو پلٹتے ہوئے انہوں نے سرسری جائزہ لیا اور فائل واپس اس کے ہاتھ میں تھمادی۔

"اور عباد کو تو آپ بھول جائیں، وہ بہت مصروف چل رہا ہے آج کل۔" زوار نے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر صوفہ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"اسٹرینج...... اس کے پاس یہاں بھلا کیا مصروفیت ہوسکتی ہے۔ کوئی نیا اسائنمنٹ مل گیا ہے اسے کیا؟" یاور آفندی کو حیرت ہوئی۔

"اتنی اہم اسائنمنٹ ہے کہ پوچھیے ہی مت۔" لب دباتے شرارتی انداز میں کہے زوار کے جملے پہ یاور آفندی خوب ہنسے۔

"چلو تم کہتے ہو تو نہیں پوچھتے۔" ان کا سینس آف ہیومر بھی آج عروج پہ تھا۔

"یہ بتاؤ اس کام کا کیا ہوا جو یہاں آنے سے پہلے تمہارے ذمہ لگایا تھا؟" اچانک انہوں نے وہ بات شروع کی جسے کرنے وہ آج بالخصوص زوار کے کمرے میں آئے تھے۔

"آپ کا مطلب شاہ انڈسٹریز۔" ابرو اٹھا کر سوال کیا۔ یاور آفندی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس پہ تو ساری ورکنگ کر کے چلا تھا میں۔ اب بھی کافی معلومات اکٹھی کی ہیں۔ اپنے موجودہ خسارے کے باوجود Merger - It's worth to invest یا Aquisition دونوں صورتوں میں ڈیل بری نہیں ہوگی۔" زوار سنجیدگی سے بولا۔ ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بھی تمام حقائق اس کی فنگر ٹپس پہ تھے اور اپنی معلومات سے نا صرف وہ مطمئن تھا بلکہ یاور آفندی بھی خاصے پُرسکون دکھائی دے رہے تھے۔

"تو پھر کیا خیال ہے بات آگے بڑھائی جائے...... کوئی پلان آف ایکشن ہے تمہارے پاس؟" انہوں نے مزید پوچھا۔ یہ وہ راز تھا جو وہ دونوں باپ بیٹا کینیڈا سے دل میں دبائے پاکستان آئے تھے۔ یاور آفندی کو شاہ نواز فیروز کی وفات کے بعد ان کے کاروباری حالات کا علم اس لیے بھی زیادہ تھا کیونکہ وہ اپنے دوست کے خاندان سے بے پروا نہیں رہنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے اندرونی مارکیٹ میں تو یہ چرچا تھا پر ابھی چونکہ یہ بات زبان زدِ عام نہیں تھی لہٰذا معاملہ سنبھالا جاسکتا تھا۔

"اوپر سے نیچے تک لمبی چوڑی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ خاص طور پہ اپر مینجمنٹ، اس وقت کمپنی کو اس نہج پہ پہنچانے کا سرا وہیں سے ملتا ہے۔ میرے حساب سے تو ٹوٹل نیو ہائرنگ ہوگی۔" زوار نے تفصیلاً بتایا۔ اب تک جو بھی ورکنگ کی تھی اس کا لب لباب وہ بیان کر رہا تھا۔ یاور آفندی نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

"کیا تم یہ سب سنبھال پاؤ گے، یہ بالکل الگ جاب ہوں گی اور تم پہ پہلے ہی ویسے کام کا اتنا لوڈ ہے۔" انہیں اس بات کی بھی فکر تھی کہ زوار پر اس طرح کام کا بوجھ بڑھ جائے گا۔ وہ پہلے ہی کینیڈا میں ان کا پورا کاروبار سنبھال رہا تھا۔ ان کا کردار تو فقط اب مانیٹرنگ تک محدود تھا گو زوار بھی ان سے مشورے کے بغیر اپنے اختیارات کا بے جا استعمال نہیں کرتا تھا پھر بھی میجر رول تو اسی کا تھا۔ اب یہاں پاکستان میں ایک پوری نئی کمپنی ٹیک اوور کرنے کا مطلب صاف تھا۔

"امید تو ہے کہ مینیج ہوجائے گا ان شاء اللہ۔ الگ پروڈکشن یونٹ والا آئیڈیا ڈراپ کر کے اس فیکٹری کی

گنجائش بڑھائی جائے تو انویسٹمنٹ بھی کم ہوگی اور اوور ہیڈ بھی۔" اس کے پاس حل موجود تھا۔

"ویسے اگر ستارہ آگے بڑھ کر کمپنی کے معاملات ہینڈل کرنے لگے تو مجھے امید ہے وہ ایک بہترین اضافہ ہوگی۔" کچھ سوچ کر ماتھا کھجاتے ہوئے اس نے وہ پوائنٹ سامنے رکھا جو وہ ستارہ سے اس شام ملاقات کے بعد سوچ رہا تھا۔ مرجر کی صورت میں کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر دونوں فریقین کے چنے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ رومانہ فیروز تو فقط ایکٹنگ ڈائریکٹر کی حد تک محدود ہو جاتیں لیکن ستارہ، شاہ نواز انڈسٹری میں یقیناً ایک کارآمد اضافہ ثابت ہوتی۔

"آئیڈیا تو تمہارا واقعی شاندار ہے۔ تو پھر اللہ کا نام لے کر بھابی سے بات کرتے ہیں۔" یاور آفندی کو بھی یہ تجویز بے حد پسند آئی تھی۔ اب اگلا مرحلہ ظاہر ہے اس سلسلے میں رومانہ فیروز کو اعتماد میں لیتے ہوئے اپنی اور ان کی کمپنی کے اشتراک سے متعلق بات کرنا تھی۔ ویسے تو انہیں پورا یقین تھا کہ رومانہ کے لیے ان حالات میں اس سے بہتر کوئی دوسرا حل نہیں ہے باقی تو اب ان سے بات چیت کے بعد ہی کنفرم پتا چل سکتا تھا۔

"جی بہتر۔" زوار نے سعادت مندی سے کہا۔

"ویسے ستارہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" یاور آفندی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہی۔ یہ نام سن کر زوار آفندی کی آنکھوں کی چمک دیدنی تھی۔ محض چند ملاقاتوں میں وہ بہت کچھ جان چکا تھا اس کے متعلق۔ ضدی اور انا پرست طبیعت کے پسِ پردہ دل کو چھو جانے والا اندازِ تفاخر اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"ماشاءاللہ بڑی پیاری اور ذہین بچی ہے۔ مجھے تو اس میں اپنے دوست شاہ نواز کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کیا نفیس انسان تھا میرا یار۔" شاہ نواز فیروز کی باتیں کرتے وہ جیسے ماضی کی خوشگوار یادوں کو دہرا رہے تھے۔ زوار مسکراتے ہوئے توجہ سے ان کی بات سن رہا تھا۔

"آپ ان کی تعریفیں کرتے ہیں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں ان سے ان کی زندگی میں کیوں نہیں مل سکا۔"

اکثر فرصت اور موڈ کی مناسبت سے یاور آفندی اس سے شاہ نواز اور اپنے بیتے دنوں کی باتیں کرتے تھے۔ اتفاق تھا کہ زوار کی کبھی ان سے ملاقات نہ ہوسکی پر بناء ملے اور دیکھے بھی وہ ان کی شخصیت سے خاصا متاثر تھا۔

"میری دلی خواہش ہے ستارہ ہمارے گھر کی بہو بن کر آئے۔ تم اگر اس دن ڈنر کی باتوں کو منفی نہ سوچو تو وہ اچھی معقول لڑکی ہے۔ کم سے کم اب تک تمہاری ماں نے جتنی بھی لڑکیاں دیکھیں ان میں سب سے بہتر مجھے تو وہی لگی۔" آگے جھک کر زوار کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے بالآخر اس خواہش کا اظہار کیا جو وہ پچھلے کچھ عرصے سے دل میں دبائے بیٹھے تھے اور اب ستارہ سے مل کر یہ تمنا اور بھی گہری ہوگئی تھی۔ وہ جانتے تھے فہمینہ کا مزاج مختلف ہے اور وہ سیرت پہ صورت کو ترجیح دینے پہ یقین رکھتی ہے۔ خاندانی لوگوں کے رکھ رکھاؤ کے برعکس وہ نودولتیوں کی چکاچوند سے زیادہ جلدی متاثر ہونے والوں میں سے تھی اور اس دن کی ستارہ کی باتوں کو لے کر ایشو تو بن ہی چکا تھا۔ پر یاور آفندی کے لیے اس معاملے میں فہمینہ سے زیادہ زوار کی رائے معنی رکھتی تھی۔ اگر وہ بھی اپنی ماں کی سوچ سے متفق ہو کر ستارہ کے لیے کوئی منفی رائے قائم کر چکا ہے تو پھر ان باتوں کا شاید کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ اس پہ زور زبردستی کر کے اپنی بات منوانا تو ان کے نزدیک ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔

"میں اس کی کسی بھی بات کو منفی نہیں لے رہا بلکہ اس سے مزید بات چیت کے بعد اس کی پرسنلیٹی کے بڑے اہم اور روشن پہلو سامنے آئے ہیں۔" زوار نے ان کا ہاتھ دبا کر یقین دہانی کرائی۔ انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ یہ نئی معلومات تھی بھی چونکا دینے والی۔

"وہ بظاہر کڑوی لیکن خود مختار اور منفرد سوچ کی مالک ہے۔" زوار نے مزید کہا۔ وہ بھی تو کچھ انہی اوصاف کا مالک تھا اور انہیں کیا بتاتا کہ اس محترمہ کی انہی خوبیوں کی بدولت وہ اس کے متعلق سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

''کیا مطلب تم ستارہ سے پھر ملے ہو؟ کب ہوئی تم دونوں کی بات چیت؟'' یاور آفندی نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھ ڈالے۔

''بتادوں گا ڈیڈ...... لمبی کہانی ہے۔'' مسکراتے ہوئے ٹالنے کی کوشش کی۔

''تو بھئی خلاصہ سنادو۔'' ان کا موڈ ایک دم خوشگوار ہوگیا تھا۔ خدشات دم توڑنے لگے تھے اور اس کی جگہ ایک نئی امید نے جنم لیا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے زوار نے شروع سے آخر تک سارا قصہ سنادیا کس طرح عباد اسے زبردستی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گیا اور ستارہ سے اس کی اتفاقیہ ملاقات کے ساتھ ساتھ عباد کی رومیلہ میں دلچسپی والا معاملہ بھی ان کے گوش گزار کردیا گیا تھا۔

''ویلڈن...... اس کا مطلب پاکستان سے ایک نہیں دو دلہنیں کینیڈا جائیں گی۔'' تالی بجا کر یاور آفندی نے اپنی ایکسائٹمنٹ ظاہر کی...... زوار ان کی بات سن کر بے ساختہ ہنس دیا۔

''اچھا سنو...... ان میں سے کسی بھی بات کا ذکر اپنی ممی سے مت کرنا۔ تم تو جانتے ہی ہو اسے معمولی باتوں کا ایشو بنانا کتنا پسند ہے۔ اب بھی محترمہ تپی بیٹھی ہیں۔'' اِدھر اُدھر دیکھتے راز دارانہ لہجے میں کہا تھا۔ زوار کے چہرے پہ پریشانی کے سائے لہرائے تھے۔

''یہ تو مسئلہ ہوگیا ڈیڈ...... ممی کو کیسے راضی کریں گے؟'' واقعی پریشان کن صورت حال تھی۔ وہ اگر اپنے ڈیڈ کی خواہش کا احترام کرتا...... تو اپنی ممی کو بھی ناخوش کرنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا اور پھر اس کی شادی والا معاملہ تو سرے سے تھا ہی ان کے ہاتھ میں تو یہ کیسے ممکن ہوتا کہ جو لڑکی ان کی نگاہوں کو نہیں بھائی زوار اس سے شادی کی آرزو کرے۔

''ڈونٹ وری میں ہینڈل کرلوں گا۔'' یاور آفندی نے یقین دلایا۔

''بلکہ ایسا کرتا ہوں، رومانہ بھابی کے سامنے ذکر چھیڑتا ہوں۔ پتا تو چلے ان کے دل میں کیا ہے۔'' ان کا لہجہ سنجیدہ اور پُر یقین تھا۔ زوار کے لیے یہ بات باعثِ اطمینان تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

یاور آفندی اگلے ہی دن رومانہ فیروز سے ملنے چلے آئے تھے۔ رومانہ انہیں اس طرح اچانک اپنی رہائش گاہ پر دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ تو سرے سے امید ہی ختم کرچکی تھیں پر اب یاور آفندی کی آمد سے دل کو کچھ آسرا ہوا تھا۔ ستارہ بھی بے حد محبت اور ادب آداب سے ملی تھی۔ یاور آفندی کا پُرخلوص انداز اسے ہمیشہ متاثر کرتا تھا۔

''خواتین کی طرح لگی لپٹی نہیں کہوں گا بھابی۔'' یاور آفندی نے تمہید باندھی۔ رومانہ فیروز پُرتجسس انداز میں ہمہ تن گوش تھیں جبکہ میز پہ چائے رکھتی ستارہ کا دھیان بھی انہی کی طرف تھا۔

''دو باتیں کرنے آیا ہوں آپ سے اس امید کے ساتھ کے دونوں صورتوں میں آپ میرا مان رکھیں گی۔'' ستارہ کی طرف محبت سے دیکھتے یاور آفندی نے مزید کہا۔

''آپ حکم کریں یاور بھائی...... اگر میرے بس میں ہوا تو آپ کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' رومانہ نے ستارہ کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے یقین دہانی کرائی۔ ان کے دل میں امید کا چراغ پوری آب و تاب سے روشن ہوا تھا جبکہ ستارہ کے چہرے پہ الجھن واضح تھی۔

''میں آپ سے زوار کے لیے ستارہ بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔'' ایک پُرسکون سانس رومانہ فیروز کے سینے سے خارج ہوئی تھی۔

''باقاعدہ رشتہ لے کر تو میں فہمینہ کے ساتھ آؤں گا اگر آپ کو اعتراض نہ ہوا تو۔'' اعتراض اور رومانہ فیروز کو؟ یہ تو کوئی ان کے دل سے پوچھتا کہ وہ اس وقت کون سے آسمان کی سیر کررہی تھیں۔ بے تحاشہ غم اور بے تحاشہ خوشی انسان کو بے قابو کردیتے ہیں۔ رومانہ کی بھی کچھ یہی کیفیت تھی۔ خوشی کے مارے پاؤں زمین پہ رکھنا دوبھر ہورہا تھا اور زبان تو جیسے تالو سے جا لگی تھی۔

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' گلا کھنکھار کر وہ

بمشکل بولیں۔

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔" ستارہ کی آواز پر دونوں نے چونک کر دیکھا۔

"ستارہ......!" رومانہ نے جیسے سانپ دیکھ لیا ہو۔ انہیں ستارہ سے اس حرکت کی ہرگز امید نہیں تھی۔ مارے دہشت کے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"بولنے دیں بھابی...... مت روکیں اسے۔" یاور آفندی نے مداخلت کی۔

"بچوں سے ان کی شادی کے متعلق رائے لینا نہایت اہم ہے۔" آواز دھیمی اور کسی حد تک ناامیدی میں ڈوبی ہوئی تھی پر انہوں نے رومانہ کی طرح اپنے جذبات کی تشہیر کرنے کی بجائے ان پہ قابو رکھنا بہتر سمجھا تھا۔

"سوری انکل...... لیکن میں یہ شادی نہیں کرسکتی۔" سر جھکائے، بہت ادب کے ساتھ مضبوط لہجے میں اپنی بات کہی تھی۔

"اور میرا خیال ہے مجھے نا کہنے کا حق حاصل ہے۔" اگلا جملہ رومانہ کی طرف دیکھتے بولا تھا جو اس وقت اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ یاور آفندی نے مزید ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ ستارہ تیزی سے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ صورت حال عجیب و غریب ہوچکی تھی۔ رومانہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ بولیں تو کیا بولیں اور یہی حال یاور آفندی کا بھی تھا۔

خاموشی سے وہ اپنی نشست سے اٹھے اور دھیمے لہجے میں اجازت طلب کرتے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے، رومانہ نے روکنا چاہا پر اس کے پاس کہنے کو تھا ہی کیا۔ ان کی آمد پہ جو ولولہ و جوش تھا واپسی پہ اداسی اور یاسیت حاوی تھی۔ رومانہ اپنی بے بسی پہ لب کاٹتی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں باتوں کو گھما پھرا کر کرنے کا عادی نہیں ہوں ستارہ۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"گھما پھرا کر کی گئی باتیں سننا مجھے بھی پسند نہیں ہے۔" اس نے بھی پلکیں جھپکے بغیر اعتماد سے جواب دیا تھا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" عباد کے مشورے پہ زوار نے ستارہ کو کال کی تھی اور اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس نے آنے کی حامی بھرلی تھی۔

"سوری ایسا نہیں ہوسکتا۔" اس وقت وہ دونوں مقامی ہوٹل میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ زوار کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ ستارہ کو اس رشتے پہ ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ایسا ہوتا تو وہ اتنی آسانی سے وہ گجرے نہ پہن لیتی۔ اسی لیے یاور آفندی کی بات پہ اس نے خود سے کوئی کوشش کرنے کی بجائے سارا معاملہ انہی پہ چھوڑ دیا تھا۔ پر جب رشتے کی بات سنتے ہی اس نے دوٹوک انداز میں انکار کیا تو نہ صرف یاور آفندی بلکہ خود زوار بھی ششدر رہ گیا تھا۔

"مگر کیوں؟" اسے واقعی یقین نہیں آرہا تھا کہ ستارہ اس رشتے سے انکار بھی کرسکتی ہے۔ تھوڑا بہت تو وہ انسانی رویوں کو سمجھتا ہی تھا اور ستارہ کی نظروں میں اپنے لیے پسندیدگی کی جھلک پہلی بار اس نے اسی دن دیکھی تھی جب انہوں نے پارک میں ایک ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ پھر آخر ایسا کیا ہوا جو ستارہ نے یوں دھڑلے سے انکار کردیا۔

"وجہ جاننا ضروری ہے کیا؟" سوپ کے پیالے میں چمچہ چلاتے اس نے سوال کیا۔

"میرے لیے...... ضروری ہے۔" اندر ہی اندر یہ بات اسے شدید ذلت کا احساس دلا رہی تھی اور اس کا برملہ اظہار اس نے عباد سے بھی کیا کہ اسے ایک ایسی لڑکی نے ریجیکٹ کیا ہے جو خود اس کے اپنے دل میں پسندیدگی کی سند حاصل کرچکی تھی۔ عباد نے اسے بہت سمجھایا تھا۔ اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے اور بات کی تہہ تک پہنچنے کا مشورہ بھی عباد نے ہی اسے دیا تھا۔ کچھ تو رومیلہ کی بدولت عباد کو اندر کی بات کا تھوڑا بہت علم ہوچکا تھا دوسرا وہ خود زوار کی ستارہ کے لیے سنجیدگی محسوس کررہا تھا۔ ایسے حالات میں اس کے مطابق زوار کو ستارہ سے مل کر بات کرنی چاہیے اور پہلے سے بدگمانی قائم کرنے سے بہتر ہوتا ہے کہ بات چیت اور افہام و تفہیم کی راہ اختیار کی جائے۔

"زوار صاحب آپ واقعی ایک بہت قابل، ذہین اور شاندار انسان ہیں اور کسی بھی لڑکی کے خوابوں کی تعبیر ہوسکتے ہیں پر میں خود کو اتنا خوش نصیب اور آپ کے قابل نہیں سمجھتی......" خود کو کمپوز کرتے اس نے اپنے تلے لفظوں میں کہنا شروع کیا۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ زوار کے بلاوے کے پیچھے کون سا مقصد پنہاں ہے۔ گو اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا ستارہ میں پھر بھی انکار کر کے جو حرکت وہ کر چکی تھی اس پہ ثابت قدم رہنے کے لیے اس کا زوار سے ملنا ضروری تھا۔ انکار کی صورت اس کا بچگانہ پن سامنے آجاتا۔

"خود کو اتنا کمتر جاننے کی وجہ؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے زوار نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ایک ایسی پُر اعتماد اور سمجھدار لڑکی جس سے چند ملاقاتوں میں متاثر ہو کر وہ شادی جیسا بڑا فیصلہ کر چکا تھا اس کے منہ سے ایسی بات عجیب لگی تھی۔

"میرے حالات......" لب بھینچتے ہوئے مختصراً کہا۔ زوار کے چہرے پہ ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ وہ اختلاف جو زبان سے نہیں نکلا تھا نظروں نے پہنچادیا تھا۔ سوپ کا پیالہ بے دلی سے پرے دھکیل کر ستارہ نے تفصیلی بات کا آغاز کیا۔

"صاف سی بات ہے جب آپ شاہ انڈسٹریز کے ہر ایشو کے متعلق جانتے ہیں تو یقیناً آپ اس بات سے بھی باخبر ہوں گے کہ میری فیملی ان دنوں کن کرائسز سے گزر رہی ہے۔" زوار یک ٹک اس کی طرف دیکھتا خاموش اور سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ ایک لمحے کو رک کر ستارہ مزید بولی۔

"میری ممی کو ان حالات میں بس ایک یہی راہ دکھائی دے رہی ہے کہ میری شادی کسی بھی امیر زادے سے کردی جائے تاکہ ہمارے گرتے ہوئے اسٹیٹس کو سہارا مل سکے پر مجھے یہ منظور نہیں۔" زوار کو اس کی لاجک پہ ہنسی آئی۔ پتا نہیں وہ کس دنیا میں رہ رہی تھیں۔ مغرب میں تو خیر یہ عام بات تھی اور اب تو مشرق میں بھی یہی طریقہ عام ہوتا جارہا تھا۔ شادی میں دو لوگوں کی ذہنی مطابقت سے زیادہ ان کی سماجی مطابقت و برابری کو فوکس کیا جارہا تھا۔ معاشی طور پہ مستحکم مرد سے شادی کرنا تو عام سی بات بن کر رہ گئی تھی۔

"ان کی یہ سوچ ایسی کچھ غلط بھی نہیں، ظاہر ہے سب والدین بیٹیوں کے لیے اپنے سے بڑھ کر اور بہتر معاشی وسائل رکھنے والی سسرال ہی ڈھونڈتے ہیں۔" گو رومانہ کی ذات کے بہت سے ظاہری پہلو جن میں نمائش کا عنصر زیادہ تھا زوار کو پسند نہیں تھے پر ان تمام اختلافات کے باوجود وہ ایک ماں کی حیثیت سے انہیں اپنی بیٹی کے بہترین مستقبل کی تمنا کرنے اور اچھی جگہ بیاہنے کی خواہش رکھنے کا پورا اختیار دیتا تھا یا شاید انہیں یہ گنجائش اس نے دل کے کہنے پہ دی تھی جہاں ستارہ کی آرزو نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

"میرے نزدیک اپنے مسائل سے فرار کا یہ راستہ قابلِ قبول نہیں ہے اور پلیز آپ اسے اپنی ذات پہ مت لیں اِنفیکٹ میں ان حالات میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" ستارہ نے دوٹوک انداز میں بحث کا اختتام کیا۔ اس وقت اسے ایک ساتھ دو مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک طرف زوار سے اپنے مؤقف پہ ڈٹے رہ کر بحث کرنا اور اسے قائل کرنا یا پھر قائل نا سہی مطمئن کرنا۔ دوسری طرف اس تمام گفتگو اور ملاقات کے دوران زوار کو اپنے کسی بھی رویے سے یہ امپریشن نہ دینا کہ خود ستارہ کے دل میں اس کے مقام کی سمت متعین ہو چکی ہے پر وہ اپنے جذبات پہ بند باندھ کر خود کو حقیقت کی دنیا میں رکھنا چاہتی تھی۔ اسے خود پہ موقع پرست کا لیبل لگوا کر تمام عمر اپنے ہی عکس کا سامنا کرنے سے گریز کرنا منظور نا تھا۔

"تو پھر کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟" زوار کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ خوداری ایک طرف پر کون اتنا آگے تک جا کر سوچتا ہے۔

"مجھے شاہ انڈسٹریز کو دوبارہ اس کا مقام دینا ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں نہیں جانتی میں ایسا کر پاؤں گی یا نہیں پر میں ایک بار کوشش ضرور کرنا چاہتی ہوں۔"

دل میں لگن سچی ہو تو منزل پہ پہنچنے سے کون روک سکتا ہے اور زوار کو اس کے ارادے اس کی آنکھوں میں جھلکتے اعتماد سے صاف دکھائی دیئے تھے۔ بہرحال یہ جذبہ قابلِ ستائش تھا۔

''یہ کام تو آپ مجھ سے شادی کے بعد بآسانی کرسکتی ہیں۔''

''نہیں...... میں اس سلسلے میں کسی کا احسان لینا نہیں چاہتی۔'' جواب حسبِ توقع ملا تھا۔

''کیا بس ایک یہی وجہ ہے میرا پرپوزل ریجیکٹ کرنے کی؟'' ستارہ کے جواب نے اس کا بھرم قائم رکھا تھا۔ یہ تسلی تو بہرحال ہوئی تھی۔

''جی۔'' اس کا سوپ سامنے رکھا ٹھنڈا ہوگیا تھا۔

''چلیں میں آپ کو گھر ڈراپ کردوں یا اس سلسلے میں بھی کسی کا احسان لینا مناسب نہیں سمجھتی؟'' زوار نے اشارے سے ویٹر کو بلایا اور جیب سے والٹ نکالا۔

''میں اپنی گاڑی لائی ہوں۔'' ستارہ نے اس بار اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا پر خود پہ مرکوز اس کی نظریں وہ محسوس کررہی تھی۔

''چلیں پھر تو کوئی ایشو نہیں۔ اجازت دیجیے میں چلتا ہوں۔'' بل کی رقم میز پہ رکھتے اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اللہ حافظ۔'' وجیہہ انداز میں چلتا وہ ریسٹورنٹ سے نکل گیا تھا۔ ستارہ چپ چاپ خالی الذہنی سے وہاں چند منٹ بیٹھی رہی اور پھر تھکے تھکے انداز میں ریسٹورنٹ سے نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھی۔ وہ جانتی تھی آگے راستہ بے حد طویل اور دشوار گزار ہے گا۔

☆☆☆......☆☆☆

دماغ سے اب تک ہر جنگ جیتنے والے کو دل کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی تھی اور اس کا سارا غصہ گھر آکر عباد پہ نکلا تھا جس نے اسے ستارہ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ زوار آفندی کسی ڈسکشن کا حصہ ہو اور نتیجہ اس کی فیور میں نہ ہو پر آج پہلی بار ایک لڑکی کی ضد اور انا نے اسے مات دی تھی۔ ستارہ کے لیے دل میں امڈتے جذبات ایک طرف وہ پہلی لڑکی تھی جسے اس نے شادی کے لیے منتخب کیا تھا اور شادی کا پیغام دوبار اس تک پہنچایا گیا اور دونوں بار مسترد کردیا گیا تو اس کا جھنجلانا اور غصہ کرنا تو برحق تھا۔ لہٰذا عباد اس سلسلے میں وہ تر نوالہ تھا جس پہ ہاتھ صاف کیا جارہا تھا۔

''یار عجیب آئٹم ہو تم، اس نے ایک بودی سی دلیل دے کر تمہیں انکار کیا اور تم چپ چاپ منہ اٹھائے گھر واپس آگئے۔'' عباد کون سا پروں پہ پانی پڑنے دیتا الٹا اسی کے لتے لینے لگا۔

''تو کیا اس کے گھر کے باہر موم بتی جلا کر شامیانہ لگا کر بیٹھ جاتا کہ سنو ستارہ بیگم اگر اس موم بتی کے پگھلنے تک تم نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو میں مرتے دم تک دھرنا قائم رکھوں گا۔'' انتہائی دلچسپ اور فلمی انداز میں نقشہ کھینچا تھا۔ عباد نے نہایت غور سے زوار کی مکمل بات سنی جیسے کوئی بہت اہم معلومات شیئر کی جارہی ہو اور پھر آنکھیں دکھاتے ہوئے ناک سکیڑی۔

''یار ویسے دھرنے والا آئیڈیا برا نہیں، اس کے بعد شادی کے بڑے برائٹ چانسز ہوتے ہیں۔'' بڑے ریلیکس انداز میں انتہائی دانشمندانہ مشورہ دیا تھا۔

''میں زوار آفندی ہوں عمران خان نہیں۔'' زوار جو غصے اور فرسٹریشن میں کمرے میں ٹہل رہا تھا ایک دم جل کے بولا۔

''اتنے بڑے بڑے سورماؤں کو کنوینس کرلیتا ہے سرمایہ کاری کے لیے، کیا بڑے بڑے ہاتھی گھیرے ہوئے ہیں کاروبار میں اور ایک پانچ فٹ چھ انچ کی لڑکی سے ہار نہیں کھلا پایا۔'' عباد مصطفیٰ بالآخر طعنوں پہ اتر آیا تھا۔

''اب تیرے جیسے گٹس مجھ میں تو نہیں ہیں نا، میں کہاں تیرے جیسی دودھ کی نہریں نکال سکتا ہوں۔'' جواب بھی شایانِ شان تھا۔

''خیر میں تو پیدائشی عاشق ہوں۔'' کیا احساسِ تفاخر تھا کوئی اور موقع ہوتا تو زوار فرشی سلام کرتا۔

''بس تیزاب اور جوتیوں سے جان نکلتی ہے۔'' فوراً حساب چکتا کرتے ہوئے آئینہ دکھایا۔

''اچھا اب پرانے قصے دہرانے کی ضرورت نہیں' اتنا بھی آسان نہیں ہوتا محبت کرنا۔ خونِ جگر دینا پڑتا ہے۔'' شرمندگی پہ قابو پاتے ڈگمگاتے لہجے میں کہا گیا تو زوار نے باقاعدہ گھورا۔

''اپنی شیخیاں بگھارنا بند کرکے میرے مسئلے کا کچھ حل بتائے گا یا میں جاؤں۔'' ہاتھ اٹھا کر دی گئی وارننگ بھی عباد کے غیر سنجیدہ موڈ کو سنجیدہ نہیں کر پائی تھی۔

''اپنا کمرہ چھوڑ کے کہاں جائے گا یار۔'' وہ جلدی سے بولا تو زوار نے لب بھینچ لیے۔

''میں واپس کینیڈا جانے کی بات کر رہا ہوں۔'' زوار نے سر پہ ہاتھ مارا۔

''حوصلہ میرے بھائی، اتنی جلدی ہمت نہیں ہارتے۔ ویسے میرے خیال میں تو تمہیں ایک کوشش اور کرنی چاہیے۔'' بات گھوم پھر کر ایک بار وہیں پہ چلی آئی تھی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ زوار کا دل کیا اپنا نہیں تو عباد کا سر ضرور پیٹ ڈالے جس کے پاس رہ سہہ کر فقط ایک ہی مشورہ تھا اور نتیجہ تو پہلے بھی صفر تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''مجھے آپ سے اتنی جلد بازی کی توقع نہیں تھی۔'' سوال کیا تھا۔

''دیر کرنے سے امید بندھ جاتی ہے۔'' جواب فوراً آیا۔

''امید زندگی ہے۔'' برجستہ کہا۔

''جھوٹی امید موت سے بدتر ہے۔'' ٹکڑ توڑ جواب آیا۔

''موت سے بدتر زندگی سے موت بہتر۔'' جتایا گیا۔

''کون کسی کے لیے مرتا ہے۔'' آہ نکلی۔

''ساتھ جیا تو جاسکتا ہے۔'' وعدہ کیا گیا تھا۔ دوسری جانب سے خاموشی اختیار کی گئی۔

''کیا ہوا...... یہ خاموشی؟''

''سوچ رہی ہوں۔'' رابطہ پھر بحال ہوا تھا۔

''اچھا مشغلہ ہے، ایک بار میرے پرپوزل کے متعلق بھی سوچیے گا۔'' ایک بار پھر کوشش کی گئی تھی۔

''میں نے سوچ سمجھ کر جواب دیا تھا۔'' وہی ہٹ دھرم اور ضدی انداز۔

''پھر تو سوال اس سوچ پہ اٹھتا ہے۔'' وہ معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''مجھے نیند آرہی ہے۔'' بات کو ٹالا۔

''اور میری نیند غارت ہوچکی ہے۔'' شکایت کی۔

''قصور آپ کا ہے۔'' ایک اور الزام لگایا۔

''اسی لیے تو سزا پا رہا ہوں۔'' اعتراف کیا۔

''کتنا بولتے ہیں آپ۔'' جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''لیجیے چپ سادھ لی۔'' ناراضگی دکھائی۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا تھا۔'' وہ پچھتائی۔

''پر انداز تو یہی تھا۔'' وہ اترایارات اختتامی مراحل میں تھی اور نیند دونوں کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایک طرف رنجش تھی تو دوسری طرف پچھتاوا۔ بے اختیار ہاتھ پاس پڑے سیل فون کی طرف بڑھا اور بے اختیار شکوہ دوسری طرف منتقل کردیا گیا۔ میسیج پڑھتے ہی جواب آیا اور وہ سمجھ چکا تھا کہ اس پل چین اگر اس سے روٹھا ہے تو قرار دوسری طرف بھی نہیں۔ مختصر پیغام کا یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا اور باقی کی رات شکوے و شکایات کی نظر ہوتی گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

محبت کی آبشار میں بھیگ کر چٹانوں سے سر نکالتی جنگلی بیلوں کی طرح راہِ الفت کے مسافر بھی تر و تازہ و شاداب نظر آتے ہیں۔ پر وہ دونوں ضرورت سے زیادہ خاموش اور چہروں پہ اداسی لیے ہوئے تھے۔ دل کی کلی کھل کر پھول بن چکی تھی۔ منزلِ عشق بناء کسی کٹھنائی کے حاصل ہوجائے تو زندگی پہ خواب کا گمان ہوتا ہے اور ان کا یہ خواب سچ ہوچکا تھا پھر بھی اپنے عزیز از جان دوستوں کی اداسی نے ان کی نئی نئی پنپتی خوشی کے رنگوں کو گہنا دیا تھا۔

''ذکی باؤلا بنے بیٹھے ہیں، بس ایک بانسری

کی کسر ہے۔" کافی میں سوئیٹنر ملاتے عباد نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ رضیہ سلطانہ بھی آج کل ہیر کی طرح بے کل ہے، بس فرق اتنا ہے قبول کرتے ہوئے موت آتی ہے اسے۔"

گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کا سپ لیتے ہی اس کی زبان جل گئی تھی۔ اس حساس مقام سے اٹھتی جلن کا اثر اس کے لہجے میں در آیا تھا۔

"بڑی اونچی ناک ہے بھئی آپ کی دوست صاحبہ کی۔" عباد نے صاف گوئی سے کہا۔ رومیلہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پچھلے دو تین دن سے مستقل وہ ستارہ کو عجیب ڈپریسو موڈ میں دیکھ رہی تھی اور اس کے لاکھ سمجھانے پہ بھی وہ یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ اسے بھی زوار اچھا لگتا ہے اور اس کا پرپوزل ریجیکٹ کرکے وہ پچھتا رہی ہے۔

"ضد تو جیسے اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر بیٹھ گئی ہے حالانکہ میں جانتی ہوں وہ دل سے راضی ہے۔" رومیلہ کی بات سن کر عباد کی آنکھوں میں امید کی کرن جاگی۔ یہ وہ سرا تھا جس کو تھام کر زوار آفندی محبت کا پل صراط پار کرسکتا تھا۔

"اس کا مطلب پھر تو کچھ نا کچھ کرنا ہی پڑے گا اس انا کے خول کو توڑنے کے لیے۔" عباد کو اسے یہ کوہِ گراں عبور کروانا ہی تھا۔

"لیکن کیا، یہی تو سمجھ نہیں آرہا۔" رومیلہ نے منہ بنایا۔ وہ اس عجیب وغریب صورت حال سے شدید بور ہوچکی تھی۔ بات سامنے کی تھی پر خوامخواہ رائی کا پہاڑ بن گیا تھا اور اس کی وجہ ستارہ کی ضد تھی۔

"کیوں نا ان دونوں کی ایک ملاقات کرادی جائے۔" رومیلہ نے اس بونگی تجویز پہ عباد کو گھورا۔

"پہلے وہ کون سا پردہ کرتے ہیں ایک دوسرے سے، ملے تو تھے، کچھ فائدہ ہوا۔" باقاعدہ جل کر ہاتھ گھمایا۔ عباد اس کے تیور دیکھ کر ایک لحہ کو تو چپ ہی ہوگیا۔

"ہاں لیکن اس بار طریقہ واردات تھوڑا مختلف کردیتے ہیں۔" رازداری سے کہتے اس نے اپنا پورا منصوبہ رومیلہ کو سنایا۔ اب کہ رومیلہ کے چہرے پہ بھی چمک آئی تھی۔ واقعی بات بن سکتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

کافی شاپ سے رومیلہ سیدھی ستارہ منزل پہنچی تھی۔ حسب توقع محترمہ اداس بلبل بنی ہاتھ میں "نکلے تیری تلاش میں" تھامے، نگاہیں کتاب کے ورق پہ جمائے، کھوئے کھوئے تاثرات لیے اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں۔

"کن سوچوں میں گم ہو؟" گلا کھنکھارتے ہوئے رومیلہ نے پاس جاکر مخاطب کیا۔ وہ یک دم چونکی۔

"میں...... میں یہ کتاب پڑھ رہی تھی۔" یعنی رومیلہ کا خیال درست تھا اس کا دھیان کتاب پہ تو ہرگز نہ تھا۔

"تم سناؤ...... کیسے آنا ہوا۔ آج تو تمہیں عباد سے ملنے جانا تھا نا۔" سنجیدگی سے اس کے سامنے بیٹھتی وہ مستقل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ستارہ نے پلکیں جھکالیں۔ کتاب بند کرکے میز پہ رکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"نہیں وہ پلان کینسل ہوگیا۔" رومیلہ نے جھوٹ بولا۔ وہ سیدھی عباد سے مل کر ہی آرہی تھی۔

"اوہ...... خیریت؟" بات برائے بات پوچھا گیا ورنہ اس وقت گپ شپ کا دل نہیں تھا۔

"ہاں عباد کو آج زوار کے ساتھ جانا تھا، اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے نا فہمینہ آنٹی کے ملنے والوں میں تو اسی سلسلے میں آج ڈنر تھا۔" ستارہ نے بے یقینی سے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟" رومیلہ اب بھی اسی کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"ہاں آں...... کچھ نہیں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔" ستارہ کو اس کی نظروں سے الجھن ہوئی۔ وہ اپنی کیفیت سے خود بھی پریشان تھی۔ چاہ کر بھی اپنا موڈ نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔

"ہاں تمہیں کیا ہوسکتا ہے بھلا۔" جتاتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت سوچا اور میرے خیال میں تم نے ٹھیک ہی کیا جو زوار کا پرپوزل ریجیکٹ کردیا۔" رومیلہ نے مزید کہا۔ ستارہ نے بے اختیار نچلا لب کاٹا۔

"خوامخواہ کا مسٹرایٹی ٹیوڈ ہے وہ۔ ہے ہی کیا اس میں گڈلکس کے سوا۔" وہ اس پل رومیلہ کی طرف دیکھنے کے سوا کمرے میں موجود ہر شے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ذہین اور اسمارٹ بھی کہہ لو تھوڑا بہت۔" اس کی بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش میں وال کلاک پہ لکھے ہندسوں کو دو بار پڑھ کر اب وہ کمرے میں لگی آئل پینٹنگ میں موجود پرندوں کو گن رہی تھی۔

"پر تم سے اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کیونکہ تم تو تم ہو۔" شاخوں کے پتے گننا دشوار تھا پھر بھی وہ ایک بار کوشش کر چکی تھی۔

"ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں یا آج بس یہ زوار نامہ ہی چلے گا۔" بالآخر جب اپنی اس بیوقوفانہ کوشش سے بیزار ہوگئی تو چمک کر بولی۔

"وائے ناٹ...... ہاں کل میں اور عباد مال آف لاہور جارہے ہیں۔ تم چلوگی؟"

"میں کیا کروں گی وہاں؟" اس کا موڈ کہاں تھا ایسی کسی خواری کا۔ آج کل تو بس اسے یہ خلوت پسند تھی۔ رومانہ کی ناراضگی ہنوز قائم تھی اور یہ جیسے اس کے لیے عافیت تھی۔ وہ خود کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، تم کیا کروگی وہاں۔" رومیلہ آج اسے مستقل حیران کررہی تھی۔

"بلکہ تم رہنے ہی دو، عباد کو تو زوار کے بغیر سانس بھی مشکل سے آتا ہے تو ضرور وہ بھی ساتھ ہی ہوگا۔" وجہ جان کر تو جیسے ستارہ کو آگ لگ گئی تھی۔

"ہاں تو؟" وہ تنک کر بولی۔

"تو پھر یہ کے اس کا پیار بھرا پرپوزل دو بار ریجیکٹ کرنے کے بعد اس کا سامنا کرنا عجیب سا لگے گا۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیتے، جتاتے ہوئے کن انکھیوں سے اس کے تاثرات کو جانچا تھا۔ وہ اس پل جس تذبذب کا شکار تھی اس کا چہرہ اس پل وہ چغلی کھا رہا تھا۔

"اپنا حق استعمال کرنا کوئی گناہ نہیں۔" رومیلہ سے زیادہ شاید خود کو جواز پیش کیا تھا۔

"اور میں جاؤں گی کل تمہارے ساتھ، مجھے بھی کچھ شاپنگ کرنی ہے۔" یک دم اعلانیہ کہتے ہوئے اپنے بروقت فیصلے پہ باقاعدہ گردن اکڑا کر داد طلب نظروں سے رومیلہ کی طرف دیکھا تو اپنے پہلے منصوبے کی کامیابی پہ اس نے خود کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔ چال کامیاب رہی ورنہ جتنا وہ محترمہ ستارہ فیروز سے واقف تھی یہ لڑکی انا اور ضد کی مٹی سے گندھی اپنے پیروں پہ آپ کلہاڑی مار کر ہرگز تسلیم کرنے والوں میں سے نا تھی۔ اب وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ عباد کو کال کر کے مشن میں اپنی کامیابی کے متعلق بتانے کی بے چینی کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی کنفرم کرنا تھا کہ زوار کل پکا آرہا ہے یا نہیں۔

☆☆☆......☆☆☆

"ناراض ہیں مجھ سے؟" ستارہ نے بمشکل نظریں ملائیں۔ جوش میں آکر وہ رومیلہ کے اکسانے پہ چلی تو آئی تھی پر اب زوار کا سامنا کرنا انتہائی مشکل لگ رہا تھا۔

"ناراضگی تعلق کی بناء پر ہوتی ہے۔" کی چین کو انگلیوں میں گھماتے اس کا لہجہ نارمل تھا۔ امید کے عین مطابق وہ عباد کے ساتھ ہی تھا۔ کچھ دیر وہ چاروں ونڈو شاپنگ کرتے رہے اور پھر پلان کے مطابق عباد کو رومیلہ کے لیے اس کی پسند سے کوئی خاص تحفہ خریدنا تھا، جو ظاہر سی بات ہے ستارہ اور زوار کے ساتھ ہرگز نہیں خریدا جاسکتا تھا (ایسا ان دونوں کا ماننا تھا) لہٰذا وہ جلدی سے کھسک لیے۔

"کبھی بغیر تعلق کے بھی تو ہو سکتی ہے۔" ساتھ چلتے زوار پہ ایک نگاہ ڈالتے اس نے لب کاٹا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ریسٹورنٹس کی طرف جارہے تھے۔ شاپنگ کا ارادہ تو تھا ہی نہیں سرے سے پھر بلاوجہ گھوم کر خود کو کیا تھکاتے۔

"ہرگز نہیں۔" انداز بے پروا تھا۔ ستارہ نے نوٹ کیا وہ آج بے حد سنجیدہ تھا یا شاید اپ سیٹ۔ نیلی جینز اور سیاہ بٹن شرٹ میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اردگرد بہت سے لوگوں کی وقتاً فوقتاً ان دونوں پہ اٹھتی نگاہوں کا مفہوم ستارہ بخوبی سمجھ رہی تھی۔

"امیدیں وہیں جنم لیتی ہیں جہاں رشتہ ہو اور ناراضگی کی گرہ امید کے ٹوٹنے سے ہی تو بنتی ہے۔" ایک پل کو رک کر اس نے ستارہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

"شاید آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ ہمارے درمیان نہ تو کوئی رشتہ ہے اور نا تعلق۔" پُرکشش نگاہوں کی تاب نہ لاکر بے اختیار نظریں جھکائی تھیں۔

"میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف پہنچی اس کے لیے معذرت کرنا چاہتی تھی لیکن آپ میری مجبوری......" وہ بمشکل کہہ پائی۔

"کوئی اور بات کریں پلیز؟" رکے ہوئے قدم آگے بڑھنے لگے تھے۔ وہ بے نیاز اور بے پروا تاثر چہرے پہ سجائے اسے اندر ہی اندر شرمندہ کررہا تھا۔ کہنے کو تو بہت کچھ تھا پر ان باتوں کا کوئی مفہوم نہ تھا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا، ہر بات تعلق پہ ہی تو مشروط ہے۔

"سنا ہے آپ کی شادی ہو رہی ہے؟" چلتے چلتے وہ دونوں کافی شاپ میں پہنچے۔ میز کے گرد اسے اپنے سامنے خاموش بیٹھے دیکھ کر ستارہ نے وہ بات پوچھی جو کل رات سے اس کے اندر کھد بد مچا رہی تھی۔ "رومیلہ بتا رہی تھی کہ آپ کا رشتہ......" زوار کے چہرے پہ حیرانگی بھرا تاثر دیکھ کر اس نے صفائی دی۔

"ہو تو نہیں رہی پر ہو جائے گی۔" سمجھدار انسان تھا ایک پل میں ساری بات سمجھ چکا تھا۔ آج یہ اداس چہرہ، بے چین نگاہیں اور تذبذب یونہی نہیں تھا۔ کچھ تو بھید تھا جو محترمہ یوں ماہی بے آب نظر آرہی تھیں۔ وہ خاموش نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں، انگلیوں میں پھنسائے شاید مراقبے میں بیٹھی تھی۔

"زندگی میں سب کچھ ہمارے مطابق نہیں ہوتا، بہت سی باتوں پہ تقدیر کے فیصلوں کو قبول کرتے ہوئے گھٹنے جھکا دینے پڑتے ہیں۔" کولڈ کافی کے گلاس رکھ کر ویٹر جاچکا تھا۔ کچھ تامل کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"یہی بات اگر میں کہوں تو؟" ابرو اٹھا کر زوار نے سوال کیا۔ اس بار نظریں اٹھا کر اس کی جتاتی نگاہوں میں جھانکا تھا۔

"آپ کو میرا موقف غلط لگتا ہے؟" اپنی صفائی میں کچھنا کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"غلط ہے تو غلط لگے گا ہی۔ خوامخواہ کی خود ترسی، کھوکھلی انا کے مکوٹھے میں چھپا کر خود کو اذیت دینا اور حقائق کو تسلیم کرنے کے بجائے ضد کی دیوار کھڑی کرلی جائے تو کون ذی شعور اسے درست تسلیم کرے گا۔" سامنے زوار آفندی تھا جو جوابی حملہ کے ہر سامان سے لیس تھا۔

"آپ کا پرپوزل ایکسیپٹ کرلیتی تو ذی شعور اور عاقلہ کہلاتی...... رائٹ؟" یہ صبر کی حد تھی، مزاحمت کے لیے آواز بلند کی تھی۔

"وہ کرتیں جو دل کہتا۔" کولڈ کافی انجوائے کرتے تڑاخ سے کہا۔ اگلے پانچ سیکنڈ ستارہ سے کوئی جواب ہی نا بن پڑا تھا۔

"میں دل پہ دماغ کو ترجیح دیتی ہوں۔" واہ کیا لاجک پیش کی تھی۔ کندھے اچکا کر بے نیازی سے کہتے کافی کا گلاس لبوں سے لگایا گیا پر زوار کے سوال نے ہاتھ روک لیا تھا۔

"یعنی دل، دماغ کے برعکس سوچ رہا ہے؟" کافی کا گلاس میز پہ واپس پٹخ کے جیسے ناراضی ظاہر کی۔

"مجھے جو مناسب لگا میں نے وہی کیا۔" زوار خاموشی سے اس کے ہر تاثر کو اسٹڈی کررہا تھا۔

"جانتی ہو...... تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔ دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی نگاہیں ستارہ کو پریشان کررہی تھیں۔

"یہ جو سر پہ انا کا بوجھ اٹھائے پھر رہی ہو نا، یہ ہے تمہارا سب سے بڑا پرابلم۔ اسی لیے نہ تو تمہیں دوسرے کے جذبات دکھائی دیتے ہیں اور نہ اپنے جذبات کی پروا ہے۔ خود کو تکلیف دینے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی تکلیف دے رہی ہو اور پھر پوچھتی ہو میں تمہیں عقل مند کیوں نہیں مانتا۔" وہ شاید اس سے اتنی صاف گوئی کی امید نہیں رکھتی تھی۔ اس طرح کوئی سامنے والے کے سارے ہتھیار

چھین کر اسے پل بھر میں بے بس کرتا ہے بھلا۔ یقیناً یہ شخص اس کی توقع سے بڑھ کر خطرناک تھا۔

"غلطی ہوگئی مجھ سے، معاف کردیجیے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی پر سچ تو یہ تھا وہ اس وقت یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"نہیں کرسکتا معاف اور اب تو بالکل بھی نہیں۔" انداز دوٹوک تھا۔

"مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" زیرلب بڑبڑا کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"اس صدی کا بس یہی تو ایک قابلِ ستائش کارنامہ ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے بولا تو ستارہ کا ضبط ٹوٹنے لگا۔

"میں چلتی ہوں۔" بیگ اٹھا کر وہ اپنی نشست سے اٹھی۔ اس سے پہلے کہ ان گہری نظروں کے زیر اثر اس کے ارادے برف بن کر پگھل جائیں، وہ محبت کے سیلاب میں نمک بن کر بہہ جائے، زوار آفندی کی محبت کی حرارت سے اس کے وجود کا قلزم بھاپ بن کر اڑ جائے وہ یہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔

"دیکھو اگر ضد اور انا کی مقدار تمہارے اندر نارمل لیول سے زیادہ ہے تو کم مجھ میں بھی نہیں...... جس بات پہ اڑ جاؤں اسے جب تک پورا نہ کرلوں چین سے نہیں بیٹھتا۔" وہ اس کے ارادے بھانپ چکا تھا۔ آناً فاناً اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس کا بازو تھام لیا۔ وہ واقعی برف کی طرح ٹھنڈی ہورہی تھی۔ پورا جسم جاڑوں کی سرد رات میں اڑتے سوکھے زرد پتے کی طرح کپکپا رہا تھا۔ خوف سے اس نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ ریسٹورنٹ میں رش تو تھا پر ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔ زوار نے یک دم اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"اچھا تو کیا کریں گے آپ زبردستی؟" وہ ڈھے سی گئی۔ کرسی پہ گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے احساس دلایا۔

"نہیں قائل کرلوں گا۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، تمام عمر یہ کوشش جاری رکھوں گا۔" سامنے والے

چاند اور میں

سائے کی طرح نہ خود سے رحم کر
دیوار کو اپنا ہم قدم کر
اپنے ہی لیے بہا نہ دریا
اوروں کے لیے بھی آنکھ نم کر
تکمیل طلب نہیں ہے منزل
طے راہِ وفا قدم قدم کر
اے پچھلی رتوں کو رونے والے
آنے والے دنوں کا غم کر

شاعر: احمد فراز
انتخاب: عائشہ سلیم...... کراچی

کے پاس بلا کا اعتماد تھا جو پل پل اسے کمزور تر کرتا جارہا تھا۔

"اس پاگل پن کی وجہ۔" ریسٹورنٹ میں بیٹھے لوگوں کی طرف دیکھتے جملہ اچھالا۔

"دماغ پہ دل کی مرضی چل رہی ہے آج کل۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو اپنی ہی بات کا ریفرنس پاکر جوابی کارروائی کی۔

"یعنی ان دنوں عقل سے پیدل ہیں۔" انداز طنزیہ تھا۔ زوار ان حالات میں بھی اس کی حاضر دماغی سے متاثر ہوا تھا پر وہ جانتا تھا ضد کی چٹان میں دراڑ پڑنے کا عمل شروع ہوچکا ہے۔

"سنا ہے ماضی میں جتنے بڑے عاشق نامراد گزرے ہیں بھی اس وصف سے عاری تھے۔" اپنی ہی بات پہ محظوظ ہوتے ہوئے اس نے بے اختیار کہا۔

"عشق بری بلا ہے۔" برجستہ نکلے اپنے جملے کی پاداش میں زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اوں ہوں...... بلا سے برا عشق ہوگیا ہے۔" نظروں میں جھانکتے اعتراف کیا۔

"ذاتی تجربہ ہے میرا۔" کافی کا آخری سپ حلق میں انڈیل کر وہ اب خالی گلاس کو ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر میں محسن، وہ پتھر ٹوٹ جائے گا

میں اس کی سرد مہری پہ محبت مار آیا ہوں
''آپ سے باتوں میں جیتنا مشکل ہے۔'' گرم ہوتی کولڈ کافی میں اسٹرا گھماتے اس نے دھیان بدلنا چاہا۔ زوار کی نظریں اس کی بے چینی کا احاطہ کررہی تھیں۔
''میں باتوں سے زیادہ تم سے جیتنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔'' دونوں ہاتھ میز پہ ٹکائے وہ آگے بڑھ کر بولا تو ستارہ کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ اس سے پہلے سب کچھ ڈھکے چھپے لفظوں میں کہا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب زوار نے یوں کھل کر اعتراف محبت کیا تھا۔
''میں کوئی ٹرافی ہوں جسے جیت لیں گے؟'' خود پہ قابو پاتے اس نے بے اختیار کافی کا گلاس لبوں سے لگایا۔
''اعزاز ہو...... انعام ہو' منزل ہو' مناجات ہو......''
ایک ایک لفظ کا تاثر اس کے دل کی دھڑکن بڑھا رہا تھا۔ دل تو پہلے ہی ہاتھوں سے نکل چکا تھا، انکار کی دفاعی ڈھال اوڑھے وہ اب تک اس کا مقابلہ کررہی تھی پر وہ ڈھال اس پیغامِ محبت کے سامنے ریت کی بھربھری دیوار ثابت ہوئی تھی۔ زوار نے جیب سے ایک سیاہ مخمل کی ڈبیہ نکال کر ستارہ کی طرف بڑھائی۔ بیش قیمت نگینے سے آراستہ قیمتی انگوٹھی سیارہ رات میں چاند کی طرح جگمگا رہی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے ستارہ نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا۔
''آں ہاں...... میں پہناؤں گا۔'' اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ زوار نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی ڈبیہ سے الگ کی اور ابرو اٹھا کر اپنا عندیہ سنایا۔
''یہاں......! سب لوگ دیکھیں گے۔'' نگاہیں اپنے اردگرد دوڑاتے وہ باقاعدہ بلش ہورہی تھی۔ گالوں پہ لالی، آنکھوں میں حیا در آئی تھی۔
''تمہیں لوگوں کی پروا کب سے ہوگئی؟'' بے پروائی سے اس کا ہاتھ کھینچ کر انگوٹھی بائیں ہاتھ کی رنگ فنگر میں پہناتے ہوئے اس نے چھیڑا تو ستارہ نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ نگاہیں جھکائے وہ خود پہ مرکوز اس کی نگاہوں کو محسوس کرتے کچھ اور سمٹی تھی۔

''ویسے پہلی بار تمہیں شرماتے ہوئے دیکھ کر تسلی ہوئی وہ جو مشرقی لڑکیوں کی روایتی اقدار کا سنا تھا اب بھی باقی ہیں ورنہ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ستارہ صاحبہ لفظوں کے بم اور گولے برسانا ہی جانتی ہیں۔'' ہنستے ہوئے برملا اظہارِ خیال کیا تھا اور وہ پرانی والی ستارہ لوٹ آئی تھی۔
''میں آج کے دور کی لڑکی ہوں، ہر وصف میں مشاق ہوں جناب۔'' اترا کے کہی گئی بات پہ زوار کے جواب نے اسے بوکھلا دیا تھا۔
''آپ کے فن کی تازہ مثالیں تو حال ہی میں دیکھ چکا ہوں اور اب بھی اس کے نتائج گھر میں بھگت رہا ہوں۔'' وہ خود تو نارمل ہی تھا پر ستارہ کے ماتھے پہ پریشانی کی لکیریں نمایاں تھیں۔ کہاں تو شادی کے نام سے تائب تھی اور دوبار اس کا پرپوزل ریجیکٹ کرکے آج بھی اتنا واویلا مچانے کے بعد راضی ہوئی تھی اور اب اچانک اتنی فکر۔
''کیا مطلب۔''
''مطلب یہ کہ ممی بہت نالاں ہیں تم سے۔ نام سنتے ہی بھڑک اٹھتی ہیں۔'' ویٹر کو بل کا اشارہ کرتے اس نے پُرسکون انداز میں کہا۔ ستارہ کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے اب تک ہمیشہ اسے بہت ہی کمپوزڈ اور پُرسکون دیکھا تھا۔ پھر چاہے معاملہ دل کا ہو یا دنیا کا وہ اس کی طرح کسی بات کو سر پہ سوار نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا مثبت حل تلاش کرتا تھا اور شاید اتنی کم عمری میں اتنا بڑا کاروبار بخوبی چلانے کا راز اس کی تحمل مزاجی اور معاملہ فہمی ہی تھی۔ یقیناً ستارہ میں ابھی ان اوصاف کا فقدان تھا وہ بہت جلد پریشان ہوکر ہاتھ پاؤں پھلا لیتی تھی۔
''تو پھر؟'' جیسے اب اچانک یہ بات سن کر اس کی جان پہ بن آئی تھی۔
''پھر کیا انہیں راضی کرنے کا جوکھم ڈیڈ ہی اٹھائیں گے۔ بڑا تجربہ ہے انہیں۔'' ہنستے ہوئے بل کی ادائیگی کرتے ہوئے وہ فخریہ انداز میں مسکرایا۔
''آئی ہوپ کے وہ مان جائیں۔'' ستارہ کے لبوں سے دعا نکلی۔ زوار نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"مان جائیں گیں ان شاء اللہ۔ ڈونٹ وری۔" چابی جیب سے نکال کر وہ دونوں اپنی نشستوں سے کھڑے ہوگئے تھے۔ مال میں یہاں وہاں نظریں دوڑاتے وہ اب رومیلہ اور عباد کو کھوج رہی تھی جو نجانے کہاں غائب ہوگئے تھے۔ وہ تو بے چین تھی اپنی بہترین دوست کو اپنی زندگی کی اتنی بڑی خبر سنانے کے لیے۔ یوں بھی اس خوشی کے حصول میں اس کا حصہ برابر کا تھا۔

"تم گھر چلو، ایک بڑی خبر تمہاری منتظر ہے۔" زوار نے مال کی پارکنگ کی طرف جاتے مڑے سے کہا۔ رومیلہ کی تلاش چھوڑ کر اس نے چونک کر زوار کی طرف دیکھا۔

"لیکن آپ نے تو کہا......" زوار کے انداز سے اسے یہی محسوس ہوا وہ اپنے والدین کے رشتہ لے کر آنے کی بات کر رہا ہے اسی لیے الجھ کر اس کی سمت دیکھا پر اس کے تاثرات سے اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی کہ بات اس کے علاوہ کچھ اور ہے لہٰذا اس کنفیوژن سے فوراً نکل آئی تھی۔

"ابھی بتا دیا تو سرپرائز ختم ہوجائے گا، آؤ تمہیں گھر ڈراپ کردوں۔" چلتے چلتے وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آچکے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھولے زوار اس کا منتظر تھا۔

"لیکن میں...... وہ رومیلہ......" رومیلہ کی تلاش میں اس نے پارکنگ کا دوبارہ جائزہ لیا۔ جہاں کچھ دیر پہلے ان دونوں نے اپنی گاڑی پارک کی تھی وہ جگہ اب خالی تھی۔

"وہ عباد کے ساتھ جاچکی ہے اور مجھے پتا ہے تمہارے پاس گاڑی بھی نہیں ہے۔" پچھلی ملاقات کا حساب چکتا ہوچکا تھا۔

"چلیں......" زوار دایاں بازو ہوا میں لہراتے ہوئے تعظیماً جھکا تھا۔ ستارہ کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔ اپنا لباس سمیٹتی وہ نزاکت سے اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ اس کے ہمراہ بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

گھر میں پہلا قدم رکھتے ہی اس کے ذہن میں جو خیال ابھرا وہ، وہی جملہ تھا جو زوار نے اسے کہا تھا اور جو

نظم

اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد کے جگنو
چمکتے ہیں......
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے پتھر، سنگ ریزہ تو
نہیں بنتا......
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر بسر تاریک شب میں بھی
اگر اک زود سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ
جاتا ہے......
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... برنالی

گا ہے بگاہے تمام راستے اس کے دماغ میں گھومتا رہا تھا اور دل میں کھد بد مچاتا رہا تھا۔ زوار نے اسے گھر کے باہر ہی ڈراپ کیا تھا اس وعدے کے ساتھ وہ جلد اپنے والدین کو لے کر اسے ہمیشہ کے لیے اس کی والدہ سے مانگنے آئے گا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی لاؤنج میں داخل ہوئی تو رومانہ بیگم دائیں ہاتھ میں ایک فائل لیے اور بائیں ہاتھ سے اپنا سر تھامے صوفے پہ سنجیدہ بیٹھی تھیں۔ قدموں کی چاپ پہ انہوں نے سر اٹھا کر ستارہ کو دیکھا اور اس پل ان کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے پہلے سے بڑھ کر ناراضگی اور رنجش دکھائی دی۔ بے اختیار اس کی نگاہ اپنے ہاتھ کی انگلی پہ گئی جہاں زوار کی پہنائی انگوٹھی جھلملا رہی تھی۔

"پہلے ہی تمہاری بدولت میں ان سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی اور اب تو لگتا ہے پاتال میں سمونا

پڑے گا خود کو۔" ستارہ جو آگے بڑھ کر ماں کو اپنی اور زوار کی ملاقات کا حال بتانا چاہتی تھی، اتنی بڑی خبر ان سے شیئر کر کے انہیں کہنا چاہتی تھی کہ لیجیے آج کے بعد آپ کو میری شادی کی فکر سے نجات مل گئی اور آپ کی خوشی آپ کے انداز میں پوری ہوگئی پر ان کے تیور دیکھ کر اس کے قدم رک گئے تھے۔

"دیکھو یہ کیا ہے؟" میز پہ فائل پھینکتے ہوئے رومانہ فیروز نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ ستارہ بمشکل چلتی میز تک آئی۔ یوں لگا قدم من من بھاری ہو چکے ہیں۔ تو کیا یہی وہ سرپرائز تھا جس کا زوار ذکر کر رہا تھا۔ لیکن وہ تو خوشی کی خبر ہوگی نا پھر اس کی ماں کے چہرے پہ یہ خفگی اور ندامت کیوں۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے فائل کھول کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

"یاور بھائی آئے تھے۔" رومانہ فیروز نے دھیمی آواز میں تمہید باندھی۔ فائل پڑھتے ہوئے ستارہ کے ماتھے پہ حیرت کی لکیریں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"اس دن جو دوسری بات وہ کہے بناء چلے گئے تھے وہ سب اس فائل میں لکھا ہے۔" ستارہ نے سر اٹھا کر ایک پل کو ناقابلِ یقین حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

"ان حالات میں اتنا بڑا رسک کون لیتا ہے کسی غیر کے لیے۔ بتا رہے تھے زوار نے تمام تفصیلات پہ بہت لمبی چوڑی ورکنگ کی ہے اور اگر ہمیں کسی پوائنٹ پہ اعتراض ہے تو اپنے وکیل کو کہہ کر اس میں ردوبدل کروا سکتے ہیں۔" ستارہ ایک بار پھر فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو چکی تھی۔

"ان کی خواہش ہے کمپنی کا نام شاہ نواز کے نام پہ ہی رہنے دیا جائے اور تمہیں، یاور، زوار کے ایکٹیو بورڈ آف ڈائریکٹرز ہونے کے ساتھ تمہیں مینجنگ ڈائریکٹر بنانا چاہتے ہیں وہ۔" رومانہ نے حسرت سے ستارہ کی طرف دیکھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک انہوں نے ستارہ کو کمپنی کے معاملات سے دور رکھ کر فقط اس کی شادی پہ فوکس رکھنا چاہا تھا۔ ان کے مطابق ایک لڑکی ہونے کے ناطے اسے خود کو بس گھر گرہستی سے جڑنا آنا چاہیے جیسے خود رومانہ فیروز نے اپنی زندگی گزاری تھی ستارہ کو بھی اپنی زندگی انہی کے انداز میں گزارنی تھی۔ شاہ نواز انڈسٹری تو یوں بھی دم توڑ رہی تھی ان حالات میں اس سوکھے دریا سے کون سیراب ہو پاتا اسی لیے انہوں نے کبھی اس طرف غور ہی نہیں کیا تھا۔ آج یاور آفندی مرجر کی صورت اس بنجر زمین پہ گلستان کھلانے کی تجویز تھامے ان کے پاس آئے تھے پر افسوس ستارہ کی زوار سے شادی کا خواب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

"بہت پسند کرتے ہیں یاور بھائی تمہیں، بہت تعریف کر رہے تھے۔ کہنے لگے تم بخوبی سنبھال لوگی کاروباری معاملات کو کیونکہ تم میں پوری صلاحیت ہے۔" ستارہ نے فائل سے نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں پر چہرے پہ ابھرتی مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی کہ وہ ان کی بات سن رہی تھی۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی اور فائل تھامے تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو ستارہ۔" رومانہ فیروز گھبرا کر اٹھیں۔ انہیں تو اس لڑکی سے ہر ممکن برا کر دینے کی امید تھی۔ پہلے رشتہ ٹھکرایا اور اب مشترکہ کاروبار کی پیشکش، آخر وہ کہاں تک اکیلی ان حالات کو سنبھال سکتی ہیں۔ ستارہ کا رویہ تو جیسے ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

"دو منٹ پلیز ممی۔" کمرے کا دروازہ لاک کرتے ہوئے اس نے التجا کی۔ اسے ابھی اسی وقت زوار کو کال کرنی تھی۔ ایک پل میں وجود کو مٹی سے سونا بنانے کا گر جسے آتا تھا اس کا اتنا تو حق بنتا تھا کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر اس کا شکریہ ادا کرتی۔ اسے بتاتی کہ ابھی کچھ دیر پہلے جب اس نے ستارہ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو وہ حیا اور ہچکچاہٹ میں اپنے جذبوں کو اس تک پہنچا نہیں پائی پر سچ تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اس کی محبت کے رنگ میں اسی دن رنگ چکی تھی جب پہلی بار اس نے اسے پھولوں کے گجرے دیئے تھے اور ان گجروں کو اس نے اپنے دل میں بسی محبت کی طرح آج بھی سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

"مزید کوئی گڑبڑ مت کر دینا۔" وہ بے بسی سے بولتیں

ایک بار پھر دونوں ہاتھوں سے ماتھا تھامے صوفے پہ ڈھیر ہوگئی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

آج کی رات تاریخی تھی۔ ستارہ منزل میں ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام تھا۔ شہر کی اشرافیہ، اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ ایک چھت تلے موجود تھی۔ رومانہ فیروز مہمانوں سے ملتیں اور اچھے میزبان کی طرح اپنے فرائض سر انجام دیتیں ہلکان ہو رہی تھیں پر آج وہ تھکنے والی نہیں تھیں بلکہ جوش کی نئی لہر پھونکی گئی تھی ان میں مشکلوں کے بادل سالوں بعد چھٹ کر سردی کی نرم گرم دھوپ سی تمازت بکھیرتے ان کے جذبہ کو سوا کر رہے تھے۔ خوشیاں اتنی تھیں کہ دامن کم پڑ رہا تھا۔ آفندی گروپ آف کمپنیز اور شاہ نواز انڈسٹریز کے تاریخی مرجر کی خوشی میں دی گئی یہ شاندار پارٹی کاروباری دنیا کو اچانک حرکت میں لے آئی تھی۔ زبان زد عام بس یہی مژدہ تھا۔

آج ہی کے دن دونوں خاندانوں نے ستارہ اور زوار کے نکاح کا فنکشن بھی ارینج کیا گیا تھا۔ نکاح کی تقریب کے بعد جیسے رومانہ فیروز نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ فہمینہ بھی لاڈلے بیٹے کی خوشی میں نہال ہوتیں ہر طرف سے مبارک بادیں سمیٹتی پھر رہی تھیں۔ یاور آفندی نے جو ذمہ داری اٹھائی تھی اسے بخوبی نبھاتے ہوئے چٹکیوں میں فہمینہ کو ستارہ کے رشتے کے لیے راضی کر لیا تھا۔ شروع میں تو انہیں کاروباری اشتراک کا لالچ دیا گیا جس پہ ظاہر سی بات، ان کا پھولا ہوا منہ نارمل پوزیشن میں آچکا تھا لیکن جب زوار نے انہیں ستارہ کے لیے اپنی پسندیدگی سے آگاہ کیا تو بیٹے کی پسند اور خوشی کا مان رکھتے ہوئے اپنی ساری شکایتیں بھلا کر انہوں نے ستارہ کو کھلے دل سے بہو تسلیم کر لیا تھا۔

سلور گرے قیمتی کامدار انگرکھے اور ٹراؤزر میں وہ آسمان کا ستارہ ہی تو لگ رہی تھی جو ٹوٹ کر زوار آفندی کے پہلو میں آکھڑا ہوا تھا اور آج کی رات پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس کے ساتھ کھڑے، سیاہ تھری پیس میں ملبوس زوار آفندی کی دھج بھی آج نرالی تھی۔ بہت سی نگاہوں نے حسرت اور کئی نظروں نے رشک سے ان دونوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھا۔ عباد اور رومیلہ ان کے ساتھ ساتھ ہی تھے۔ عباد کے والدین کا رومیلہ کے گھر والوں سے ٹیلی فونک رابطہ ہو چکا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یاور اور فہمینہ بھی ان کی جانب سے رشتے کی بات کر آئے تھے۔ اندرونی طور پہ معاملات طے ہو چکے تھے پر شادی ان کی آمد تک مشروط تھی۔ لہٰذا یہی طے پایا تھا کہ عباد اور زوار ایک ہی دن دلہا بنیں گے اور ستارہ اور رومیلہ کی رخصتی ستارہ منزل سے ایک ہی دن کی جائے گی۔ دونوں خاندانوں کے چہروں پہ مسحور کن خوشی پھیلی تھی۔ ستارہ نے سر اٹھا کر اپنے ساتھ کھڑے اس خوبرو شخص کو دیکھا جو اپنے لگے بندھے انداز اور چہرے پہ سجی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ عباد سے گفتگو میں مصروف تھا۔ زوار نے اس کی نظروں کو خود پہ محسوس کرتے مسکرا کر اسے دیکھا اور سر کو سوالیہ انداز میں حرکت دی۔ ستارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"جانتا ہوں بہت اچھا لگ رہا ہوں...... اتنے غور سے تو مت دیکھو نظر لگ جائے گی آخر اپنی بیوی کا اکلوتا شوہر ہوں۔" شرارت سے ہنسی دباتے تھوڑا سا جھک کر اس کے کان کے بالکل پاس سرگوشی کی۔ ستارہ نے ضبط سے کام لیتے ہوئے فقط مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا۔

"ویسے میں نے بھی آج سے پہلے اتنا حسین روپ نہیں دیکھا تھا۔ سچ پوچھو تو بڑی براؤڈی سی فلنگ ہو رہی ہے۔" اس کی شوخی پہ نظریں جھکا کر اس کے لفظوں کی تاثیر کو روح میں اترتے محسوس کرتی ستارہ نے اس کا ہاتھ بے اختیار تھام لیا تھا۔ یہ شخص جو آج سے اس کا تھا اور جس کی محبت نے اسے اپنی ہی نظروں میں معتبر بنا دیا تھا۔

☺

افراتفری

تمثیلہ زاہد

اتوار کا دن تھا۔ پورے گھر میں دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگتے دوڑتے بچوں کا شور راشد کو سونے نہیں دے رہا تھا وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا مسلسل کروٹیں بدل رہا تھا کہ اچانک چیخ اٹھا۔

"کیا ہوا جی...... اٹھ گئے آپ عصر کا وقت ہوگیا ہے۔" بیگم راشد دوڑی دوڑی آئیں۔

"سر میں درد کردیا ہے تمہارے پانچ عدد بچوں کے شور وغل نے۔" وہ دہاڑے۔

"صرف میرے نہیں آپ کے بھی بچے ہیں میکے سے جہیز میں نہیں لائی اور براہ مہربانی سارا الزام میرے بچوں پر دھرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے بھائی کے بھی اتنے ہی عدد بچے گھر میں غل مچاتے پھر رہے ہیں۔ دس بچے منہ پر ٹیپ لگا کر تو نہیں بیٹھ سکتے نہ۔" بیگم راشد نے ناگواری سے تصیح کی تو راشد صاحب بھنا ہی گئے۔

"چائے مل جائے گی...... سر درد سے پھٹا جارہا ہے۔" وہ کنپٹی سہلا رہے تھے۔

"فی الحال تو کچھ ملنے والا نہیں۔ شام ہونے والی ہے آپ کی بہن کے سسرال والے تاریخ لینے آرہے ہیں۔ میں صبح سے بھابی کے ساتھ کچن میں مصروف ہوں آپ کو تو سونے سے ہی فرصت نہیں۔ اماں بھی گھر کی صفائی ستھرائی ماسی سے کروارہی ہیں۔" راشد صاحب بیگم کی بات سن کر سخت جھنجلانے لگے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ بیگم راشد اپنے سر پر دھپ رسید کرتے ہوئے فوراً بولیں۔

"آئے ہائے میں تو بھول ہی گئی آپ سے کہنے کیا آئی تھی۔ ذرا بھاگ کر کریانے کی دکان سے بیسن لے آیئے گا۔ پچھلی بار سمیرا کی ساس پکوڑوں کی فرمائش کرگئی تھیں بیسن ختم ہوگیا ہے۔" وہ نہال سمیرا کی ساس کے تعریفی جملے یاد کرتے ہوئے بولیں۔

"اس عمر میں بھاگتا دوڑتا اچھا لگوں گا۔ اپنے پانچ عدد بچوں میں سے کسی کو بھیج کر منگوالیں جنہیں بھاگنے دوڑنے کا بہت شوق چڑھا رہتا ہے۔" وہ چڑ کر بولے۔

"ماشاء اللہ کہیے اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کو پانچ نعمتیں عطا کی ہیں۔ لوگ تو ترستے ہیں ان نعمتوں کو......" بیگم راشد نے فخر سے گردن اکڑائی۔

"کیا کہا تھا لانے کو۔" راشد صاحب مزید بحث سے بچنے کے لیے بولے اور سوچا باہر سے سامان لے آنے میں ہی عافیت ہے کچھ دیر دماغ کو اس شور وغل سے سکون تو ملے گا۔ تازہ ہوا خوری دماغ پر اچھا ہی اثر ڈالے گی۔

"آدھا کلو بیسن لے آیئے گا بس۔" وہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

"عدنان...... عدنان۔" راشد صحن میں چارپائی ڈالے سردیوں کی دھوپ سینک رہے تھے کہ چھت پر کرکٹ کھیلتے بچوں میں سے اپنے بیٹے عدنان کو پکارا۔

"جی ابو۔" عدنان بھاگتے ہوئے نیچے آیا اور پھولی سانسوں سے بولا۔

"کبھی آرام سے تحمل مزاجی سے بھی چل لیا کرو ہر وقت اولمپک کا میدان گھر کو بنایا ہوا ہوتا ہے۔ کہاں سے اتنے تیز بھاگتے ہوئے آرہے ہو۔" وہ اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر ناگواری سے بولے۔

"ابو چھت پر نبیل کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"کبھی پڑھ بھی لیا کرو ہر وقت کا کھیل تماشا لگا رہتا ہے یہاں۔ حرام کے پیسے نہیں اس گھر میں آتے جو مٹھی بھر بھر کے تمہارا باپ ہر مہینے اسکول والوں کی جیبوں میں بھر دیتا ہے۔" وہ غصے سے بولے۔

"وہ...... ابو جی آپ نے بلایا تھا۔" عدنان نے باپ کو یاد دلایا اور ساتھ ہی کان کھجایا۔

"او...... ہاں میرے سر میں درد ہو رہا ہے ذرا دبا دو۔" انہوں نے اپنا سر پکڑا۔

"ابو جی روز ہی آپ کے سر میں درد رہتا ہے آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرواتے۔"

"یہی سننا رہ گیا تھا اپنی ناخلف اولاد سے...... نکمے ہاتھوں میں زور نہیں...... ٹھیک سے دبا۔" راشد بیٹے کی منمناتی آواز پر غصے میں بولے۔ عدنان کا دھیان ادھوری چھوڑی گیم میں لگا ہوا تھا اور چھت پر بچے اشارہ بازی کررہے تھے۔

"کیوں میرے معصوم بچے کو ڈانٹ رہے ہو۔" بیگم راشد صحن میں داخل ہوکر زور سے بولیں۔ عدنان نے اماں کو دیکھتے ہی چارپائی سے چھلانگ ماری اور چھت کی طرف جانے والی سیڑھیاں عبور کرنے لگا۔

"دیکھ لیا نہ اپنی نانہجار اولاد کو...... باپ کا سر دباتے ہوئے جان جارہی تھی۔ پڑھائی کے نہ لکھائی کے بس ادھر سے ادھر دوڑیں لگوالو۔" راشد صاحب بے زاری سے بولے بار بار اپنا سر پکڑے کنپٹیاں دبا رہے تھے۔

"کیوں اپنی ہی اولاد کو بددعائیں دے رہے ہیں...... لائیں آپ کا سر میں دبا دیتی ہوں۔" اور بیگم راشد سچ مچ ان کا سر دبانے لگیں۔

"کیا چولہے کے آگے سے آرہی ہو۔" راشد صاحب سر گھما کر بولے۔

"ہاں تو کیا گھر میں رہ کر چولہے کے آگے سے نہیں تو اور کہاں سے آؤں گی...... آپ بھی نہ کیسی باتیں کرتے ہیں۔" وہ سر جھٹک کر جل کر بولیں۔

"بیگم لہسن کی بو آرہی ہے۔" انہوں نے اپنی ناک سکیڑی۔

"اب لہسن چھلوں گی تو بو تو آئے گی نہ۔" وہ جھنجلائیں۔

"کیا پکایا ہے آج کھانے میں۔" انہوں نے موضوع بدلا۔ سر کے درد میں کچھ راحت محسوس ہورہی تھی بیگم راشد بھی مستقل مزاجی سے کنپٹیاں دبا رہی تھیں۔

"آلو بینگن۔"

"کیا...... پھر سبزی! کل آلو پالک آج آلو بینگن' کیا شہر میں مرغیاں فوت ہوگئیں ہیں۔" سبزی کا نام سن کر راشد صاحب بلبلا اٹھے۔

"مرغیاں فوت نہیں ہوئیں گھر کا بجٹ خراب ہوگیا ہے ابھی تو یہ جو سبزی دال مل رہی ہے عافیت جانیے۔ سر پہ آپ کی بہن کی شادی کھڑی ہے اس کی تیاری...... بچوں کے کپڑے جوتے' کہاں سے ہوگا یہ سب۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوجاتی ہوں۔ ایک ہی بہن ہے اب اسے خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کردینا نہ...... شادی کے اخراجات بھی آپ دونوں بھائیوں کے ذمے ہیں۔ اللہ اللہ کرکے سمیرا کی بات طے ہو پائی ہے دو سال پہلے سسر اسی غم میں اللہ کو پیارے ہوگئے کہ کب بیٹی کی رخصتی دیکھیں گے۔ خیر جو اللہ کو منظور۔" وہ سسر کو یاد کرکے آہ بھرنے لگیں اور راشد صاحب تصور ہی تصور میں آلو بینگن کو منہ چڑانے لگے۔

❂......❂......❂......❂

عاصم رضا سرکاری ملازم تھے۔ سب سے بڑا بیٹا وسیم چار بچوں کے فوت ہوجانے کے بعد پیدا ہوا تھا۔ پھر راشد اور سمیرا نے دنیا میں آکر ان کی زندگی مکمل کردی تھی۔ کم تنخواہ میں یہ مشکل گزر اوقات ہوجایا کرتی تھی۔ بیگم عاصم سلائی' کڑھائی سے لے کر امور خانہ داری کے ہر فن میں تاک اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ مہنگائی سے لڑتے لڑتے سرکاری اسکولوں میں انہوں نے تینوں بچوں کو پڑھایا۔

وسیم نے بی ایس سی کرکے اپنا میڈیکل اسٹور کھول لیا۔ اس کی جلد ہی شادی کرکے ایک چھوٹا سا مکان بنوالیا۔ راشد پڑھنے لکھنے میں کچھ اچھا نہ تھا جیسے تیسے بی اے کرکے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اسی جگہ پر بیٹے کو ملازمت کروادی۔ سمیرا اپنے دونوں بھائیوں کی طرح قبول صورت تھی۔ پڑھنے لکھنے سے اسے خاص رغبت نہ تھی سو انٹر کرکے گھرداری سیکھنے لگی۔ حسن اور روپ کے

خزانے سے وہ محروم تھی۔ وقت جوں جوں آگے سرکتا جارہا تھا سمیرا کی عمر کی لڑکیاں بچوں والیاں ہوگئیں تھیں۔

وسیم کے بعد راشد کی شادی بھی خاندان ہی کی لڑکی سے کردی گئی۔ سمیرا کا کوئی جوڑ ہی خاندان میں نہ تھا اسے احساس کمتری کا ناگ ڈستا رہتا۔ عاصم رضا اکلوتی بیٹی کے دکھ سے واقف تھے۔ ہر واقف کار دوست احباب سے اپنی پریشانی کا ذکر کرتے لیکن کوئی حل نہ نکلا۔ عمر تھی کہ ڈھلتی جارہی تھی۔ وہ دل کے مریض بن گئے۔ بھائیوں کے گھر ایک کے بعد ایک چراغ روشن ہوتا رہا وہ انہی چراغوں میں خود کو بہلالیا کرتی کبھی آئینے میں خود کو حسرت سے دلہن کے روپ میں بیٹھا تکتی رہتی۔ عاصم رضا ایک دن چپکے سے عشاء کی نماز پڑھ کر جو لیٹے تو صبح آنکھ سورج کی روشنی دیکھنے سے محروم تھی۔ ان کے جانے کے بعد نہ جانے کون کون سے رشتہ دار تعزیت کے غرض سے آئے اور چلے گئے۔

صفیہ خالہ عاصم رضا صاحب کی خالہ زاد کزن تھیں۔ ان کی وفات کا سن کر ملتان سے دوڑی چلی آئیں۔ اپنے چھوٹے بیٹے صفدر کے لیے سمیرا کا رشتہ انہیں معقول لگا۔ جو جنرل اسٹور چلاتا تھا۔ بات دنوں میں ہی طے ہوگئی۔ یوں اب دو سال بعد بالآخر شادی کی تاریخ طے پاگئی تھی۔ سمیرا کے ارمانوں کے پھول کھل گئے۔ خوشی ایسی پھوٹی پڑرہی تھی کہ وہ 35 برس کی عمر میں خود کو پچیس کا تصور کررہی تھی۔

اسے اپنے فربہی جسم پر اٹھنے والی معنی خیز مسکراہٹوں کی بھی پروا نہ رہی۔ ساری کزنیں دبلی پتلی تھیں۔ وہ فربہی جسم اور واجبی شکل وصورت کی بناء پر محفلوں میں اکثر تضحیک آمیز فقروں کا شکار رہتی۔ اب جیسے خزاں رسیدہ زندگی میں بہار سی آگئی تھی۔ ظاہری روپ پر مرتی دنیا کی اسے اب پروا نہ تھی۔ صفدر خود بھی ایسی ہی جسامت اور شکل وصورت کا مالک تھا جیسی خود سمیرا تھی۔ دونوں کا جوڑ جیسے آسمان پر بہت پہلے لکھا جاچکا تھا۔ جو دیکھتا عش عش کرتا۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے جوڑے آسمانوں پر ہی بنادیئے ہیں یہ تو مقدر کے کھیل ہیں جب نصیب کی گھڑی ٹک ٹک کرتی اپنے مقرر کردہ وقت پر پہنچتی ہے تب مقدر نصیب میں لکھا پھل ہماری جھولی میں پھینک دیتا ہے۔ نصیب میں لکھا پھل سمیرا کو جلدی نہیں تو بہت دیر میں بھی نہ ملا تھا سب ہی خوش تھے۔

"سنیے جی..... گڈو کے ابو۔" بہت مسرور انداز میں شیرینی ٹپکاتا لہجہ بیگم راشد کا تھا اپنا دوپٹہ سر پر جمائے وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوکر بولیں تھیں۔

راشد جو دفتر سے آکر کھانا کھانے کے بعد کمرے میں ستانے کے لیے لیٹے ہی تھے چونک گئے۔

"جی فرمایئے کوئی خاص بات ہے۔" وہ اپنے وجود پر آدھی چادر تان کر بولے۔

"ہاں جی خاص ہی ہے۔ پنڈی سے شہزادی خالہ کا فون آیا تھا وہ شادی پر آرہی ہیں کل۔ انہیں ٹرین سے یہاں پہنچ جانا ہے آپ ذرا وقت نکال کر اسٹیشن سے لے آیئے گا۔ کہاں ماری ماری پھریں گی۔" وہ بھی نظروں سے شوہر کے چہرے پر آئے رنگ دیکھ رہی تھیں۔

"کیا..... شہزادی خالہ دو ماہ پہلے ہی کیوں آرہی ہیں۔ شادی تو دو ماہ بعد ہے۔" وہ چیخ ہی پڑے۔ شہزادی خالہ کے آنے کی خبر کسی زلزلے سے کم نہ تھی۔ ان کی نیند رفوچکر ہوگئی تھی۔ جسم کا تو جوڑ جوڑ تھکن کے مارے دکھ ہی رہا تھا اب دماغ میں بھی بگولے ناچ رہے تھے۔ چند سال پہلے کی آمد دن میں تارے دکھا رہی تھی جب شہزادی خالہ اپنے ٹبر کے ساتھ پورے گھر میں غل مچاکے گئی تھیں۔

"اب انہیں آنے سے تو روک نہیں سکتی نہ۔" بیگم راشد ان کی نالاں عادتوں سے واقف تھیں۔ گھر میں کوئی فرد انہیں پسند نہ کرتا تھا۔ پانچ سال پہلے وہ جب پہلی بار ان کے ہاں آئیں تو ساس سمیت سب نے کانوں کو ہاتھ لگالیے تھے۔ وہ مارے شرمندگی کے ادھر کنواں ادھر کھائی..... کرتی تو کیا کرتی..... نہ خالہ کو روکنے یا سمجھانے کی ہمت..... اور شوہر ساس سب کی صلواتیں الگ سننے کو ملیں۔ اگلی صبح وہی افراتفری..... شور ہنگامہ..... آفس جانے اور بچوں کو اسکول چھوڑنے کی ہڑبونگ کے دوران چھ بار بیگم راشد انہیں یاد دلاچکی تھیں کہ خالہ کو لینے اسٹیشن جانا ہے۔ راشد صاحب بچوں پر آج خلاف توقع کچھ زیادہ ہی چلارہے تھے۔ شہزادی خالہ کی آمد نے ان کے دماغ کا میٹر آف کردیا تھا اس بار وہ اکیلی آرہی تھیں۔

"سفر کیسا رہا خالہ جی..... کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" بیگم راشد نے گیٹ پر خالہ کا استقبال کیا تھا۔ وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں کندھے پر پرس ڈالا ہوا تھا۔

"ہائے موئی یہ سانس بحال ہو تو کچھ کہوں۔" بیگم راشد نے انہیں صحن میں رکھے تخت پر بٹھایا بھاگ کر پانی کا گلاس لے آئیں۔

"کیا گھر میں کولڈ ڈرنک نہیں خالی پانی کا گلاس اتنی دور سے

آئی خالہ کو پکڑا دیا۔

''لو اب شروع ہو گئیں۔'' راشد صاحب نے منہ بگاڑ کر دل میں سوچا۔

''نہیں خالہ سب کچھ ہے گھر میں آپ بیٹھیں تو سہی سب آ جائے گا۔'' وہ کھسیانی ہوئیں۔

''کولڈ ڈرنک کے بعد سیب' انار' کیلے اور کینو ہوں تو سب لیتی آنا۔'' شہزادی خالہ لہجے میں اپنائیت سمو کر بولیں۔ راشد صاحب اپنے دانت کچکچا رہے تھے۔ تبھی بیگم راشد خالہ کی خوش خوراکی کو بے چارگی کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ ساس نے کلستے ہوئے سلام دعا کی اور کمرے میں واپس چلی گئیں۔

''کیا ہوا تمہاری ساس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نہ۔'' کولڈ ڈرنک کا ٹھنڈا گلاس حلق میں غٹاغٹ انڈیلتے ہوئے خالہ بے پروائی سے بولیں۔

''جی خالہ سب ٹھیک ہے۔'' وہ بمشکل پوز کر رہی تھی۔

''بچے کہاں ہیں نظر نہیں آ رہے۔'' وہ اپنا موٹا چشمہ ناک پر درست کرتے ہوئے بولیں۔

''اسکول گئے ہیں بس آنے والی ہو گی ان کی وین' میں آپ کے لیے پھل لاتی ہوں۔''

''وہ پھل لاتی ہوں کی بچی کیا آج ہی سارا کچن کا سامان اپنی خالہ کے پیٹ میں انڈیل دو گی۔ ہمیں تو دال سبزی پر ٹرخا دیتی ہو اب اپنی قینچی کی طرح چلتی زبان کو زنگ کیوں لگ گیا ہے۔ قسم سے ایسی ڈھیٹ عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔'' وہ غصے میں کچن میں جاتی بیگم کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

''آپ فکر نہ کریں بس چند دن برداشت کر لیں پھر وہ کہہ رہی تھیں کہ امی کی طرف چلی جائیں گی۔ یہاں وہ صرف ایک ہفتہ رہنے آئی ہیں اصل میں انہیں حیدر آباد امی کی طرف جانا ہے۔'' بیگم راشد نے تسلی دی۔

''میرے لیے یہ ایک گھنٹہ گزارنا مشکل ہو رہا ہے تم ایک ہفتہ کی بات کر رہی ہو۔''

''کہاں رہ گئی ہو۔'' شہزادی خالہ کی صحن سے آوازیں آنے لگیں تو گھبرا کر وہ راشد صاحب کو نرمی سے ایک طرف کر کے سیب اور کیلے پلیٹ میں رکھ کر صحن کی طرف بڑھ گئیں۔

''خالہ آپ کے لیے پھل لانے گئی تھی۔'' بیگم راشد کے چہرے پر پھیکی ہنسی پھیلی ہوئی تھی جس طرف غور کرنے کی خالہ نے ضرورت نہ سمجھی وہ لال پیلے سیبوں کو دیکھ رہی تھیں پھر ایک کیلا اٹھا کر چھیلنے لگیں۔

''میں سیب کاٹنے کے لیے چھری لانا تو بھول ہی گئی ابھی لاتی ہوں۔'' بیگم راشد کہہ کر تخت سے اٹھ ہی رہی تھیں کہ بیرونی دروازہ زور زور سے پیٹنے کی آواز آئی۔

''کیا بھونچال آ گیا؟'' خالہ ہکا بکا دروازہ دیکھ رہی تھیں جس پر مکا لاتیں زور زور سے کئی لوگوں کے پیٹنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ گھر کی بیل پر تو جیسے کوئی ہاتھ رکھ کر بھول ہی گیا تھا۔ ایک کہرام آناً فاناً مچ گیا تھا۔ وہ تو روز ہی اس کہرام کی عادی تھی۔ روز ہی اس وقت ایسے ہی بیل بجتی اور یوں ہی دروازہ پیٹا جاتا تھا۔ گھر میں دس بچوں کے اسکول سے واپسی کی آمد کا انداز کچھ یوں ہی ہوا کرتا تھا۔

''بچے آ گئے اسکول سے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''ہائے ہائے کیسے بدتمیز بچے ہیں یہ کوئی طریقہ ہے آنے کا۔'' وہ بل کھا کر بولیں۔

''خالہ آ گئیں...... خالہ آ گئیں...... خالہ جی سلام۔'' بچوں کا غل شور مچاتا خالہ کو دیکھتے ہی کورس میں بولا۔ سب ہی بچوں کو معلوم تھا کہ شہزادی خالہ کی آج گھر میں آمد ہے۔ عدنان نے تخت پر چھلانگ لگائی اور خالہ کو دبوچا۔

''سلام خالہ۔'' نبیل نے خالہ کے آگے رکھی پلیٹ میں سے دو سیب اٹھا لیے۔

''پورا سلام کرتے ہیں یہ کیا طریقہ ہے مردود پہلے ہاتھ منہ دھولے آتے ہی سیب اچک کر لے گیا۔'' خالہ نے اپنے آگے رکھے چار سیبوں میں سے دو کا دکھڑا رویا پھر ایک کے بعد ایک سب ہی بچوں نے سلام کے ساتھ پھلوں کی پلیٹ پر اپنا ہاتھ صاف کر لیا اور خالہ ارے ارے کرتی رہ گئیں۔

''خالہ جی میرے لیے کیا لائی ہیں۔'' تین سال کے توقیر نے دیدہ دلیری سے خالہ کا پرس جھپٹا اور زپ کھولنے لگا تو خالہ چیخ پڑیں۔

اندر بیٹھے راشد صاحب مسکرا کر صحن کی طرف تخت پر بچوں پر چیختے چلاتے شہزادی خالہ کو دیکھ رہے تھے۔ جو اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہہ رہی تھیں۔

''ہائے کیسی افراتفری ہے بچے نہیں آفت ہیں...... آفت میں تو چلی حیدر آباد۔''

بنتِ حوا

حمیرا شاہین

''کیا ہوگیا زینی۔'' اسے مسلسل ایک گھنٹے سے صحن میں بے چینی سے ٹہلتا دیکھ کر نعیمہ نے پوچھا۔

وہ تو جیسے بس اسی انتظار میں تھی کہ کوئی پوچھے، فوراً سے ان کے پاس تخت پر آ بیٹھی اور شروع ہوگئی۔

''بس آج مجھے پتا چل گیا میری کوئی اہمیت نہیں۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''آئے ہائے...... کیا ہوگیا بیٹا۔'' وہ پریشان ہوئیں۔

''آپ کو پتا ہے آج میری سال گرہ ہے کالج میں سب فرینڈز نے سیلبریٹ کی اور گھر والوں نے منانا تو درکنار وش تک نہیں کیا۔'' وہ اتنی دکھی ہوکر بولی جیسے پتا نہیں کتنا بڑا نقصان کردیا گھر والوں نے نعیمہ اس کی بات پر بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بولیں۔

''بس اتنی سی بات پہ چہرے پر بارہ بجالیے میں ابھی تمہارے بھائی سے بول کے کیک منگواتی ہوں ہم بھی بٹیاں کی سال گرہ منالیں گے۔''

''کیا فائدہ ایسی سال گرہ کا جو خود یاد دلانی پڑے، کسی کو بھی نہیں یاد بابا جان آفس سے آکر آرام کررہے ہیں اور بھیا پتا نہیں یونیورسٹی سے آکر کدھر نکل گئے، وش بھی نہیں کیا۔'' وہ دل گرفتی سے بولی وہ ایسی ہی تھی گھر بھر کی لاڈلی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے لگالیتی تھی اب بھی بات کرتے کرتے آنکھیں بھر آئیں تو نعیمہ بیگم نے جھٹ سے گلے لگالیا۔

''پگلی اس میں اتنا اداس ہونے والی کیا بات ہے۔ میں ابھی تیمور سے بات کرتی ہوں۔''

''مابدولت کو یاد کیا اور ہم حاضر ہوگئے۔'' صحن میں قدم رکھتے ہوئے تیمور نے شوخ آواز میں کہا۔

زونیرہ نے بھائی کی آواز پر سر اٹھا کر شکایتی نظروں سے دیکھا آنکھیں ابھی بھی پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

''یہ نیر کس خوشی میں بہائے جارہے ہیں۔'' تیمور نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''ویسے سال گرہ نا منانے پر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ اس بہانے تم سے کوئی تمہاری اصل عمر نہیں پوچھے گا۔'' وہ پھر سے شریر ہوا۔

''خبردار جو میری بٹیا کو تنگ کیا ہم تو سال گرہ منائیں گے۔'' وہ تیمور کو ڈپٹ کر بولیں۔

''نہیں اب مجھے کوئی سال گرہ نہیں منانی۔'' وہ کسی ضدی بچے کی طرح بولی، اس کے انداز پر وہ دونوں ہنس پڑے۔

''او کے نا منانا مگر میرے کمرے میں چلو مجھے کچھ کام ہے۔'' نعیمہ کو آنکھوں سے اشارہ کرتا، اس کے نا نا کرنے کے باوجود اسے کمرے تک لے گیا، پیچھے پیچھے نعیمہ بیگم اور عادل صاحب بھی آگئے۔

دروازہ کھولتے ہی حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پورا کمرہ پھولوں اور غباروں سے سجا ہوا تھا سینٹرل ٹیبل پر پھولوں کا بنا ایک خوب صورت ہارٹ تھا جس کے وسط میں اس کا فیورٹ پائن ایپل کیک جس پر ''ہیپی برتھ ڈے سوئٹ سسٹر'' کے الفاظ جگمگارہے تھے۔ کئی لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکی اتنی محبت پر اس کی آنکھیں بھرآئی۔

''بھیالو یو سوچ۔'' لبوں سے بس اتنا ہی نکلا اور وہ بھائی کے گلے لگ گئی۔

''لو یو ٹو گڑیا۔'' عادل صاحب اور نعیمہ کا یہ چھوٹا سا مگر محبتوں سے بھرا گھرانہ تھا تیمور عادل اور زونیرہ عادل ان کے گلشن کے دو خوب صورت پھول تھے زونیرہ بہت حساس اور تیمور تھوڑا شوخ مزاج مگر اپنے رشتوں سے لیے بے حد محبت کرنے والا اور کیئرنگ تھا۔

❁ ❁ ❁

رات کے پہلے پہر اس کی آنکھ پیاس سے کھلی سستی سے اٹھتے ہوئے سلیپر پہنے اور کچن کی طرف چل دی بابا اور امو جان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اور باتوں کی بھی آواز آ رہی تھی وہ اپنے دھیان میں گم تھی کہ بابا جان کے منہ سے اپنا نام سن کر چونک گئی۔

''بیگم مجھے تو سکندر بیٹے کا پرپوزل بہت اچھا لگا آپ بٹیا سے بھی رائے لے لیجیے گا ویسے امید ہے وہ انکار نہیں کرے گی، مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے۔'' بابا کی مان بھری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

اس کے اعصاب پر جیسے کوئی دھماکہ ہوا پیروں نے کھڑا ہونے سے انکار کردیا بے ساختہ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔

''ٹھیک ہے، مگر اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ مجھے اپنی زونیرہ پر پورا یقین ہے۔ آپ بس ان کو ہاں بول دیں ماشاء اللہ ہر لحاظ سے اچھا خاندان ہے۔'' امو جان کا جواب سن کر رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی پتا نہیں کس طرح کمرے تک پہنچی اور آتے ہی بیڈ پر گر گئی ذہن میں امو جان کے فقرے بازگشت بن کے گونج رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

''زینی بیٹا اٹھ جاؤ کیا آج چھٹی کا ارادہ ہے۔'' ناشتے کی ٹیبل پر اسے نا پا کر نعیمہ بیگم اسے پکارتی کمرے میں چلی آئیں کوئی رسپانس نا پا کر کمبل اس کے چہرے سے ہٹایا، چہرہ قندھاری انار کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔

''زینی آنکھیں کھولو۔'' انہوں نے پریشانی سے اسے ہلایا مگر وہ اپنے ہوش وحواس میں ہی کہاں تھی یہ دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے جلدی سے تیمور کو آوازیں دیں۔

''تیمور دیکھو زینی آنکھیں نہیں کھول رہی۔'' وہ اس وقت یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہا تھا مگر ماں کی بات سن کر پریشانی میں فوراً دو دو سیڑھیاں پھلانگتے نیچے پہنچا۔ پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہی گویا دہکتے کوئلے کو چھو لیا۔

''امو جان، اسے تو بہت تیز بخار ہے۔'' وہ پریشانی سے بولا۔ ''آپ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں

کریں جب تک میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔'' وہ اپنی بائیک کی چین اٹھاتا فوراً ڈاکٹر کو لینے روانہ ہوگیا۔

***

وہ بیڈ پر لیٹی تھی طبیعت کافی بہتر تھی مگر بخار نے جیسے چہرے کی شادابی کو نچوڑ دیا تھا دو ہی دن میں آنکھوں کے گرد ہلکے اور ہلکی گلابی رنگت میں زردیاں چھاگئی تھیں بیماری کے ساتھ ساتھ چہرے پر ویرانیوں کا رنگ بھی تھا اور شکستہ پائی کی دھول بھی عجیب سی گھٹن محسوس ہورہی تھی وہ اٹھی اور کمرے کی کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی تبھی موبائل کی بیل بجی۔ اس نے اسکرین کو دیکھا جس پر ''عمر کالنگ'' کے الفاظ جگمگارہے تھے دل درد سے بھر گیا۔

''ہیلو۔''

''زینی یار کہاں گم ہو پچھلے دو دن سے تمہارا فون بند تھا میں کتنا پریشان تھا تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے۔'' فون اٹینڈ کرتے ہی عمر کی بے چین آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''عمر، بابا کے دوست کے بیٹے کا پرپوزل آیا ہے۔'' وہ ڈائریکٹ اصل بات پر آئی۔

''کیا......ایسا کچھ نہیں ہوسکتا، تم انکار کردو۔'' وہ پریشانی سے بولا۔

''کیسے انکار کردوں، تم بھی تو اپنے والدین کو نہیں بھیج رہے۔'' وہ بھیگی آواز میں بولی۔

''زینی ایسے تو تمہارے پیرنٹس نہیں مانیں گے مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کچھ وقت لگے گا بس فی الحال اس رشتے سے انکار کردو تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر مرجاؤں گا۔'' وہ اپنی آواز میں بے قراری سموتے ہوئے بولا۔

زینی نے بغیر کچھ کہے فون بند کردیا دل کا درد مزید بڑھ گیا تھا وہ صحن میں چلی آئی جہاں تیمور اپنی بائیک اندر لاکر گیٹ بند کررہا تھا۔

''شکر ہے تم باہر نظر آئیں۔'' وہ اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔ ''تم نے تو ہمیں ڈرادیا تھا۔ خبردار جو اب ایسے بیمار ہوئی میری تو جان نکال دی تھی تم نے۔'' ساتھ ہی پیار بھری ڈانٹ پلائی۔ بھائی کی اتنی محبت دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''روئی تو اب میں ماروں گا۔'' اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر تیمور نے اسے وارننگ دی تو وہ جلدی سے مسکرادی حالانکہ دل تو شدتوں سے رونے کا کررہا تھا۔

''ڈیٹس لائک گڈ گرل۔ چلو گڑیا کو آج آئس کریم کھلاتا ہوں۔'' تیمور ہلکے سے اس کے گال چھوتے ہوئے بولا تو وہ مسکرادی۔

***

وہ رات اس کے لیے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک تھی اضطراب اور وحشت کی کوئی حد نہ تھی اسے دل یا دماغ کسی ایک کی بات ماننی تھی ایک طرف امو نے اس سے سکندر کے پرپوزل کے بارے میں رائے مانگی تھی اور دوسری طرف عمر تھا جس سے اس نے دھواں دھار محبت کے دعوے تو نہیں کیے تھے مگر اس کی محبتوں کے آگے ہار گئی تھی اس جیسی مضبوط لڑکی اس کے ظاہر سے متاثر ہوئی یہ جانے بغیر کہ وہ تو ڈال ڈال بیٹھنے والا بھنورہ ہے اس کے کردار کی مضبوطی جب ناقابل تسخیر دیکھی تو پارسائی کے پردے میں گھات لگا بیٹھا۔ عمر کی محبت بھری باتیں یاد آتیں تو ساتھ ہی باپ کا مان بھرا لہجہ یاد آتا وہ تو بھائی کا فخر تھی کیسے انکار کرکے ان سب کے خوش کن خوابوں کو ڈھا کر اپنی محبت کا تاج محل تعمیر کرسکتی تھی اس کے خمیر میں خود غرضی نہیں تھی یہی تو محبتوں کے اصل مان تھے وہ کیسے انہیں اپنے ہاتھوں سے توڑ دیتی؟ اس نے بے چینی سے تکیے پر سر پٹخا آنکھوں سے آنسو رواں تھے کوئی اذیت سی اذیت تھی۔

''یا اللہ پاک، مجھے ہدایت دے سیدھا راستہ

دیکھا کہ میں صحیح فیصلہ کرسکوں۔'' اس نے تڑپ کر اللہ کو پکارا اور پھر فیصلہ ہوگیا تھا ایک مطمئن سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور وہ سکون سے آنکھیں موندے لیٹ گئی۔

ہاں یہ سچ ہے تم سے محبت ہے
یہ بھی سچ ہے تمہاری چاہت ہے
پر میری زندگی میں چاہتوں کی کمی تو نہیں
رشتے اور بھی ہیں صرف ایک تم ہی تو نہیں
اپنی ذات کے اس پہلو سے آج ملواؤں تمہیں
میں کیا ہوں کیسے ہوں ذرا بتاؤں تمہیں
میں میری ماں کی تربیت میں ڈھلا سانچہ ہوں
اپنے بابا کی امیدوں سے پُر اک خاکہ ہوں
اپنے بھائی کی غیرت ہوں جانتی ہوں میں
مجھ ہی سے گھر کی رونق ہے یہ مانتی ہوں میں
تو بہک جاؤں میں یہ کبھی ممکن ہی نہیں
کہ دل وہ سب بھی رکھتے ہیں بس ہم تم ہی نہیں

❁ ❁ ❁

عمر اس وقت اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھا اپنی محبتوں کے قصے سنا رہا تھا اور ان سے تعریف وصول کررہا تھا۔

''یار تمہیں کیسے ایسی لڑکیاں مل جاتی ہیں۔'' کاشف حسد و رشک کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بولا۔

''او میرے بھائی یہ بہت سی لڑکیاں خود پر پارسائی کا ٹھپہ لگائے شرافت کے خول میں بند ہوتی ہیں بس ہلکی سی چاہت کی آنچ سے ہی وہ خول پگھل جاتا ہے اب تم زونیرہ کو ہی دیکھ لو۔'' وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

''ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی، اچھی لڑکی کو تم اپنے جادو بھرے میٹھے بولوں سے بے بس نہیں کرسکتے، وہ بہت مختلف لڑکی ہے وہ جانتی ہے کہ گم شدہ راستوں پر چلنے سے منزلیں کبھی نہیں ملا کرتیں۔'' اشعر ہمیشہ سے ان سے الگ سا تھا اور زونیرہ کو جانتا تھا بھی بولا۔

''میں نے کبھی ناکام ہونا یا شکست کھانا نہیں سیکھا، زندگی ہمیشہ میرے لیے فتح لاتی ہے اور تم دیکھنا میں اسے بھی کیسے اپنے خوابوں کے حسین جال میں لاتا ہوں۔'' عمر کی آنکھیں فتح کے نشے سے چور تھیں جب ہی فون کی بیل ہونے لگی۔

''ہیلو ہاں زونیرہ بولو۔'' زونیرہ کا نام سن کر اشعر کی سماعتیں پوری طرح بیدار ہوگئیں۔

''مگر زونیرہ تم ایسا کیسے کرسکتی ہوں تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر مرجاؤں گا۔'' عمر نے اس کا انکار سن کر لہجے میں پریشانی پیدا کی مگر زینی نے دوٹوک بات کرکے فون بند کردیا۔

''کیا اب بھی یہی کہو گے کہ سب لڑکیاں ایک سی ہوتی ہیں۔'' اس کے فون بند کرتے ہی اشعر نے طنزیہ انداز میں عمر سے پوچھا جس کے چہرے پر خجالت کے رنگ تھے اور شاید کوئی جواب نا تھا۔

دوسری طرف زونیرہ پُرسکون تھی وہ جانتی تھی کہ ماں باپ کی خوشیوں کو روند کر خوش نہیں رہ سکے گی، وہ انہیں کبھی شرمندہ نہیں دیکھ سکتی تھی محبت خواہ کتنی ہی طاقت ور کیوں نا ہو ماں باپ کے بھروسے سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتی، وہ ایک محبت کو بہت سی محبتوں پر ترجیح نہیں دے سکتی تھی وہ خسارے کا سودا نہیں کرسکتی تھی کیونکہ وہ بنت حوا تھی۔

زیاں

سیدہ ضوباریہ ساحر

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہادیہ اور ابیقہ تایا ابو کے ساتھ ماہین کے پاس آ جاتی ہیں کسی کو یقین نہیں آ رہا ہوتا ہے کہ عارف علی نے اپنی ضد کیسے توڑ دی تھی بڑے بھیا دس دن مقرر کرتے انہیں واپس لے جانے کی بات کرتے ہیں بڑی امی بھی حج کی سعادت حاصل کر کے واپس آ جاتی ہیں اور اپنے ملنے والوں کو اپنے سفر کے حوالے سے بتاتی ہیں۔ دوسری طرف چار ماہ ایمسٹر ڈیم کیفے، ریسٹورنٹ ٹی زوانتے میں ویٹر کا کام کرتے ہوئے شہباز خاصا مشاق ہو چکا ہوتا ہے گھر معقول رقم بھیجنے کے باوجود اس کے پاس خاصی رقم پس انداز ہو چکی ہوتی ہے وہ اب اس ادھیڑ بن میں ہوتا ہے کہ ویزہ ختم ہونے سے پہلے ایسا لائحہ عمل بنالے جس کی بدولت اس کا یہاں سروائیو کرنا آسان ہو جاتا، اس حوالے سے وہ علی حسن سے بات کرتا ہے جس پر علی حسن اسے انگریز لڑکی سے شادی کا مشورہ دیتے ہیں، شہباز اس حوالے سے انکاری ہو جاتا ہے تب شہباز علی حسن سے اپنے ویزے کے دوران ہالینڈ سے باہر جانے کی بات کرتا ہے علی حسن شہباز کو اپنے دوست کے پاس سوئٹزرلینڈ بھیج دیتے ہیں اس کے جانے پر اپنا آنٹی اداس ہو جاتی ہیں۔ عارف اپنے بچوں کو لے جانے کے لیے آتا ہے ہادیہ اور ابیقہ جانے سے انکاری ہو جاتی ہیں تب بڑی امی ان دونوں کو باپ کے سامنے کھڑے ہونے پر اکساتی ہیں، ہادیہ عارف علی کو جا کر انکار کر دیتی ہے توقع کے برخلاف بنا کوئی شور شرابہ کیے لعن طعن کیے عارف علی واپس چلا جاتا ہے عارف علی کو احساس ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی بچیوں کے ساتھ ٹھیک سلوک نہیں کیا اگر وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح بیوی اور بچیوں کا خیال رکھتا تو اکیلا نہ ہوتا اپنی تنہائی کے احساس سے وہ اپنی ماں سے ماہین کو واپس لانے کا کہتا ہے تب ماں اس کو آئینہ دکھاتی انکاری ہو جاتی ہے عارف علی زنانہ امام بارگاہ کے متولی ہاشمی صاحب کی بیٹی پروین ہاشمی سے ماہین کو واپس لانے کی بات کرتا ہے یوں ماہین ان کی بات کا پاس رکھتی عارف علی کے ساتھ واپس اپنے گھر آ جاتی ہے۔ دوسری طرف شہباز کی ملاقات سلوی سے ہوتی ہے وہ پورا ہفتہ مصروف رہنے کے بعد چند باتیں اس سے کرنے کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے یوں ان دونوں کی دوستی مضبوط ہوتی چلتی جاتی ہے شہباز سلوی کو اپنے ساتھ پاکستان لے آتا ہے۔ عارف علی کا رویہ بدل جاتا ہے اب وہ نشے میں مغلظات بکنے شور شرابہ کرنے کے بجائے خاموش رہتا ہے ماہین کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے۔ سلوی شہباز کے گھر والوں سے مل کر خوشی کا اظہار کرتی ہے جبکہ بڑی امی سلوی کا یوں شہباز کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں اور ان دونوں کی نکاح کی بات کرتیں ہیں جس پر شہباز سلوی سے بات کرتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁......❁
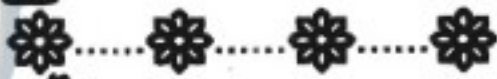
شہباز کی آمد خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی تھی۔ لالہ آنٹی کی شادی طے پا گئی اور مصور ماموں کا رشتہ بھی پکا ہو گیا۔ ماہین کا ایک پاؤں اپنے گھر تو دوسرا میکے میں۔ سارے سامان کی خریداری ماہین کے ذمے تھی اور ماہین نے بے حد خوش اسلوبی اور کفایت شعاری سے کام لے کر محض ایک ماہ کے قلیل وقت میں لالہ کا پورا جہیز تیار کر لیا تھا۔ امی جی کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے گھر میں دو دو شادیاں تھی وہ تو اتنے کم وقت میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ ان گزرے دنوں میں سلوی اس گھر کے سب افراد سے بہت گھل مل گئی تھی۔ گھر سے آنے والے فون پر اس نے اپنی

ماں اور دیگر گھر والوں کو بے حد تسلی دی اور مطمئن کیا کہ وہ یہاں بہت خوش ہے۔ اپنے خط کے ساتھ اس نے شہباز کے گھر کا جو نقشہ تیار کرکے بھیجا تھا۔ وہ شہباز نے پہلے سب گھر والوں کو دکھایا۔ چار کمرے بڑا سا صحن، صحن میں ایک طرف بندھی دو بھینسیں ان کے چارے والی کھرلی اور پانی کا ڈرم صحن میں ادھر ادھر مٹرگشت کرتی تین مرغیاں اور آٹھ چوزے۔ گوبر کے اپلے بھینسوں کا چھپر جیکی ساجی ماموں کا پالتو کتا کچن کے باہر لگا تنور اور اس میں سے اٹھتا دھواں......ایک ایک چیز کو اتنی جزئیات سے بنایا تھا کہ شہباز سمیت سب ہی اس کے گہرے مشاہدے کے قائل ہوگئے تھے۔

سلوی نے لکھا تھا کہ گول کا گھر ہمارے فارم ہاؤس جیسا ہے ہر ضرورت اور سہولت ہے یہاں مگر بے حد سادہ اور پرانی طرز کی۔ اس کے گھر والے کافی حد تک مطمئن ہوگئے تھے ادھر امی جی کا اصرار تھا کہ شہباز اور سلوی کا باضابطہ نکاح کردیا جائے۔ شہباز نے سلوی سے اس حوالے سے پوچھا تو وہ کچھ لمحے کو تو حیران رہ گئی۔

''گول یہ کیسے ممکن ہے؟ میرے گھر والے مجھ سے ناراض ہوجائیں گے میں نن ہوں......نن شادیاں نہیں کرتیں۔ ہمارے پرائسٹ تو پھر مجھے چرچ میں گھسنے بھی نہیں دیں گے۔''

''دیکھو سلوی......یہ ایک مسلم کنٹری ہے یہاں پر تمہارا میرے ساتھ اس طرح رہنا مناسب نہیں ہے میں جوان بہنوں کا بھائی ہوں ان کے اوپر اس سب کا بہت منفی اثر پڑے گا اور کیا میں تمہیں پسند نہیں ہوں؟''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''تو کیا پسند ہوں۔'' شہباز نے اس کی سرمئی یا نیلی آنکھوں میں جھانکا جو بے حد پُرخلوص اور سچی تھیں اور جہاں محض چند خدشات تھے اور کچھ بھی نہ تھا۔

''کہیں تم مجھے دوسرے لڑکوں کی طرح دھوکے باز تو نہیں سمجھ رہی ہو سلوی۔''

''نہیں گول تم میرے بیسٹ فرینڈ ہو......اب تک جتنا وقت تمہارے ساتھ گزارا ہے تم نے ہر قدم پر خود کو قابلِ اعتماد ثابت کیا ہے لیکن پھر بھی مجھے سوچنے دو......مجھے تمہارا ساتھ پانا اچھا لگتا ہے تم سے شاید محبت بھی کرنے لگی ہوں میں۔ لیکن یہ دو تہذیبوں کا ڈیفرنس ہے بہت کچھ بدل جائے گا۔ گول بہت کچھ......''

''میں جانتا ہوں تمہارے اندر کون سے خوف ہیں۔ چاہے کتنی بڑی تبدیلیاں بھی آئیں سلوی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا تم مجھ پر بھروسہ کرکے اپنی زندگی کا یہ فیصلہ میرے حق میں دے سکتی ہو؟'' شہباز نے اس کے سرد ہاتھوں کو تھام لیا۔ چند لمحے اس کی گہری نگاہوں میں دیکھنے کے بعد سلوی کا چہرہ جھک گیا۔

''ہاں۔'' وہ مان گئی۔ اپنوں سے بہت دور وہ اس شخص پر یقین اور بھروسہ کرکے آئی تھی اور اب تک اس نے کسی قدم پہ اس کا یقین نہیں توڑا تھا۔ ہر ہر جگہ اس کا بے حد دھیان رکھتا آیا تھا۔ کچھ دن پہلے ہونے والی اس کی برتھ ڈے کو اس نے سرپرائز پلان کیا تھا۔ گھر والوں کے ساتھ اس کی سالگرہ منائی۔ بہت پیارا سا عوامی سوٹ اسے گفٹ کیا اور پھر اگلے دن پوری فیملی کے ساتھ مری گھمانے لے کر گیا تھا۔ ایک ایک لمحہ سلوی کے لیے رنگوں سے بھرا تھا۔ ایک پل کو بھی اسے احساس نہ ہوا تھا کہ وہ اپنوں سے بہت دور ہے یا کسی کو اس کی خوشی یا غم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

وہ جب اپنی سالگرہ کے دن اپنے کمرے میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی تو شہباز کی امی جی جو خاصی سخت مزاج لگتی تھیں انہوں نے آکر اسے اتنے پیار سے گلے لگا کر اجنبی زبان میں کچھ جملے بولے تھے۔ وہ لفظ تو اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے ہاں ان کے لہجے کی ممتا نے اس کے دل کی بے قراری کو کم کردیا تھا۔ اور اب شہباز کے سامنے اقرار کرلینے کے بعد جیسے اس کا دل مزید پُرسکون ہوگیا تھا۔ یہ گھر اس کے فارم ہاؤس کے مقابلے میں چھوٹا بھی تھا اور جدید سہولیات سے بے نیاز بھی۔ یہاں اس کی زندگی مشکل بھی ہوسکتی تھی لیکن یہاں رہنے والوں کے دل بہت

بڑے تھے۔ یہاں احساس محبت اور اپنائیت کا بے حساب اطمینان تھا۔ ان رشتوں میں خالص وفا محبت اپنا پن اور بے ریائی تھی۔ اسے اتنا پتہ تھا کہ یہ فیصلہ کر کے اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ چند ماہ یہاں گزار کر اس نے شہباز کے ساتھ واپس اپنے دیس چلے جانا ہے جب تک وہ یہاں ہے جس قدر ہو سکے محبت سمیٹ لے...... جتنا چاہے خلوص کے مزے نوش کرے...... محبتوں کے اس آب میں نہا کر اپنے وجود و روح کی کثافت کو دھو لے۔

طے یہ ہوا کہ لالہ کی مہندی والے دن شہباز کا نکاح کر دیا جائے۔ بڑی امی نے سادہ سرخ رنگ کا سوٹ بنوایا تھا سلوی کے لیے اور اوپر بھاری کامدار دوپٹہ تھا نکاح کے وقت کے لیے۔ سلوی کو سمجھایا گیا کہ مولوی صاحب جب پوچھیں تو قبول ہے کہنا ہے تین بار پوچھیں گے اور تین ہی بار جواب دینا ہے۔ دلہن کے لباس میں وہ خود بھی سرخی مائل چہرہ لیے بیٹھی عام دنوں سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی۔ جب مولوی صاحب کے استفسار پر اس نے ایک ہی سانس میں تین بار قبول ہے' قبول ہے' قبول ہے کہا تو وہاں موجود سب افراد ہی کھلکھلا اٹھے تھے۔

اس کی سادگی اس کی معصومیت اور بچکانہ انداز و ادا پر سب ہی جیسے فریفتہ تھے۔ بڑی امی کے دل میں سکون و اطمینان در آیا۔ روح کے اندر کی بے چینی ختم ہو گئی۔ بے فکری سے ہنستے مسکراتے نظر لگ جانے کی حد تک پیارے دکھائی دیتے شہباز کی انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بلائیں لے ڈالیں۔ لالا کی رخصتی بہت اچھے طریقے سے کر دی گئی۔ ایک بہن کے فرض سے خوش اسلوبی سے سبکدوش ہو جانے کے اطمینان کے ساتھ ساتھ اپنی محبت پا لینے کا احساس شہباز کے دل کو بے حد سکون دے رہا تھا۔ ماہین بھی یہاں کے سب کام نمٹا کر اپنے گھر سدھار گئیں۔ اور اگلے دن شام کو چائے پر شہباز اور سب گھر والوں کو بلا لیا۔

"بی بی...... اتنا تردد کیوں کیا آپ نے۔" شہباز دستر خوان پر رکھی بہت سی ڈشز کو دیکھ کر بولا تو وہ مسکرا دیں۔

"ارے میرا بھیا اتنے عرصے کے بعد آیا ہے میرے گھر۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔" شہباز کی زبان سے محبت بھرے تذکرے سننے کی وجہ سے سلوی کو بھی ماہین سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی اور ہادیہ اور انیقہ سے بھی وہ بے حد پیار سے پیش آتی تھی۔

"ہاں گل ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تمہاری بی بی...... تم کون سا روز آتے ہو۔" عارف علی بھی آج بہتر موڈ میں تھا۔ چائے کے ساتھ انصاف کرنے کے بعد وہ سب بستر میں گھس کر بیٹھ گئے۔

"سغدی لگتی......" سلوی نے کہا تو سب مسکرا دیئے وہ اپنی زبان کی حساب سے "ز" کو "غ" بولتی اردو اور پنجابی بولتے ہوئے اتنے کیوٹ منہ بناتی کہ بس دل میں ٹھک سے آ لگتی۔

"سلوی آنٹی سغدی نہیں سردی......" انیقہ نے اس کی تصحیح کی۔

"یہ تو ٹیچر ہے پوری۔" سلوی نے مسکرا کر شہباز سے کہا۔

"ارے اس کے منجھلے چچا نے تو اس کا نام بے نظیر رکھا ہوا ہے کیا تقریریں کرتی ہے یہ تمہیں کیا پتا۔" شہباز ہنس دیا۔

"ٹیچر کو کیا کہتے ہو تم لوگ اپنی زبان میں۔" سلوی نے پوچھا۔

"استانی جی۔" شہباز شرارت سے مسکرایا۔

"او کے...... شی از ناؤ استانی جی۔" سلوی نے اسے اپنی گود میں گھسیٹ کر بیٹھایا جٹ سے اس کا گال چوما اور اس کا نیا نام رکھ دیا۔

"گل ماموں...... سلوی آنٹی مجھے استانی جی کہہ رہی ہیں تو پھر ان کو سبق بھی پڑھنا پڑے گا۔" انیقہ بھی اٹھلا کر بولی۔

"ہاں تو تم اپنی بک سے پڑھاؤ اسے۔" شہباز کو بھی اس کے انداز پر پیار آیا۔ انیقہ جلدی سے اپنی ایک بہت پرانی بک لے آئی۔

''ارے یہ تو تمہاری کتاب نہیں ہے یہ تو چھوٹے بچوں کی کتاب ہے ناں۔''

''ہاں جی...... تو پہلے اے بی سی تو پڑھ لیں پھر ہی آگے پڑھاؤں گی ناں۔'' انیقہ کے معصومیت سے کہنے پر سب ہی ہنس پڑے۔

''ارے بھئی جلدی سے پڑھاؤ اسے ورنہ نالائق رہ جائے گی تمہاری ماں۔'' شہباز تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے شرارت سے بولا۔

پھر واقعی انیقہ نے اے فار ایپل سے لے کر زیڈ زیبرا تک پڑھا دیا۔ سب دلچسپی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

''اب جلدی سے مجھے سنائیں...... میں دیکھتی ہوں آپ کو کتنا یاد رہ گیا ہے۔'' سلوی نے مسکرا کر بتانا شروع کیا بہت سے لفظوں پر انگلی انیقہ ساتھ کے ساتھ تصحیح کرتی گئی۔ لیکن ایل فار لائن کو سلوی نے کہا ایل فار گول سب ہی مسکرا رہے تھے کیونکہ وہ ایسا شرارت میں کہہ رہی تھی۔ پھر او فار اول کی جگہ بھی اس نے او فار گول کہا تو شہباز نے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔

''ڈھشکیشن......'' ساتھ ہی منہ سے آواز بھی نکالی۔

''اچھا شیر بھی گل اور الو بھی گل...... واہ بھئی کیا کہنے۔'' ماہین ہنسنے لگیں۔

''کہتی تو ٹھیک ہے بے چاری شوہر گھر سے باہر شیر اور گھر کے اندر بیوی کے سامنے الو۔'' بڑے بھیا مسکراتے ہوئے بولے تو سب ہنس دیئے۔

''اچھا بھئی تم سب باتیں کرو میں کچھ دیر میں واپس آتا ہوں۔'' عارف علی اٹھ کر چلا گیا۔ ماہین بھی ایک دم چپ سی ہوگئیں۔

''عارف بھائی...... اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟''

''چھوڑو گل...... یہ روز کا معمول ہے اتنی اچھی بات چیت ہو رہی ہے اس موضوع پر نہ ہی بات کی جائے تو بہتر ہے۔'' ماہین برتن سمیٹنے میں لگ گئیں۔

''بڑے بھیا میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہر قدم پر بی بی کا ساتھ دیا انہیں کبھی میری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔''

''شکریہ کہہ کر مجھے غیر مت بناؤ گل۔ ماہین تمہاری ہی نہیں میری بھی بہن ہے اور بے فکر رہو جب تک تمہارا یہ بھائی زندہ ہے، بھی کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہونے دے گا ان شاء اللہ۔'' بڑے بھیا نے اسے تسلی دی۔

''عارف اب سدھرنے والا نہیں ہے۔ کتنی بار اس کا علاج کروایا لیکن پھر دوبارہ سے شروع ہو جاتا ہے میں نے بینا بیٹا کو بس یہ سمجھایا ہے کہ تمہاری زندگی تو جیسے تیسے گزر رہی ہے گزر ہی جائے گی لیکن بچیوں کو اسی گھر میں پرورش ملنی چاہیے۔ یہ گھر ان کا ددھیال ہے یہاں ان کا حق ہے اگر تم یہاں نہیں رہتی تو یہ بھی اپنے حق سے محروم ہو جائیں گی۔ تکلیف تو کاٹ ہی رہی ہو ایک عرصے سے اور جانے مزید کتنا عرصہ کاٹنی ہے اگر خود قربانی دے کر اولاد کا مستقبل سنوارنا ہے تو میرا خیال ہے ایسی قربانی دے دینی چاہیے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بڑے بھیا لیکن بی بی کی پوری زندگی اذیت بن کر رہ جائے گی۔ عارف بھائی کیوں نہیں سدھرتے انہیں کیوں احساس نہیں ہوتا کہ ان کے تمام افعال کا اثر ان کی بیٹیوں کے مستقبل پر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ذہین اور اتنی پیاری بچیاں پڑھ لکھ کر ضرور کچھ نہ کچھ بن جائیں گی لیکن نشئی کی بیٹیاں ہونے کا لیبل کس طرح اتار پائیں گی یہ اپنے اوپر سے...... لوگ رشتہ کرتے وقت ماں باپ گھر بار ہر چیز کو دیکھتے ہیں لیکن عارف بھائی کو کسی بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔'' شہباز کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''اسے تو احساس نہ تھا نہ ہے اور نہ ہی آئندہ ہونے کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ماہین بھی صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچے گی تو اولاد کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔'' بڑے بھیا نے کہا تو شہباز کو ایک پل کے لیے وہ خود غرض لگے جو ہر طرح کی قربانی کی محض ماہین سے توقع لگائے بیٹھے تھے اور اپنے بھائی کو کسی طور پر سمجھاتے نہیں تھے۔

''یقیناً تم سوچ رہے ہو گے کہ میں عارف کو سمجھانے کی بجائے ماہین پر ہی کیوں زور دے رہا ہوں تو گل

بچہ......باپ مرجائے تو ماں اولاد کو رلنے نہیں دیتی لیکن ماں مرجائے تو باپ کے ہوتے ہوئے بھی اولاد دھکے کھاتی ہے۔ عارف علی جیسا بھی ہے اب اس میں کسی سدھار کی توقع کم سے کم میں تو نہیں کرتا اس صورت میں صرف ماہین رہ جاتی ہے جو اس تمام شیرازے کو بکھرنے سے روک سکتی ہے۔ اور ماہین میں وہ صبر اور استقلال ہے جس کی بدولت وہ بہت بہتری لاسکتی ہے۔'' بڑے بھیا نے جیسے اس کی سوچ کو پڑھ لیا تھا۔

''جی بڑے بھیا...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یوں بھی بی بی اکیلی نہیں ہے۔ اس گھر میں اب تو سب ہی کا رویہ بی بی کے ساتھ بہتر ہوتا دکھائی دے رہا ہے اور اسے کسی بھی قسم کی کوئی کمی ہو تو اس کا یہ بھائی ہر جگہ، ہر قدم پر اس کے ساتھ رہے گا ان شاء اللہ آپ فکر مند نہ ہوں۔'' شہباز نے بڑے بھیا سے کہا لیکن درپردہ ماہین کو احساس دلایا کہ اب ان کا بھائی ان کو سہارا دینے کے قابل ہوگیا ہے۔ وہ مسکرادیں۔

''میں عارف علی کے حوالے سے کسی خوش فہمی کا شکار ہوکر اس گھر میں واپس نہیں آئی میرے بھائی۔ میں بھی جانتی ہوں کہ میں بیٹیوں کی ماں ہوں نازک آبگینوں کی طرح جن کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اندر رکھو تو چوہوں کا ڈر باہر لاؤ تو چیلوں کا خوف...... عارف علی میں بھلے سے سکت نہ ہو مگر اس گھر کی اونچی فصیلوں میں اتنا دم ہے کہ میری بیٹیوں کی حفاظت کرسکیں۔ میں عزت کا بھرم رکھوں گی تم بے فکر رہو میرے بھائی ہر آرزو پر خواہش کا گلا گھونٹ کر بھی جی سکتی ہے تمہاری بہن اور ایسے جی سکتی ہے کہ پھر تمہیں بھی حیرت ہوگی۔'' وہ دل ہی دل میں شہباز سے مخاطب تھیں۔

❁......❁......❁......❁

جانے سے دو ماہ قبل شہباز نے مصور اور عینی کی شادی کا فرض بھی ادا کردیا۔ سترہ سالہ عینی نہ صرف مسحور کن حسن کی مالک تھی بلکہ بے انتہا اچھے اوصاف اور عادات کی حامل بھی تھی۔ چند دن سلویٰ اس کے ساتھ گزار پائی اور اسے بھی عینی سے بے حد لگاؤ ہوگیا۔ سلویٰ گل سے ایک ماہ پہلے سوئیزرلینڈ چلی گئی اور گل یہاں کے کچھ معاملات نمٹانے کے بعد ایک ماہ بعد روانہ ہوگیا۔ ایک بار پھر پورے گھر میں جیسے اداسی کی لہر سی چھاگئی۔ چھ ماہ بہت خوب صورت گزرے تھے۔ گل کا نکاح لالہ کی شادی پھر مصور کی شادی۔ خوب دھوم دھام سے ہوئیں۔ یہ سب تقاریب اور اب یک دم ہی خاموشی چھاگئی صرف عینی کی صورت میں ایک خوشگوار اضافہ ہوگیا تھا گھر میں۔ عینی کی نیلم اور ساجدہ سے بھی بہت اچھی دوستی ہوگئی۔ گھر کے کام مل جل کر کیے جاتے۔ مل کر فلم دیکھی جاتی۔ باہر سے آنے والے کو کبھی یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ یہ بہنیں ہیں یا نند بھاوج...... بڑی امی بھی پہلے کی نسبت اب کافی سکون محسوس کرنے لگی تھیں۔

اس پُرسکون ماحول میں ہلچل اس دن مچی جب پوسٹ مین نے ایک خط لاکر انہیں دیا۔ یہ خط بیرون ملک سے آیا تھا۔ ایک صفحے کے اس خط کی تحریر بھی اجنبی تھی۔ وہ انگریزی نہیں کسی اور زبان میں لکھا گیا تھا۔ بڑی امی کا ذہن پریشان ہوگیا یہ خط سوئیزرلینڈ سے آیا تھا۔ ان کا دل بے چین ہوگیا۔ چند ماہ پہلے ہی تو گل واپس گیا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ وہ خط انہوں نے سنبھال کر رکھ لیا۔ ہر آنے جانے والے کو وہ خط دکھاتیں پھر شہباز کے ایک دوست عباس نے انہیں کہا کہ وہ اسلام آباد فارن ایمبیسی میں جائیں وہاں اس زبان کا ترجمہ کرکے انہیں بتایا جاسکتا ہے کہ اس میں آخر لکھا ہوا کیا ہے۔ اور ایک دن وہ ہمت کرکے عباس کے ہمراہ فارن ایمبیسی چلی گئیں۔ وہاں اس خط کا ترجمہ کرکے انہیں بتایا گیا۔

وہ خط سلویٰ کا تھا۔ جس میں اس نے بتایا تھا کہ کس طرح پاکستان سے واپس آنے کے بعد گل نے اس سے تقاضا کیا کہ وہ اسلام قبول کرلے کیونکہ وہ اپنے بچوں کو آدھا تیتر آدھا بیٹر نہیں دیکھنا چاہتا۔ مسلمان اور سید زادے کی اولاد ہوکر عیسائی مذہب اختیار کرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔ سلویٰ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا اس کے انکار سے اگلے دن سے شہباز لاپتہ تھا۔ اور سلویٰ نے

استفسار کیا تھا کہ اگر شہباز پاکستان میں ہے تو اسے فوری اطلاع دی جائے۔ بڑی امی نے ایمبیسی والوں کو بتایا کہ شہباز پاکستان نہیں آیا سلویٰ کے ایڈریس پر جوابی خط ایمبیسی والوں نے ہی ارسال کر دیا تھا۔ بڑی امی گھر واپس آ گئیں لیکن بے حد پریشان تھیں کہ شہباز نے پہنچنے کی اطلاع دینے کے بعد سے اب تک دوبارہ رابطہ بھی نہیں کیا تھا۔ انہیں اپنے اور سلویٰ کے علیحدہ ہو جانے کی خبر تک نہ دی تھی۔ اللہ جانے کہاں تھا کس حال میں تھا؟ یقیناً وہ پریشان تھا اور مالی لحاظ سے بھی بحران کا شکار تھا ورنہ ایک فون کال تو کر سکتا تھا۔

✿......✿......✿......✿

میری بساط ہے کیا میں ہوں برگ آوارہ
اڑا کے لے چلے مجھ کو جدھر ہوا چاہے

زندگی بھی کیسے کیسے رنگ دکھا رہی تھی۔ کبھی تو دیالو بن کر سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتی تو کبھی کسی بخیل کی طرح دے کر واپس لینے پر آمادہ...... وطن سے دوری کے دورانیے میں کیسے کیسے رنگ نہ دیکھ چکا تھا وہ...... بڑی خوش فہمی تھی محبت کے مہربان ہو جانے کی۔ اسٹوڈنٹ لائف میں ایک چہرہ بہت بھایا تھا اسے...... اپنی ڈائری پر وہ اس کے نقوش بنا کر اس کی آنکھیں اس کے ہونٹوں اور بالوں پر نظمیں اور غزلیں لکھا کرتا۔ اسے قیمتی جذبوں کے دان دیئے جاتا مگر اپنی کم مائیگی' اپنی غربت کے احساس کے بوجھ تلے گھٹ گھٹ کر جیتے ہوئے اس نے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اس خوب صورت لڑکی کو اپنے فاقہ کش ماحول کا حصہ بنا لے۔ اس کی آنکھوں نے ہمیشہ کے لیے اس حسن کی مورت کو خود سے دور جاتے دیکھا اور بہت ضبط سے سہہ بھی گیا۔ پھر اس نے محبت کے دروازے کو خود پر بے دردی سے بند کر دیا۔ ایک طویل عرصے بعد ہولی میری کی ایک معتقد ایک معصوم صفت لڑکی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ خود کو روکنے منع کرنے کے باوجود وہ جیسے سحر زدہ سا اس کی معصومیت کے جادو کا شکار ہو گیا۔ سلویٰ وہ دوسری لڑکی تھی جس نے محبت کا حسین رخ اس پر آشکار کیا تھا۔ اپنے اور اس کے درمیان بہت سے اختلافات اور تضادات کے باوجود وہ خود کو اس کے سحر میں جکڑے جانے سے نہ باز رکھ پایا تھا۔ وہ محض دوستی کے رشتے تک کا ہی قائل تھا کہ محبت تو اس کا ذاتی مسئلہ ہے لیکن جب سلویٰ نے بھی کھلے دل سے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہے تو اس کے دل نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد بہت سے خیالات نے اسے آن گھیرا تھا۔ مسئلہ اب صرف ان دونوں کی ہی زندگی کا نہیں تھا۔ آنے والی نسل کی بقا کا بھی تھا۔ اس نے ساڑھے تین سال جو اپنے وطن سے دور گزارے تھے اس میں بہت سے پاکستانیوں کو یورپ کی اندھی تقلید کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ میکال حسن جو اپنے بے پناہ محبت کرنے والے والدین کو چھوڑ کر اپنا مستقبل بنانے کی دھن میں لگا ہوا تھا بہت سی ایشیائی لڑکیاں جو انگریزوں کے ساتھ دوستیاں کر کے ہر حد پار کر جانے پر بھی کسی شرم و جھجک کا شکار نہیں تھیں کیونکہ بے شک وہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئیں لیکن مغربی ثقافت اور مغربی معاشرت میں پروان چڑھی تھیں سو کسی قسم کی اخلاقی پابندی سے بے نیاز والدین اور دیگر رشتوں کو نظر انداز کر کے اسی طرز زندگی کی عادی ہو چکی تھیں۔ اور شہباز...... وہ کبھی ایسا نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بچے سید کی اولاد ہو کر انگریزی تہذیب میں پروان چڑھیں اور وہیں کی اقدار اپنائیں اور وہ اپنی پوری حیات مشقت کرنے کے بعد یہاں سے خالی ہاتھ کندھے جھکائے بے نیل و مرام اپنی سرزمین پر قدم رکھے۔ محض اسی لیے اس نے سلویٰ کے سامنے یہ ڈیمانڈ رکھی تھی کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ وہ اسے قدم قدم پر گائیڈ کرے گا اسے ایک اچھی مسلمان بنائے گا تاکہ وہ اس کے بچوں کی اچھی تربیت کر سکے اور ایک اچھا گھرانا تشکیل پا سکے لیکن پاکستان سے واپس آنے کے بعد سلویٰ پھر سے بدل گئی تھی۔

اپنی فیملی اپنے خاندان اور گھر کو دیکھنے کے بعد اسے شہباز سے اپنی شادی کا فیصلہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ رہی سہی

کسر شہباز کی ڈیمانڈ نے پوری کردی۔ وہ ایک قدامت پسند انگریز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اس کے والدین اس کے بہن بھائی تو ہمیشہ کے لیے اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔ وہ محض شہباز کے لیے اتنا بڑا نقصان برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا اور شہباز نے بھی سمجھ لیا کہ ان کا ساتھ بس یہیں تک تھا۔ اس نے بے حد خاموشی سے خود کو سلوی سے الگ کرلیا۔ اسے کچھ بھی کہے بنا بتائے بنا ایک دن اس نے سوئیزرلینڈ کی سرزمین کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا اور یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے یہاں کی یادوں کو بھی ہمیشہ کے لیے اسی سرزمین میں دفن کردیا۔ ایک نیا شہباز جو ہر چوٹ کھالینے کے بعد جینے کے ہنر سے بخوبی آشنا تھا۔ جو محبت کے وار کو سینے پر کسی شیر کی طرح سہہ کر بھی اسی طرح باہوش دکھائی دیتا تھا دل کی دنیا چاہے جتنی بھی تہہ و بالا ہوجائے اسے چیزوں کو اپنے مقام پر رکھنا آتا تھا۔ ہر تباہی اور شکست و ریخت کے بعد وہ اپنے وجود کے ملبے میں دبی روح کو پھر سے ہوش مند اور تندرست کرلینے کے فن سے واقف تھا۔ اس بار بھی درد کو اس نے دل کے قبرستان میں ہی دفن رہنے دیا اور ایک نئی جہت کے ساتھ ایک نئی سرزمین پر پھر سے قدم جمانے کے لیے چل پڑا تھا۔

میرے دل میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر ایک اجنبی سے پوچھیں
جو پتہ تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناآشنایاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

❁........❁........❁........❁

ہادیہ نے میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کرلیا اور انہی دنوں باقر چچا کا رشتہ پشاور میں ایک اچھی فیملی میں ہوگیا۔ ندرت بیاہ کر پشاور گئی تھیں سو منجھلے چچا اور چھوٹے چچا کی شادیاں انہوں نے اپنے سسرال میں دور پرے کے رشتہ داروں میں کروادیں۔ ماہین کے وہی روز و شب تھے خاموش۔ خدا کی یاد میں مصروف اور گھر والوں کی خدمت میں لگے رہنا اور عارف علی بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ پہلے سے زیادہ بگاڑ کی طرف مائل تھا۔ مگر پروین ہاشمی سے کہی گئی اپنی بات پر اس طرح قائم تھا کہ بھلے سے احساس آج بھی نہیں کرتا تھا نہ بیوی کا نہ بچوں کا۔ اپنے معمولات میں بھی کوئی تبدیلی نہیں لایا تھا۔ لیکن شور و غل کرنا' مغلظات بکنا اس نے بالکل بند کردیا تھا۔ باقر کی شادی کے ساتھ ہی ماہین کے سینے پر دھرا ایک نادیدہ بوجھ بھی جیسے کم ہوگیا کم سے کم اب کسی اعتراض اور جھگڑے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ لیکن زندگی اگر سکون کا ہی نام ہوتی تو پھر کیا گلہ یا شکایت ہوتی۔ ماہین حقیقی معنوں میں سیاہ نصیب ہی تھیں۔ خدا نے اچھی صورت' بہترین سیرت و کردار کے ساتھ آزمائشوں اور ٹھوکروں سے مقدر لکھا تھا ان کا۔ اب جب کہ بچیاں بھی جوان تھیں۔ تو ہر ماں کی طرح ان کے دل میں بھی آرزو تھی کہ ان کی بہت اچھی جگہوں پر شادیاں ہوں کبھی کبھی جب کوئی دیورانی ہنستے ہوئے کہتی۔

''بس ماہین بھابی...... اب ہادی کی منگنی کردیں۔'' تو وہ مسکرا دیتیں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"پتہ ہے میرا خواب ہے میرے داماد فوجی ہوں مجھے آرمی بے حد پسند ہے۔" ان کی بات کے جواب میں دیورانی عجیب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر رہ جاتی کہ ہر حوالے سے حقیقت پسند ماہین اپنی بیٹیوں کے معاملے میں کس قدر تخیل پسند تھیں۔ بھلا عارف علی جیسے باپ کو اچھے داماد کہاں سے اور کس طرح مل سکتے تھے۔ اور غضب یہ بھی ہوا کہ جانے کس عقل مند نے عارف علی کو کہا کہ خراسانی اجوائن منشیات کے عادی لوگوں کے لیے قدرت کا بے حد عظیم تحفہ ہے اور اس نے لگاتار ایک ہفتہ وہ ابال ابال کر پی لی...... دماغ کی نسیں خشک ہوگئیں اور اسے کھلی آنکھوں سے الوژن نظر آنے لگے۔ کبھی وہ کسی نادیدہ چور کے پیچھے پورے گھر میں بھاگتا پھرتا۔ اور اس قدر اونچی اونچی آواز میں بولتا کہ پورے گھر کے تمام افراد گھبرا جاتے۔

کبھی ماہین اور بچیوں کو کمرے کے اندر بند کر کے خود دروازے پر بیٹھ جاتا کہ لوگ میرے گھر کے اندر آتے جاتے ہیں مجھے اپنی بیٹیوں کی بہت فکر ہے۔ کبھی کہتا میری بیوی غلط عورت ہے اس نے میری بیٹیوں کو غلط راستے پر لگا دیا۔ منجھلے چچا اور بڑے چچا اس کی اس حالت پر کھولتے رہتے۔ بڑے بھیا کا تو بس نہ چلتا کہ اسے زہر ہی دے دیں۔ اور ایک رات تو غضب ہی ہوگیا۔ اس نے اسی دورے کی کیفیت میں دونوں بیٹیوں کو پکڑ کر چارپائی سے باندھ دیا اور ماہین کو بھی کمرے کے ایک کونے میں کھڑا کردیا۔ منجھلے چچا کی برداشت بالکل جواب دے گئی تو انہوں نے آگے بڑھ کر ہادیہ اور ایقہ کو کھولا اور اپنے ساتھ اپنے پورشن میں لے گئے۔ جیسے تیسے رات گزری اور اگلے دن صبح ہی چچا اسے ایک ری ہیبلیٹیشن سینٹر جا کر چھوڑ آئے۔ یہ دن قیامت کے دن تھے جو عارف علی کی بدولت ماہین اور بچیوں نے دیکھے۔ اس کے علاج پر اٹھنے والا سارا پیسہ ماہین نے اپنے سونے کے کنگن بیچ کرادا کیا کہ جو بھی تھا سر کا سائیں تو تھا۔ ایک نام تھا اس کا...... اس کے نام کے بھرم کی وجہ سے وہ اس گھر میں بیٹھی تھی۔ لیکن اس ساری تنگ ودو میں ماہین اندر ہی اندر کھوکھلی ہوتی جارہی تھیں۔ اپنی بیٹیوں پر بھی اپنے دکھ کو واضح نہ کرنے والی ماہین ایک دن سینے میں اٹھنے والے درد سے بے حال ہو کر رو پڑیں تو مانو ہادیہ اور ایقہ کی تو جیسے جان پر بن آئی۔ انہوں نے جھٹ سے بڑی امی کو فون کردیا۔ وہ بھی بے چین سی دوڑی چلی آئیں اپنی بیٹی کو اذیت میں دیکھنا بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے وہ بھی اس صورت میں جب بیٹی جان سے بڑھ کر پیاری ہو اور اس صورت میں بھی کہ بے ضرر ہونے کے باوجود ہر لحہ جس نے خود اذیت سہی ہو۔

"ہادیہ...... کب سے درد ہے تمہاری ماما کو۔"

"پتہ نہیں بڑی امی...... ماما کبھی بھی بتاتی کب ہیں اب بھی نہ پتا چلتا اگر ماما کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے۔" ہادیہ اور ایقہ ڈری ہوئی ماں سے چپکی بیٹھی تھیں۔ اس وجود کے سوا کوئی ڈھارس کوئی تسلی نہیں تھی ان کی...... یہ وجود زندگی کی اس سیاہ رات میں واحد روشنی کی کرن تھا۔ محبت کی واحد صورت۔ وفا اور قربانی کی واحد چھتر چھایا۔ ان کی ماں صرف ماں نہیں تھی...... ان کا سب کچھ تھی۔ کبھی کبھی تو ہادیہ کو لگا کرتا تھا کہ وہ زندگی میں اپنی ماں کے علاوہ کبھی کسی سے محبت ہی نہیں کر پائیں گی ان کی زندگی میں ہر خلاء ہر کمی ان کی ماں کے وجود سے پر ہو جاتی تھی۔

"بی بی...... بتاؤ ناں بیٹا کب سے ہے تکلیف۔" بڑی امی نے پیار سے اپنی اس بے حد بہادر بیٹی کی طرف دیکھا جس کی شفاف آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ خوف کی پرچھائیاں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

"امی جی کچھ دن سے ہے مگر آج بہت زیادہ ہے بالکل برداشت نہیں ہو رہا...... امی جی مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا لیکن میں ابھی مرنا نہیں چاہتی میری بچیاں امی جی...... ان کا میرے بعد کوئی وارث نہیں بنے گا۔" ماہین کی آنکھوں سے جھلکتا خوف زبان پر آگیا۔

"ارے پاگل کیسی باتیں کرتی ہو۔ کچھ نہیں ہوگا میری بیٹی کو۔ اپنی آنکھوں سے تم ان کی سب خوشیاں دیکھو گی اپنے ہاتھوں سے ان کو رخصت کرو گی ان کے سارے لاڈ

سارے چاؤ پورے کروگی۔ ہم کل ہی راولپنڈی سی ایم ایچ جائیں گے سارے ٹیسٹ کروائیں گے۔ بہت جلدی میری بچی بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔''

''ان شاءاللہ۔'' ہادیہ اور انیقہ نے یک زبان ہوکر کہا تھا۔ شام میں بڑی امی کا بھی شہباز سے کافی عرصے بعد رابطہ ہوا تھا انہوں نے ماہین کی بیماری کے متعلق اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔ اپنی بی بی کی تکلیف اور بیماری کا سن کروہ بھی بے چین ہواٹھا تھا۔

''امی جی...... بی بی کو فوراً کسی بہترین ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں اس کے علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔'' اس کا بس نہ چلتا تھا کہ خود اڑ کر پاکستان پہنچ جائے اور اپنی بہن کے سارے درد خود لے کر اسے بھلا چنگا کردے۔

بے حد گرمی کا موسم تھا اور بجلی کے بل کی عدم ادائیگی کے باعث میٹر کٹ چکا تھا۔ منجھلے اور بڑے چچا کی آپسی نا چاقی اور جھگڑے کے نتیجے میں تین ماہ بجلی کا بل پے ہی نہ ہوا تو ادارے والے میٹر سے تار کاٹ گئے تھے۔ ماہین اس قدر شدید تکلیف میں گرمی کو برداشت نہیں کر پارہی تھیں۔ بڑی امی انہیں اپنے گھر لے آئیں۔ وہیں سے اگلے دن انہیں راولپنڈی کے سی ایم ایچ کے ایک بہترین اور تجربہ کار سرجن اسد عالم سے چیک کروایا۔ ابتدائی ٹیسٹ ہوئے اور رپورٹ یہ آئی کہ ماہین کے سینے کے دائیں جانب ٹی بی کی Sist گلٹیاں تھیں جو اب خاصی بڑی ہوچکی ہے اور اب درد اور تکلیف کا باعث بن رہی ہے۔ سرجن نے فوری طور پر آپریشن کا مشورہ دیا تھا۔ ماہین جیسی سادہ مزاج خاتون آپریشن کے نام سے ہی گھبرا گئیں۔ لیکن پھر سرجن کے سمجھانے پر اور بڑی امی شہباز اور گھر کے باقی افراد کے حوصلہ دینے پر انہوں نے یہ آپریشن کروا ہی لیا۔

''ماما جانی...... میں نے آپ کے پاس سونا ہے۔'' انیقہ رات ہوتے ہی تکیہ لے کر ان کے قریب آن دھمکی۔

''ارے نہیں بیٹا...... تمہاری ماما ابھی ٹھیک نہیں ہیں ناں دیکھا آپریشن ہوا ہے ماما کا۔ آپ ان کے پاس سوگئیں تو انہیں چوٹ لگنے کا خطرہ بھی تو ہوسکتا ہے ناں۔'' بڑی امی نے اسے پیار سے پچکارا۔

''ٹھیک ہے پھر میں ماما کے پاؤں کی طرف سو جاتی ہوں۔'' بنا کوئی ضد کیے وہ مان گئی۔

''نہیں بیٹا...... ماما کی چارپائی پر ان کے سوا کوئی نہیں سوئے گا بس صرف کچھ دن۔ جب وہ ٹھیک ہوجائیں تب آپ ان کے ساتھ ہی سونا۔'' بڑی امی نے پیار سے اسے سرزنش کی جواب جماعت نہم کی اسٹوڈنٹ تھی لیکن ننھے بچوں کی طرح لاڈ کرتی تھی۔

رات کے کسی پہر ماہین کی آنکھ کھلی تو وہ حیران سی اٹھ بیٹھیں ان کے پیروں کی طرف بچھی چارپائی پر سوئی ہوئی ہادیہ اور انیقہ نے ان کے ایک ایک پاؤں کو جکڑ رکھا تھا۔ یوں جیسے ان کے کہیں دور چلے جانے کا ڈر ہو۔ ماہین کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کہیں نہیں جاتی میرا بچہ...... تم دونوں کو چھوڑ کر کہیں جاسکتی ہے تمہاری ماں بھلا۔ اس کے جینے کا واحد سہارا تو تم ہو۔ تمہارے مسکراتے چہروں کو دیکھ کر زندگی گزار رہی ہوں میں ورنہ تو اس زندگی میں کچھ بھی نہیں میرے لیے۔'' ہادیہ کی نیم خوابیدہ آنکھوں اور انیقہ کے معصومیت بھرے بھولے گلابی گالوں کی شفق میں ہر درد جیسے تحلیل ہوگیا۔

''میری ممتا کی ڈھارس ہو تم اور میری تکمیل کی وجہ بھی۔ میری ذات کے وہ حصے ہو تم دونوں جن سے میں کبھی صرف نظر نہیں کرسکتی۔ میرے وجود کے ایسے قیمتی ٹکڑے ہو جو بے شک مجھ سے الگ ایک وجود رکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود اگر دکھائی نہ دو تو لگتا ہے میں نامکمل ہوں ادھوری نیم جان۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں دل ہی دل میں اپنی بیٹیوں سے مخاطب تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

اس بار جس سرزمین پر اس کے مسافتوں کی دھول سے اٹے قدم آ کر رکے تھے وہاں اس کا کوئی مہربان تھا نہ

آشنا۔ محبت اس کے زخمی ہاتھوں سے اپنا دامن چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی تھی اور وہ خود کسی گھائل پنچھی کی طرح جاں بلب چک پھیریاں کھاتا ایک انجان سرزمین پر آ پڑا تھا۔ آنے کا طریقہ بھی حسب معمول وہی تھا جو جرمنی آتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ یعنی غیر قانونی طور پر بلجیئم کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد اس کی پہلی منزل دارالخلافہ کا بالکل قریبی شہر کیورغیم ٹھہری تھی۔ اس شہر اس جگہ کا تو اس نے نام تک نہیں سنا تھا۔ اور یہ شہر کوئی مضافاتی علاقہ دکھائی دے رہا تھا جہاں پرانی طرز کے گھر بنے ہوئے تھے اسے بلجیئم میں داخل ہوتے ہی اس کے ایک ساتھی مسافر نے اسے بتایا تھا۔

''کیورغیم بلجیئم کے اندر داخل ہونے کا سب سے آسان راستہ ہے۔ یہاں زیادہ تر مسلین کمیونٹی آباد ہے لیکن یہاں بہت سے گروپ آباد ہیں جو مسلین کہلاتے ہیں ہر قوم سے وابستہ غریب لوگوں کے لیے جائے پناہ ہے یہ شہر۔ اگرچہ بلجیئم کی حکومت اس طرف بے حد کم توجہ دے رہی ہے اور اس کے لیے یہاں کے مقامی لوگ کچھ خاص اہمیت کے حامل نہیں پھر بھی یہ علاقہ مکمل طور پر سرگرم ہے یہ سرگرمیاں مثبت کم اور منفی زیادہ ہیں۔ یہاں پچاس فیصد سے زیادہ لوگ بے روزگار ہیں اسی لیے بلجیئم جیسا ملک جہاں سب سے کم کرائم ریٹ ہے کیورغیم کے رہنے والوں میں بڑی تعداد کرمنلز کی ہے۔

شہباز کے لیے ایسے کسی علاقے سے شروعات کرنا بالکل بھی مناسب نہیں تھا لیکن وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے وسائل اسے کسی بہتر جگہ رہائش کی کسی طور پر اجازت نہیں دیتے اور اسے سر چھپانے کے لیے کہیں نہ کہیں تو جگہ درکار تھی ناں۔ تو پھر کیا تھا جو وہ یہاں رہ لیتا۔ انسان خود اگر کچھ غلط نہ کرے تو یقیناً اس کے ساتھ غلط نہیں ہوتا۔ اب تک کی زندگی میں وہ اسی یقین کو اپنے ہمراہ لے کر چلا تھا۔ ایک مناسب درجے کے ہوٹل میں کمرہ لے کر اسے قدرے تسلی ہوئی۔ اگرچہ وہ الیگل ہی تھا لیکن چونکہ کیورغیم میں زیادہ تر لوگ اسی طرح کے ہوتے ہیں تو یہاں کمرہ لینے میں اسے کچھ خاص دشواری نہیں ہوئی تھی۔ ہوٹل کے کاؤنٹر بوائے نے کمرے کی چابی اسے تھماتے ہوئے اپنے سامان کی خود حفاظت کریں بھی کہہ دیا تھا۔ اس کا سامان ہی کیا تھا ایک سوٹ کیس اور ایک شولڈر بیگ۔ وہ کمرے میں آیا۔ عجیب سی سیلن زدہ بو نے اس کا استقبال کیا اسے جرمنی کے کیسینو کی یاد آ گئی۔ بستر اور کمبل سے اٹھنے والے شراب کی بدبو کے بھبکوں نے اس کا جی متلا دیا۔

''وان بیلیے ہوٹل۔'' نام بڑا اور درشن چھوٹے۔ کمرے کے دروازے کو لاک کر کے اس نے الماری میں اپنا بیگ رکھا۔ سو فرانک میں یہ کمرہ خاصا مہنگا تھا۔ اسے یہاں کی ایک ایک چیز استعمال کرتے ہوئے عجیب سی کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے میں بنی کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی وہ ادھر آ کھڑا ہوا۔ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ یہ علاقہ کس طرح کا ہے۔ ہوٹل غریب اور خطرناک ہمسایوں کے بالکل درمیان میں واقع تھا۔ جس گلی میں تھا وہ گلی کچرے اور گندگی سے بھری ہوئی تھی۔ شراب کی بوتلیں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ اور انہیں پینے والوں کی کثیر تعداد بھی اسی طرح ادھر ادھر پاؤں پسارے پڑی تھیں۔ ہوٹل کی انٹرنس پر بے گھر بے در لوگوں کے اجتماع کو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا ایسی صورت میں یقینی طور پر رات کے وقت باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ بہرحال جو بھی تھا اس نے اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لیے ابھی سے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اپنی جیب میں موجود چند سو فرانگ ریزگاری سے زیادہ لگ رہے تھے اسے۔ یہ اس کی اولین ضرورت تھی کہ اسے کوئی مناسب کام فوری طور پر مل جاتا ورنہ تین سے چار دن اور ہوٹل سے نکل جانے کی صورت میں اس کے پاس ایک پیسہ نہیں بچنا تھا۔ اور نگی شوالڈ کی طرح بن کترنے کے لیے بھی اسے بھیک مانگنی پڑ جاتی۔

وہ مزدور نہیں تھا نہ جلدی مایوس ہوتا تھا لیکن اس بار جانے کیوں اس کا دل بے حد تکلیف میں تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ زمین ایک بہت بڑے سمندر میں بدل گئی

ہے اور اس کے تلاطم میں اس کا وجود اپنے آپ کو بچانے کی تگ ودو میں نیم جاں ہوتا جارہا ہے۔ وہ کس راستے کو اختیار کرے۔ کس طرف جائے۔ ایسا کیا کرے کے اس کے مسائل ختم ہوجائیں اور خود اس کے گھر والے کچھ بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہوسکیں۔ اسے ڈوبنا نہیں ہے اسے پار لگنا ہے۔ زندگی کا سمندر جتنا تلاطم خیز ہو جس قدر پر اذیت ہو اس کے بازو جتنے شل ہوجائیں اپنی ہمت کو قوت دینی ہے۔ اسے شکست نہیں ماننی۔ آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں عہد کیا اور جیسے پُرسکون ہوگیا۔

اگلے دن صبح ہی صبح ناشتے کے نام پر بدمزہ سی چائے اور دو سلائس حلق سے نیچے اتار کر وہ اپنا شولڈر بیگ کندھے سے لٹکائے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ رات والی صورت حال ابھی قدرے بہتر تھی۔ ڈرنکرز ہوش میں آنے کے بعد تر بتر ہوچکے تھے البتہ گندگی وغلاظت کا حال وہی تھی روشنی میں اس علاقے کو دیکھ کر اسے کراچی کے مضافاتی علاقوں کی یاد آگئی جہاں نہ پراپر ہاؤسنگ تھی اور نہ ہی کوئی ترتیب و تزئین۔ یوں لگتا تھا اس ملک کی حکومت نے اس ایریا پر کبھی توجہ دینے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ یورپ کے جاہلانہ دور کی یاد تازہ کررہا تھا یہ علاقہ۔

"ہے برو...... کہاں جارہے ہو......" کندھے پر ہاتھ مار کر کسی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"نو ویئر......" شہباز نے مختصر سا جواب دے کر آگے بڑھا۔

"دس از نوٹ آ رویری ویل کمنگ اسٹیٹ منٹ از اٹ؟"

"آئی تھینک اٹ از بیٹر فار می ٹو گو فرام ہیئر۔"

"ہائے ڈیئر آئی ایم نوٹ اسنگ آئی آلسو کیم فرام پولینڈ می جیک۔" اس نے قدرے دوستانہ انداز میں ہاتھ بڑھایا تو شہباز نے بھی مجبوراً اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"یور انگلش مسٹ بی اے ہیک آف لوٹ بیٹر دین مائین۔" شہباز کے کہنے پر جیک ہنس دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اتنی انگلش بہرحال آتی ہے کہ میری بات سمجھ سکو۔ اور مجھے جواب دے سکو اور اتنی ہی انگلش کی ضرورت بھی ہے۔ کیا میں تمہارے گڈ نیم جان سکتا ہوں؟"

"شہباز......" وہ ابھی بھی مختصر جواب دے رہا تھا۔ اور جلد سے جلد اس زبردستی کے دوست سے الگ ہوکر اپنی تلاش میں نکلنا چاہ رہا تھا جب کہ جیک نام کا کمبل اس سے بہت سختی سے آن پٹا تھا۔

"آر یو مسلم؟" وہ اس کے تیز قدموں کے ساتھ قدم ملا کر چل رہا تھا۔

"یس...... اینڈ یو؟" شہباز نے ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا اور اپنی رفتار کچھ کم کرتے ہوئے بولا۔ ممکن تھا کہ یہ شخص کسی بھی حوالے سے اس کے کام آجاتا۔

"آئی ایم جیو (یہودی) میں یہاں کافی عرصے سے ہوں کیا تمہیں پتہ ہے کہ کپور غیم اربن وار زون کہلاتا ہے۔"

"نہیں یہ تو نہیں پتہ کہ یہ وار زون ہے یا نہیں۔ البتہ اس کے ماحول اور بظاہر دکھائی دینے والی سچوئیشن سے یہ کسی بھی طرح ایک مہذب ملک کا تہذیب یافتہ شہر دکھائی نہیں دیتا۔"

"یہاں کی زیادہ تر آبادی ملک سے باہر سے آتی ہے۔ اس علاقے میں اکثر جوانوں کے درمیان خاصا تشدد کا رجحان پایا جاتا ہے۔ تشدد پسندی پر مائل یہ ہجوم کپور غیم کو بہت منفی تاثر دے رہے ہیں۔"

"جیک کیا گورنمنٹ اس سلسلے میں کوئی اقدامات کررہی ہے تو کرائمز کو خود زیادہ بڑھانے والی بات ہے۔ ظاہر ہے یہاں بے روزگاروں کا ہجوم ہوگا تو انہیں کرنے کے لیے کچھ تو چاہئے۔ پوزیٹو نہ سہی نیگیٹو ہی سہی۔"

"بروسلز کس لیے باہر سے آنے والوں کو تاوان ادا کرے۔ وہ کبھی قوانین کا دھیان کرتے ہیں اور کبھی نہ کرنے کی صورت میں قید یا ملک سے باہر نکال دیئے جانے جیسے حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ صنعتی بحران کی

وجہ سے ہر ایک تکلیف اٹھا رہا ہے لیکن ایک جرم کی طرف مائل نہیں ہو جاتا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تمہارے لیے یہاں بہت سے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ آیز اے مسلم یہ کمیونیٹز تمہیں برداشت نہیں کریں گے۔" جیک خاصا دوستانہ انداز میں اس سے بولا۔ شہباز کو خود بھی لگ رہا تھا کہ یہ علاقہ زیادہ دیر تک اسے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہوگا۔

"ہاں میرا خیال ہے تم درست کہہ رہے ہو۔"

"اس کی نسبت تم اگر بروسلز مین سٹی میں چلے جاؤ تو شاید زیادہ بہتر سروائیو کر پاؤ گے۔"

"ہاں میں بھی کل سے یہی سوچ رہا ہوں۔" شہباز ایک پول کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا تھک گئے؟"

"نہیں تھکا تو نہیں لیکن مسلسل چلنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ اس لیے رک گیا۔ رک کر کچھ بہتر سوچا جا سکتا ہے۔" شہباز کی بات پر جیک مسکرا دیا۔ ابھی ڈھنگ سے رکا بھی نہ تھا کہ کوئی بجلی کی تیزی سے شہباز سے آن ٹکرایا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا شہباز کے کندھے سے شولڈر بیگ گھسیٹ کر آنے والا اتنی سرعت سے نکل بھاگا تھا وہ ایک نیگرو تھا جو شاید اسٹریٹ کرائمز میں ایکسپرٹ تھا۔ اس نے ان دونوں کو تھک کر رکتے دیکھ لیا تھا اور یقیناً اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ وہ اس کا پیچھا نہیں کر پائیں گے۔

لیکن اس کی توقع کے برخلاف جیک اور شہباز بھی پوری رفتار سے اس کے ساتھ اس کے پیچھے بھاگ پڑے۔ وہ نیگرو کئی انٹرکٹنگ اسٹریٹ میں سے گزر رہا تھا اور شہباز اور جیک بھی اس کے ساتھ ساتھ اسی طرف مختلف جگہوں میں سے بھاگتے ہوئے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ اسے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے سکتے تھے کیونکہ اس شولڈر بیگ میں اگر صرف پیسے ہوتے تو شاید شہباز پھر بھی ان کو جانے دیتا لیکن اس کے تمام ضروری کاغذات' گھر والوں کی تصویریں اور اس کی پرسنل ڈائری سبھی کچھ اس بیگ کے اندر تھا۔ کافی بھاگنے کے بعد نیگرو کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے اسے اس طرح نہیں جانے دیں گے تو وہ پوری طرح تیار ہو کر ان کی طرف پلٹا۔ اس کے ہاتھ میں تیز دھار خنجر دیکھ کر شہباز اور جیک کے بڑھتے قدم ٹھٹک گئے۔

"مجھے جانے دو۔" اس کے حلق سے عجیب سرسراتی آواز برآمد ہوئی۔

"اور دوسری صورت میں......؟" شہباز اس کی بات سن کر بھی آگے بڑھا تو جیک حیران سا رہ گیا۔

"دیکھو ہم نہتے ہیں خالی ہاتھ اور اس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ یقیناً یہ خنجر چلانے کے گر سے بھی واقف ہوگا۔"

"ہاں......مگر جو بھی ہو مجھے اپنا بیگ واپس چاہیے ہر صورت میں' گف می مائی بیگ۔"

"نو......" وہ پوری طرح حملے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ شہباز نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ نیگرو اس کے اندازے سے زیادہ طاقتور اور پھرتیلا تھا۔ وہ نہ صرف اس کے قابو سے نکل گیا تھا بلکہ اپنے ہاتھ میں پکڑے خنجر سے اس نے ان دیکھا وار بھی کر ڈالا تھا۔

شہباز کے بائیں کان کے پیچھے سے اس کے سینے تک چھ یا سات انچ لمبا گہرا کٹ لگا۔ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ شہباز دونوں ہاتھوں سے اپنے زخم کو دباتا تکلیف سے دہرا ہو گیا۔ نیگرو نے ایک منٹ ضائع کیے بغیر گلی کی دوسری طرف جست لگائی اور بجلی کی سی سرعت سے بھاگ گیا۔

جیک نے جلدی سے آگے بڑھ کر شہباز کو سہارا دیا۔ یہ شکر تھا کہ وہ قریبی اسپتال کا پتہ جانتا تھا۔ جلدی سے ٹیکسی روک کر اس نے شہباز کو اس میں ڈالا اور ڈرائیور کو اسپتال چلنے کو کہا۔ پھر جانے کس طرح اس نے ڈاکٹر کو مطمئن کیا کہ وہاں پولیس کا ہنگامہ نہ ہوا اور شہباز کے زخم پر ٹانکے لگا دیئے گئے۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کی رنگت زردی مائل ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اگر ایک انچ مزید گہرا کٹ لگ جاتا تو شہباز کی موت یقینی تھی کیونکہ شہ رگ سے کچھ فاصلے پر لگنے والا یہ کٹ اس کی موت کا

پیامبر بھی بن سکتا تھا۔ اس تمام وقت میں جبکہ اس کا دم ساز بنا رہا تھا۔ اسے بڑی امی کی کہی بات یاد آ گئی۔

"گل بیٹا یہ عیسائی، یہودی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ یہ ہمارے دشمن ہیں اور رہیں گے۔"

آج ایک یہودی نے اگر وقت پر اس کی مدد نہ کی ہوتی تو اسے اپنے اور اپنے سارے خاندان کے خوابوں سمیت زمین برد ہو چکا ہوتا۔ وہ مانتا تھا سب سے بڑا مذہب انسانیت ہے۔ انسانیت کسی ایک قوم کی میراث نہیں یہ تو اندر سے پھوٹتی ہے رحم دلوں کے سینوں میں جنم لیتی ہے پھر خواہ کوئی کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اچھائی کرنا' اچھائی بانٹنا جانتا ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀

عارف علی ٹھیک ہو کر آ گیا اور آتے ہی اس نے ساجھے کاروبار میں سے اپنا حصہ الگ کرنے کا مطالبہ کر دیا یہ سب اس نے منجھلے چچا کے ساتھ کافی دیر کی گفتگو کے بعد کیا تھا منجھلے چچا اور بڑے چچا کے درمیان ایک عرصے سے سرد جنگ جاری تھی جو اب کاروبار کے حصے بخرے کرنے پر اختتام پذیر ہونے جا رہی تھی اور اس میں بھائی والی کے لیے انہوں نے عارف علی کو سبز باغ دکھانا شروع کر دیے عارف علی جو اب بالکل صحت مند ہو چکا تھا خود بھی کچھ کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ الگ سے اپنا کوئی کاروبار کیا جائے ماہین اس حق میں نہیں تھیں عارف علی کے ساتھ گزارے پندرہ سولہ سال میں اتنا تو سمجھ گئی تھیں کہ کبھی بھی بدلنے والا انسان نہیں تھا، جلد یا بدیر اس نے پھر سے اپنی روٹین میں واپس چلے جانا تھا اور ایک بار کاروبار الگ کر لینے کے بعد انہیں پھر اس گھر سے کوئی مدد ملنے والی نہیں تھی لیکن حسب معمول ماہین کی کسی بھی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عارف علی نے چلتے کاروبار سے اپنا حصہ الگ کر کے منجھلے چچا کے ساتھ کام شروع کر دیا منجھلے چچا نے ایک جنرل اسٹور کھول کر اپنے ہی رشتے کے ایک بھتیجے کو وہاں بٹھا دیا، سبزی کی ایک دکان کھول کو عارف علی کے حوالے کر دی اور خود اپنی اسی پرانی روٹین کے مطابق زیادہ تر فارغ گھومنے پھرنے میں یا پھر دوستوں کی محفلوں میں اپنا وقت بتانے لگے ان دنوں عارف علی کے دل میں شاید پہلی بار اپنے گھر کا احساس بھی جاگ گیا تھا ہادیہ اور انیقہ کو اپنے ساتھ بازار لے جا کر ان کے کمرے کے لیے ان کی پسند کا فرنیچر بیڈ سیٹ، پردے، ٹیلی ویژن بمع ٹرالی، خرید کر لایا ہادیہ کو اچھے کالج میں ایڈمیشن دلایا، چند ماہ بہت خوشگوار گزرے۔ اچھا کھانا، پینا، پہننا اوڑھنا کیا نصیب ہوا کہ دنوں میں ہادیہ اور انیقہ بے حد نکھر گئیں، گھر میں ملنے والی سہولتوں نے کسی حد تک ان کے اندر سے احساس کمتری کو باہر نکال پھینکا تھا ماہین کے خدشات تو اپنی جگہ تھے لیکن پھر بھی ان خوشگوار تبدیلیوں پر خوش تھیں، آہستہ آہستہ اسی طرح کے خرچوں کی وجہ سے عارف علی کی دکان میں گھاٹا ہونا شروع ہو گیا انہی دنوں اس کے پرانے دوستوں کا اس کی دکان پر آنا جانا شروع ہوا پرانی محفلیں کیا جمیں کہ ساتھ ہی پرانی عادات بھی عود کر آ گئیں اب یہ ہوتا کہ دکان تو کھلی ہوتی مگر عارف علی غائب چند ہی دنوں میں دکان خالی ہو گئی دکان بند کر کے چابی مالک کے حوالے کر دی گئی منجھلے چچا تو پہلے ہی کام کرنے کی عادی نہ تھے جنرل اسٹور پر رکھا لاکھوں کا سامان رشتے کے بھتیجے کے پیٹ میں گیا محض ایک ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں دونوں گھرانوں کو کھانے کے لالے پڑ گئے ماہین کے خدشات پوری بدصورتی کے ساتھ حقیقت بن چکے تھے عارف علی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اپنے گھر آنے جانے والوں، اپنے بھانجوں، بھتیجوں تک سے بیس تیس روپے مانگنے کی نوبت پر آ گیا منجھلے چچا جو گھنٹہ گھنٹہ ان کے پورشن میں آ کر عارف علی اور ماہین کے ساتھ مستقبل کے کاروبار اور شاندار منافعوں کی باتیں کرتے تھے انہوں نے ڈیوڑھی میں سے گزرتے ہوئے منہ بھی دوسری طرف کر لیا کہ کہیں ماہین یا بچوں میں سے کوئی کچھ مانگ نہ لے ماہین جیسی خوددار عورت کا دل خون ہو جاتا جب کبھی ماں کے گھر جا کر انہیں کسی چیز کے لیے دست سوال دراز کرنا پڑتا اندر ہی اندر ان کی عزت نفس اپنی موت آپ مر جاتی

لیکن وہ بھی کیا کرتیں کہاں جاتیں اور کس سے کہتیں ماں کے کیے فیصلے کو بھگت رہی تھیں وہ اور ان کی بیٹیاں جو ایک دو سال میں بیاہے جانے کے قابل ہو جاتی تھیں اور جن کے لیے انہوں نے ابھی تک کچھ بھی جمع نہ کیا تھا جس کاروبار اور حق کی خاطر وہ آج تک اذیتیں سہتی آئی تھیں عارف علی اور اس کے چھوٹے بھائی کی ناعاقبت اندیشی کے باعث اب وہ بھی ختم ہو چکا تھا، انہی دنوں عید آ گئی رمضان سے ایک دو دن پہلے بڑی امی نے دو ہزار ماہین کے ہاتھ پر دھر دیے کے رمضان کا سودا منگوا لینا کیونکہ ماہین اور ہادیہ انیقہ تینوں صوم وصلواۃ کی پابند تھیں، ماہین گھر واپسی پر کافی کچھ لائیں۔ ہادیہ انیقہ نے خوشگوار حیرت سے ساری چیزوں کو دیکھا کیونکہ کافی دنوں کے بعد گھر میں اس طرح کی کھانے پینے کی چیزیں آئی تھیں۔

"ہادی...... یہ پانچ سو روپے سنبھال بعد میں کسی ضرورت میں کام آ جائیں گے۔" ماہین کی یہ بات کمرے میں داخل ہوتے عارف نے سن لی تو تیزی سے آگے بڑھ کر وہ پانچ سو کا نوٹ ہادیہ کے ہاتھ سے ہی اچک لیا۔

"کافی ہے جو کچھ لے آئی ہو، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں یہ پیسے مجھے چاہیے میں نے دینے ہیں کسی کو۔" عارف علی کمرے سے نکل گیا اور ماہین خاموش سی بیٹھی رہ گئیں بہت اچھی طرح جانتی تھیں وہ کہ اس نے کس کو دینے ہیں یہ پیسے لیکن کسی قسم کا جھگڑا نہیں چاہتی تھیں سو خاموش ہو رہیں، ندرت ان دنوں اپنے شہر سے کپڑے خرید کر لائی تھی اور بھابیوں پر تھوڑے منافع کے ساتھ بیچ دیا کرتی تھی، ماہین کا ارادہ تھا کہ بچیوں کے لیے عید کے کپڑے اسی طرح بنا لیں گی لیکن اب ان پیسوں کے چلے جانے کا دکھ سوا ہو گیا یہ نہیں تھا کہ پانچ سو بہت بڑی رقم ہے لیکن افسوس یہ تھا کہ وہ جس راستے پر جانے تھے وہ قطعی درست نہ تھا شوہر اگر حقیقی معنوں میں زندگی کا ساتھی بنے تو عورت اپنی کھال کے جوتے بھی اسے پہنا دیتی ہے اپنا وجود بوٹی بوٹی کر کے اسے کھلا دے تو بھی ہرج نہیں سمجھتی سب کچھ کھو کر بھی اسے ایسا ہی لگتا ہے کہ اگر سر کا سائیں ساتھ ہے تو پھر اس نے کچھ نہیں کھویا لیکن اگر شوہر محض بوٹیاں نوچنے والا گدھ بن جائے تو ایسے میں عورت کتنا اور کہاں تک صبر کرے، کوئی نہ کوئی حد تو ہوتی ہوگی ناں صبر و برداشت کی ماہین سب کچھ خاموشی سے سہے جا رہی تھیں، عید سے پانچ چھ دن پہلے شہباز کا فون آ گیا۔

"بی بی...... کیسی ہیں آپ رمضان کیسا گزر رہا ہے امی جی نے پیسے بھجوا دیے تھے ناں آپ کو۔"

"ہاں گل سب خیر خیریت ہے الحمدللہ بہت اچھے دن گزر رہے ہیں تم اپنی سناؤ تم ٹھیک ہو ناں۔" جان سے پیارے اور سچے ہمدرد بھائی کی آواز سن کر ماہین کا سینہ جیسے چھلنی ہو رہا تھا پلکوں پر بار بار نمی کے قطرے آن ٹھہرے جنہیں وہ بے دردی سے آنکھیں میچ کر باہر نکلنے سے روک دیتیں وہ رو کر اپنے ماں جائے کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں جو پہلے ہی پردیس کی صعوبتوں کو جھیل رہا تھا ان سب کی خاطر ان کے سکھوں اور خوشیوں کی خاطر اسے کیا خبر کہ وہ وہاں اذیت میں تھا اور یہ سب یہاں تکلیف کی نوعیت الگ تھی مگر کیفیت ایک ہی تھی۔

"جی بی بی...... امی جی اور آپ کی دعاؤں سے بہت اچھا کام مل گیا ہے معقول آمدنی ہے میں نے عید کے لیے پیسے بھجوا دیے ہیں امی جی کے پاس ہیں ان سے پانچ ہزار لے لیجیے گا۔ اپنے لیے اور بچیوں کے لیے اچھے سے کپڑے اور جوتے خرید لیجیے گا عید کی تیاریوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی ہے ورنہ پھر آپ کا بھائی آپ سے ناراض ہو جائے گا۔"

"گل یہ ٹھیک نہیں ہے میری جان، تم وہاں کس قدر مشقت کر کے کما رہے ہو، میں جانتی ہوں ایسے میں ناگزیر ضرورتوں کو پورا کیا کرو اپنا مستقبل بناؤ یہاں تو جس طرح بھی ہو گزارہ ہو ہی رہا ہے کم سے کم چار اپنے بیٹھے ہیں ایک دوسرے کا درد بانٹنے کو دل کی کہنے سننے کو وہاں پردیس میں کون ہے تمہارا جو دھیان رکھتا ہوگا تمہارے پاس جتنا ہوتا ہے بانٹ کر دم لیتے ہو۔" ماہین کے لہجے میں پیار اور مان بھری سرزنش تھی کیونکہ وہ دنیا کا چلن جانتی

تھیں یہاں رشتوں کی نہیں دولت کی اہمیت ہے اپنا غریب ہے تو اسے پہچاننے سے بھی انکار کردیا جاتا ہے۔

"ارے بی بی آپ بھی کمال کرتی ہیں انسان آخر کماتا کس لیے ہے میں یہاں نوٹ بنانے کی مشین اس لیے بنا ہوا ہوں تاکہ آپ سب سکون سے زندگی جی سکیں اس لیے نہیں کہ جو کماؤں قارون کی طرح محفوظ کرتا جاؤں زندگی کے یہی چار دن ہیں بی بی جب خواہشات دل میں جیتی اور سانسیں لیتی ہیں بڑھاپے میں سب کچھ ہونے کا بھی کیا فائدہ بھلا۔" شہباز نے ماہین کی نصیحت کو اِدھر اُدھر کردیا ہنسی میں اڑا دیا ماہین نے بھی زیادہ سمجھانا مناسب نہ خیال کرتے ہوئے ٹاپک چینج کردیا کچھ دیر حال احوال کرنے کے بعد فون بند کر کے ماہین اپنے کام میں لگ گئیں اگلے دن ساجی ماموں چپکے سے آکر ماہین کو پیسے دے کر چلے گئے اور ماہین نے بھی یہی بہتر خیال کیا کہ بچوں کی ضروری چیزیں خرید کر لے آئیں دونوں بیٹیوں کو بازار لے جا کر ان کی مرضی کے کپڑے اور جوتے خرید کردیے میچنگ جیولری، چوڑیاں، مہندی کچھ گھر کی ضرورت کی چیزیں لا کر سنبھال کر رکھ دیں وہ ایسی ہی تھیں سلیقہ مند اور کفایت شعار، فضول خرچی اور عیاشی ان کی فطرت میں تھی ہی نہیں اور نہ ہی زیادہ باتیں کرتی تھیں شام میں جب سب دیورانیاں اور جٹھانی کے ساتھ محفل جمتی تو وہ بس بہترین سامع کی طرح ہر ایک کی بات سنے جاتیں کبھی دھیمے سے مسکرا دیا کرتیں اور کبھی بیچ میں ایک آدھ بات کردیتیں اگر ضروری خیال کرتیں ہر ایک کا راز ہر ایک کے دل کی بات سن کر اسے اپنے دل میں سمو لینا کبھی کسی کی بے بسی اور مجبوری کا اشتہار نہیں بناتی تھیں۔ ہر بار کی طرح اس عید پر بھی انہوں نے سویوں کی بجائے گاجر کا حلوہ اور گلاب جامن بنائے تھے کیونکہ ہادیہ اور انیقہ کو سویاں پسند نہیں تھیں اور ماہین اپنی بیٹیوں کی خواہش اور پسند کا تو ہر طرح دھیان کرتی تھیں وہ ایک ایسی ماں تھیں جو اولاد کے لیے کسی بھی امتحان سے گزرنے کو تیار رہتی ہے جو ہر درد سہتی ہے کہ بدلے میں ہماری اولاد کو خوشی ملے

نظم

آخری بار جو آؤ
تو اسی رنگ کے کپڑے پہنو
اور اسی ڈھنگ سے دیکھو مجھ کو
جس میں امیدیں تھیں چاؤ تھے
محبت کے جہاں بستے تھے
آخری بار جو آؤ وہی تحفہ لاؤ
وہ جو اس پہلی ملاقات پر تم لائی تھی
اپنی چاہت کا مہکتا نرم ہونٹوں کا دہکتا تحفہ
آخری بار کچھ اس طرح سے ملنے آؤ
کہ کہیں آنکھ میں لب پر کوئی ویرانی نہ ہو
میں بھی ویسے ہی ملوں گا انہی جذبوں کو لیے
جن سے اس دل کے کبھی بند حسن تھے
جو کبھی مجھ میں بہت روشن تھے
جھیل کے آخری کنارے پر
وہ جہاں شام ڈوب جاتی ہے
آخری بار جو مل کر مجھے واپس لوٹو
تو کچھ اس طرح سے لوٹو جاناں
کتنی ہی صدیوں کے جذبات میں آباد رہے
مرتے دم تک یہ ملاقات ہمیں یاد رہے

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: ثناء اعجاز قریشی...... ساہیوال

ہادیہ فروٹ چاٹ اور دہی پھلکیاں بنانے میں ایکسپرٹ تھی سو وہ بھی ماہین کے ہمراہ کچن میں مصروف تھی سب چچا عید کی نماز کے لیے گئے ہوئے تھے اور عارف علی حسب معمول اپنی ڈوز لے کر سویا پڑا تھا جب ہادیہ اور انیقہ کے مشترکہ کمرے میں بڑی چچی داخل ہوئیں نک سک سے تیار قدرے تنی ہوئی گردن کے ساتھ ہادیہ، انیقہ ابھی تک کام سے فارغ نہ ہوئی تھیں سو تیار بھی نہیں تھیں بڑی چچی نے عجیب ترحم بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ماہین بھابی بچیاں ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئیں؟"

"وہ بس کام میں مصروف تھیں ابھی کچھ دیر میں فارغ ہوکر تیار ہوجائیں گی۔" ماہین نے بھی مصروف انداز میں رواروی میں جواب دیا۔

"ماہین بھابی آپ برا نہ مانیے گا خیرات اور زکواۃ پر اپنوں کا پہلا حق ہوتا ہے اس لیے فہدی کے ابو نے کہا کہ اس دفعہ کا فطرانہ آپ کو دے دیا جائے آپ ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوں انہوں نے محض آپ کے گھر کے حالات کو دیکھ کر یہ پیسے بھجوائے ہیں۔" بڑی چچی نے بظاہر بڑے ہمدردانہ انداز میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے چار سو روپے ماہین کی طرف بڑھائے، ماہین مارے حیرت وافسوس کے چپ بیٹھی ان کی طرف دیکھے گئیں ہادیہ کی اگرچہ ان کی طرف پشت تھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت اچھی طرح سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت اس کی ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اپنی ماں کے دل میں اٹھنے والے بے بسی اور بے کسی کے درد کا احساس کرکے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اول خویش بعد درویش ہوتا ہے ماہین بھابی چلیں گھر میں کچھ اچھا منگوا کر پکا لیجیے گا۔" وہ ان کی سوچوں سے بے نیاز اپنی ہی دھن میں بولے جارہی تھیں۔

"چچی...... گاجر کا حلوہ، گلاب جامن، فروٹ چاٹ، دہی پھلکیاں، روسٹ، بریانی، کولڈ ڈرنکس یہ سب تو اس وقت موجود ہیں مزید کیا اچھا ہوسکتا ہے وہ آپ بتادیں۔" انیقہ سے زیادہ دیر تک ان کی لن ترانیاں برداشت نہیں ہو پائیں ویسے بھی جب سے وہ بڑی ہوئی تھی خاندان بھر میں بدتمیز، گز بھر زبان والی، سفید دیدوں والی اور اسی طرح کے تلخ ناموں اور القابات سے یاد کی جاتی تھی۔ ہادیہ دبو اور بزدل، مروت اور لحاظ میں مسلسل اپنا استحصال کروانے والی لڑکی تھی اور انیقہ کو دوسروں کو آئینہ دکھانے والی سچ منہ پر بول کر بری بن جانے والی ایک خالص لڑکی کہا جاتا ہے ناں کہ خوف اور ڈر انسان پر دو طرح کے اثرات مرتب کرتا ہے یا تو انسان کی خوداعتمادی چھین کر اسے بے حد کمزور دل، حساس اور اپنے خول میں بند رہنے والا بنا دیتا ہے یا پھر یہی خوف حد سوا ہوجانے کے بعد بے باک، دلیر اور نڈر بنا دیتا ہے۔ ایسا شخص اندر سے چاہے جتنا بھی ڈرا ہوا ہو لیکن بظاہر خود کو بے حد مضبوط اور سخت دل ظاہر کرتا ہے اور یہی ہوا تھا ہادیہ کے خوف نے اسے بزدل کم ہمت اور سنجیدہ بنا دیا تھا اور انیقہ کے خوف نے نڈر اور بے باک وہ کسی پر کبھی بھی ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی کہ اس کا دل کس قدر زخمی سہمے ہوئے بچے کی طرح روتا بلکتا ہے اور ہادیہ جھٹ سے رونے لگ جایا کرتی، ابھی بھی یہی ہوا تھا ہادیہ رونے لگی جبکہ انیقہ بڑی چچی کے سامنے تن گئی۔

"ارے بھئی میں تو بس مدد کے خیال سے آگئی تبھی......"

"چچی، آپ یہ پیسے اپنی چھوٹی بہن کو بجھوا دیتیں ناں اس کے بھی تو ماں باپ نہیں ہیں کون خیال کرے گا اس کا اگر آپ لوگ نہیں کریں گے تو کیا وہ خویش کے دائرے میں نہیں آتیں۔" انیقہ کی بڑی بڑی آنکھیں دلیری سے بڑی چچی کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو ملاحظہ کررہی تھیں۔

"ہمارا تو جیسا بھی ہے باپ زندہ سلامت ہے خدا ہماری ماں کو ہماری عمر بھی لگادے جب تک وہ زندہ ہیں ہمیں کبھی کوئی کمی نہیں آنے دیں گی۔ یہ فطرانے کی رقم آپ کسی ضرورت مند کو دیں جو واقعی اس کا حق دار ہو ہم پر یہ حلال نہیں ہے۔" انیقہ نے جتانے والے انداز میں ماہین کے نیم مردہ ہاتھوں میں سے وہ نوٹ اٹھا کر چچی کو تھما دیے۔

"اور ہاں چچا اگر چاہتے تو یہی احسان عیدی کے پردے میں بھی ہم پر کرسکتے تھے شاید اس طرح ہماری ماں کو وہ تکلیف نہ ہوتی جواب ہوئی بہرحال عید مبارک، بہت بہت اور میٹھا کھا کر جائیے گا۔" کمال تحمل اور دلیری سے کہہ کر وہ ہادیہ کی مدد میں لگ گئی، ماہین کی نم آنکھوں میں ہلکورے لیتے افسوس اور ان کے ایک دوسرے میں پیوست لبوں کی لرزش اور خاموشی نے انیقہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اس وقت ضبط کے کس مقام پر ہیں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا بڑی چچی انیقہ کے الفاظ سے برافروختہ ہوکر رکی نہیں تھیں تیزی سے دروازے سے نکل گئیں۔

"بری بات کی تم نے آج کے دن بڑی چچی کے ساتھ اتنے تلخ الفاظ بولے۔" ہادیہ دہی پھینٹتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تو اور کیا ماما اور تمہاری طرح روتی بیٹھ کر اور ان کا چار سو روپے کا احسان لے لیتی جس کے بعد ان کے دل کو کمینی خوشی حاصل ہوتی کہ وہ ہمیں نیچا دکھا کر گئی ہیں تو ڈیئر ہم سے تو یہ نہیں ہوتا یوں بھی تمام خاندان میں بدنام اور برا تو بنا ہی دیا ہے ہمارے ان نام نہاد اپنوں نے تو پھر کون برداشت کرے جو انگارے یہ ہمارے پیروں میں بچھاتے ہیں اس پر انہیں بھی چلنا ہوگا وہ زمانے گزر گئے جب ہر برائی اعمال نامے میں درج ہوتی تھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنے کچرے کی جگہ نہیں ہے اس لیے اس کچرے کی صفائی کا کام اس نے ہم جیسوں کے ذمے لگا دیا ہے۔ ڈیئر ہادی اور اب جلدی سے کچھ کھانے کو دے دو، کھا پی کر ذرا فریش ہو کر میں نے ڈریس اپ ہونا ہے ذرا سب کو جلانے جانا ہے یار سمجھا کرو ناں۔" اس کے ایک ایک لفظ کی کاٹ ہادیہ محسوس کر رہی تھی، پھر جب وہ دونوں تیار ہو کر دادو والے پورشن میں آئیں تو گھر کے سب افراد وہیں بڑے دستر خوان پر موجود تھے بڑے بھیا عید پر مجموعی دستر خوان لگواتے تھے اور دن کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے ایقہ اور ہادیہ کی سج دھج ان کے قیمتی کپڑے اور برانڈڈ جوتے دیکھ کر بڑی چچی اور ان کی بیٹیوں کے چہروں پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا شاید وہ انہیں قابل رحم حالت میں دیکھنے کی تمنا دل میں چھپائے بیٹھی تھیں جبکہ ہر بار کی طرح ان کی پوزیشن باپوں کی کمائیوں پر عیاشی کرنے والوں سے کہیں بہتر تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀

جیسے ہی شہباز کچھ اچھا کمانے لگا بڑی امی اور ماہین کے دل میں اس کی شادی کا ارمان جاگ اٹھا ماہین تو بہت بہتر طور پر اپنے بھائی کے ماضی کو جانتی تھیں دوبار اس کا دل ٹوٹ چکا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ وہ شادی کے لیے کسی طور مانتا ہی نہیں تھا لیکن بڑی امی کے دل میں یہ ارمان جیسے

غزل

تیرے نام کی تھی جو روشنی اسے خود ہی تُو نے بجھا دیا
نہ جلا سکی جسے دھوپ بھی اسے چاندنی نے جلا دیا
میں گردشوں میں گھری ہوئی مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا
جو تیری نظر میں عجیب تھا وہی شخص تیرا حبیب تھا
تیرے ہاتھ کی وہ لکیر تھا اسے ہاتھ سے ہی مٹا دیا
مجھے عشق ہے کہ جنون ہے ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا
میرا نام زینت دشت تھا مجھے آندھیوں نے مٹا دیا
یہ اداسیوں کا جمال ہے کہ ہمارا اوج کمال ہے
کبھی ذات سے بھی چھپا لیا کبھی شہر بھر کو بتا دیا
میرے موسموں میری عمر کا ابھی پورا باغ کھلا نہ تھا
وہ جو پھول تھے تیری چاہ کے انہیں زرد رت نے گرا دیا

شاعر...... ارشد ملک

انتخاب: شمع فیاض...... بستی بزدار

حسرت بنتا جا رہا تھا کہ شہباز کے سر پر سہرا سجا دیکھیں۔

کیور غیم سے برسلز آنے کی داستان خاصی طویل تھی۔ جیک کی رہنمائی کی بدولت برسلز آنے کے بعد اس نے بار بوائے، ویٹر، سوپر ہر طرح کی جاب کی تھی یہاں تک کہ ڈسکو نامی کسینو میں شراب بیچنے کے لیے سیلز بوائے کے طور پر بھی کام کیا لیکن دل میں صرف یہ سوچا کہ وہ بس محنت کر رہا ہے ان سب چیزوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں پھر ایک بہت بڑے امپوریم میں سیلز بوائے کی نوکری ملی اور یہاں سے اس کی زندگی میں تبدیلی آنی شروع ہوئی وہ اس امپوریم کے مالک کو پاکستانی اور انڈین گانوں کی کیسٹس، فلمیں اور ڈراموں سے مہیا کرنے لگا اس سلسلے میں ہر چھ ماہ بعد اس کا پاکستان چکر بھی لگتا وہ یہاں سے ڈھیروں کے حساب سے آڈیو ویڈیو کیسٹس لے کر جاتا جو امپوریم میں ڈسپلے کی جاتیں پھر اسے اسی میں ہی ایک کارنر دے دیا گیا جو میوزک کارنر کے طور پر ڈیکوریٹ کیا گیا تھا یہاں سے کمایا جانے والا منافع اس کی توقع سے بڑھ کر تھا صرف

دو سال کے قلیل عرصے میں وہ اس قبل ہو گیا کہ ایک الگ جگہ پر اپنی الگ دکان کھول سکے اس نے دل میں عہد کیا تھا وہ کبھی اپنی کمائی میں حرام کو شامل نہیں ہونے دے گا الگ دکان کرائے پر لے کر اس نے اللہ کا نام لے کر اسی کاروبار کی شروعات کردیں کچھ وقت مزید سرکا اور مصور ماموں نے بھی رخت سفر باندھ لیا ایک دن گھر والوں کو اپنی وفا شعار عینی کو کچھ بھی بتائے بغیر ایک ماہ کے بچے کو چھوڑ کر وہ بھی باہر روانہ ہو گئے چھوٹے بھائی کی آمد ایک ڈھارس تھی تسلی تھی اور کچھ کر گزرنے کے لیے بے انتہا ہمت بھی "اپالو ویڈیو کلب" دونوں بھائیوں کی دن رات کوششوں سے اب خاصا پھل دینے لگا تھا۔

شہباز کی خواہش پر بڑی امی نے صحن کے دوسری جانب خالی پلاٹ کے اوپر جدید طرز میں چار کمرے کچن اور اسٹاکشش باتھ روم بنوائے ایک طرف پورچ نما برآمدے میں کار بھی لا کر کھڑی کردی گئی گھر میں ہر طرح کی جدید سہولیات و آسائشات آ گئیں، تو دل میں سوئے ارمان جاگ اٹھے، شہباز کی عمر خاصی ہو چکی تھی پینتیس چھتیس سال کے پیٹے میں تھا وہ چھوٹے بھائی اور بہن کے بھی بچے اب بڑے ہو رہے تھے ایسے میں اگر ماں اور بہن بھائیوں کی آرزو تھی کہ وہ شادی کرے تو یہ کچھ انوکھی آرزو بھی نہ تھی سب کے پُرزور اصرار پر آخر کار شہباز نے حامی بھر ہی لی اور اس کے ہاں کرتے ہی زور و شور سے لڑکی کی تلاش شروع ہو گئی ماں کو شہباز چاند دکھائی دیتا تھا تو بہنوں کو کسی فلمی ہیرو کی طرح اسٹار ایسے میں لڑکی بھی تو چندے آفتاب چندے ماہتاب ہونی چاہیے تھی ایک جاننے والی خاتون کے ذریعے آخر کار وہ شاہکار مل ہی گیا جس کا ان سب کو انتظار تھا تابندہ خوب صورت سلجھی ہوئی سنجیدہ طبع لڑکی ہر لحاظ سے شہباز کے ساتھ سوٹ کرتی، کچھ دن کے رد و قدح کے بعد رشتہ قبول کرلیا گیا اور منگنی کی تیاریاں زور و شور سے شروع کردی گئیں۔

"بی بی تابندہ کے لیے کپڑے میں اپنی پسند سے خریدوں گا۔" شہباز نے ماہین کے قریب آ کر بیٹھتے ہی کہا بڑی امی نے منگنی کی تیاری کے سلسلے میں ہی ماہین کو بلوایا ہوا تھا کیونکہ وہی عموماً اس گھر کی کرتا دھرتا ہوتی تھیں جب کبھی اس طرح کا کوئی موقع آتا تھا شہباز کی بات پر قدرے حیران سی اس کی طرف دیکھنے لگیں کیونکہ کم سے کم وہ یہ توقع نہیں کررہی تھیں۔ ان کی نظروں کی حیرت بھانپ کر شہباز قدرے جھینپ کر بولا۔

"وہ دراصل میں کل اسلام آباد جارہا ہوں تو سوچا آپ کی پریشانی کچھ کم کردوں، وہاں سے سلے سلائے کپڑے بہت خوب صورت ڈیزائنرز میں مل جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے گل، ٹھیک ہے جس طرح تم چاہو اور امی جی بتارہی تھیں کہ ڈائمنڈ رنگ کا مطالبہ کیا ہے تابندہ کے والدین نے۔"

"ہاں بی بی وہ اصل میں آپ کو پتا تو ہے کہ بہت بڑا خاندان ہے ان کا تو وہ بھی چاہ رہے تھے کہ کسی کے مقابلے میں کوئی کمی نہ ہو ہمارے طرف سے...... وائٹ گولڈ میں ڈائمنڈ رنگ بنوانے کا کہہ دیا ہے پٹیالہ جیولرز کو۔"

"وہ نہ بھی کہتے تب بھی ہم اپنی بھابی کو سونے میں تول کر لاتے گل کیونکہ تمہاری ذات سے تمہارے نام سے وابستہ ہو کر اس گھر میں آرہی ہے وائٹ گولڈ ڈائمنڈ کیا ہے ہیرا کوہ نور ہیرے جیسا بھائی اس کو مل گیا ساری زندگی کا ساتھی بن گیا، ان چیزوں کی کیا حیثیت میرے بھائی۔" ماہین مسکرا کر بولیں ہمیشہ کی طرح ان کے لہجے میں ان کی آنکھوں میں اپنے بھائی کے لیے بے پناہ پیار تھا شہباز نے پوری فیملی کا ہی بے حد خیال رکھا تھا منگنی کے لیے ایبٹ آباد سے آگے مانسہرہ جانا تھا پانچ چھ گھنٹوں کا سفر تھا اور شہباز نے سفر کے تمام اخراجات کے علاوہ سب بہنوں اور نزدیکی رشتے داروں کو بے حد خوب صورت لباس خرید کر دیے تھے وہاں پہنچ کر سب ہی نے فریش ہو کر دوسرے کپڑے پہنے میک اپ کیا منگنی کی تقریب کا تمام انتظام لان میں کیا گیا تھا بے حد پیاری سی لڑکی جواب شہباز کے نام کی انگوٹھی پہننے جارہی تھی ہادیہ اور انیقہ کا تو ایک پل کے لیے اس سے الگ ہونے کو دل نہ چاہتا تھا یہ

گل ماموں کی فیانسی ہیں یہ خیال ہی دل کو گدگدا رہا تھا رات گئے گھر واپسی پر تھکن سے بے حال ہونے کے باوجود چائے کا ایک دور چلا سب ہی بڑھ چڑھ کر بولے جارہے تھے کسی کو وہاں کچھ پسند آیا تھا کسی کو ناپسند لیکن لڑکی کے بارے میں سب ہی کی ایک ہی رائے تھی۔

''شہباز کے لیے تابندہ جیسی لڑکی ہی ہونی چاہیے تھی۔'' شہباز بھی پاس بیٹھا سب کی آراسن کر مسکرا رہا تھا۔

''بھئی سب کی رائے ایک طرف مگر ہادیہ بٹیا کی رائے بہت اہم ہے...... ہاں تو ہادی آپ کو اپنی ہونے والی مامی کیسی لگی۔'' شہباز کے کہنے پر سب ہی ہادیہ کی طرف دیکھنے لگے۔

''بے حد پیاری گل ماموں...... بہت خوب صورتی سے ہنستی ہوئی بہت ہی کیوٹ لگتی ہیں۔''

''بس اب یقین آ گیا۔'' شہباز اس کا سر تھپک کر بولا۔

''ارے واہ...... یہ کیا بات ہوئی بھئی یعنی ہم سب کے کہے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہادیہ نے کہا تو تمہیں یقین آیا کہ ہم بے چارے بھی سچ کہہ رہے ہیں۔'' رشتے کی ایک کزن چہک کر بولیں۔

''نہیں یاسمین باجی، ہادیہ کم بولتی ہے اور غور زیادہ کرتی ہے اگر اسے تابندہ اچھی نہ لگتی تو یہ کہہ دیتی لیکن اس نے ابھی غیر جانبداری سے کہا ہے یہ سب۔'' شہباز اب بھی مسکرا رہا تھا، پہلی بار اس کے چہرے پر ایک طمانیت اور قبول کیے جانے کا مان جھلک کر اسے مزید وجیہہ بنا گیا تھا آہستہ آہستہ سب ہی اِدھر اُدھر ہوگئے، ماہین اتنی تھکاوٹ کے باوجود بھی چاق و چوبند سب کے لیے بستر لگانے میں مصروف تھیں سب کو ان کی جگہ بتانے کے بعد وہ کمبل لیے شہباز کے قریب آئیں۔

''یہ لو گل...... اب تم بھی سو جاؤ چندا، رات کافی بیت چکی ہے۔''

''بی بی آپ ادھر آ کر بیٹھیں میرے پاس۔'' شہباز نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں اپنے قریب بٹھالیا۔

نظم

یہ راکھ راکھ رتیں اپنی ذات کی قسمت
تم اپنی نیند بچاؤ تم اپنے خواب چنو
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پر دھیان کیا دینا
تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حروف سنو
تمہارے شہر کی گلیوں میں سیل رنگ بخیر
تمہارے نقش قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ رہ گزر جہاں تم لحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہاں پر ابر جھکیں ابر ملتے رہیں
نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سنو
ہر ایک صدا پر دھڑکنا بھی دل کا فرض نہیں
سکوت حلقہ زنجیر در بھی کیوں ٹوٹے
صبا کا ساتھ نبھانا جنوں کا قرض نہیں
ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کیسے کٹی، کس کے ساتھ بیت گئی
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے
کہ فصل بخش موج فرات بیت گئی
یہ ایک پل تھا جسے تم نے نوچ ڈالا ہے
وہ ایک صدی تھی جو بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے، تمہیں بھی خبر ہوگی
چراغ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

''کیا بات ہے گل...... فکر مند کیوں دکھائی دے رہے ہو، خدا خیر کرے کوئی مسئلہ تو نہیں۔''

''جی بی بی میں کچھ سوچ رہا ہوں ویسے تو خیر ہی ہے مگر مجھے ایک سوچ بہت پریشان کر رہی ہے۔'' ماہین اس کے چہرے کی سنجیدگی سے قدرے ہول سی گئیں۔

''تم مجھے بتاؤ...... کیا بات میرے بھائی کو پریشان کر رہی ہے؟'' ماہین نے محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''بی بی جن لوگوں میں میرا رشتہ ہوا ہے یقیناً بہت اچھے

لوگ ہوں گے تبھی آپ سب نے مطمئن ہو کر اس نئے خاندان کو مجھ سے منسوب کیا ہے لیکن میں نے دیکھا وہ لوگ خاصے نمود و نمائش کو پسند کرنے والے لگ رہے تھے مادیت پسند اور ظاہری خوب صورت اور دولت سے متاثر ہونے والے اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ آپ کا بھائی اب اس پوزیشن میں ہے کہ ہر طرح کی مہنگی فرمائشیں پوری کرسکتا ہے لیکن میں اپنی زندگی میں سادہ مزاج لڑکی چاہتا ہوں ایسی لڑکی جو میری اور میرے خاندان کی پسند کو اپنائے میں اپنے گھر کو اسی طرح جڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں جس طرح امی جی نے تنکا تنکا جوڑا ہے اگر ایک تیسرا شخص آ کر مجھے ان سب سے دور کردے تو یہ میں کبھی بھی نہیں چاہوں گا۔''

''یعنی تمہیں یہ ڈر ہے کہ تابندہ اس گھر میں آنے کے بعد تمہیں ہم سب سے دور کردے گی۔''

''ہاں جی لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ایسا ہی لگتا ہے بی بی اور میں ایسا بالکل بھی نہیں چاہتا۔'' شہباز نے اپنی الجھن کہہ سنائی۔

''دیکھو گل ایک نئے اور اس قدر قریبی رشتے کے زندگی میں آنے سے کچھ تبدیلی تو بہر حال آتی ہی ہے لیکن تابندہ اپنے گھر والوں سے خاصی الگ سی لگی مجھے خاموش، سلجھی ہوئی سنجیدہ، میرا خیال تو یہی ہے کہ تمہارا یہ ڈر بے بنیاد ہے اور یوں بھی میرے بھائی شادی کے بعد اس سے اور اس کے خاندان سے، ہم سب کی عزت کرانا اور ہمارا مقام بنانا تو تمہارے ہاتھ میں ہے عورت جتنی بھی چالاک اور عیار ہو اگر شوہر توازن رکھنا جانتا ہو تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تم جب اس کی ہر آرزو ہر خواہش پوری کرو گے تو اسے کیا تکلیف ہوگی ہم سب سے۔'' ماہین نے اسے رسان سے سمجھایا۔

''سب باتیں ٹھیک لیکن امی جی کا مزاج سخت ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ بہت با اصول ہیں غصے کی تیز ہیں مگر دل کی ہرگز بری نہیں......لیکن نئی آنے والی ان کی عادات کے ساتھ کمپرومائز نہ کرسکی تو۔''

''گل تم وقت آنے سے پہلے اس قدر خدشات پال کر خود کو خوامخواہ پریشان کررہے ہو کچھ نہیں ہوگا میری جان سب کچھ بہت اچھا ہوگا کچھ اسے بدلنا ہوگا کچھ ہمیں اس کی عادات کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑے گا، ایسے ہی گھر کی گاڑی چلتی ہے تم بس بہتری کا یقین رکھو۔''

''اور بی بی میرے ذہن میں ایک اور سوچ بھی ہے ہماری ہادیہ ماشاء اللہ سترہ سال کی ہوگئی ہے میرا دل چاہتا ہے کبیر کے ساتھ اس کا رشتہ طے کردیا جائے اس طرح ہم دونوں بہن بھائی کا تعلق مزید مضبوط ہوجائے گا اور آپ بھی اپنی ایک ذمہ داری سے خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوجائیں گی گھر کا لڑکا ہوگا تو اس کو میں اپنے ساتھ ہی باہر سیٹل کرلوں گا۔'' شہباز نے تابندہ کے اکلوتے بھائی کا نام لیا، ماہین نے مسکرا کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔

''ابھی یہ سب باتیں قبل از وقت ہیں اپنی جان کو ہلکان مت کرو، وقت آنے پر جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا گل آرام کرو میرا چاند۔'' ماہین اس کا ہاتھ تھپک اٹھ کھڑی ہوئیں، قریب ہی کروٹ لے کر لیٹی ہادیہ جو ابھی تک سوئی نہیں تھی سب باتیں سن چکی تھی سترہ سال کی عمر تک جس طرف اس کا دھیان نہیں گیا تھا ان باتوں کو سننے کے بعد آنکھوں میں جیسے تارے سے اتر آئے، ایک انجان سا چہرہ کچھ جانا پہچانا بن کر اس کی آنکھوں میں خواب بن کر جگمگانے لگا۔

دل کی دھڑکنیں انجانی سی تال پر محو رقص ہونے لگیں یہ سوچیں، یہ خیال، دل کی یہ حالت اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی ایک احساس دل کو گدگدا رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پلکیں موند لیں اور انہی سوچوں کے ہنڈولوں پر جھولتی نیند کی وادی میں اتر گئی۔

❀......❀......❀......❀

زندگی ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی ایسے رنگ جن سے اسے آشنائی نہ تھی ہر وقت کتابوں میں خود کو گم کرنے والی ہادیہ اب مسکرانے اور گنگنانے لگی دل کی ویران بستی کا ایک گوشہ کیا آباد ہوا جیسے اسے دنیا کا ہر غم بھول گیا اب وہ عارف علی کو دیکھ کر کڑھتی نہیں تھی نہ اپنے گھر کے حالات پر

دل جلاتی تھی اپنے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی اپنی ڈائری کے صفحے کالے کیے جاتی ڈھیروں ڈھیر اشعار چن کر اپنی بیاض بنانا تو اس کا مشغلہ تھا ہی لیکن اپنے دل کی باتیں جو وہ کبھی کسی سے نہ کہہ پاتی تھی اپنی ڈائری میں لکھ دیتی دھیرے دھیرے ڈائری میں اس کا مخاطب بدل گیا اب وہ لکھتی تو سب کچھ ڈائری میں ہی تھی مگر اس کا مخاطب کبیر ہوتا اور جب اس کا نام لکھ کر وہ اپنے دل کی باتیں لکھے جاتی تو دل کے اندر کہیں یہ اطمینان ہوتا کہ اس کا ہر دکھ ہر درد کبیر تک پہنچ گیا ہے وہ بنفس نفیس اس کی ہر بات سن رہا ہے اور اس کے ہر دکھ کا مداوا کرنے کی کوشش بھی کرے گا وہ ایک اندھے شخص کی طرح بنا سوچے سمجھے اس کی انگلی پکڑ کر انجانے راستوں کے سفر پر چل نکلی تھی بنا جانے کہ اس سفر کا اختتام کہاں کس مقام پر ہوگا، کوئی نہیں جانتا تھا خود ماہین بھی لاعلم تھیں کہ نادانستہ ان کی ہونے والی گفتگو کا ہادیہ کے ذہن و دل پر کیا اثر ہوا تھا اپنے خول میں بند رہنے والی، اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر جینے والی ان کی بیٹی نے سانس لینے کے لیے اپنے زندہ رہنے کے لیے زندگی کے زندان میں ایک روزن تلاش کرلیا تھا اب یہاں سے اسے حیات ملتی یا مزید گھٹن لیکن وہ آنکھیں بند کیے اسی روزن سے لگی کھڑی تھی بزدل، کم ہمت لڑکی دل ہی دل میں کسی کی شبیہ بنائے اس کی طرف اپنا دھیان لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی سال گرہ، نیو ایئر، عیدوں پر ہر موقع پر گریٹنگ کارڈز خریدنا انہیں خوب صورت شاعری سے مزین کرکے اپنے دراز میں لاک کردینا سال کے اول روز سے آخری روز تک ڈائری پر جابجا اسے مخاطب کرکے اپنے دل کا حال کہہ سنانا اور ہر برتھ ڈے پر گفٹ خرید کر رکھنا جیسے ایک فرض تھا وہ اسے ایک لمحے کو نہ بھولتی تھی۔

گل ماموں کی شادی ہوگئی تابندہ مامی اسے اپنی جان سے پیاری لگنے لگیں کبیر کے توسط سے اس کے خاندان کا ایک ایک فرد بے حد محترم لگتا تھا اسے۔ عینی مامی سے بے انتہا دوستی کے باوجود وہ تابندہ سے بھی بے حد قریب تھی اور وجہ صرف وہ خود جانتی تھی کیونکہ اسے پتا تھا کہ ماہین اور گل

پتھر

ریت سے بت نہ بنا اے میرے اچھے فنکار
اک لمحے کو ٹھہر میں تجھے پتھر لا دوں
میں تیرے سامنے انبار لگا دوں لیکن
کون سے رنگ کا پتھر تیرے کام آئے گا
سرخ پتھر جسے دل کہتی ہے بے دل دنیا
یا وہ پتھرائی ہوئی آنکھ کا نیلا پتھر
جس میں صدیوں کے تحیر پڑے ہوں ڈورے
کیا تجھے روح کے پتھر کی ضرورت ہوگی
جس پہ پتھر ہے جسے کہتے ہیں تہذیب سفید
اس انصاف کا پتھر بھی تو ہوتا ہے مگر
شعر بھی رقص بھی تصویر غنا بھی پتھر
میرے الہام تیرا ذہن رسا بھی پتھر
اس زمانے میں ہر فن کا نشان پتھر ہے
ریت سے بت نہ بنا اے میرے اچھے فنکار

احمد ندیم قاسمی

ملائکہ خان...... راولپنڈی

کے درمیان ہونے والی گفتگو رائیگاں نہیں تھی یہ ایک بھائی کا بہن کے ساتھ کیا گیا وعدہ تھا جو پورا ہو کر رہنا تھا جلد یا بدیر لیکن کبیر کے گھر ہادیہ نے ہی جانا تھا سو وہ بے فکر تھی ان دنوں وہ بڑی امی کے گھر پر ہی تھی جب ایک دن اچانک کبیر آ گیا ہادیہ کے تو جیسے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے اسے دیکھنے کی بے حد خواہش کے باوجود وہ نیلم آنٹی کے ساتھ کچن میں کام میں لگی رہی وہ باہر صحن میں تابندہ اور بڑی امی کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا ہادیہ بھرائی گھبرائی دھڑکنوں کے ساتھ بس اس کی باتوں اور ہنسی کی آواز سنتی رہی۔

"کیا بات ہے ہادی، تم کچھ پریشان ہو۔" نیلم آنٹی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"نن...... نہیں تو نیلی آنٹی۔"

"تو پھر یہ چائے جا کر سرو کرو میں نے سالن پکانا ہے۔" نیلم آنٹی نے ٹرے اس کے ہاتھ میں تھما کر خود سینک

میں رکھا گوشت دھونے لگیں ہادیہ پر تو جیسے کڑا امتحان آ ٹھہرا تھا..... قدم من من بھر کے ہو گئے، بہت مشکل سے وہ ٹرے اٹھائے برآمدے میں چیئر پر بیٹھے کبیر کے قریب آئی اور اس کے سامنے رکھی میز پر ٹرے رکھ دی۔

"السلام علیکم۔" بڑی مشکل سے بس اس کے حلق سے اتنا ہی نکلا۔

"وعلیکم السلام..... کیسی ہیں آپ۔" پُر شوق نگاہوں اور متبسم لہجے نے اس کے مزید حواس اڑا دیئے آنکھیں بار حیاء سے جھک گئیں دل کی شدید خواہش کہ بس (ایک نظر اسے دیکھ لو) کو رد کرتی وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

"ہادیہ ہمارے پاس نہیں بیٹھو گی۔" تابندہ کی آواز پر وہ جیسے ٹھٹک گئی پھر خود کو سرزنش کرتے ہوئے متانت سے جواب دیا۔

"تابندہ مامی، میں نیلی آنٹی کے ساتھ کچن میں ہیلپ کرا رہی ہوں آپ آرام سے بیٹھیں باتیں کریں۔"

"ٹھیک ہے جیسے تم چاہو ہادی۔" اسے جواب دے کر وہ پھر سے اپنے بھائی کے ساتھ گپ شپ میں لگ گئیں، ہادیہ نیلی آنٹی کے پاس آ کر بیٹھ گئی لیکن اب اس کا دل ہر چیز سے جیسے اچاٹ سا ہو گیا تھا۔

"کیا تھا جو ایک نظر دیکھ لیتی تو وہ کون سا روز روز آئے گا۔" دل نے گھر کا۔

"ہادی مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ بتاتی کیوں نہیں۔" نیلم آنٹی مسلسل اسے نوٹ کر رہی تھیں۔

"کک..... کچھ بھی نہیں نیلی آنٹی، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" لنگڑا سا بہانہ تراشا۔

"تو ایک کپ چائے پی لو صبح سے کام میں جو لگی ہوئی ہو۔"

"جی بہتر۔" وہ خاموشی سے کیتلی میں سے چائے انڈیلنے لگی۔

شہباز شادی کے دو ماہ بعد ہی واپس بیلجیئم چلا گیا تھا اس کے جانے کے بعد تو تابندہ کے لیے جیسے چاروں طرف اندھیرا ہی چھا گیا کبھی اس کی کوئی نہ کوئی بہن اس کے پاس آ کر ٹھہرتی کبھی ہادیہ لیکن وہ بے حد اداس رہنے لگی تھی شہباز ہر روز فون کرتا اس کی خیریت معلوم کرتا اور وہ بھی بلاناغہ روتی تھی وہ اسے تسلی دیتا، عینی کی مثال دیتا جسے مصور بن بتائے باہر چلا گیا تھا اور تین سال بعد واپس آیا تھا لیکن اس کی ایک ہی رٹ ہوتی کہ یا تو مجھے بھی اپنے پاس بلائیں یا پھر خود واپس آ جائیں شہباز نے سمجھایا بھی کہ تمہارا یہاں آنا بہتر نہیں عینی کی طرح تم بھی امی جی کے ساتھ ہی رہو، میں جلدی جلدی چکر لگاتا رہوں گا۔"

"میں آپ کے توسط سے آپ کے رشتے سے اس گھر میں ہوں میں یہاں آپ کے بغیر کسی صورت نہیں رہ سکتی جب تک آپ یہاں نہیں ہیں میں اپنی امی کے گھر پر رہوں گی۔" تابندہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا بظاہر بے حد خاموش سلجھی ہوئی اپنی شریک زندگی سے شہباز ایسے کسی تقاضے کی توقع نہیں کر رہا تھا پھر یہ تقاضا مکرر ہوتا چلا گیا اور نہ صرف تابندہ بلکہ اس کے گھر کے تمام لوگوں نے بھی شہباز پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا شاید ان سب کے ذہنوں میں یہی تھا کہ تابندہ شادی کے بعد ملک سے باہر ہی رہے گی ویسے بھی شہباز کی مالی حیثیت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی جا رہی تھی اس نے بروسلز میں ایک اپارٹمنٹ بمع دکان کے خرید لیا تھا مصور کے ساتھ نے بہت حد تک اس کا بوجھ بانٹ لیا تھا سب کی طرف سے پڑنے والے دباؤ سے مجبور ہو کر شہباز نے تابندہ کو اپنے پاس بیلجیئم بلا لیا اور یہاں سے ایک نئی تبدیلی نے کروٹ لی یہ تبدیلی جو بظاہر خاصی خوشگوار تھی اپنے جلو میں کیا کچھ لے کر آ رہی تھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

❁.........❁.........❁.........❁
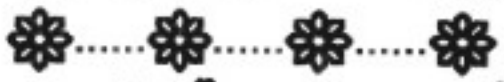
"تابندہ تم کس طرح کھانا پکاتی ہو اتنی سخت روٹی ہوتی ہے کہ حلق میں جاتے ہوئے ایک نیا ہی راستہ بناتی ہے۔" شہباز نے قدرے بے زاری سے اپنی خوب صورت بیوی کو دیکھا جو ہر پل ہر لمحہ نک سک سے تیار رہتی اچھا پہننا، اچھا نظر آنا اس کا مقصد تھا ہر پل شوہر کی نظروں کے سامنے اسے لبھائے رکھنے کا عجیب سا شوق تھا اس میں

اس کے علاوہ گھر اور گھر کے دیگر معاملات پر تو اس کی نگاہ جاتی ہی نہیں تھی شہباز خوش خوراک انسان تھا عجیب و غریب طریقوں سے پکائی جانے والی یہ ڈشز اس کی طبع پر خاصی ناگوار گزرتیں خاص طور پر اس صورت میں جب مصور بہترین کوکنگ کرتا تھا۔ وہ صرف کاروبار میں ہی بہترین مددگار نہیں تھا بلکہ گھر کے تمام امور میں بھی بے انتہا مہارت سے کام کرتا وہ اکثر تابندہ کے کچن میں آنے سے قبل ہی کچھ نہ کچھ تیار کر لیتا تاکہ شہباز کو برا محسوس نہ ہو اور گھر کے معاملات میں تلخی نہ آئے۔

تابندہ کی ایک خاصیت تھی کہ وہ منہ ماری کرنا یا زبان چلانا پسند نہیں کرتی تھی شہباز کو جس قدر بھی غصہ آ جاتا وہ خاموش رہتی یا پھر مسکراتی رہتی، اس طرح گھر کی فضا مکدر ہونے سے بچی رہتی اسے تلخ ماحول کو اپنے بس میں کرنے کا سنہرا گر آتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ تیکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کی پیدائش کے بعد بھی وہ شہباز کے دل میں اول روز کی طرح بسی ہوئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

"ہادیہ تم یہ کیا ہر وقت ڈائریاں لکھتی رہتی ہو یار میں بہت بور ہوتی ہوں۔" انیقہ ایک گھنٹے سے اسے مسلسل نوٹس کر رہی تھی۔

"کک.....کچھ نہیں....." وہ گڑبڑا سی گئی۔

"دکھاؤ تو....." انیقہ تیزی سے اس کی ہاتھ میں تھمی ڈائری پر جھپٹی تو مانو ہادیہ کا سانس ہی رک گیا اس نے وہ ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"ہادی جلدی سے یہ ڈائری میرے حوالے کر دو ورنہ پھر میں مما جانی کو بتا دوں گی۔" انیقہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"کیا بتا دو گی۔ کچھ بھی تو نہیں ہے صرف اچھے اشعار نوٹ کرتی ہوں مما جی کو پتا ہے اور کسی کی ڈائری پڑھنا غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے۔"

"ہاں بالکل غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے اگر اس کی بنا اجازت یا عدم موجودگی میں پڑھی جائے اور یہاں تو تم خود اپنی ڈائری مجھے دو گی ہے نا ہادی۔" انیقہ نے بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت بھر کر اس کی طرف دیکھا۔

"او ہو نکی کچھ بھی نہیں ہے اس میں ایسا۔"

"کیسا؟" انیقہ نے بے حد توجہ سے اس کے چہرے پر پھیلے ناقابل فہم رنگوں کو دیکھا۔

"کچھ بھی ایسا ویسا جیسا تم سمجھ رہی ہو۔"

"مگر میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ رہی، صرف تمہاری ڈائری پڑھنے کی اجازت مانگ رہی ہو۔" انیقہ ابھی بھی شرارت کے موڈ میں تھی۔

"چھوڑ نا نکی.....پلیز۔" ہادیہ کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"ارے ہادی کیا بات ہے یار میں تو مذاق کر رہی تھی تم اتنی سنجیدہ کیوں ہوگئی ٹھیک ہے تم اپنی ڈائری مجھے نہیں دینا چاہتی تو کوئی بات نہیں لیکن یار تم اس قدر پریشان کیوں ہوگئی ہو۔" انیقہ کو اس کے لہجے کے غیر معمولی پن نے قدرے اکسا دیا تھا کہ اب کسی بھی طرح اسے یہ ڈائری پڑھنی چاہیے آج تک ہادیہ نے اس سے ہر بات ہر معاملہ کھل کر ڈسکس کیا تھا ایسی کیا بات تھی جو وہ اسے بتانا نہیں چاہتی بلکہ چھپانا لازم سمجھ رہی تھی اور یہ موقع اسے کچھ دن بعد ہی مل گیا۔ ہادیہ دو دن کے لیے بڑی امی کے گھر گئی ہوئی تھی عینی مامی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور نیلم آنٹی کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے تھے تو بڑی امی نے ہادیہ کو کہلوا بھیجا کام میں مدد کے لیے ہمیشہ کی طرح ہادیہ اپنی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کی چابی چھپانا بھول گئی اور انیقہ کو موقع مل گیا۔

یہ دراز اتنے گہرے راز کی امین ہو سکتی تھی انیقہ نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کچھ گریٹنگ کارڈز کچھ تحفے اور تین ڈائریاں.....ڈائریوں کے ہر صفحے پر موجود مخاطب کے نام نے انیقہ کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

بھولا

سیدہ فرحین جعفری

کہتے ہیں کہ انسان کی پہچان اس کے چہرے سے نہیں اس کے کرموں سے ہوتی ہے وہ انسان کامیاب ہے جس کے دل میں خلق خدا کے لیے ہمدردی ہو اب چاہے وہ دیکھنے میں کیسا بھی ہو اگر وہ خدمت گزار ہے تو سب کی آنکھ کا تارا بن جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کے چہرے کے تاثرات ایسے اثر انگیز ہوتے ہیں کہ اس کی اصلی پہچان تک چھپا دیتے ہیں پھر وہی تاثرات اس کی پہچان بن جاتے ہیں جیسے کہ بھولے میاں کے چہرے کا ''بھول پن'' دوسرے لفظوں میں ہونق پن اس کی شخصیت پر ایسا حاوی ہوا کہ وہ ''بھولا'' نام سے ہی مشہور ہوگیا۔

پیدائش کے وقت نام تو باقی دو بھائیوں کے نام کے ہم قافیہ ''حماد احمد'' رکھا گیا تھا (بڑے بھائی کا ''جواد احمد'' اور چھوٹے کا ''عباد احمد'' تھا) لیکن اپنی گول مٹول جسامت اور ہونق سی صورت (یہ بڑے بھیا کا خیال تھا) دیکھ کر بڑے بھیا نے پیار سے بھولا کہہ کر پکارا کہ پھر وہ جگت ''بھولا'' بن گئے یہاں تک کہ لوگ ان کا اصل نام تک بھولنے لگے اور اسے بھولا سے ملتے جلتے مختلف ناموں سے پکارتے رہتے۔ پھوپا جان نے تو سب سے ہی مختلف نام سے پکارا۔

''ارے بھولے ناتھ کیسا ہے؟'' سننے والے پہلے حیران ہوتے اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے۔ لوگوں کو تو بس دوسروں پر ہنسنے کے بہانے چاہیے ہوتے ہیں۔

بھولے میاں کی اس جسمانی ساخت اور ہونق صورت میں قصور ان کا بھی نہیں تھا' بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں یا ننھیال اور باپ یا ددھیال پر جاتا ہے۔ اب بھولے میاں پورے کے پورے اپنی محترم امی جان کی کاپی تھے وہی گوشت کے پہاڑ جیسی جسامت' گول مٹول چہرے' ہونق شکل پہ ہمہ وقت رہتی مسکراہٹ جو انہیں مزید ہونق بناتی تھی۔ دیکھنے والے جب نام جانتے تو نام اور شخصیت کے اس کمال کے امتزاج پر ہنس پڑتے۔ امی جان بُرا مان جاتیں۔

دنیا میں کوئی بھی انسان پرفیکٹ نہیں آتا' کسی میں کوئی کمی یا خامی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کوئی دوسری صفت عطا فرما کر اسے دوسروں سے ممتاز کردیتا ہے اور پھر وہ انسان اپنی اسی صفت کی بدولت پہچانا جانے لگتا ہے۔ بھولے میں بھی معصومیت اور بھول پن کی صفت اللہ کی عطا کردہ تھی۔ دنیا سے بے نیاز بس اپنی دھن میں مگن رہنے والے بھولے پر نام کا اثر تھا یا شاید اللہ نے بنایا ہی ایسا تھا کہ بڑے ہوتے ہوتے بھول پن میں ایسا ڈپلومہ حاصل کیا کہ گھر والے تو گھر والے باہر والے بھی اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنے لگے۔ لوگ تو ویسے بھی سیدھے اور معصوم لوگوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں' پڑھائی میں کچھ خاص اچھا نہیں تھا لیکن ابو کے بار بار کے ڈائیلاگ ''کوئی بیٹا تو میرے نقش قدم پر چل کر میرا نام روشن کردے'' سے اموشنلی بلیک میل ہوکر اعزازی نمبروں سے بی اے کی ڈگری حاصل کر ہی لی تھی لیکن وہ صرف ڈگری ایک کاغذ کا ٹکڑا ہی تھی اتنی قابلیت نہ تھی جتنا ڈگری میں تصدیق مہر سے ثابت کیا گیا تھا۔

ابو جان نے جہاں شکر ادا کیا وہیں امی جان بیٹے پر صدقے واری جاتیں کیونکہ یہی سپوت جوان کا کھوٹا سکہ تھا (باقی دو بڑے تو ہاتھ آتے ہی نہ تھے نا) جو اُن کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا ویسے بھی اولاد جیسی بھی ہو ماں کو بہت پیاری ہوتی ہے اور بھولا جیسی بے ضرر اور کارآمد اولاد تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

خیر تو ذکر ہو رہا تھا بھولے میاں کی پڑھائی کا' بی اے پاس ہونے کے باوجود بھی وہ اردو انگلش کسی زبان کی تحریر

بس تکتے رہ جاتے' چینی زبان کی طرح ان کی سمجھ سے بالاتر رہتی۔ ابو جان کو جواُن کی اس قابلیت کا اندازہ ہوا تو دکھ سے نڈھال ہوگئے ویسے تو مستقبل کی کوئی فکر نہ تھی' گھر اپنا تھا جو بھولے میاں کے ہی نام تھا' باقی بچوں کے لیے دوسرا مکان تیار کروا کے دے دیا تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ بھولا اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے لیکن بھولے میاں کی گھٹی میں فرماں برداری اور خدمت گزاری جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اسی لیے امی ابو سمیت سب ہی بہن بھائیوں کو اپنے کاموں کے لیے صرف بھولا ہی نظر آتا' گھر میں ہوتے تو گھر کے کام نمٹاتے نظر آتے۔ بڑے بھیا کے کپڑے پریس کررہے ہیں' پانی کی موٹر چلارہے ہیں' گھر کا سودا سلف لارہے ہیں' امی اور بہنوں کو کہیں جانا ہوتا تو بھولا سے بہتر ڈرائیور کوئی نہ ہوتا فوراً ابو کی بائیک نکال کر ریڈی ہوجاتے گھر میں ہونے والی چھوٹی موٹی توڑ پھوڑ کی مرمت بھی بھولا میاں خود ہی کرلیتے تھے۔

بھولے میاں کا سب سے زیادہ فائدہ دادا جان کی بیماری کے ایام میں ہوا' وہ بالکل بستر سے لگ گئے تھے اور انہیں مستقل ایک بندہ درکار تھا جو اُن کی دیکھ بھال کرسکے ایسے میں ان کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے کوئی تیار نہ تھا سب کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں ایسے میں بھولا ہی دنیا جہان کا فارغ بندہ نظر آیا اور یوں دادا جان کی دیکھ بھال کی مکمل ذمہ داری بھولے میاں پر ڈال دی گئی جسے بھولے میاں نے اس خوبی سے نبھایا کہ ہر دیکھنے والے نے تعریف کی۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں نا جن کے دل میں کوئی لالچ نہیں ہوتا جو کسی بدلے کے بغیر خدمت کرتے رہتے ہیں بس انہیں کہہ دیا جائے کہ یہ کام تم نے کرنا ہے تو وہ اگلا سوال نہیں کرتے بہت خاموشی سے ساری ذمہ داری اٹھالیتے ہیں' بھولے میاں انسانوں کی اسی قسم سے تعلق رکھتے تھے' دادا جان کو اٹھانے بٹھانے' کھلانے پلانے سے لے کر رفع حاجت تک کے سب کام بھولا ماتھے پر شکن لائے بغیر انجام دیتے۔

گھر والے دادا جان کی طرف سے بالکل بے فکر ہوگئے' عیادت کے لیے آنے والے اس کی خدمت گزاری دیکھتے تو دعائیں دیئے چلے جاتے جو کام دنیا دکھاوے کے لیے نہ ہو جن میں ریاکاری نہ ہو وہ کام خود بخود ہی سنورتے جاتے ہیں جس کا اجر دنیا سے نہ لو اس کا اجر عظیم اللہ تعالیٰ خود عطا فرماتا ہے' بالکل اسی طرح بھولے میاں دادا جان کی خدمت کرکے اپنے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی مول لے رہے تھے یہ سلسلہ دادا جان کے انتقال تک جاری رہا۔

کوئی کتنی ہی خدمت کیوں نہ کرلے' کتنا ہی غم گسار کیوں نہ ہو جب موت کا وقت آتا ہے انسان اپنے پیچھے ڈھیروں آنسو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بھولے میاں نے بھی دادا جان کی کمی شدت سے محسوس کی۔ آج کل تو لوگ دو دن کسی کی خدمت کرلیں مہمان نوازی کرلیں تو عاجز آجاتے ہیں اور ان کے رخصت ہوتے ہی شکر کا سانس

لیتے ہیں لیکن جن کے دل صاف ہو باطن اجلا ہو وہ اپنے ساتھ رہنے والوں سے دل سے محبت کرتے ہیں اور بچھڑنے والوں کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔

بھولے میاں بہت چپ ہو گئے تھے' ان دنوں ان کی ہونق رہنے والی صورت ہر وقت اداسی ٹپکاتی رہتی تھی۔

غم اور خوشی تو زندگی کا حصہ ہیں اور ساتھ ہی چلتے ہیں' زندگی رکتی نہیں کسی کے چلے جانے سے بس رفتار تھوڑی سست ہو جاتی ہے پر لوگ زندہ رہتے ہیں۔ خوشیاں ڈھونڈ ہی لیتے ہیں' ان ہی اداس سے ایام میں اچانک امی کو بھولے میاں کی شادی کی فکر ستانے لگی' دادا جان کے انتقال پر مرجھائی ہوئی شکل شادی کے نام پر مزید پھول گئی۔ بھولے میاں کی خوشی دیدنی تھی اس کا گول مٹول سا منہ خوشی سے ہر وقت کھلا رہنے لگا۔ دادا جان کی وجہ سے جو کام گھر والے رو دھو کے خود کرنے لگے تھے وہ آہستہ آہستہ پھر سے بھولے میاں کے سپرد کر دیئے گئے لیکن شادی کی خوشی میں اور اپنی فرماں بردار طبیعت کی وجہ سے بھولے میاں تمام کام مگن سے نمٹاتے جاتے۔

بھولے میاں کے لیے لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگ باتیں بنانے لگے کہ اس گوشت کے پہاڑ سے کون شادی کرے گا' لوگوں کا تو کام ہے باتیں بنانا' بولتے وقت بھول جاتے ہیں اللہ نے انسان کو جوڑوں کی شکل میں اتارا ہے اور یقیناً بھولے میاں کی جوڑی دار بھی دنیا میں موجود ہے۔ امی اور بہنیں بہت پیار اور امید سے بھولے کو سجنے سنورنے کے گر سکھاتی' کلف لگے کرتا شلوار میں نکھرے نکھرے سے بھولے میاں کام نمٹاتے بہت اچھے لگتے۔ ماں بہنوں کو بھی خوب پیار آتا' ابو بھی اپنے اس بے ضرر سے بیٹے کی بلائیں لیتے۔ بڑے بھیا بھی آتے جاتے چھیڑتے رہتے اور بھولے میاں شرمائے شرمائے سے گھر بھر کے کام نمٹاتے پھرتے۔ لڑکی دیکھنے جاتے تو شرم سے سر اتنا جھکا رہتا کہ بہنوں کو غصہ آتا' گھر واپس آ کر سب خوب سناتے' وہ مسکراتے کان کھجاتے کھسک لیتے۔

"بھولا بادشاہ ہے یار۔۔۔۔" ابو پیار سے مسکرا کر بولتے' امی غصے سے کھولتی رہتیں۔ اولاد چاہے جیسی بھی ہو والدین ہر عیب پر ہزاروں پردے ڈال کر پیش کرتے ہیں۔ بھولے کے لیے رشتہ ڈھونڈتے وقت بھی امی نے کچھ سچ' کچھ جھوٹ کی ملاوٹ کر کے بھولے میاں کو پیش کیا اور بالآخر بھولے میاں کے لیے لڑکی مل ہی گئی۔

شگفتہ سراج اٹھائیس سالہ قبول صورت لڑکی تھی' شادی کی عمر نکلی جارہی تھی لیکن کوئی مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے اب تک انتظار میں بیٹھی تھی۔ بھولے میاں کا رشتہ ہر لحاظ سے بہتر لگا اور یوں پڑھے لکھے تیس سالہ بھولے میاں کو بغیر کسی روزگار کے نہ ہوتے ہوئے بھی ہاں کر دی گئی۔ آج کے دور میں اچھے رشتے ملنے بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ شادی کی تاریخ طے پا گئی' بھولے میاں خوشی میں آ کر اپنی شادی کے تمام انتظامات خود سنبھالنے میں ہلکان ہوتے رہے لیکن چہرہ خوشی سے دمکتا رہا۔ خوشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے نا جہاں کسی سے جلن' حسد' مقابلہ' نفرت نہ ہو وہاں دل میں اندر تک بس خوشی ہی خوشی بسی ہوتی ہے تو چہرے سے مسکراہٹ بن کر جھلکتی رہتی ہے۔

کہتے ہیں ناں دل کے بھید چہرے سے عیاں ہوتے ہیں شادی کی خوشی اتنی تھی کہ بھولے میاں کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ ان کی اپنی شادی ہے آخر وقت تک وہ کام نمٹاتے رہے۔ شادی میں شریک لوگوں نے یہ انوکھا دلہا دیکھا جو بارات والے دن تیار ہونے سے پہلے تک دلہن لانے کے لیے کار کا انتظام کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ان سب کے باوجود سب کاموں سے فارغ ہو کر بھولے میاں جب دلہا بنے تو ان کی ہونق سی صورت نکھر کر ایسے سامنے آئی کہ جس نے بھی اس گول مٹول گوشت کے پہاڑ جیسے دلہا کو دیکھا تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔ بھولا جیسے بے لوث محبت اور خدمت کرنے والے انسان کا چہرہ ظاہری کشش نہ ہونے کے باوجود بھی ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کر رہا تھا۔

بالآخر بھولے میاں کی شادی ہو گئی' بیگم کیا گھر آئی

سنہری باتیں

- محبت کی عمارت میں شک کی دراڑ پڑ جائے تو وہ معذرت کے گارے سے بھر تو سکتی ہے مگر نشان باقی رہتا ہے۔
- اگر کچھ لوگ ساتھ چھوڑ دیں تو ان لوگوں کو سفر نہیں چھوڑنا چاہیے جنہیں راستہ معلوم ہو۔
- کسی شخصیت کو پرکھنا اتنا ہی مشکل کام ہے جتنی وقت کی شناخت۔
- غم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو مگر پسند سے پہلے تک ہے۔
- اگر تمہیں زیورات کا شوق ہے تو کان میں سوراخ تو ہوگا۔
- انسانیت ایک مشترکہ دولت ہے جس کی حفاظت انسان کا فرض ہے۔

ہالہ سلیم......اورنگی کراچی

مہکتی کلیاں

- ہر آدمی کی زندگی پر عقل کی نہیں، تقدیر کی حکمرانی ہے۔
- جس کے پاس مضبوط قوت ارادی ہے دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق بنالیتا ہے۔
- خواہشات کو دبانے اور مشکلات پر قابو پانے سے انسان کا کردار مضبوط ہوتا ہے۔
- آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔
- اگر بازی با اصول طریقہ سے جیتی جائے تو ہارنے والا بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ

بھولے میاں کی زندگی میں بہار آ گئی۔ کوشش تو یہی ہوتی کہ ہر وقت بیگم کے آس پاس ہی رہیں لیکن ہائے ری قسمت گھر والوں کے ہزاروں کام کرنے کے لیے کوئی دوسرا بھولا بھی تو دستیاب نہیں تھا۔ شروع شروع میں تو بیگم کو سمجھ ہی نہ آتا تھا کہ ان کے نئے نویلے دلہا غائب کہاں رہتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ صورت حال کا اندازہ ہوا' وہ سارا دن میاں جی کا انتظار کرتی رہ جاتی اور میاں جی شادی ہوجانے کی خوشی میں ہنستے مسکراتے گھر والوں کے بتائے گئے کام نمٹاتے رہتے بیگم گھر والوں کی بے حسی پر کڑھتی رہتی۔

"حماد بھائی مجھے بازار لے چلیں، مجھے اپنی سینڈل چینج کروانی ہے۔" یہ زویا تھی، بھولے میاں کی چھوٹی سالی آئی تو بہن سے ملنے تھی لیکن بھولے میاں کی فرماں برداری کے اتنے قصے سنے تھے، بہن سے کہہ بھولے کو دیکھتے ہی سوچا میں بھی خدمت کروالوں اپنی۔ بھولا جو ابھی گھر کا سودا لے کر آیا تھا اور امی کو سودے کا حساب دے رہا تھا اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر اپنی آمادگی کا اشارہ دیا۔

میاں جی کی اس فرماں برداری پر جہاں بیگم خوشی سے نہال ہو گئیں وہیں امی نے خونخوار نظروں سے پہلے بہو پھر زویا اور پھر اپنے خدمت گزار بیٹے کو گھورا جو پسینہ صاف کرتے ہوئے غٹاغٹ پانی چڑھا رہا تھا۔

عمر بھر جسے فرماں برداری اور خدمت گزاری کا سبق پورے سیاق و سباق کے ساتھ پڑھاتی آئی تھیں آج پہلی بار انہیں اپنے اس بھولے میاں کی فرماں برداری ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

میری دعاؤں کا حاصل

افشاں شاہد

''ارے خالہ...... میری بیٹی تو ہیرا ہے ہیرا نیک دین دار' منکسر المزاج۔ بات کرتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں سلائی' کڑھائی سب میں ماہر ہے۔ کھانے تو ایسے پکاتی ہے کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں لیکن بہن...... ہیرے کی پہچان تو جوہری ہی کرسکتا ہے۔'' نسیم بیگم نے رشتے کروانے والی خالہ کو امامہ کی تصویر دیتے ہوئے یہ ساری باتیں ان کے گوش گزار کیں۔

''ارے بہن...... اتنی خوبیوں والی لڑکی آج کے زمانے میں کہاں ملتی ہے۔ بس اب تم بے فکر ہوجاؤ اب امامہ کے لیے اس کے جوڑ کا رشتہ ڈھونڈنا میری ذمہ داری ہے۔'' خالہ نسیم بیگم کو امید کا جگنو ہاتھ میں تھما کر چلی گئی۔

امامہ ایک خوب صورت اور دین دار لڑکی تھی جتنا ظاہر اس کا خوب صورت تھا اس سے کئی گنا اس کا باطن خوب صورتی کا پیکر تھا نہ صرف وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی بلکہ ایک نماز پڑھ لینے کے بعد وہ دوسری اذان کا بے صبری سے انتظار کیا کرتی تھی۔ ہر کوئی اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اتنی ساری خوبیوں کے باوجود ابھی تک امامہ کہ شادی نہیں ہوئی تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ اس کے رشتے نہیں آتے تھے یا وہ کسی کو پسند نہیں آتی تھی لیکن جو بھی آتا تھا وہ صرف امامہ کو نہیں دیکھتا تھا ساتھ میں ان کے ٹوٹے پھوٹے گھر کا بھی بخوبی معائنہ کرتا اور گھر کو دیکھتے ہی اس کے خاندان کی مالی حیثیت کا اندازہ لگالیتا تھا اور پھر پلٹ کر واپس نہیں آتا تھا کیونکہ ان لوگوں کو لڑکی کے ساتھ جہیز بھی چاہیے ہوتا تھا اور وہ بھی اعلیٰ قسم کا۔

امامہ کے والدین اسی وجہ سے پریشان رہنے لگے تھے جانے کیوں بیٹیوں کے رشتے میں تھوڑی تاخیر ہوجائے تو ماں باپ بیٹی کو بوجھ سمجھنے لگتے ہیں۔ امامہ فجر کی نماز اور قرآن کی تلاوت سے فارغ ہوکر ناشتہ تیار کررہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ نسیم بیگم دروازہ کھولنے کے لیے گئیں اور خالہ کو دیکھ کر چونک گئی۔

''ارے اب یوں ٹکر ٹکر دیکھتی رہوگی کہ اندر بھی بلاؤ گی۔'' خالہ نے نسیم بیگم کو یوں حیران وپریشان دیکھ کر کہا۔

''ارے خالہ...... آپ کا اپنا گھر ہے۔ آئیں اندر آئیں' وہ صبح سویرے آپ کی آمد پر گھبرا گئی تھی۔ سب خیریت تو ہے نہ؟''

''ارے سب خیریت ہے میں تو خوش خبری لائی ہوں' تم بس اب منہ میٹھا کرواؤ۔''

''کیسی خوش خبری خالہ؟''

''امامہ کے جوڑ کا رشتہ مل گیا ہے۔ لڑکا لاکھوں میں ایک ہے اپنا بنگلہ ہے' گاڑی ہے اور بہت بڑا بزنس بھی اور سب سے بڑھ کر انہیں جہیز میں کچھ بھی نہیں چاہیے۔''

''ارے خالہ......! تم نے تو دل خوش کردیا۔''

''اب میرے سلمٰی ستارے والے سوٹ تو پکے نہ؟''

''ارے خالہ...... بالکل یہ بھی کہنے والی کوئی بات ہے۔''

امامہ کے والدین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے بغیر جانچ پڑتال کے صرف خالہ کی باتوں پر بھروسہ کرکے ارحم کے رشتے کے لیے رضامندی ظاہر کردی اور یہ تک سوچنا گوارا نہ کیا کہ ایک امیر' غریب کے گھر رشتہ لے کر کیوں آتا ہے؟ یا تو اس کے بیٹے میں کوئی نقص ہوتا ہے یا پھر جب وہ غریب کو اپنے پیروں کی جوتی بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ ورنہ کوئی امیر کسی غریب سے رشتہ استوار کرنا پسند نہیں کرتا۔

اور اس کا اندازہ امامہ کو پہلی رات ہی ہوگیا کہ کس وجہ سے امامہ کو ارحم سے وابستہ کیا گیا ہے کیونکہ کوئی بھی امیر باپ چاہے وہ خود کتنا بھی عیاش ہو اپنے بیٹے کے لیے ایک نیک اور پارسا جیون ساتھی کا ہی انتخاب کرتا ہے اور ارحم تو شادی کی پہلی رات ہی اتنی شراب پی کر آیا تھا کہ وہ ٹھیک سے کھڑا بھی نہیں ہو پارہا تھا۔

بڑی مشکل سے امامہ نے ارحم کو بستر پر لٹایا اور اس کی جرابیں اور جوتے اتارے۔ جب صبح ارحم کی آنکھ کھلی تو امامہ عروسی جوڑے سے گھر کے کپڑوں میں آچکی تھی لیکن وہ اب بھی اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ارحم کو لگا کہ کوئی آسمان کی حور اس

کے کمرے میں آ گئی ہو اور ارحم نے بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

وقت سبک رفتاری سے گزر رہا تھا۔ امامہ کی ساس امامہ پر جان چھڑکتی تھی اور اس بات کا برملا اظہار بھی کرتی تھی لیکن جس کی وجہ سے یہ رشتہ استوار ہوا تھا اس کو امامہ کی ذرا سی بھی پروا نہ تھی۔ ارحم کے نزدیک امامہ کی کوئی اوقات نہیں تھی وہ امامہ کو ٹشو پیپر سمجھتا تھا جسے ضرورت کے وقت استعمال کیا اور پھر پھینک دیا۔ کہیں گھمانے پھرانے یا کسی پارٹی میں امامہ کو نہیں لے جاتا تھا۔

سارا دن امامہ فارغ رہتی اور اس بوریت کو دور کرنے کے لیے امامہ نے لکھنا شروع کر دیا تھا' اپنی سوچوں کو لفظوں میں ڈھال کر اسے عجیب سی خوشی اور سکون ملتا تھا۔

ایک دوپہر امامہ سارے کام نمٹا کر حجاب کی سالگرہ نمبر کے لیے افسانہ لکھ رہی تھی کہ اچانک ارحم کمرے میں داخل ہوا اور امامہ کو صفحۂ قرطاس پر جھکا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''وہ میں اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ ''حجاب'' کی سالگرہ کے لیے افسانہ لکھ رہی تھی۔''

''ابھی پڑھنا کافی نہیں تھا کہ تم نے لکھنا شروع کر دیا اور ویسے بھی ان ڈائجسٹوں میں ہوتا کیا ہے سوائے جھوٹ کے۔''

''نہیں ارحم...... آنچل اور حجاب میں جو بھی کہانیاں آتی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی پیغام ہوتا ہے پڑھنے والوں کے لیے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب تم آنچل اور حجاب کی تعریف کرنا بند کرو اور یہ ڈریس پہن کر دیکھ لو کہ سائز وغیرہ صحیح ہے کہ نہیں ہمیں شام کو پارٹی میں جانا ہے۔'' امامہ کو بہت خوشی ہو رہی تھی کہ ارحم اس کے لیے پہلی مرتبہ کوئی چیز لایا تھا۔

یہ ایک نہایت خوب صورت گلابی اور فیروزی رنگ کی ساڑھی تھی جس پر نگینوں کا کام نفاست سے کیا ہوا تھا لیکن اس کا بلاؤز سلیولیس اور اتنا چھوٹا تھا کہ اس کو پہن کر امامہ کو شرم آ رہی تھی' جب امامہ یہ ساڑھی پہن کر باہر آئی تو ارحم مبہوت سا رہ گیا لیکن جب امامہ نے اس سے کہا۔

''ارحم...... آپ میرے لیے یہ ڈریس لائے مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن میں یہ پہن کر آپ کے ساتھ پارٹی میں نہیں جاسکتی کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرے حسن کو کوئی غیر محرم دیکھے۔'' یہ سنتے ہی ارحم آگ بگولہ ہو گیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ باہر جانے کے لیے مرا جا رہا ہوں یہ تو ماما کے کہنے پر میں تمہیں لے جانے کے لیے تیار ہوا تھا۔ ورنہ تم میرے اسٹینڈرڈ کی نہیں ہو اور ویسے بھی کپڑوں کے تھان میں لپٹی ہوئی تمہاری جیسی عورت کو میں اپنے ساتھ لے جا کر اپنے دوستوں کے سامنے اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتا تھا۔'' وہ دو جملوں میں اس پر اس کی اوقات واضح کر گیا۔

ارحم کی باتیں سن کر امامہ کو شدید دھچکا لگا اور وہ ارحم کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''ارحم...... کپڑوں کو اتارنے میں اگر اسٹینڈرڈ بنتے ہیں تو مجھے ایسے اسٹینڈرڈ کی کوئی ضرورت نہیں اور ویسے بھی انسانوں کے سامنے انسان گر جائے تو اٹھ سکتا ہے لیکن اپنے اللہ کی نظر میں اگر ایک بار گر جائے تو پھر پستیاں ہی اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔''

''مجھے تمہارا لیکچر سننے کا کوئی شوق نہیں اس لیے میں جا رہا ہوں۔''

☆☆☆......☆☆☆

کچھ دنوں سے امامہ کی طبیعت بڑی بوجھل ہو رہی تھی کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس وجہ سے امامہ کی ساس اس کا بہت زیادہ خیال رکھ رہی تھی۔ اسے بچوں کی طرح پکڑ پکڑ کر کھانا کھلاتی، دودھ پلاتی اتنی محبت دیکھ کر امامہ کی آنکھیں اکثر نم ہو جاتیں۔ ایک دن تو ارحم نے ساری حدیں پار کر دیں اس کی امی جب گھر پر نہیں تھی تو وہ کسی لڑکی کو اپنے گھر لے آیا۔

"ارحم...... یہ کون ہے اور اسے یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"تم کون ہوتی ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والی۔"

"میں آپ کی بیوی اور آپ کے ہونے والے بچے کی ماں ہوں۔" بچے کا سنتے ہی وہ ایک پل کے لیے ٹھٹکا لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی اصلیت میں واپس آ گیا۔

"تمہیں اس گھر میں وہ سب کچھ مل رہا ہے، جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ عمدہ کھانا، اچھا پہننا اور سب کچھ، اس لیے تم اپنی حد میں رہو اور مجھے اپنی زندگی جینے دو تم میری امی کی پسند تھی۔ شکر مانو کہ میں نے تمہیں قبول کیا اور آئندہ میری زندگی میں دخل اندازی کی تو ایک منٹ میں فارغ کر دوں گا۔" یہ سنتے ہی امامہ کے پیروں سے زمین نکل گئی اور وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی نے اس کے ساتھ یہ کیسا مذاق کیا ہے۔

"سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا۔ جاہل عورت اس سے اچھا تھا کہ میں یہاں آتا ہی نہیں۔" یہ کہتا ہوا وہ اپنی دوست کو لے کر چلا گیا۔

جب ارحم کی امی آئیں تب بھی امامہ بے حال سی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی امامہ کو اس حالت میں دیکھ کر ارحم کی امی پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا امامہ...... کچھ تو بولو بیٹا۔" امامہ روتے روتے اپنی ساس سے پوچھنے لگی۔

"ماما...... آپ نے میری زندگی کیوں برباد کی جب ارحم کو میں پسند نہیں تھی تو کیوں آپ نے مجھے اس سے منسلک کیا۔"

"بیٹا...... میں ماں تھی نا خود غرض بن گئی تھی جب خالہ نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا، تمہاری پاکیزگی اور اللہ سے محبت کی داستان سنائی تو مجھے لگا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جو میرے بیٹے کو بدل سکتی ہے اس کی اندھیری زندگی کو پُرنور کر سکتی ہے اور جب میں نے تمہیں دیکھا تو تمہارے چہرے پر جو نور تھا اور تمہاری آنکھوں میں جو حیا تھی اسے دیکھ کر میں نے اسی لمحے طے کر لیا کہ ارحم کی شریک حیات تم ہی بنو گی کیونکہ بیٹا برائی کو ہمیشہ اچھائی سے ختم کیا جا سکتا ہے اور بیٹا...... تم تو اللہ تعالیٰ کے بے حد قریب ہو تم اللہ سے اپنے خاوند کو راہ راست پر لانے کی دعا مانگو وہ تمہاری دعا ضرور سنے گا۔ میں ماں ہوں لیکن مجھے مانگنا نہیں آتا ورنہ آج تک میں اپنے بیٹے کو سدھار چکی ہوتی۔ بیٹا...... تمہیں مانگنے کا سلیقہ ہے اور پھر وہ تو بے دلی سے مانگنے والے کو بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔" اور پھر امامہ نے خدا سے لو لگالی۔ سوالی بن کر اس کی چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔

اور ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اپنے بندے کو خالی ہاتھ لوٹا دے۔ اسے تو اپنے بندے کو انکار کرنے پر بھی حیا آتی ہے۔ بندوں کے لیے کوئی کام ناممکن ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خالق ہے تمام جہانوں کا اور وہ تو ایک پل میں بھٹکی ہوئی قوموں کو راہ راست پر لے آتا ہے۔ تو پھر ارحم کو سدھارنا کیا مشکل تھا۔

رات سے ارحم کی امی اور امامہ ہسپتال میں تھیں اور جب ارحم کی امی کو ڈاکٹر نے بیٹی کی خوش خبری سنائی تو وہ سجدے میں گر گئیں اور فوراً یہ خوش خبری ارحم کو بھی دی۔

آدمی اپنی بیوی سے جتنا بھی متنفر ہو اپنے بچوں کی محبت اس کے دل میں اجاگر ہو ہی جاتی ہے۔ ارحم بھی یہ خبر سن کر بے ساختہ خوش تھا خوشی اس کے اندر سے پھوٹ رہی تھی اور وہ خود اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھا کہ جس بچے کی اسے بالکل پروا نہیں تھی اس بچی کو دیکھنے کے لیے وہ اس قدر دیوانہ کیوں ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی تمام میٹنگ کینسل کر دی اور پہلی فلائٹ سے لاہور سے کراچی آ گیا۔ امامہ کو ابھی ابھی کمرے میں منتقل کیا گیا تھا۔ امامہ کا چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا کہیں سے بھی کوئی خوشی کی جھلک اس کے چہرے پر واضح نہیں ہو رہی تھی۔ ارحم کی امی نے جب امامہ کو اداس دیکھا تو مضطرب ہو کر امامہ سے پوچھا۔

"کیا ہوا بیٹا...... تم خوش نہیں ہو کیا؟ جب کہ ایک عورت کی زندگی کا یہ سب سے نایاب لمحہ ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی کسی تخلیق کو اس دنیا میں لانے کا باعث بنتی ہے۔"

"نہیں ماما...... میں خوش نہیں ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آگے چل کر میری بیٹی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہ بھی

کسی کی گندی نگاہوں کا نشانہ بنے گی اسے بھی لوگ دیکھ کر گندے فقرے کسے گے اور پھر ایک دن اس کے پھول جیسے وجود کو کوئی بے دردی سے مسل دے گا۔"

"اللہ نہ کرے بیٹا کہ کبھی ہماری بچی کے ساتھ ایسا ہو۔" نیم مردہ لہجے میں ارحم کی امی نے کہا۔

"ماما...... میں بھی نہیں چاہتی کہ کچھ ایسا ہو لیکن یہ حقیقت ہے۔ ماں باپ کا بویا بچوں کو کاٹنا پڑتا ہے اور ارحم بھی لڑکیوں کے ساتھ یہی تو کرتے ہیں۔ ارحم کے کیے کا تاوان میری بیٹی کو چکانا پڑے گا اس لیے ماما میں خوش نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر امامہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دروازے پر کھڑے ارحم کو لگا کہ کسی نے اس کو آئینہ دکھایا ہو کہ دیکھو تم کتنے بھیانک دکھتے ہو تم وہ مجرم ہو جس کے جرم کی سزا تمہاری بچی بھگتے گی اور وہاں کھڑے کھڑے ارحم ندامت اور شرمندگی کے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس کے قدم من من کے ہو گئے اور وہ دروازے سے ہی پلٹ آیا کیونکہ اس میں اپنے گندے وجود کو اپنی بیٹی کے سامنے لے جانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ گناہ گار ہاتھوں سے اپنی پاک بیٹی کو چھونا نہیں چاہتا تھا' وہ اپنے گناہوں کی گرد سے اپنی بیٹی کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لیے دروازے سے واپس پلٹ آیا۔

امامہ کی ساس امامہ کو تسلیاں دے رہی تھی۔

"بیٹا...... اللہ تعالیٰ سے ناامید نہیں ہوتے' وہ قادر مطلق ہے وہ ضرور تمہاری دعاؤں کو سنے گا' بس تم اس سے مانگتی رہو۔"

شام ہوتے ہی ڈاکٹر نے امامہ کو ڈسچارج کر دیا۔ امامہ اپنی ساس اور بچی کے ساتھ گھر آ گئی۔ جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئی کمرے کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ دیواروں پر نیم برہنہ تصویریں جنہیں دیکھ کر امامہ کو وحشت ہوتی تھی ان تصویروں کا اب وہاں کوئی نام ونشان بھی نہیں تھا اس کے بجائے ان دیواروں پر آیت الکرسی اور درود پاک کی تحریرے لگے ہوئے تھے۔ کمرے میں روشنی بالکل مدھم تھی اور کسی نفس کے رونے کی آواز آ رہی تھی ایک پل کے لیے امامہ کو لگا وہ کسی اور کے کمرے میں آ گئی ہو لیکن جب اس نے قریب جا کر دیکھا تو امامہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ سجدے میں ہچکیوں سے رونے والا شخص کوئی اور نہیں ارحم ہی تھا اتنی خشوع وخضوع سے تو امامہ نے بھی اللہ سے کچھ نہیں مانگا تھا لیکن جتنا زیادہ کپڑا گندا ہو اسے اتنا ہی زیادہ رگڑنا پڑتا ہے اور ارحم کا تو پورا جسم گناہوں سے لتھڑا ہوا تھا اس لیے وہ اللہ کے حضور آنسو بہا کر اپنے گناہوں کو دھو رہا تھا کیونکہ اسے اپنے رب کو راضی کر کے اس کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہونا تھا۔ وہ سجدے سے اٹھا تو امامہ کو ایک بالکل مختلف ارحم لگا جس کے ہر عضو سے ندامت ٹپک رہی تھی۔ وہ امامہ کے پاس آ کر بیٹھا اور ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگنے لگا۔

"ارحم...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"امامہ...... میں تمہارا مجرم ہوں' میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا' میں نے تمہیں اپنے حق سے محروم رکھا لیکن پھر بھی تم ایک نیک بیوی کی طرح اپنے تمام فرائض پورے کرتی رہیں' تم میری کسی نیکی کا صلہ ہو جو زندگی میں' میں نے کبھی کی ہو گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور میں اپنی بچی پر بھی کبھی کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں زندگی بھر اس کی حفاظت کروں گا۔"

امامہ ارحم کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر رونے لگی۔

"امامہ...... اب جتنا رونا تھا تم نے رو لیا۔ اب میں تمہاری آنکھوں میں کبھی آنسو نہ دیکھوں۔ اب صرف تم مسکراؤ گی' قہقہے لگاؤ گی ورنہ میری بیٹی بھی تمہاری طرح روتو ہو جائے گی۔" ارحم نے امامہ کے آنسو پونچھتے ہوئے دھیرے سے اس کے کانوں میں کہا۔ امامہ ہنسنے لگی۔ "اور یہ دیکھو امامہ' تمہارے لیے ایک اور خوش خبری۔"

"یہ کیا ہے ارحم؟"

"کھول کر تم ہی دیکھ لو۔" امامہ جلدی جلدی ریپر کو کھولنے لگی اور حجاب کا سالگرہ نمبر دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور جب اندر اپنا لکھا ہوا افسانہ دیکھا تو بے ساختہ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل آئے اور وہ فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اٹھ گئی کہ آج خدا نے اس کی تمام دعائیں سن لی تھیں اور اس کو اس کی اوقات سے زیادہ نواز دیا تھا۔

"اوہ اللہ...... یکم دسمبر کو خالہ جانی کی سال گرہ، پانچ تاریخ کو بڑے بھائی جان کی ویڈنگ اینورسری، آٹھ کو چھوٹو کی سال گرہ جو کیک اور اپنا من پسند گفٹ لیے بغیر ٹلتا ہی نہیں اور پھر بڑی بھابی اف...... (سر پر غیر اضطراری انداز میں ہاتھ مارا ساتھ لبوں کو بھی دانتوں تلے کچلنے کی زحمت دی) دس کا ہندسہ گزرا نہیں اور گیارہ کو ان کی بھی سر پر آن پہنچتی ہے جن کی ناک اتنی لمبی ہے کہ کوئی عام سستا تحفہ تو نگاہوں میں جچتا ہی نہیں۔ اچھا خاصا کنڈا کروا دیتی ہے اچھے بھلے بندے کا۔ پندرہ کو میری جان سارہ میری پیاری دوست سارو کی اس کے لیے تو دسمبر کے آنے سے پہلے ہی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ ویسے اب کہ تو اس نے بھی بڑا مہنگا مطالبہ کردیا ہے پہلے سے ہی اشفاق احمد کی کتاب زاویہ کے تینوں حصوں کی فرمائش، کتابی کیڑا جو ٹھہری محترمہ...... بندہ پوچھے بھئی کورس کی کتابیں کیا کم جو اردو ادب کے لکھاریوں کو پڑھ کر مغز ماری کرنی پڑے آج کل کے دور میں تو جو سمجھائے وہی سب سے برا اور کشمالہ یعنی کہ میں جو نہ صرف گھر بلکہ پورے خاندان والوں کی "مالا" ہوں اس کی متاع حیات تو انہی سال گرہ کے جھمیلوں میں آدھی نہیں بلکہ بس پاؤ رہ جاتی ہے اور میری بیچاری تنخواہ تو اس ماہ مبارک میں ہتھیار ڈالے بیٹھ جاتی ہے کہ بچنے کے آثار سرے سے ہی نہیں، ویسے قصور اس میں کسی اور کا تو کم میرا اپنا زیادہ نکلتا ہے۔ بقول شاعر...... سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے پھر بھگتنا تو پڑے گا ناں......"

"پیارے من موہنے سب کے بڑے ابا کو تو دسمبر میں مالا پر سب سے زیادہ پیار آتا ہے وجہ؟ ابا میاں کا جنم دن جو سارو کی سال گرہ کے تین دن بعد خراماں خراماں کسی شوخ اتراتی اٹھلاتی دوشیزہ کی طرح سرعت سے تشریف لے آتا ہے۔ ستم بالائے ستم ساٹھ برس کی عمر میں بھی ابا میاں کا حافظہ قابل قدر ہے اور سال گرہ کے معاملے میں تو قابل رشک بھی...... اس دن خصوصی طور پر سارے خاندان کے بچوں میں نمک پارے اور بوندیاں بانٹتے ہیں۔ سموسوں اور برگر کے شوقین بچے خوشی خوشی انہیں کھا کر گزارا کر لیتے ہیں کہ ابا میاں شام کو سب کو مزے مزے کی کہانیاں اور لطیفے سناتے ہیں۔ کیک کی بھاری ذمہ داری مالا کے ناتواں کاندھوں پر آپڑتی ہے۔ آخر کو اکلوتی امیر پوتی جو ہوئی۔ مرتا کیا نا کرتا کے مصداق دسمبر مالا کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں (سمجھ گئے ہوں گے آپ، ڈھیر ساری سالگرہوں کی نوید) لاتا ہے۔ اللہ اللہ کرکے پیارے ابا جان کا جنم دن گزرتا ہے تو بائیس دسمبر سے اکیڈمی کولیگز کے "برتھ ڈے سیزن" کا آغاز ہوجاتا ہے۔ ان تین چار دوستوں سے جان بخشی ہوتی ہے تو چھبیس دسمبر سے بھانجوں اور بھتیجوں کے ایام سال گرہ شروع ہوجاتے ہیں اور پھر اکتیس دسمبر کو آنے والی مالا کی سال گرہ پر مالا خود تو کنگال ہوتی ہی ہے، باقی سب بھی مہینے کے اختتام پر اخراجات کا رونا رو کر مالا کو اگلے ماہ کی تاریخوں کے جھانسے میں ڈال پس پشت دھکیل دیتے ہیں۔"

"روتے روتے ہنسنا...... آنسو بہے بھی نا تو سدا مسکرائے میری لاڈلی۔" سچ پوچھیے تو اس دن ایسے فقرے دل پر دلاسوں کے پھاہے رکھ دیتے ہیں۔

"جنگل میں منگل مالا کے دم سے سب نے یہ شور مچایا ہے سال گرہ کا دن نہیں بلکہ بجٹ کے اختتام کا دن آیا ہے۔" شب کے ہوتے ہی نم آنکھیں یہ راگ الاپتے خود ہی چپ چاپ سو جاتی ہیں۔

نومبر کی جیسے ہی ابتدا ہوتی کشمالہ دسمبر کی کئی منتخب تاریخوں پر لگے دائروں کو اور سرخ کرنے لگتی۔ ابا میاں کے لیے ایک عدد نئی شال صحیح رہے گی کہ دسمبر میں موسم کے تیور بھی نشیب و فراز کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بڑے بھائی کو خاندان میں ہر آنے والی تقریب کے مطابق ہر دفعہ نئے تھری پیس سوٹ کی خواہش ہوتی سو ان کے لیے ویڈنگ اینورسری پر سوائے ڈریس کے کوئی بہترین تحفہ نہیں۔ بھابی کو تو کھسے، ساڑھی یا بیگ ہی بطور فرمائش دلانا ہوگا۔ ابا میاں کے لیے بھاری بھرکم کیک بہت ہوگا۔ خیر سے ہر میٹھی شے خواہ گاجر کا حلوہ ہو یا کھیر ابا میاں اس وقت تک تھوڑا تھوڑا مانگتے رہتے ہیں، جب تک وہ شے ختم نہیں ہوجاتی پھر آگئے ہمارے دوست احباب تو ان کی دلچسپی اور شوق مالا کے لیے سب سے ٹاپ پر ہوتے اس لسٹ میں جس پر سال گرہ کی تاریخیں بمعہ اسم اور تحائف کے اندراج کی جاتیں۔ پیارے

ننھے منے بھانجوں اور بھتیجوں کی بھی پسند کو سامنے رکھ کر تحائف کا تعین کیا جاتا۔ کسی کو گیم چاہیے' کسی کو اسٹوری بک کا سیٹ' کسی کو سونے جاگنے والی بڑی آنکھوں لمبے بالوں اور گول مٹول منہ والی گڑیا' کسی کو چابی والی کار' کسی کو نقلی موبائل' کسی کو کیرم بورڈ' کسی کو گھڑی تو کسی کو ڈھیر سارے غبارے اور یہ سب مالا کو قبل از وقت بتا دیا جاتا تا کہ عین وقت پر ہونے والے ہارٹ اٹیک سے محفوظ رہا جاسکے پھر ایسے موقعوں پر مالا کے ہاتھ سے بنے آرٹسٹک کارڈ بھی بہت کام آتے جو وہ دسمبر کے آنے کے خوف سے کئی دن پہلے ہی تیار کرلیتی۔ اس دفعہ تو مالا نے ایک انوکھی حکمت عملی بھی مواقع کی مناسبت سے تیار کی اور فی الفور اس پر عمل بھی کر ڈالا اور کمال یہ بھی ہوا کہ بلا پس و پیش اسے دو ماہ کی تنخواہ اکٹھی مل بھی گئی۔ سال کا کوئی ماہ ایسا نہ ہوتا کہ جب کسی عزیز رشتے دار کی سال گرہ نہ آتی ہو مگر دسمبر میں تو حد ہی ہو جاتی پھر بندہ اکتوبر کو کھری کھری سنا بھی نہیں سکتا کہ مابدولت کی پیدائش بھی اس ماہ مبارک کی تھی۔

بروقت استعمال کی جانے والی ذہانت سے خوب فائدہ ہوا تو اگلے سال کی پیشرفت پر بھی سوچوں کے در دھڑ ادھڑ کھٹکھٹائے جانے لگے۔ جنوری آیا' چلا گیا' فروری آیا' دم دبا کر بھاگ گیا' مارچ نے تو جانے میں خوب ہی عجلت دکھائی' اپریل ہوتا' مئی یا جون' جولائی سلائی کا کام بھی بڑھ جاتا اور پڑھائی کا بھی۔ سوان مہینوں کے آنے کا تو پتہ ہی نہ چلتا۔ ہوا کے جھونکوں کی طرح آ کر پلک جھپکتے گزر جاتے۔ اکتوبر بھی اپنی بہار دکھلا تا رخصت ہوتا اور نومبر دھما کہ خیز خوف لیے دبے پاؤں آ جاتا کہ آنے والا ہے اب دسمبر ایک نئے انداز میں......

بھرے پُرے جوائنٹ فیملی سسٹم میں (جہاں سب شادی شدہ بال بچے والے تھے سوائے کشمالہ کے) آج کشمالہ کی نسبت طے ہونا تھی کہ لڑکے والے دیر کرنے کے متحمل نہ تھے۔

آج دسمبر کی دو تاریخ تھی اور اس دو کے ہندسے کے گرد کشمالہ کی بے قرار نظریں کسی انوکھے ڈی وارف کی مانند دیوانہ وار چکر لگا رہی تھیں۔ خوف و ہراس کی کیفیت جو پتلیوں پر روشنی کے روپ میں سایہ فگن تھیں نے بھی سنوری مالا کے حسن کو دوآتشہ کر ڈالا تھا۔

"دراصل بات یہ ہے بلقیس صاحبہ...... میرے بیٹے احمر کی شدید خواہش ہے کہ نکاح اس ماہ کی تیس تاریخ کو رکھ لیا جائے کیونکہ احمر اپنی سال گرہ کے دن کو یادگار بنانا چاہتا ہے۔"

بادل جو کب سے صبر کے گھونٹ پیتے خاموش تھے یک لخت برس پڑے۔ بادلوں کی گرج چمک کو نظر انداز کرتے مالا کی ساسو ماں عائلہ اعوان اس کی والدہ سے نرم لہجے میں بھرپور شیرینی لیے مخاطب تھیں۔

"بہن ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا اچھا ہے پھر اچھے رشتے کب کہاں کسی کا انتظار کرتے ہیں۔" جواب شائستہ انداز میں ابا میاں کی جانب سے آیا تھا۔

جواب سنتے عائلہ بیگم خوشی سے نہال اور کشمالہ ہاتھ پاؤں چھوڑ بے ہوش ہوگئی تھی۔ جس پر سب کا یہی خیال تھا کہ مالا باہر ہونے والی گرج و چمک کے زیر اثر بے ہوش ہوگئی ہے جبکہ ایسا نہیں تھا بلکہ دل حزیں کے کسی کونے سے پرزور "نہیں" کی صدا ابھری تھی جو کسی کی سماعت تک رسائی نہ حاصل کرسکی تھی۔

مالا کو "دسمبر" سے محبت تھی جبکہ اس ماہ دلربا کو اس کی ذات سے عشق ہوگیا تھا۔

الیکٹرانک محبت

ام حبیبہ

تیرے نام سے شفاء ہو، کوئی زخم وہ عطا کر
میرے نامہ بر ملے تو، اسے کہنا یہ ادب سے

نگینہ ابھی آن لائن ہوئی ہی تھی کہ اسے جھٹ سے یہ میسج موصول ہوا۔ مسکراہٹ نے ہونٹوں کا احاطہ کیا اور اس کی انگلیاں حرکت میں آئیں۔

"تمہیں پتہ کیسے لگتا ہے کہ میں اس ٹائم آؤں گی؟"

"جب آپ ہر لحہ کسی کا انتظار کریں تو کیا اس کے آنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا؟" اسکرین پہ الفاظ جگمگائے۔

"اچھا تو میرا انتظار کر رہے تھے تم؟" نگینہ نے دریافت کیا۔

"اتنی خوش فہمی جناب کو؟" نعمان نے اسے تنگ کرتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر جاؤ مجھ سے بات کیوں کر رہے ہو؟" نگینہ نے منہ پھلاتے ہوئے میسج سینڈ کیا۔

"ارے یار مذاق کر رہا تھا اچھا رکو تو تمہیں پتہ ہے نا میں نہیں برداشت کر سکتا تمہاری ناراضگی۔" نعمان کا میسج فوراً آیا۔

"نہیں...... نہیں اب بھی کہو نا۔" نگینہ نے طمانیت سے مسکراتے ہوئے جواب ٹائپ کیا۔

"آپ کو پتہ تو ہے میں مذاق کرتا ہوں پھر بھی سریس ہو جاتیں ہیں۔" نعمان کے الفاظ اسکرین پہ جگمگائے۔

"پتہ ہے میرا دل کرتا میں اسے دیکھوں جس کو دو مہینوں سے صرف لفظوں کے ذریعے جانتا ہوں۔" ابھی وہ پچھلا میسج ہی پڑھ رہی تھی کہ اسے اگلا موصول ہوا۔

"میری امی آج کل میرا رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں لیکن میں شادی آپ جیسی کسی لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے خیالات مجھے متاثر کرتے ہیں آپ کی سوچ' ہر چیز ویسی ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ آپ سے بات کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔" نگینہ دم بخود ایک کے بعد ایک آنے والا میسج دیکھ رہی تھی۔

کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ نعمان پاشا ذو معنی باتیں کرنے لگا ہے وہ یا تو بات مذاق میں ٹال دیتی یا موضوع تبدیل کر دیتی لیکن آج...... آج تو جیسے وہ ٹھان کے آیا تھا آر یا پار کا فیصلہ کر کے ہی دم لے گا۔

"آپ مجھے اچھی لگتیں ہیں آپ کی باتوں کی بازگشت مجھے آپ کی غیر موجودگی میں بھی تروتازہ رکھتی ہے آپ سے بات کرنا میرے لیے طمانیت کا باعث ہے۔" وہ جیسے اس کی باتوں کے جال میں الجھنے لگی۔

"آپ کی ناراضگی میری جان پہ بنا دیتی ہے۔ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں آپ مجھے اپنی ایک تصویر بھیج دیں۔ آپ بھیجیں گی نا؟ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں۔ میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں بلکہ یہ میرا نمبر لیں مجھے کال کیجیئے گا میں انتظار کروں گا۔" نعمان جیسے آج سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر آیا تھا اپنی ترکش کے ایک ایک تیر سے اس پر وار کر رہا تھا۔ نگینہ جذبات میں بہتے بہتے ایک دم خود کو ہوش میں لائی۔

"اچھا تو تم مجھ سے الیکٹرانک محبت کرتے ہو؟"

"وہ کیا ہوتی ہے؟ میں تو سچی محبت کرتا ہوں۔" جواب آیا۔

"وہی محبت جو آج کل انٹرنیٹ پہ موجود ہر دوسرے بندے کو ہر تیسری لڑکی سے ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی تصویر کا تقاضا آتا ہے یا نمبر کا۔" نگینہ نے تمسخرانہ انداز میں ٹائپ کیا۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں؟" نعمان نے دریافت کیا۔

''اگر میں ویسی نہ ہوئی جیسی تم چاہتے ہوتو؟'' نگینہ نے اس سے پوچھا۔

''مجھے آپ کی خوب صورتی سے غرض نہیں۔ آپ جیسی بھی ہوں میں بس آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' نعمان کا فوراً جواب آیا۔

''جب میرے خوب صورت ہونے سے فرق نہیں پڑتا تو دیکھنا بھی کیوں؟'' نگینہ نے پھر سوال کیا۔

''میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' میں آپ سے مخلص ہوں۔ آج تک میں نے آپ سے کبھی کوئی غیر اخلاقی بات نہیں کی' پھر یہ اجتناب کیوں؟'' نعمان کے الفاظ اسکرین پہ ابھرے۔

''اچھا ہم پھر بات کریں گے امی بلا رہی ہیں۔'' نگینہ نے سینڈ کرکے جلدی سے لاگ آوٹ کیا اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ مجھے بھول ہی گیا ہوگا
یاد رکھتا تو سلسلے رکھتا

نگینہ جیسے ہی آن لائن آئی اسے یہ میسج موصول ہوا۔

اس دن کی گفتگو کے بعد اب جب بھی دونوں کی بات ہوتی تو نعمان اسی بات سے شروع کرتا جبکہ نگینہ کی کوشش ہوتی کہ بات گھمادے۔ اب وہ کوشش کرتی کہ نعمان سے کم سے کم بات کرے۔ آج بھی وہ خود کو روکتے روکتے پھر آن لائن ہوگئی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' نگینہ نے اس کے شعر کے جواب میں پوچھا۔

طب کے ہزار نسخوں کے بعد
وہ آئے مسکرائے اور شفاء ہوگئی

اسکرین پہ دوسرے شعر کے الفاظ نمودار ہوئے۔

''آپ بیمار تھے؟'' نگینہ نے اس سے فکرمندی سے پوچھا۔

''تھا اب نہیں اور اگر دیدار یار ہو جائے تو رہوں گا بھی نہیں۔''

''اچھا پھر آپ آرام کریں۔'' جب کوئی جواب نا بن پڑا تو نگینہ نے کہا۔

''ارے بات تو سنو میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں اور کال کا بھی۔'' نعمان پھر وہی دہرائی۔

''اور آپ نے ابھی تک تصویر بھی نہیں سینڈ کی۔'' ایک اور میسج آیا' اب تو نگینہ بھی اپنے آپ کو کافی حد تک راضی کرچکی تھی لیکن کوئی طاقت تھی جو اسے روکے ہوئے تھی ورنہ وہ تو کب کی عمل کرچکی ہوتی۔

''میرے موبائل کی بیٹری ڈاون ہے میں بعد میں آتی ہوں۔'' میسج سینڈ کرکے اس نے لاگ آوٹ کردیا۔

لیکن سوچیں تھیں کہ...... اچھا ہے لڑکا۔ مجھے ہاں کردینی چاہیئے۔ امیر بھی ہے' عزت بھی کرتا ہے۔ مجھے گھر میں کسی کو بتانا ہوگا۔ امی...... نہیں...... نہیں' فرینہ کو بتاتی ہوں' وہ کسی اور کو نا بتادے۔ کیا سوچے گی وہ کہ اس کی آپی...... نہیں...... نہیں...... کیا مجھے یقین کرنا چاہیئے؟ نہیں...... نہیں کیا اعتبار مردوں کی زبان کا۔ نہیں ہے وہ

میرے اعتبار کے قابل...... ایسی محبتیں بھی ہوتی ہیں بھلا اعتبار کے قابل لیکن وہ مخلص ہے میرے ساتھ...... نہیں۔ نگینہ یہ لوگ اور مخلص ان لوگوں کے لئے لڑکیاں وقت گزاری کا ذریعہ تو ہوسکتی ہیں قابل محبت نہیں...... شاید وہ مجھے ٹریپ کررہا ہو۔ نہیں...... نہیں...... انہی بے ربط سوچوں کے درمیان وہ الجھی رہی تھی۔

نگینہ اور نعمان کی دوستی انٹرنیٹ پہ ہوئی شروع شروع میں نگینہ نے اسے ٹائم پاس کے طور پہ لیا لیکن کب وہ اس کے وجود کی عادی ہوگئی خبر ہی نہ ہوئی۔ کتنے کتنے گھنٹے وہ لوگ مختلف موضوعات پہ باتیں کرتے گزار دیتے۔ نعمان امیر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا، خوش شکل، خوش اطوار، نگینہ کو اس کا انداز، باتیں، شائستگی متاثر کرتی۔ وہ اسے تم کہتی تب بھی وہ آگے سے اسے آپ ہی کہتا۔

نگینہ اپنا گریجویشن مکمل کرکے آج کل گھر میں اچھے رشتے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ وہ دو بہنیں اور ایک بھائی تھے۔ سب سے بڑی نگینہ، پھر حماد جو آج کل گریجویشن کا اسٹوڈنٹ تھا اور سب سے چھوٹی فرینہ جو ان دنوں انٹر کررہی تھی۔ نگینہ اپنے ماں باپ اسلم صاحب اور سکینہ بیگم کے ساتھ خوش حال اور پُرسکون زندگی گزار رہی تھی کہ اس سکون میں پتھر "نعمان پاشا" کی آمد سے لگا اور کب اس کی سوچیں بدلیں، کب سب کو سمجھانے والی خود نا سمجھی کا ثبوت دینے لگی کسی کو خبر ہی نہ ہوئی۔

گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر جب نگینہ بور ہونے لگی تو فیس بک استعمال کرنے لگی۔ کرتی تو وہ پہلے بھی تھی لیکن اب استعمال بڑھ گیا۔ سیانے کہتے ہیں کوئی چیز کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو اس کا زیادہ استعمال تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ انہی دنوں اس کی بات چیت "نعمان پاشا" سے ہوئی۔ پہلے تو وہ اسے ایک گروپ میں ملا پھر اس نے مہذب انداز میں اسے میسج کیا۔ وہ اسے اتنے احترام اور عزت سے مخاطب کرتا کہ وہ اس کے انداز کی گرویدہ ہوتی چلی گئی۔ شروع شروع میں وہ اسے نظر انداز کرتی رہی لیکن زیادہ دیر نا کرسکی۔

لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں دکھنے میں خود کو سخت ظاہر کرتی ہیں لیکن مرد کا التفات انہیں جلد یا دیر اپنی جانب متوجہ کرہی لیتا ہے۔ ان سے تھوڑا سا التفات پاکر وہ کب اپنی سدھ بدھ گنوا دیں انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی اور جب خبر ہوتی ہے تب وہ خود خبر بن چکی ہوتی ہیں۔

مجھے کوئی پسند کرے
کوئی میرا خیال کرے
کوئی مجھے سوچ کر شام کرے
کوئی میرے لیے دن سے رات کرے
کتنا فرحت بخش خیال ہے

چاہ جانا کس کو نہیں اچھا لگتا۔ چاہ جانا ایک ایسا احساس ہے جو انسان کو زمین سے آسمان کی بلندیوں تک لے جاتا ہے اسے لگتا ہے وہ دنیا کا خوش قسمت انسان ہے، اس کے ہاتھ ہفت اقلیم کی دولت لگ گئی ہو۔

کافی دیر سے وہ گھٹنوں پہ ٹھوڑی اور موبائل گود میں رکھے سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ مسکراہٹ تھی کہ ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہورہی تھی۔

"نگینہ کن خیالوں میں گم ہو؟" فرینہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے متوجہ کیا۔

"ہاں...... کچھ نہیں۔" نگینہ متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

"کب سے آوازیں دے رہی تھی کہاں پہنچی ہوئی تھی؟" فرینہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کہیں نہیں۔ خالہ پروین چلی گئیں؟" نگینہ نے رشتے والی کے بارے میں پوچھا جو کب سے آئی بیٹھی تھی۔

"ہاں چلی گئیں اسی لیے تو بلانے آئی تھی شام کو مہمان لا رہی ہیں خالہ، اس بار کافی پُرامید ہیں اماں نے کہا ہے کچھ انتظام کرلیں اور تم شام کو تیار رہنا اب کمرے سے نکل آؤ۔" فرینہ تفصیلی جواب دیتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

اس کا ایک دم منہ بن گیا یہ اس مہینے آنے والا کوئی دسواں رشتہ تھا۔ تنگ آگئی تھی وہ روز روز شوپیس بننے سے اور اوپر سے آنے والے ایسے تھے کہ دیکھ کر واپس ہی نہیں آتے تھے۔ تھوڑا کڑھنے کے بعد اس کی سوچیں پھر وہیں

جا کھڑی ہوئیں جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔

مجھے یقین کرنا چاہیے...... ہوسکتا ہے وہ سچا ہو کیا پتہ اس روز روز کی ذلت سے نجات مل جائے۔ انہی سوچوں کے درمیان اس نے وہ فیصلہ کیا جو شاید عام حالات میں وہ نا کرتی۔

''اللہ پاک آپ پلیز مجھے بتاؤ یہ فیصلہ ٹھیک بھی ہے کہ نہیں۔'' وہ دعا کرنے کے بعد سوچوں کو جھٹکتے ہوئے ہلکی پھلکی ہوکر کمرے سے باہر نکل آئی۔

''فرینہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' دونوں بہنیں کچن میں کام کرنے میں مصروف تھیں کہ نگینہ نے فرینہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''خیریت ہے نگینہ؟'' فرینہ نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''ہاں...... ہاں خیریت ہے میں سوچ رہی تھی کہ آنے والوں کو منع کردوں وہ بھی اگر انکار کر گئے تو......'' نگینہ نے یاسیت سے دریافت کیا۔

''اوہو...... نگینہ اللہ بہتر کرے گا کیوں تم اتنا منفی سوچ رہی ہو۔'' فرینہ نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں تنگ آگئی ہوں اس روز روز کی اپنی تذلیل سے۔ میں خود کو بوجھ سمجھنے لگی ہوں۔ وہ بوجھ جو اٹھانے کو کوئی بھی تیار نہیں۔'' اس کی آواز ایک دم بھرا گئی۔

''آپی...... آپی اللہ پہ بھروسہ رکھو میری بہن اتنی مایوسی کیوں؟ اللہ جب ایک پتھر کے اندر موجود کیڑے کو رزق دے سکتا ہے تو اس خالق کائنات نے تمہارا بھی جوڑ کہیں نہ کہیں لکھا ہوگا۔ مایوسی کفر ہے میری جان۔'' فرینہ اسے گلے لگاتے ہوئے سمجھانے لگی۔

''اور ہاں میری بہن میں کون سا کوئی کمی ہے مسئلہ تو ان کی آنکھوں میں ہے تمہیں تو دیکھنا کوئی شہزادہ بیاہنے آئے گا۔'' فرینہ اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولی۔

''فرینہ اگر کوئی مجھ سے خود شادی کرنا چاہے؟'' نگینہ جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب آپی آپ کا؟'' فرینہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔

نگینہ نے آہستہ آہستہ اسے نعمان سے ہونے والی تمام بات بتادی۔ فرینہ سب سن کر سکتے میں آگئی۔ اس سے پہلے کہ فرینہ اس سے سوال کرتی سکینہ بیگم بازار سے شام کے لیے سامان لے کر لوٹ آئیں۔ نگینہ نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''کتنا کام رہ گیا؟ نگینہ اب وقت کم ہی ہے تم جا کر تیار ہو جاؤ باقی کام میں اور فرینہ نمٹا لیتے ہیں۔'' سکینہ بیگم، نگینہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

''کام تقریباً ہوگیا ہے امی۔ آپ رہنے دیں پھر آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔ اب آپ آرام کریں میں اور فرینہ دیکھ لیتے ہیں۔'' نگینہ ان سے سامان پکڑ کے انہیں پانی کا گلاس تھماتی ہوئی بولی۔

''اللہ نصیب اچھے کرے۔'' سکینہ بیگم نے پانی پیتے ہوئے اپنی فرماں بردار بیٹی کو دعا دی۔

شام میں مہمان آئے کھایا پیا لڑکی دیکھی اور جواب کچھ دن بعد دینے کا کہہ کر چلے گئے۔ اس بار سب پُر امید تھے کہ ہاں ہو جائے گی رشتہ ہر لحاظ سے معقول تھا اور ان کی نگاہوں میں نگینہ کے لیے پسندیدگی بھی تھی۔ سکینہ بیگم نے تو ان لوگوں کے جانے کے بعد حاجت کے نوافل بھی ادا کیے تھے کہ ہاں ہو جائے۔ رات کو تمام کام نمٹا کر جب دونوں اپنے کمرے میں آئیں تو فرینہ نے بے صبری سے سوال کیا۔

''آپی وہ سب سچ تھا؟''

''کیا فرینہ؟'' نگینہ نے نظر چراتے ہوئے پوچھا۔

''آپی میری طرف دیکھ کر بات کریں نا۔'' فرینہ اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے بولی۔

دن میں تو جذبات کی رو میں بہہ کر وہ سب بتا گئی تھی لیکن اب وہ چھوٹی بہن سے نظر چرا رہی تھی۔ کیا سوچے گی وہ اس کی بڑی بہن نہیں...... نہیں میں نے کوئی ناشائستہ حرکت تو نہیں کی۔ لیکن شرمندگی تھی کہ۔

''آپی کہاں کھو گئیں آپ؟'' فرینہ اس کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں گڑیا سو جاؤ۔" نگینہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی اور دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گئی۔

"آپی کیا آپ واقعی اس سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟" نگینہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر سے سوال کیا۔

"وہ واقعی آپ کے ساتھ مخلص ہے کرتا کیا ہے؟ آپی اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو امی سے بات کروں میں پھر اس روز روز کے جھنجھٹ سے بھی نجات مل جائے گی آپ کو وہ آپ سے پیار کرتا ہے کیا آپ بھی اس سے کرتی ہیں۔" فرینہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک کے بعد ایک سوال کیے جا رہی تھی۔ وہ اپنی آپی کی شادی کا سوچ سوچ کر پُر جوش ہو رہی تھی کہ اب اس روز روز کی نمائش سے جان بھی چھوٹے گی جو مختلف لوگ آتے اور کئی زاویوں سے جانچتے جیسے وہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ قربانی کا جانور پسند کرنے آئے ہوں۔ جوش میں فرینہ نے اپنے پیچھے کھڑی ماں کو بھی نہیں دیکھا جو وہاں کسی کام سے آئیں تھیں لیکن بیٹی کی باتوں نے انہیں شاک کر دیا تھا۔

"فرینہ تم باہر جاؤ مجھے نگینہ سے بات کرنی ہے۔" ماں کی سرد آواز پہ دونوں ایک دم چونکیں۔ فرینہ تو فوراً ہی باہر نکل گئی اور نگینہ فق چہرے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔ فرینہ کے باہر جاتے ہی سکینہ بیگم ڈھ جانے والے انداز میں بستر پہ بیٹھ گئیں۔

"نگینہ...... یہ فرینہ کیا کہہ رہی تھی کیا یہ سچ ہے؟" سکینہ بیگم نے اس امید پہ نگینہ کو دیکھا کہ جیسے ابھی وہ کہہ دے جو انہوں نے سنا وہ سب جھوٹ ہے لیکن اس کی خاموشی انہیں ہولا رہی تھی۔

"نگینہ...... کچھ پوچھ رہی ہوں میں تم سے۔" سکینہ بیگم نے اب غصے سے پوچھا۔

"امی...... وہ......" نگینہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"نگینہ میرا صبر مت آزماؤ...... جلدی بتاؤ کیا سچ ہے۔"

"امی میری بات سنیں میں آپ کو سب بتاتی ہوں میں نے کچھ غلط نہیں کیا امی میرا یقین کریں۔" نگینہ ان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں بولی۔

سکینہ بیگم اسے خاموشی سے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ ان کی نظریں نگینہ کو آر پار آتی ہوتی محسوس ہوئیں لیکن پھر بھی اس نے ہمت کر کے انہیں سب کچھ بتایا۔

مائیں ساری زندگی اپنی بیٹیوں کو آبگینے سے بھی زیادہ احتیاط سے رکھتیں ہیں لیکن کب ان کی احتیاطیں دھری کی دھری رہ جاتیں ہیں کب ان کی بیٹیاں ان کا اعتماد توڑ کے کسی کی باتوں کے کچے پنکھ لگا کر پرندہ بن جائیں اور طوفانی ہواؤں میں اڑنے لگیں۔ جس میں اڑنا رسوائی کے علاوہ انہیں کچھ نہیں دیتا۔

سکینہ بیگم بھی سکتے میں تھیں کہاں ان سے چوک ہوئی کہاں ان کی فرماں بردار بیٹی انجان راہوں کی مسافر بنی اور وہ بے خبر رہیں۔ اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ اس کی بیان کردہ سچائی کو پرکھنے لگی جس نے کہا تھا وہ محبت نہیں کرتی۔ انہوں نے ان حالات میں بھی سمجھداری کا دامن نا چھوڑا۔ اگر وہ مڑی ہوئی لکڑی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرتیں یا تو وہ ٹوٹ جاتی یا اور مڑ جاتی۔

"مجھے اس کا فون نمبر دو میں خود اس سے صبح بات کروں گی۔" ساری بات سننے کے بات انہوں نے صرف یہ کہا اور نعمان کا نمبر اور اس کا فون لے کر وہاں سے چلی گئیں۔

ان کے باہر جاتے ہی فرینہ فوراً اندر آئی اور پوچھنے لگی۔ اسے خاموش کروا کر نگینہ صبح کا سوچ کر اندیشوں میں گھر گئی۔ فرینہ نے بھی بہن کی پریشانی دیکھ کر زیادہ نہیں کریدا۔ نگینہ کو کبھی وسوسے ستاتے تو کبھی وہ خواب بننے لگتی کبھی اسے ڈر ستاتا کہ امی نے اگر ابا یا بھائی کو بتا دیا تو جانے کیا حشر ہوگا...... غرض ساری رات وہ اس ادھیڑ بن میں صبح سے سو بھی نہ پائی۔ کبھی سوچتی کہ نعمان کو کسی طریقے سے بتا دے لیکن موبائل...... اس نے تو ابھی اس کو تصویر بھی نہیں سینڈ کی تھی اچھا ہی ہوا جو اس کا دیا ہوا نمبر سیو کر لیا ورنہ...... خود سے الجھتے ہوئے کب رات کے آخری پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی دن خاصا نکل آیا تھا۔ ایک دم ہڑبڑا کے اٹھی اور ٹائم دیکھا تو گیارہ بج چکے تھے۔ سب چلے گئے ہوں گے۔ اب تک تو امی نعمان سے بات بھی کر چکیں ہوں گی۔ پتہ نہیں کیا بنا ہوگا۔ یہی سوچ کر وہ ہاتھ منہ دھوئے بغیر باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی اس نے سکینہ بیگم کو ہاتھ میں موبائل پکڑے ساکت سامنے تکتے پایا۔ یا اللہ خیر...... اس نے دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے پکارا۔

"امی۔"

"ہاں' کھل گئی آنکھ تمہاری۔" سکینہ بیگم نے چونکتے ہوئے کہا۔

"جی امی...... رات طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے نیند دیر سے آئی اس وجہ سے اٹھنے میں دیر ہوگئی۔" اس نے سکینہ بیگم کے ذومعنی انداز پہ غور کیے بغیر سادگی سے جواب دیا۔

"اسی لیے تو کہتے ہیں بیٹا لڑکیوں کو آنکھ نہیں لگانی چاہیے ورنہ جب کھلتی ہے دیر ہو چکی ہوتی ہے۔" اس بار نگینہ نے چونکتے ہوئے انہیں دیکھا وہ اتنی بچی نہیں تھی کہ ان کی بات کا پس منظر نہ سمجھتی۔

"میری بات ہوئی تھی اس سے۔" انہوں نے سیدھا مدعے پہ آتے ہوئے کہا۔

"اس نے تو تمہارا نام سنتے ہی کہا کہ میں نہیں جانتا...... تم کس بھروسے پہ ہو؟" سکینہ بیگم نے اس کی طرف طنز سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بعد میں جب میں نے جرح کی تو وہ کہنے لگا آپ کی بیٹی صرف میری دوست ہے اور کچھ نہیں بلکہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے میں نہیں' میں شادی شدہ انسان ہوں' یہ بات میں نے آپ کی بیٹی کو سمجھائی لیکن شاید آپ نے اس کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ دوسروں کا گھر اجاڑے۔" سکینہ بیگم سامنے دیکھتے ہوئے دکھ اور غصے کے زیر اثر بولتی چلی گئیں۔

"نگینہ آج تیری وجہ سے مجھے یہ سب سننا پڑا۔ میری تربیت پہ حرف آیا۔ میرا دل کر رہا تھا یا تیرا گلا دبا دوں یا تو خود زہر کھا لوں۔" سکینہ بیگم ضبط کرتے ہوئے بولیں۔

"سیانے کہتے ہیں کہ آئی جوانی سنبھالنا مشکل کام ہے...... کوئی کوئی ہی سنبھالتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ سب الفاظ دوبارہ دہراؤں۔ ہاں تمہیں اب بھی اگر کوئی شوق رہ گیا ہے تو کر لو پورا یہ موبائل پڑا ہے۔" انہوں نے اس کے سامنے موبائل پھینکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تھوڑی دیر تک بتا دو کیا جواب دوں کل جو لوگ دیکھنے آئے تھے انہوں نے شام کو بلایا ہے انہیں شادی کی جلدی ہے اور مجھے بھی۔" سکینہ بیگم کہتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئیں۔

وہ وہاں شاک کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اسے لگتا تھا اس کے ساتھ سنگین مذاق ہوا ہے یا تو وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہے یا پھر...... جانے کیا سوچ کر اس نے سامنے پڑا موبائل پکڑ کے اپنی آئی ڈی آن کی تو وہ اسے بلاک کر چکا تھا۔ وہ ایک موہوم سی امید جو اسے اب تک سنبھالے ہوئے تھی اب وہ بھی ڈھ گئی تھی۔ وہ اسے بددعائیں دینے لگی۔ آنسو تھے کہ رک ہی نہیں رہے تھے وہ رونا نہیں چاہتی تھی وہ بھی اس شخص کے لیے جس نے اسے اپنے گھر میں اپنی بہن اور ماں سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا...... کیوں کیا اس نے ایسا یقیناً یہی ہونا چاہیے تھا میرے ساتھ...... میں اسی قابل تھی۔ نگینہ نے بے دردی سے آنکھیں پونچھیں۔

بس اب اور نہیں رونا...... اب میں نے سوچ لیا کہ کیا جواب دینا ہے اب وہ اپنی ماں کو اور مایوس نہیں کرے گی۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب اور نہیں...... کچھ وقت تو لگے گا لیکن وہ سنبھل جائے گی جلدی ہی۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے عزم سے سوچا اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیے ابھی اسے اپنی ماں کو چپ کروانا تھا اور منانا بھی تھا اور رب کے حضور سجدۂ شکر بھی تو بجا لانا تھا جس نے اسے برے انسان سے بروقت بچا لیا تھا۔

خوابوں کی راہ گزر پر

ارم فاطمہ

''تمہارا چہرہ مرے تصور میں بسے عکس سے بالکل مختلف ہے۔'' الفاظ تھے یا احساس میں پھیلتی اذیت' اپنے اندر ابھرتے درد اور آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپانے کے لیے اس نے اپنا سر مزید جھکالیا۔ احسن مراد اپنے کہے ہوئے الفاظ سے بے خبر اس کے خوب صورت حنائی ہاتھوں کو تھام کر اسے رونمائی کا تحفہ پہنا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اس کی تھوڑی پر رکھ کر اس کا جھکے سر او نچا کیا اور اس کی پلکیں ہنوز جھکی ہوئیں تھیں' تبھی اس کی ذات اور اس کے وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے عام سے لہجے میں اپنی پسند ناپسند' اپنی ذات اور اس سے جڑے رشتوں کے بارے میں بتانے لگا جو اس کی زندگی کا اہم حصہ تھے۔

''اب تم بھی میری زندگی و ذات کا حصہ ہو۔'' یہ کہنا وہ شاید بھول گیا تھا یا جان بوجھ کر نہیں کہا تھا جیسے کہ اس کے بارے میں کچھ بھی جاننے کا خواہش مند نہیں تھا یہاں تک کہ اسے اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ سارہ نے اب تک ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

ہر لڑکی جب شعور کی منزل پر قدم رکھتی ہے بہت سے ریشمی احساس لیے خواب اس کی پلکوں پر آن ٹھہرتے ہیں سارہ بھی بہت حساس دل مالک تھی اور کچھ شاعری اور ادب سے محبت نے اسے ان لطیف احساسات سے روشناس کرایا تھا جنہیں وہ اپنی ڈائری میں لفظوں کے قالب میں ڈھال کر اپنا اظہار کیا کرتی تھی۔

اس آنے والی زندگی کے حوالے سے بھی اس کے کچھ خواب تھے مگر وہ شاید یہ نہیں جانتی تھی کہ حقیقت کی دنیا میں ان باتوں کی نہ تو کوئی جگہ ہوتی ہے نہ کوئی اہمیت۔ اس حسین رات کی سب حسین بات قربت کے وہ لمحات تھے جب صرف دل دھڑکتے ہیں زباں خاموش رہتی ہے اور وہ ان پُر کیف لمحات میں وقتی طور پر بہل گئی اس بات سے بے خبر کہ آئندہ کی زندگی اس کے لیے کتنی آزمائشیں لانے والی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

نئی زندگی کی پہلی صبح ناشتہ پر بھی احسن ہی باتیں کرتا رہا بیچ بیچ میں بھابی سے ہنسی مذاق ان کے بچوں کی فرمائشیں ہوتی رہیں اور ان سب کے بیچ اس کا وجود یکسر بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی باتوں میں اور اس کے چہرے پر گزرے خوب صورت لمحات کا کوئی تاثر نہ تھا اور نہ قربت کے احساس کی کوئی تصویر نگاہوں میں تھی' اسے احسن کے مزاج کو سمجھنے میں وقت پیش آرہی تھی۔

شاید وہ اس قسم کے لطیف جذبات سے عاری شخص تھا' یہ احسن مراد کے بارے میں پہلی سوچ تھی جو اس کے ذہن کے پردے پر ابھری۔ ایک بات وہ بہت اچھی طرح جان چکی تھی کہ بھابی اور ان کے بچوں کی احسن کی زندگی میں بہت اہمیت ہے اور اب اسے بھی انہیں اہمیت دینی ہوگی اگر اسے احسن کے دل اور اس کے گھر میں مقام بنانا ہے تو۔

گھر کے دیگر افراد یعنی ساس بھابی اور ان کے بچوں کے ساتھ سارہ کی اچھی دوستی ہوگئی تھی ان لوگوں میں اسے وقت گزرنے کا پتا نہ چلتا...... مگر جیسے ہی احسن گھر آتا سارا منظر جیسے بدل جاتا اور اس منظر میں وہ کہیں بھی نہ ہوتی۔ وہ اس کی والہانہ پن' محبت اور اپنائیت سے بھرپور نظر کو اس کا دل ترستا رہتا مگر اس کے دل کے آنگن پر محبت کی پہلی بوند بھی نہ گرتی' جانے کیوں وہ اسے نظر انداز کرتا...... وہ اب تک سمجھ نہ پائی تھی۔

نکاح کے دو بول اجنبی دلوں کو اپنائیت اور خلوص کے رشتے میں باندھ دیتے ہیں...... وہ اسے سننا چاہتی تھی دل میں کہیں یہ خواہش بھی تھی کہ وہ بھی اسے سنے مگر کمرے کی تنہائی میں بھی صرف احسن مراد کی آواز ہوتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال دل میں جاگزیں ہوگیا کہ وہ ایک خود پسند انسان ہے۔ اس کی باتیں اس کی ذات سے شروع ہوکر اس کے گھر والوں کی خواہشات اور جذبات تک محدود تھیں۔ اول تو گھر کے اتنے افراد تھے کہ ان میں اور بھابی کے بچوں میں ہمہ وقت گھرے رہنے ان کے مسائل سننے تک وہ اسے یکسر بھولا رہتا وہ سامنے بھی ہوتی تو نظر نہ آتی۔ اپنے نظر انداز کیے جانے کا دکھ اس کے اندر سرایت کرتا گیا تھا۔ سارہ کے اندر گھٹن بڑھنے لگی تھی۔

"تشنگی سی رہتی ہے
روح و دل کے آنگن میں
لمس کو ترستے ہیں
چاہتوں کی بارش میں
تن من بھگونے کو
اک نظر کے ملنے کو
دل یہ مچلتا ہے
نارسائی کا یہ کرب
دل کو مار ڈالے گا
دل کو کیسے سمجھائیں
یہ پیاس تو ازل سے ہی
ہے ترا نصیب"

ڈائری کے صفحوں پر اپنے درد کو بکھیرنے کے بعد پرسکون ہوکر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

ایک لمحے بعد آنکھیں کھول کر اس نے پیچھے مڑ کر بیڈ پر سوئے ہوئے احسن مراد کو دیکھا جو اس سے بے نیاز گہری نیند سو رہا تھا۔ کس قدر تضاد تھا ان دونوں کی شخصیت میں جنہیں قدرت نے زندگی کے اس منظر میں یکجا کردیا تھا کہ جہاں کچھ رنگ مکمل اور کچھ ادھورے تھے۔ ہر رات وہ اپنی ذات کو لفظوں کے

احساس سے پورا کرتی اور صبح دم اپنے ادھورے پن کو مسکراہٹ میں چھپائے اپنے فرائض تندہی سے سر انجام دیتی۔

وہ مشرق کی بیٹی تھی اسے ہر حال میں اس رشتے کو زندہ رکھنا تھا یہی اس کی تربیت تھی اور یہی اس کا مقام۔ اس ذات باری نے عورت کے وجود میں نرمی محبت احساس اور سب سے بڑھ کر قربانی کا عنصر رکھا ہے اور وہ اس کی سنگت میں ادھوری ہی سہی مگر اس کی ذات کے حصار میں اپنے وجود کو ہم آہنگ دیکھ کر اسے مکمل زندگی کا احساس ہوتا تھا۔

شادی کے بعد پہلی عید آئی۔ وہ بے انتہا خوش تھی۔

عید کی صبح وہ ایک نئے احساس کے ساتھ تیار ہوئی دل کے کہیں گوشے میں اپنے سراہے جانے کی خواہش اپنی ستائش کی خواہش آہستہ آہستہ سر اٹھا رہی تھی اسے بے چینی سے اس پل کا انتظار تھا جب احسن عید کی نماز پڑھ کر آئیں اور اپنے محبت بھرے لمس سے اسے سرشار کرے اور عید مبارک کہے اسے سراہے۔ جانے کتنے ہی پل اس خوش گمانیوں میں گزر گئے وہ ان خوش کن خوب صورت لمحات کے سحر سے نکل آئی جب بھابی کے چھوٹے بیٹے نے آ کر کہا۔

''چاچی جان...... آپ کو چاچو بلا رہے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے دادی کے کمرے میں لے آیا جہاں سب بیٹھے تھے سارہ نے ساس کو سلام کیا عید کی مبارک باد دی پھر ان سب میں احسن نے بھی اسے عید مبارک کہا رسمی اور عام انداز میں اس کے تمام احساسات جیسے مردہ ہو گئے تھے۔ کوئی اس کی خاموشی کے پیچھے چھپے درد کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

اس رات ڈائری سے اپنے دل کی بات کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

''اک اضطراب لیے دل میں
ساحل پہ تنہا ہیں
کب یہ روح کی بے چینی
دل کو سکون دیتی ہے
اک اذیت رہتی ہے
کیا مقام ہے اپنا
اس جہان ہستی میں
یہ گمان ہوتا ہے
یہ طلب محبت کی
بے کنار ساحلوں کا
ایسا اک جزیرہ ہے
جس تک رسائی بھی
دن کے خواب جیسا ہے
بے صدا ہے ذات اپنی
اک اضطراب لیے دل میں
اپنی ذات میں تنہا
آج بھی ہم اکیلے ہیں''

اس کے لبوں کی خاموشی اور نگاہوں کی اداسی بھابی کی جہاندیدہ نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ ایک دن اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''اس معاشرے میں اور زندگی کی تگ و دو میں جبکہ باپ کا سایہ اور بھائی کا شفقت بھرا ہاتھ سر پر نہ ہو، جو زندگی کی اتنی سختیوں سے گزرا ہو کہ مسکرانا بھول جائے ایک مقام حاصل کرنے اور بیوہ بھابی اور اس کے بچوں کی ذمہ داریاں بخوبی نبھانے میں اپنی محبت کو کھو بیٹھا ہو اسے صرف تم اپنی محبت ایثار اور صبر سے زندگی کی رعنائیوں کی طرف لا سکتی ہو۔''

احسن ایک سیلف میڈ اور پریکٹیکل سوچ رکھنے

والا انسان تھا۔ زندگی کی دشواریوں نے اسے ان لطیف احساسات سے بیگانہ کردیا تھا۔ رشتے سبھی انسانوں کے پاس ہوتے ہیں مگر اپنے خوابوں اور خواہشات کو دوسروں پر قربان کردینے والے رشتے ہر کسی کے پاس نہیں ہوتے۔ احسن خوش قسمت تھا کہ سارہ کا ہر گزرتا لمحہ اس کی سوچ سے عبارت تھا۔

یہ سارہ کی کتنی ہی رتجگوں کا صبر تھا کہ اپنی فائل تلاش کرتے احسن کے ہاتھ سارہ کی ڈائری لگی۔ ایک ایک حرف میں اترتا درد اسے اس کی بے لوث محبت کا احساس بخش رہا تھا۔

رات کی تنہائی میں جب وہ اپنی ہم راز ڈائری سے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ ایک لمحے میں اسے احسن کے مظبوط ہاتھوں کے لمس کا احساس ہوا ایک محبت بھری سرگوشی ابھری......

''کب تجھے دل سے بھلایا میں نے
اے مری جانِ حیات
میری ہر رہ گزر پر
ترے لمس تری چاہت کے نشاں ہیں
تجھ سے مل کر یہ امید جاگی ہے''

''زندگی تو ابھی باقی ہے۔'' وہ جو سمجھتی تھی شاید ہی کبھی وہ اس کے جذبوں کی تپش سے آشنا ہوگا......

اب اپنی بے پناہ چاہت کے انمول لمحوں سے اسے نواز رہا تھا اپنی کٹھن ریاضت سے سارہ نے خوابوں کی راہ گزر پر قدم رکھ لیا تھا۔

اب زندگی مسکراتی تھی اس کی آنکھوں اور لبوں پر۔

مدِ

فاطمہ نور

''افففف......آج پھر دیر ہوگئی۔'' جلدی جلدی ہاتھ چلاتے اس نے جھنجھلا کر ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخا اور اپنا پرس اٹھا کر موبائل اور دوسری چیزیں چیک کرنے لگی۔ اطمینان کرنے کے بعد پرس کندھے پر ڈالا اور سینڈلز اٹھائے لاؤنج میں آگئی۔

''ورکنگ وومن ہونا بھی جان جوکھم کا کام ہے۔ گھر کو بھی سنبھالو اور آفس کے کام بھی نبٹاؤ۔'' ایک نیام میں دو تلواریں ایک ہی وقت میں کیسے سمائیں یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا' اوپر سے آج کام والی نے بھی دیر کردی تھی۔ جلدی جلدی ناشتے سے فارغ ہوکر وہ چھوٹے موٹے جتنے کام بھی نبٹا سکتی تھی اسی لیے نبٹا لیے تھے کہ واپسی پر اُسے کم سے کم کام کرنے پڑیں۔

''آج پھر پروفیشنل اسمائل چہرے پر سجا کر ان ایلیٹ کلاس کی بیگمات کو جھیلنا پڑے گا۔ میک اپ زدہ مصنوعی چہرے اور ویسے ہی ان کی مصنوعی باتیں' اندر سے کھوکھلی شخصیت والے دوغلے لوگ اور چہرے' اپنے نام نہاد فلاحی اداروں کو چلا کر سوشل پرسن بن کر خود کو مظلوم انسانیت کا مسیحا سمجھ بیٹھتی ہیں۔ درحقیقت اپنی بیمار شہرت کی ماری انا کی تسکین کرنا چاہتی ہیں۔ نیوز میں ''ان'' رہنے کے لیے اور ساتھ ساتھ زیادہ ہوا تو غیر ملکی این جی اوز سے امداد تو مل ہی جاتی ہے۔'' اسے نے تلخی سے سوچا اور سر جھٹک کر سینٹرل ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتی باہر نکل آئی۔

ماہا ایک مشہور و معروف میگزین میں صحافی کی خدمات سرانجام دے رہی تھی' اب تک کافی اداکاروں، فلمی ستاروں اور فلاحی اداروں سے منسلک سوشل ورکرز کے انٹرویوز کرچکی تھی۔ آج بھی اسی سلسلے میں اس نے ایک مشہور فلاحی اسکول چلانے والی ایلیٹ کلاس کی پروردہ کسی ایسی ہی خاتون کا انٹرویو کرنا تھا۔ اُسے ایسے کاغذی پھولوں جیسے لوگوں سے کوفت ہوتی تھی جن میں اخلاق اور شخصیت کی اصل ''خوشبو'' ناپید ہوتی ہے۔ اونچی دکان پھیکا پکوان کے مصداق جن کا سوشل ورک صرف اور صرف اخباروں اور نیوز چینل ہی پر نظر آتا ہے۔ حقیقت میں معاشرے میں آج بھی وہی بھوک، غربت، افلاس، جہالت اسی طرح موجود ہے جیسی پہلے صورت حال تھی۔

راستے میں ہی اسے میگزین کی مدیرہ کی کال آگئی' جن کو مطمئن کرنے کے بعد اس نے اس ایک اچھے علاقے میں قائم ''اسپیشل چلڈرن'' اسکول اور بورڈنگ ہاؤس کے سامنے گاڑی پارک کی اور تیز قدموں سے چلتی اندر داخل ہوگئی۔ ہیڈ آفس کے باہر بیٹھے قاصد کو اپنا کارڈ دے کر اندر مطلع کرنے کا کہتی باہر بنے ویٹنگ ایریا میں انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی قاصد آفس سے نمودار ہوا اور اُسے اندر جانے کا کہہ کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

آفس میں قدم رکھتے ہی ایک خوشگوار احساس نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ خوب صورت لکڑی کے نفیس کام سے مزین آفس اور دیدہ زیب فرنیچر اپنی مالکن کے خوش ذوق ہونے کی گواہی دیتا تھا۔ آفس کے بیچوں بیچ ہیڈ چیئر پر ایک پُر وقار سی خاتون نے اُسے دیکھتے ہی اپنی چیئر سے اٹھ کر ویلکم کیا عمر کوئی چونتیس سے چھتیس سال کے درمیان ہوگی۔ ٹی پنک کلر کی نفیس ساڑھی میں ملبوس اور ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت باوقار لگ رہی تھی۔ گلے میں موتیوں کی مالا اور ویسے ہی آویزے کانوں میں ہلکورے لے رہے تھے۔

وہ مسز غفران فاروقی کی شخصیت سے حقیقتاً متاثر

ہوئی مگر جس چیز نے اسے چونکنے یا مسحور ہونے پر مجبور کیا وہ ایک عجیب طرح کا مقدس یا نورانی ہالہ تھا جو سامنے بیٹھی اس عورت کو ٹھٹک کر دیکھنے بلکہ بار بار دیکھنے پر مجبور کرتا تھا جسے ماہا کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔

کرسی پر بیٹھی ماہا نے اپنے ہینڈ بیگ سے پین اور پیڈ نکالا اور ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکال کر گلاس ٹیبل کے پر رکھ کر آن کر دیا اور روایتی انٹرویو کی طرح سوالات کا آغاز کرتے ہوئے اُس اسکول کو بنانے کی وجہ دریافت کرتے کاغذ قلم سنبھال لیا۔

''اس اسپیشل اسکول کو قائم کرنے کا خیال کیوں آیا آپ کو کون سے محرکات تھے جنہوں نے آپ کو مہمیز کیا کہ ایسے ذہنی معذوری رکھنے والے بچوں کے متعلق سوچیں؟''

''محبت......'' مسز غفران نے یک لفظی جواب دیا۔

''محبت......؟'' ماہا نے اچنبھے سے اس لفظ کو دہرایا۔

''ہاں محبت مجھے معلوم ہے آپ کو سن کر حیرت ہوئی ہوگی اس لیے کہ ہم سب لوگوں کا عام تصور یہی ہے کہ محبت کا صرف ایک رخ ہے ایک ہی پہلو ہے اور ہم اسی رخ سے اُسے دیکھتے سمجھتے اور پرکھتے ہیں۔ وہی مرد اور عورت کی روایتی محبت۔ جبکہ محبت کا کینوس تو بہت وسیع اور ہمہ جہت ہے۔ اس کینوس پر لگنے والا ہر اسٹروک الگ نوعیت کا ہوتا ہے۔ محبت کی ایک الگ جہت اور پتہ ہے اس کینوس کا 'ماسٹر اسٹروک' کون سی محبت

ہے؟'' مسز غفران نے بیچ میں رک کر اُس سے سوال کیا پھر کچھ توقف کے بعد خود اپنے سوال کا جواب دینا شروع کر دیا۔

''یہ ماسٹر اسٹروک 'ماں' کی محبت ہے' ہر رنگ اس سے پھوٹتا ہے۔ آپ نے کبھی قوسِ قزح کو دیکھا ہے' ست رنگی ہوتی ہے اور کتنے خوب صورت رنگ ہوتے ہیں' اودے نیلے پیلے مگر آپ کو پتہ ہوگا کہ قوسِ قزح کا اصل 'بنیادی رنگ' سفید ہے اسی ایک رنگ سے اتنے رنگ پھوٹتے ہیں بالکل اسی طرح اس کائنات کی اصل محبت صرف اور صرف 'ماں' کی محبت ہے۔ جس سے آگے اتنے بہت سے رنگ تشکیل پاتے ہیں' ہر رنگ، محبت کی مختلف جہت کی ترجمانی کرتا اور مزے کی بات تو دیکھیں اللہ رب العزت نے اپنی محبت کی ترجمانی کے لیے جس محبت کو مثال بنایا وہ محبت بھی بس 'ماں' کی محبت کہ 'تمہارا رب تم سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے۔'' ماہا کو لگا سامنے بیٹھی عورت خود سے ہم کلام ہے۔ مسز غفران نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا رکھا تھا اور نظر اس کے پیچھے کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھی' اُسے بارہا لگا جیسے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوں پھر اپنی نظروں کا زاویہ بدل کر انہوں نے ماہا کو دیکھا اور ہلکی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولیں۔

''تمہیں میری باتیں مبہم لگ رہی ہوں گی' چلو میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ دوبارہ اسی نقطے کو گھورنے لگیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ماضی کے کواڑوں پر بہت ساعت سے لگا کفل کھلنے لگا تھا اور وہ آہستہ آہستہ چرچراہٹ کے ساتھ وا ہونے لگے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

"آپی...... آپ کو پتہ ہے باہر تایا ابو کی فیملی آئی ہوئی ہے اور وہ آپ کے لیے غفران بھائی کا رشتہ لے کر آئے ہیں، سچی قسم سے میں بہت خوش ہوں، کتنا مزہ آئے گا نا خوب ڈھولک بجے گا اور خوب رونق میلہ لگائیں گے ہم سب مل کر آپ کی شادی میں۔" نادیہ اتنی پُرجوش تھی یہ خبر سن کر کہ اس نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر اسے گول گول گھما دیا۔ مریم نے بامشکل خود کو اُس سے چھڑاتے ڈانٹا۔

"باؤلی تو نہیں ہوگئی ہو تم۔"

"ارے یہ ڈانٹ وانٹ چھوڑیں آئیں چلیں ڈرائنگ روم کے باہر کھڑے ہو کر چھپ کر سب کی باتیں سنتے ہیں۔" نادیہ نے مریم کا ہاتھ پکڑا اور اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی ڈرائنگ روم کے باہر لگے قدآدم پلانٹ کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی اور کان لگا کر اندر مریم کے رشتے کے حوالے سے ہونے والی بات چیت سننے لگی۔ اندر سے تایا ابو، ماما اور دادو کی آوازیں آرہی تھیں۔

"بھائی صاحب آپ کی بات سر آنکھوں پر لیکن ایک بات پر دل کھٹکتا ہے کہ آج کل یہی سننے میں آتا ہے کہ 'فرسٹ کزنز' میرجز (شادیوں) میں آئندہ ہونے والی اولاد کو بہت سی بیماریوں کا خطرہ ہوتا ہے خود میرے خاندان میں ایسے ایک دو کیسز ہوئے ہیں۔ اسی لیے بس دل ہولتا ہے کہ خاندان میں آپس کی شادیاں نا ہوں۔" ابھی ماما مزید بولنے والی ہی تھیں کے بیچ میں دادو نے انہیں روک دیا۔

"اے بس کرو بہو یہ نئے دور کی باتیں تو تم رہنے ہی دو ہمارے زمانے میں بھی تو شادیاں ہوتیں تھی اور وہ بھی آپس میں۔ بہن بھائیوں کے بچوں کے درمیان شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ خاندان سے باہر رشتہ کیا جاتا ہو بھلا بتاؤ...... اپنوں سے بڑھ کر بھی کوئی ہوسکتا ہے پھر غفران اپنا دیکھا بھالا بچہ ہے، نظروں کے سامنے پلا بڑھا، اب اس کو چھوڑ کے کسی غیر خاندان میں اپنی مریم کا رشتہ طے کردیں کیا؟ جہاں ہم لڑکے کی عادات واطوار و خاندان کو سرے سے جانتے تک نا ہوں، بھئی میں تو اس بات کی قائل ہوں اور نہ ہی حامی بھروں گی۔ غفران اپنا بچہ ہے۔ کیوں زاہد تم کیا کہتے ہو۔ بھئی میری صلاح تو یہی ہے کہ تم دونوں بھائی آپس میں رشتہ طے کر کے اپنے رشتے کو اور بھی مضبوط کرلو۔" دادو نے مریم کے ابو کو مخاطب کر کے کہا۔

یوں ماما کی کہی بات آئی گئی ہوگئی اور زاہد صاحب نے اپنی والدہ کی رضامندی دیکھ کر مریم کے لیے غفران کے آئے رشتے کو ہاں میں جواب دے کر اپنے بڑے بھائی کو گلے لگالیا۔ ایک دوسرے کا منہ میٹھا کروایا جانے لگا اور باہر چھپی نادیہ نے بھی مریم کو گلے سے لگایا اور خوشی خوشی اسے لیے دونوں کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

جھٹ منگنی پٹ بیاہ کی طرح آناً فاناً ان دونوں کی شادی کی تاریخ طے کردی گئی تھی پھر کسی خوشگوار جھونکے کی طرح مریم غفران کی زندگی میں داخل ہوگئی۔ غفران اس کے لیے بہت محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا جیون ساتھی ثابت ہوا تھا۔ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی، کوئی فکر فاقہ نہ تھا، یہ خوب صورت یادگار دن کیسے گزرے اُن دونوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ آہستہ آہستہ جب شادی کو سات آٹھ ماہ بیت گئے تو پہلے غفران کے گھر والوں نے پھر بعد میں اُس کے ماما اور دادو نے کریدنا شروع کردیا کہ شادی کو اتنا عرصہ بیت گیا مگر اُن دونوں کی طرف سے کوئی "خوش خبری" ابھی تک نہیں ملی۔ ایک دو ماہ اور بیت گئے تو مریم کو بھی فکر لاحق ہوئی غفران اور مریم کے سارے ٹیسٹ ہوئے۔ ڈاکٹروں کے چکر لگائے گئے سب کچھ ٹھیک تھا بس اللہ کی طرف سے کچھ

دیر تھی۔ یوں دو سال کا عرصہ گزر گیا۔ خوب نذر نیاز دلوائی گئیں پھر اللہ کی طرف سے اُن دونوں پر کرم ہوا کہ دو سال بعد نئے مہمان کی ”امید“ بندھ گئی۔ غفران نے مریم کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھ لیا‘ اس کا خوب خیال رکھتا پھر اللہ اللہ کر کے وہ دن بھی آن پہنچا جب مریم کے ہاں ایک بہت پیارے سے گل گوتھنا سے بیٹے نے جنم لیا‘ جہاں یہ اس کے لیے ایک بہت بڑی خوشی تھی وہیں پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے مریم دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی۔ دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نا تھا۔ فرحان اپنے باپ کے لیے بہت خوش بخت ثابت ہوا تھا اُس کی پیدائش کے بعد غفران کی ہر آفس ڈیل ڈن ہوتی چلی گئی۔ پیسے کی کمی تو پہلے بھی نہیں تھی مگر اب تو ہن برسنے لگا تھا۔

ابھی فرحان صرف دو ماہ کا تھا کہ مریم کو ایک عجیب سے احساس یا اندیشے نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ فرحان کی حرکات وسکنات اور رویہ نارمل بچوں سے مختلف تھا۔ اس کا سر ایک طرف ہی ڈھلکا رہتا اور منہ سے رال بہت بہتی تھی پھر آہستہ آہستہ اسے یہ بھی محسوس ہونے لگا کہ جب بھی وہ یا غفران کھلونا دکھا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے تو اس کا ردعمل یا تو بہت دیر بعد سامنے آتا یا سرے سے آتا ہی نہیں۔ مریم نے جب بھی غفران کے سامنے اپنے خدشے کو زبان دی تو وہ اُسے ہنس کر ٹال دیتا کہ وہ بہت جذباتی ماں ہے یا وہ پہلا بچہ ہے اس کا جبھی اس کی ایک ایک حرکت کو اتنے غور سے نوٹ کر کے وہموں کا شکار ہو رہی ہے۔ اسی طرح دو تین ماہ اور بیت گئے مگر فرحان کی حالت کو اب دیگر لوگوں نے بھی نوٹس کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ابھی تک نارمل بچوں کی طرح حرکت کرنا نہیں سیکھا تھا۔ اسے جب بھی گود میں سہارا دے کر بیٹھایا جاتا تو وہ ایک طرف لڑھک جاتا۔ اب تو غفران کو بھی تشویش ہونے لگی تھی۔ دونوں نے اسے بہت بڑے چائلڈ اسپیشلسٹ کو دکھایا‘ جنہوں نے چند ٹیسٹ لکھ کر دیے تاکہ مسئلے کی تشخیص کی جا سکے۔

اور جب ٹیسٹ رپورٹ اُن دونوں کے سامنے آئی تو انہیں لگا تھا کہ ایک قیامت ان پر بیت گئی ہو۔ فرحان ایک ابنارمل چائلڈ تھا۔ اُس کا دماغ بہت ہی آہستہ کام کرتا تھا جبھی وہ کسی بھی چیز پر بہت دیر بعد اپنا ردعمل ظاہر کرتا تھا۔ مریم نے تو رو رو کر اپنا حال خراب کر لیا تھا۔

غفران کا بھی برا حال تھا۔ دونوں نے چھوٹا بڑا کوئی ہاسپٹل اور ڈاکٹر نا چھوڑا جسے فرحان کا کونا دکھایا ہو یا علاج نہ کروایا ہو" مگر یہ کوئی بیماری نا تھی کہ جسے وہ پیسہ خرچ کرکے یا کسی بڑے سے بڑے ڈاکٹر کی فیس بھر کر ٹھیک کر سکتے تھے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی۔ ان کی تقدیر میں لکھی جانے والی ان مٹ حقیقت۔"

آہستہ آہستہ سب نے تقدیر کے فیصلے کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ غفران مرد تھا کب تک گھر میں بیٹھ سکتا تھا' اوپر سے بڑھتے ہوئے بزنس نے اس کی ذمہ داریاں اور بڑھا دیں تھیں مگر مریم ماں تھی اپنی سسکتی ممتا کو کیونکر تھپک کر سلا سکتی تھی لیکن آخر کب تک وہ بھی رو پیٹ کر صبر کر بیٹھی تھی اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر لیا تھا۔ اب اس کی کل کائنات فرحان ہی تھا۔ اس کو بیٹھانا' چلنا سکھانا' کھانا کھلانا اور اس کی پھیلائی گندگی صاف کرنا۔ جب جب وہ اپنی کوششیں میں ناکام ہو جاتی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔ فرحان میں وہ اس قدر مگن ہوئی کہ اپنی ذات تک بھول بیٹھی۔ کپڑے بدلنے اور بال بنانے کا خیال بھی اسے تب آتا جب غفران اسے ٹوکتا یا بتاتا کہ اس کے کپڑوں میں سے بدبو آرہی ہے۔ گھر میں کون آیا گیا اسے اس سب کی خبر بعد میں ہوتی۔ آہستہ آہستہ غفران اس سے نالاں رہنے لگا۔ اسے مریم سے بہت سی شکایات رہنے لگی کہ وہ اب پہلے کی طرح اس کا خیال رکھتی ہے نا سجتی سنورتی ہے بعد میں ساس کو بھی اس سے بہت گلے پیدا ہو گئے کہ وہ ان کے پاس آکر نہیں بیٹھتی گھر کی خبر نہیں رکھتی۔ غفران اور مریم کے درمیان اب تو تلخ کلامی بھی ہونے لگی تھی۔ غفران کہتا کہ وہ فرحان کے لیے کوئی میڈ (آیا) رکھ لے اس کے سارے کام نبٹا دیا کرے گی۔ مجبور ممتا کو یہ گوارا نہیں تھا مگر آخر روز روز کی چخ چخ سے تنگ آگئی تو اس بات پر راضی ہو ہی گئی۔ "آخر کو عورت کی ازلی مجبوری جو ٹھہری چاہے وہ عورت غریب ہو یا امیر رہتی تو عورت ہی ہے۔"

آیا اب فرحان کی دیکھ بھال کرنے لگی تھی مگر اسے جب جب موقع ملتا وہ فرحان کے لیے مختص کیے گئے الگ کمرے میں کھڑے ہو کر اپنی نگرانی میں خود سارے کام کرواتی مگر جیسے ہی غفران کے آنے کا وقت ہوتا بن سنور کر تیار ہو جاتی' اس طرح وہ بیوی اور ماں کے رشتے کے درمیان بٹ کر رہ گئی تھی۔ فرحان اب تین سال کا ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن اپنی عمر سے کئی سال پیچھے تھا۔ اب جب کے وہ سہارا لے کر تھوڑا بہت چل لیتا تھا تو اکثر یوں ہوتا کہ کسی نا کسی چیز سے ٹکرا جاتا۔ آئے دن کوئی نا کوئی چیز ٹوٹتی رہتی تھی۔ ایک دن غفران نے اسے کہا کہ وہ فرحان کو کسی ایسے ادارے میں داخل کروا دیتے ہیں جس میں ایسے ذہنی معذور بچوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے لیکن مریم یہ سن کر تو ہتھے سے اکھڑ گئی اسے کسی طور یہ منظور نہیں تھا کہ فرحان کو اس سے دور کیا جاتا۔ اُس کے صاف انکار پر غفران چند دن اس سے خفا رہا مگر مریم نے اس بات کی چنداں پروانہ کی اس کے بعد یوں ہوا کہ کسی نا کسی ایسے واقعے پر غفران اس سے تلخ کلامی کر گزرتا مگر وہ چپ چاپ برداشت کر لیتی کہ کہیں غصے میں آکر غفران اسے واقعی کسی ایسے ادارے میں داخل نا کروا دے۔ مریم کے لیے تو فرحان اس کے جگر کا ٹکڑا تھا چاہے ابنارمل ہی سہی اس نے اسے اتنی تکلیفیں سہہ کر جنم دیا تھا۔

شاید قدرت کو رحم آیا تھا مریم پر یا اس کی آزمائش ختم کرنا مقصود تھی۔ فرحان بیمار رہنے لگا۔ غفران اپنے بزنس میں اتنا مصروف تھا کہ مریم ہی اسے ہاسپٹل لے لے کر پھرتی تھی۔ اس کا ایک پیر ہاسپٹل میں ہوتا تو دوسرا گھر میں۔ پھر ایک دن وہ ایسا سویا کہ دوبارہ کبھی نا اٹھ

سکا۔ مریم کی حالت بہت دگرگوں تھی، وہ اتنا تو اس کے ذہنی معذور ہونے کی خبر پہ نا روئی تھی جتنا اُس کے اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے پر روئی تھی۔ ابنارمل ہی سہی پر وہ اس کے پاس تو تھا۔ زندہ، سانس تو لیتا تھا۔ ایک گہری چپ نے مریم کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ چند ماہ گزرنے کے بعد اس کے دل میں دوسرے بچے کی خواہش پیدا ہوئی، کوئی تو ہو جو اس کی وحشتوں کا ساتھی بنے، اس کی پیاسی ممتا کی تشنگی دور کرے۔ جب غفران پر اس کا دباؤ بڑھتا گیا تو تنگ آ کر اس نے مریم کو یہ روح فرساں خبر سنا ہی دی کہ وہ اب کبھی ماں کا رتبہ دوبارہ حاصل نہیں کر سکتی۔ مریم ایک گہرے شاک میں چلی گئی۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ ٹھیک ہونے کے بعد بھی یا تو وہ پہروں چپ رہتی یا پھر اسے ڈپریشن کے دورے پڑتے۔ تنگ آ کر ایک سائیکالوجسٹ سے اس کی کاؤنسلنگ اور تھراپی کروائی جانے لگی تھی۔

مریم غفران ایسا لگتا تھا کسی خواب میں سے جاگیں تھیں۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا جو ان کے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔

"اسی تھراپی کے دوران میں نے یہ بات سیکھی محبت کبھی ختم نہیں ہوتی نا مرتی ہے یہ تو بس اپنی سمت بدل لیتی ہے کسی اور دھارے کی اور جہت میں بہتی چلی جاتی ہے، مجھے بھی اپنی محبت کی سمت متعین کرنا تھی۔ فرحان کی حالت نے مجھ پر یہ حقیقت تو آشکار کر ہی دی تھی کہ کتنے ہی ایسے والدین ہیں جو ایسے ابنارمل، ذہنی طور پر معذور بچوں کو پالتے ہیں کتنی مشکلات اٹھاتے ہیں ان میں سے اکثر کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں ہوتے کہ ایسے بچوں کی مناسب دیکھ بھال کر سکیں۔ اُسی سوچ نے مجھے یہ اسپیشل چلڈرن اسکول اور بورڈنگ ہاؤس بنانے پر مجبور کیا۔ میری حالت کے پیش نظر غفران نے مجھے پوری آزادی دے دی کہ میں جو کچھ اور جیسا چاہتی ہوں وہ کروں۔ روپے پیسے کی ہمیں کوئی کمی نہیں تھی۔ میں نے یہ اسکول ایسے لوگوں کے لیے بنایا تھا جو کم وسائل میں اسپیشل چائلڈ کا مناسب خیال اور دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھوڑی بہت بنیادی تعلیم یا ان کے کھیل کود کا انتظام کر سکتے ہوں مگر آہستہ آہستہ یہ ادارہ اتنی شہرت حاصل کر گیا کہ اب ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے وہ والدین جو اپنے ایسے بچوں کو بوجھ سمجھتے ہیں، یہاں داخل کروا دیتے ہیں اور ہم ان کا بھرپور خیال رکھتے ہیں، یہاں پر انہیں ماں کی ممتا کا احساس ملتا ہے، چاہے وہ اسے محسوس کرنے کے قابل نا بھی ہوں۔ مجھ سے اللہ نے ایک فرحان واپس لیا تھا مگر ان بچوں کی صورت مجھے بہت سے فرحان مل گئے انہیں دیکھ کر ان کے لیے کچھ کر کے مجھے گونا گوں سکون ملتا ہے۔ میری پیاسی ممتا کی تسکین ہوتی ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ اب یہ ادارہ ہی میری کل کائنات ہے۔ یہ سب میرے بچے میرے فرحان ہیں۔ میری ممتا کی تکمیل انہی کے دم سے ہے۔" یہ کہہ کر مریم غفران مسکرا دیں اور ان کے مسکرانے سے سارا وجود کسی مقدس ہالہ میں لپٹا محسوس ہونے لگا اور میں جو کاغذ قلم روک کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئے ان کی کتھا سن رہی تھی۔ کب ان کے کرب سے میری آنکھیں بھی چھلک پڑی تھیں پتہ ہی نہیں چلا آج مجھے لگا تھا کہ میں کسی "انسان" سے ملی ہوں اپنے پروفیشنل کیریئر میں کسی حقیقی انسان کا انٹرویو لیا ہے۔ مجھے اس مقدس نور کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی کہ یہ تو ممتا کا تقدس تھا جس نے ان کی ذات کا احاطہ کر رکھا تھا۔

حجاب کی سالگرہ کی تقریب

ریمانور رضوان

”صبح صبح دروازے پر کون دستک دے رہا ہے۔“ دادی جان نے کرخت آواز میں کہا۔

”دادی آپ رہنے دیں میں دیکھ لیتی ہوں۔“ فرح کچن سے نکلی، برتن دھونے کی وجہ سے ہاتھ گیلے تھے جنہیں جھٹ سے فرح نے لان کے دوپٹے سے صاف کرکے دوپٹا دونوں شانوں پر برابر کیا تھا۔

”فرح بٹو۔“ پوسٹ مین کے پان بھرے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔ ”میڈم کے نام رجسٹری ہے۔“

”جی دیجیے۔“ فرح نے اندرونی خوشی چھپاتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔ حجاب ڈائجسٹ لے کر گیٹ اچھی طرح لاکڈ کرکے اندر آکر لفافہ کھولا۔

”اوہ...... دادی...... یہ دیکھیں۔“ فرح خوشی سے چلائی۔

”ارے چل پگلی کوئی کہانی آگئی ہوگی آتی رہتی ہیں کہانیاں تم تو خوشی سے پاگل ہی ہوئے جاتی ہو۔“ دادی نے تسبیح پڑھتے ہوئے فرح کو جھڑکا۔

فرح ڈائجسٹ روم میں لے گئی اتنی خوشی کی خبر اسے اپنے محبوب شوہر کو جو سنانی تھی۔

❁......❁......❁

”افشاں تمہیں اس ماہ کا حجاب ملا کیا؟“ کوثر ناز نے افشاں شاہد کو انباکس کیا تھا۔

”ارے ایک تو جب بھی کچھ ضروری کام کی بات کرنی ہو، تبھی یہ میڈم صاحبہ آن لائن نہیں ہوتیں۔“ کوثر کو انتظار کے یہ لمحات گراں گزر رہے تھے۔

”کس سے پوچھوں کہ دسمبر کا حجاب کس کس کو مل گیا۔“ کوثر سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

”آئیڈیا فیس بک پر اسٹیٹس ڈال دیتی ہوں۔“ دماغ میں آیا کوثر نے فوراً فیس بک آن کی۔

”نہیں...... نہیں سر طاہر قریشی، سعیدہ آپی خفا نہ ہوجائیں اس پوسٹ سے۔“ کوثر نے ارادہ ترک کیا اور انباکس کھولا۔

”افشاں آن لائن ہوجا۔“ کوثر بے صبری سے خود سے بولی۔

”اللہ حجاب ڈائجسٹ کے ساتھ سرپرائز اتنی خوشی تو زندگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئی۔“ کوثر زیرلب کہہ رہی تھی۔

”بیٹا محنت کا اجر ملتا ہے تمہیں سرپرائز کی صورت ملا ہے مجھے اندازہ ہے تمہاری خوشی کا جب ہم کسی ادارے سے جڑ کر اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہیں ہماری مخلصی، سچائی پر بھروسہ کرتے ہوئے جب وہ ادارہ ہمیں خوشی اور غم کے موقع پر یاد کرتا ہے ہمارے ساتھ ہوتا ہے ہمارا ساتھ نبھاتا ہے تو بے حد مسرت حاصل ہوتی ہے دلی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔“ زاہدہ بیگم نے اپنی لاڈلی بیٹی کو سمجھایا تھا۔

”بیٹا صبح نو بجے سے تم دیوانی ہورہی ہو ڈاک کے ملتے ہی بس اب چلو وضو کرو، شکرانہ بجالاؤ ہر خوشی رب العزت کے اختیار میں ہے خوشی کے لمحات میں رب کو ہرگز فراموش نہ کرنا۔“ زاہدہ بیگم نے ہدایات کی اور کوثر فوراً ہی نماز شکرانہ ادا کرنے چل دی۔

❁......❁......❁

”شاہد آج صبح کی ڈاک آئی ہے۔“ افشاں خوشی خوشی شوہر کو بتارہی تھی۔

”یار ہر ماہ کے آغاز میں روز ہی ڈاک آتی ہے تمہاری، ماشاء اللہ ہماری بیگم صاحبہ نامور، قابل مصنفہ ہیں اور ماشاء اللہ ہر ڈائجسٹ اور میگزین میں لکھتی ہو، نجانے کتنے ڈائجسٹ اور میگزین ہر ماہ گھر میں آتے ہیں۔“ شاہد احساس تفخر میں گھرے بولے تھے۔

”شاہد آپ بھی نہ......!“ افشاں نروٹھے پن سے بولی۔

”میں نے غلط کیا کہہ دیا جان شاہد۔“ شاہد نے

شرارت سے کہتے ہوئے افشاں کا ہاتھ تھاما۔

"شاہد آپ بھی ناں بچے آ جائیں گے۔" افشاں نے شرماتے ہوئے ہاتھ چھڑایا۔

"اس ماہ ڈاک کے ساتھ کچھ خاص آیا ہے کیا؟" شاہد نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

"آپ کو کیسے پتا۔" افشاں خوشی سے چلائی۔

"تمہاری خوشی دیکھ کر اندازہ لگا رہا ہوں۔"

"سرپرائز ہے...... سرپرائز۔" افشاں خوشی سے گنگنائی۔ ایسا سرپرائز تو کبھی نہیں ملا۔

سرپرائز......

سرپرائز......

سرپرائز......

"مما آپ کی ڈاک آئی ہے۔" ننھی عیشل نے سوئی ہوئی صبا سے کہا۔

"عیشل...... سونے دو......" صبا نے بے زاریت سے کہتے ہوئے دوسرا تکیہ کھینچ کر کروٹ لے کر کانوں کو ڈھک لیا۔

"عیشل...... گیٹ بند کرو...... مجھے سونے دو۔" صبا نے غصے سے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ ننھی عیشل مما کے غصے سے ڈر کر سائیڈ ٹیبل پر ڈائجسٹ رکھ کر چلی گئی۔

ایک بجے کے قریب صبا کی آنکھ کھلی تھی روم میں اندھیرا ہونے کے باعث وقت کا صحیح علم نہیں ہو رہا تھا صبا نے سائیڈ ٹیبل سے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔

"اوہ...... صبا ڈارلنگ اتنی دیر تلک سوتی رہیں، گڈ مارننگ صبا جی۔" صبا نے ہمیشہ کی طرح خود کو صبح بخیر کہا۔

بیڈ سے اتر کر پردے برابر کیے کھڑکیاں کھولیں نومبر کا اینڈ چل رہا تھا ٹھنڈا نہ گرم خوشگوار موسم تھا فضا میں خنکی کا احساس تھا۔

صبا نے لمبی سانس کھینچ کر خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔ مندی مندی آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"اوہ حجاب اتنی جلدی آ گیا۔" حجاب ڈائجسٹ کا لفافہ دیکھ کر خوش ہوگئی جلدی سے کھولا۔

"اوہ اللہ جی...... ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ یہ سرپرائز ابھی سب کو بتاتی ہوں۔" صبا خوشی خوشی کمرے سے باہر نکلی تھی سب کو سرپرائز دینا تھا۔

⁂......⁂......⁂

"ماشاء اللہ کتنا حسین ڈیکوریٹ کیا گیا ہے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ایسا لگ رہا ہے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔" کوثر ناز آہستگی سے بولی۔

"حیدرآباد سے کراچی تک کا سفر بھی خواب میں ہی کیا ہوگا ہے ناں۔" کوثر کے بھائی نے خفگی سے کہا۔

ایکسپو سینٹر میں اتنی روشنی، اتنی جگمگاہٹ تھی، ہال نمبر دو بقعہ نور بنا ہوا تھا خوشی ہر ایک کے چہرے پر رقصاں تھی ملٹی کلر کی ننھی ننھی لائٹوں اور سرخ گلابوں سے اسٹیج سجا تھا اسٹیج کے اطراف بکھرے بڑے رنگین، رنگ برنگے چھوٹے بڑے غبارے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ فل اے سی کولنگ میں ایئر فریشنر کی بھینی بھینی مہک سبھی اپنی سانسوں میں سمو رہے تھے اسٹیج کی دائیں جانب مہمان خصوصی کے لیے گولڈن مہرون کمبینیشن میں کرسیاں رکھی تھیں بوفے کو بھی گلاب اور موتیے کے پھولوں سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ کرسیوں کے سامنے دو ٹیبل جوڑ کر لمبی سی ایک ٹیبل لائٹوں سے سجائی گئی تھی، قابل مصنفین کے لیے فریش پھولوں سے بنے بکے ڈنر کارڈ، شیلڈز بمع سرٹیفکیٹ ایوارڈز اور گفٹ سجے ہوئے تھے۔

"اللہ شاہد کتنا حسین ارینجمنٹ کیا ہے نئے افق گروپ آف پبلی کیشن نے ایسا لگ رہا ہے فلمی منظر۔" افشاں نے داخلی دروازے پہ قدم رکھتے ہی ستائشی انداز میں کہا تو شاہد بھی معترف ہوا تھا۔

تمام تر کرسیاں بھر چکی تھیں، پورے ہال کی لائٹیں آف ہو چکی تھیں، اسپاٹ لائٹ کی روشنی اسٹیج پر لگے مائیک پر پڑ رہی تھی پورے ہال میں سکوت طاری تھا اسٹیج کی سیڑھیوں کو آہستگی سے چڑھتی دھانی کا پر کالر کے فینسی

بوتیک سوٹ میں ملبوس، بالوں کا سوئی رول بنائے نیچرل میک اپ میں سر پر دوپٹا جمائے قیصر آرا نے تعوذ تسمیہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی قرأت کی تھی قیصر آرا کی دلسوز و دلکش آواز مائیک کے ذریعے ایکسپو سینٹر کے باہر تک سنائی دے رہی تھی ہمیڈیا بھی اس تقریب کو کوریج کر رہا تھا۔

"میں مدیرہ آنچل و حجاب اپنے باری تعالیٰ کی مشکور ہوں کہ رب العزت نے مجھے عزت سے نوازا۔ شکر ہے رب کریم کے نئے افق گروپ آف پبلی کیشن کے زیر اہتمام نکلنے والے پرچوں کی صدارت کے لیے مجھے چنا گیا، اللہ پاک نے تینوں پرچوں کو بے پایاں عزت، ترقی سے نوازا۔ آج حجاب کی سالگرہ کی تقریب ہے آپ کی چاہتوں اور محبتوں کے ہمراہ چلتے ہوئے پتا ہی نہ چلا کہ ایک سال کس طرح گزر گیا جن اداروں کے مدیرہ اعلیٰ، لکھاری، قاری ہم قدم ہو کر چلتے ہیں وہی ادارے اچھے کام اچھے معیار اچھے نام سے منسلک کیے جاتے ہیں۔" مدیرہ اپنی جاذب نظر شخصیت اور نپے تلے میٹھے لب ولہجہ میں کہہ رہی تھیں۔

"اب میں اسٹیج پر نئے افق گروپ آف پبلی کیشن کی نائب مدیرہ سعیدہ نثار کو مدعو کرنا چاہوں گی سعیدہ نثار انتہائی مخلص و محنتی ساتھی ہیں پرنٹ میڈیا پر تو احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریاں گزشتہ کئی برسوں سے نبھا ہی رہی ہیں اب ماشاء اللہ سوشل میڈیا پر بھی بخوبی پرچوں کی شہرت اور ساکھ مزید بہتر کرنے کے لیے ہمہ وقت مصروف و مشغول رہتی ہیں۔" قیصر آرا اس تقریب کی چیف گیسٹ کے لیے بے ساختہ ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا قیصر آپا سامنے اسٹیج پر رکھے صوفے پر بیٹھ چکی تھیں سعیدہ نثار اسٹیج پر آرہی تھیں۔

پنک فیروزی امتزاج کی ساڑھی پہنے لائٹ میک اپ ہاف بالوں کا فاؤنڈیشن بنا تھا آدھے بال پشت پر بکھرے تھے جس میں تازہ گجرے لگے مہک رہے تھے، سعیدہ آپا نے مخصوص دھیمے محبت بھرے لب ولہجہ میں خطاب آغاز کیا تھا پُرسکون ماحول اور نرم لب ولہجہ میٹھی آواز اور بیک گراؤنڈ میں ہیپی برتھ ڈے کی دھن بج رہی تھی، سعیدہ نثار کی شخصیت منفرد و ممتاز لگ رہی تھی۔

حجاب کی پہلی سالگرہ کے پُرمسرت موقع پر سعیدہ آپا کا چہرہ بھی خوشی سے دمک رہا تھا سعیدہ آپا نے زینب النساء، فرحت آرا، مشتاق احمد قریشی، قیصر آرا، ندا رضوان، طاہر قریشی سبھی کا نام لے کر حجاب کی اس قدر پذیرائی پر کامیابی و شہرت کی مبارک باد دی تھی۔ نئے افق، آنچل کے نئے پرانے سبھی رائٹرز کی کاوش و محنت کی دل کھول کر تعریف کی تھی سبھی رائٹرز کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے سعیدہ نثار نے مجلس مشاورت کے اراکین کو اسٹیج پر مدعو کیا تھا اسٹیج کر قدم اٹھاتی اقرا اصغیر احمد، طلعت نظامی، عثمان عبداللہ، راحت وفا، سمیرا شریف طور، نادیہ فاطمہ رضوی، نزہت جبین ضیاء، نازیہ کنول نازی سب اسٹیج پر آچکے تھے پورا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اوپر سے ساتھ ہی پھولوں کی برسات بھی کی گئی تھی، سعیدہ آپا نے سمیرا شریف طور کو بیسٹ اچیومنٹ ایوارڈ، تعریفی اسناد، گفٹ ہیمپر دیے تھے باری باری سبھی کو ایوارڈ، اسناد، گفٹ دیے گئے تھے۔ صدف آصف اور نادیہ فاطمہ حجاب کے ابتدائی سفر سے ساتھ تھیں انہیں بھی خصوصی تحائف سے نوازا گیا۔ سعیدہ آپا ایک بار پھر مائیک تھام چکی تھیں۔

"نئے افق گروپ آف پبلی کیشن پہ رب کی خاص مہربانی کرم نوازی ہے کہ اسے ابتداء سے ہی مخلص وفادار لوگوں کا ساتھ ملا ہے آنچل کی منجھی ہوئی رائٹرز نے بیک ٹو بیک شاہکار ناولز آنچل کے نام کر کے قارئین کو ہمیشہ آنچل کا گرویدہ بنائے رکھا۔ نئی مصنفات کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے ہم نے حجاب کو ترتیب دیا، مشاورتی ادارے کا قیام عمل میں لائے، حجاب نے ایک سال میں ماشاء اللہ نئی پرانی رائٹرز کے توسط سے اپنی پہچان بنالی ہے۔" سعیدہ آپی کی بات پر پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ پھر سعیدہ آپی نے دوبارہ اعلان کیا۔

"تمام لکھاری بہنیں اسٹیج پر آجائیں۔۔۔نئے افق گروپ آف پبلیکیشن کی جانب سے اپنی تمام نئی پرانی رائٹر کو ایوارڈز اور سرٹیفکیٹ سے نوازا جارہا ہے سب سے پہلے

آنچل کے آفیشل گروپ کی ہیڈ ایڈمن صبا عیشل صاحبہ یہاں آجائیں، صبا عیشل موسٹ ایکٹیو ایڈمن ہیں جو بااحسن طریقے سے ایڈمن کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔" سعیدہ آپی نے نظریں گھما کر صبا عیشل کو تلاشا۔

"مما مجھے بھی بلایا ہے۔" صبا کے ساتھ ننھی عیشل بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے میری جان بیٹھ جاؤ پپا کے ساتھ۔" صبا نے حسب عادت ننھی عیشل کو پیار سے سمجھایا۔ صبا عیشل کے چہرے پر اندرونی خوشی کا عکس نمایاں تھا۔ صبا کو سرٹیفکیٹ اور ایوارڈ دیا گیا تھا۔

"اب میں حجاب ڈائجسٹ کی رائٹرز کے نام اناؤنس کررہی ہوں، ایکٹیو ممبر کو ادارے کی جانب سے گفٹ ہیمپر دیا جائے گا جو یہاں موجود اسٹاف دے گا۔ سارہ خان، خدیجہ کشمیری، انعم خان، کنول خان، کوثر ناز۔" سعیدہ آپی نے نام پکارے تھے اب رائٹر کو ایوارڈ، اسناد، گفٹ ہیمپر دینے کی باری آئی تھی سعیدہ آپی ایک بار پھر نام پکارنے لگی تھیں۔ "فرح بھٹو، کوثر ناز، افشاں شاہد۔" انہوں نے ساتھ نام پکارے تھے سبھی رائٹرز ایک دوسرے کو دیکھ کر بے حد خوش تھیں۔ سعیدہ آپی اب سائڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھ چکی تھیں۔

قیصر آپا نے مائیک تھاما اور طاہر قریشی صاحب کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی قیصر آپا، سعیدہ آپا، مجلس مشاورت کے اراکین اسٹاف اور تمام مصنفین اور سبھی خاص الخاص لوگ بڑی سی کیک ٹیبل کے گرد کھڑے تھے سبھی نے قیصر آپا کی معیت میں خوشی سے دمکتے چہروں کے ساتھ پُر جوش انداز میں بڑا سا خوب صورت سا کیک کاٹا تھا کیک پر بڑے بڑے حرفوں میں حجاب کی پہلی سالگرہ لکھا جگمگا رہا تھا کیک کٹتے ہی ہر طرف غباروں اور پٹاخوں کی آوازیں آنے لگیں۔

پورے ہال کی لائٹس بھی جل بجھ ہونے لگی تھیں ہر ایک اپنے اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کررہا تھا۔ سبھی اپنے اپنے موبائل پر تصاویر لے رہے تھے

"سبھی احباب سے التماس ہے یہ فیملی تقریب ہے ہمارے قاری ہمارے لکھاری ہمارے لیے فیملی کی مانند ہیں، پلیز آپ لوگ یہ تصاویر فیس بک پر اپلوڈ نہ کریئے گا نہ ہی کسی کو انباکس کیجیے گا ادارے کے رولز کو فالو کرنا آپ سب کی بھی ذمہ داری ہے خوش رہیں اور نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز سے جڑے رہیں۔" سر طاہر قریشی نے مائیک تھام کر مہذب لب ولہجہ میں کہا جو کہ ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

تمام مہمانوں کو پیسٹری، کولڈ ڈرنک، چپس وغیرہ پیش کیے گئے تھے سبھی نے جی بھر کر انجوائے کیا۔ اب سبھی ایک دوسرے سے مل رہے تھے رائٹرز سے آٹو گراف لے رہے تھے اس خوشی کے موقع پر نائلہ طارق، سباس گل، عشنا کوثر سردار، اقرا صغیر احمد، صدف آصف، نادیہ فاطمہ رضوی، نزہت جبین ضیاء، اقبال بانو، طلعت نظامی، سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی و دیگر مصنفین اپنے ناول آٹو گراف کے ساتھ اپنے فینز کو گفٹ کررہی تھیں، سبھی قارئین کے لیے اتنی پذیرائی پر ان کا دل رب کا شکر گزار تھا حجاب کی پہلی سالگرہ کا دن سبھی کے لیے خوشگوار یادوں کے ساتھ یادگار بن گیا تھا اب سب ایک دوسرے کو الوداعی کلمات ادا کررہے تھے ایک خوب صورت و یادگار تقریب اختتام پذیر ہوئی تھی۔

قارئین جس وقت یہ تحریر آپ لوگ پڑھیں گے تو اس وقت سال کے آخری مہینے دسمبر کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ سال ۲۰۱۶ء بہت سی تلخ وشیریں یادیں چھوڑ کر اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہوگا اور سالِ نو کا سورج نئی امیدوں، آرزوئں، تمناؤں اور بہت سی دعاؤں کے ساتھ طلوع ہونے کے لئے پر تول رہا ہوگا۔

اس دفعہ سالِ نو کے دامن میں
رنگ، خوشبو، گلاب ہو یا رب!
سب کے آنگن خوشی کے پھول کھلیں
پورے ہر دل کے خواب ہوں یا رب!

یوں تو دسمبر کے علاوہ اور بھی گیارہ مہینے ہیں لیکن اردو شاعری میں جو اہمیت دسمبر کو حاصل ہے وہ دیگر مہینوں کو نہیں۔ تقریباً تمام شعراء قارئین جس وقت یہ تحریر آپ لوگ پڑھیں گے تو اس وقت سال کے آخری مہینے دسمبر کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ سال ۲۰۱۶ء بہت سی تلخ وشیریں یادیں چھوڑ کر اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہوگا اور سالِ نو کا سورج نئی امیدوں، آرزوؤں، تمناؤں اور بہت سی دعاؤں کے ساتھ طلوع ہونے کے لئے پر تول رہا ہوگا۔ اور پھر قابلِ غور بات یہ ہے کہ آخر دسمبر دکھ درد کا استعارہ کیوں ہے؟

دسمبر کا مہینہ جب بھی آتا ہے
تو مجھ کو خون کے آنسو رلاتا ہے

اور دسمبر کے حوالے سے دوسری بات یہ کہ آخر اس کو شاعری میں اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے؟ کہ کوئی کہتا ہے۔ اسے کہنا دسمبر آ گیا ہے، تو کوئی کہتا ہے۔ دسمبر عجب بے خبر ہے اور کوئی کہتا ہے۔ جاتا ہوا دسمبر مجھ کو رلا رہا ہے۔

شاید اس لیے کہ یہ سال کا آخری مہینہ ہے۔ جب پورا سال گزرنے کے بعد سال کے اس آخری مہینے میں انسان حساب کتاب کرتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اس نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ کتنا نفع ہوا اور کتنا خسارہ؟ اور جب انسان یہ حساب کرتا ہے تو انہیں اتنی خوشی پانے کی نہیں ہوتی جتنا دکھ کھونے کا ہوتا ہے۔ جتنا وہ کیئے گئے خسارے پر افسردہ ہوتا ہے۔ پورے سال میں سرزد ہونے والی غلطیاں یاد آتی ہے تو ہاتھ ملنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کیونکہ وقت گزر چکا ہوتا ہے اور سال کا آخری مہینہ دسمبر آ چکا ہوتا ہے۔

آخری چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نئے سال سے انسان کو بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ نئے سال میں بہت کچھ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ ماضی کی غلطیوں کو دہرانے کی بجائے اس سے سبق سیکھنے کا اعادہ کرتا ہے، روٹھے ہوئے دوست واحباب کو منانے اور بچھڑے ہوؤں سے ملنے کا وعدہ اپنے آپ سے کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ ان تمام

وعدوں اور باتوں کو پورا کردیتا ہے اور بعض اوقات زندگی کے روز و شب میں ایسا الجھ جاتا ہے کہ سال کے آغاز میں خود سے کیئے گئے وعدے یاد نہیں رہتے۔ جب سال گزر جاتا ہے اور آخری مہینہ دسمبر شروع ہوتا ہے تو تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کو دہرا چکا ہے وہ اپنے دوست و احباب کو نہیں منا سکا وہ بدستور ان سے روٹھے ہوئے ہیں۔ نہ ہی ان عزیزوں سے مل سکا جو بچھڑ چکے تھے۔ اور وہ پیارے جو ابدی نیند سو چکے ہیں ان کے بغیر ان کی یادوں کے سہارے ایک اور سال گزر گیا۔

اس سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
دیکھے بغیر تجھ کو دسمبر گزر گیا

اور شاید نہیں بلکہ یقیناً بہت سے لوگوں کو یہ احساس بھی ہوتا ہوگا کہ زندگی کا ایک اور سال کم ہوگیا۔

ہر سال دسمبر آتا ہے کچھ یادوں کو دہراتا ہے
اس عمر کا ایک برس ہم سے وہ ساتھ اپنے لے جاتا ہے

میرے اندازے کے مطابق یہی وہ تمام باتیں ہیں جس کا احساس انسان کو سال کے آخری مہینے دسمبر میں ہوتا ہے تو دسمبر اس کے لیے خوشی کی بجائے دکھ درد کا سبب بن جاتا ہے اور دکھ درد کے ان احساسات کو جب لفظوں کی لڑی میں پرویا جاتا ہے تو پھر اسی قسم کے اشعار وجود میں آتے ہیں۔

لو ایک بار پھر یہ دسمبر گزر گیا
گزرا نہیں یہ سال قیامت گزر گئی

☆☆☆

ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں اک دسمبر اکیلے

☆☆☆

ہمارے حال پر رویا دسمبر
وہ دیکھو ٹوٹ کر برسا دسمبر

☆☆☆

وہ کب بچھڑا نہیں اب یاد لیکن
بس اتنا علم ہے کہ تھا دسمبر

☆☆☆

آؤ کچھ دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شاید نہ اگلے سال ملیں

اور
آہیں
سسکیاں
آنسو
اور تلخ یادیں
دامن میں چھوڑ کر
دسمبر گزر گیا

☺

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

جوتشی چوہان

مجھ میں تو ایکسیڈنٹ کا سن کر ویسے بھی کچھ اور سننے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ کر پروین کا انتظار کرنے لگے تقریباً 25 منٹ بعد پروین باہر نکلی وہ حسب معمول خاموش اور سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تمام ایکسائٹمنٹ رفو چکر ہو چکی تھی میں نے اس کی دلی و ذہنی کیفیات کو بھانپ لیا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا' پروین انہوں نے جن اور روحیں اپنے قبضے میں کر رکھی ہیں' الٹی سیدھی پیش گوئیوں میں ایک آدھ سچی بات پر ہم دہل جاتے ہیں کچھ نہیں ہونے والا' مطمئن رہو اور پانچویں کتاب چھپوا کر ان کی خدمت میں ارسال کرنا مت بھولنا۔

رف ماضی کا نقشہ جو کھینچا ہے اب اپنی موت پر یقین آنے لگا ہے' آپ کو کیا بتاؤں کہ وہ کیا کیا بولتے چلے گئے۔ اس نے ملائمت سے میرا ہاتھ دبایا تھا' رف اپنی تو فکر نہیں نہ ہی زندگی بڑھنے کی دعا ہے۔ رف گیتو از ٹو سال' یہ بہت اکیلا رہ جائے گا اور میں وہاں اس کے بغیر گیتو یہاں میرے بغیر کیسے سروائیو کریں گے' رف گیتو کا خیال کون رکھے گا۔

پروین آپ تو سچ مچ سیریس ہو گئی ہیں' یہ سب شغل ہی تو تھا اس لیے ڈر اور خوف کیوں کر ہو۔ میں نے بے پروائی کا اظہار کیا لیکن میرے دل میں کانٹا چبھ سا گیا تھا۔ پروین کی اداس و مایوس شکل دیکھ کر مجھے اس کی بے چارگی پر ترس بھی آیا اور معصومیت پر پیار بھی الڈ آیا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی عمر درازی کی دعائیں مانگنے لگی' اس وقت مجھے اپنے ایمان کی کمزوری کا احساس شدت سے لعن طعن کر رہا تھا کہ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ کردار میں استحکام ہے نہ ہی ہمارے خیالات میں پائیداری ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ہم تو ہمات کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو جانتے ہوئے ایسے عملیات سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور اسے بدعت قرار دیا ہے۔ گاڑی میں خاموشی تھی ہم گھر پہنچے تو پروین اپنے کمرے میں چلی گئی' اس نے ڈنر سے بھی انکار کر دیا تھا۔

میں اس کے کمرے میں ہی اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گئی تو پروین گیتو کو کہانی سنانے لگی۔ اس نے ایک سوتیلی ماں کی بے حد دلفریب آؤٹ لائن کھینچ کر خاکہ بنایا اور اس میں شوخ و شنگ رنگ بھرنے لگی۔ سوتیلے بہن اور بھائی کے لگاؤ اور پیار کے قصے سنانے لگی اور پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر پیار سے بولی' گیتو تمہاری ماما تو ورکنگ مدر ہے ناں۔ تمہیں زیادہ ٹائم نہیں دے سکی' آنٹی رف جیسی جو مائیں ہوتی ہیں ناں ان کی زندگی کا ہر لحہ اپنے بچوں کے لیے ہوتا ہے۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تمہاری ماں بھی ایسی ہی ہو؟ گیتو ماں کی باتیں سمجھ نہ سکا' مسلسل کبھی ماں کے بال کھینچے تو کبھی ماں کے نازک ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتا جائے اور کبھی اپنے ہاتھوں کو چبانے لگے۔ میں سمجھ گئی تھی کہ اس کا اشارہ اپنے شوہر نصیر کی طرف تھا جو شادی کر چکا تھا اور وہ خاتون شاعرہ تھی نہ ہی ورکنگ لیڈی تھی' اس کی خصوصیات بتا کر بیٹے کو ذہنی طور پر تیار کرنا اس کا مقصد تھا۔

میں یہ کہانی آگے سننے کی تاب نہ رکھتی تھی' پروین کو تسلی و تشفی کے چند رسمی کلمات کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ رات میں نے کروٹیں بدلتے گزار دی تھی اور پروین کے کمرے کی لائٹ بھی روشن رہی۔ چار دن بعد پروین نے پاکستان واپس چلے جانا تھا' پروین کو شاپنگ سے لگاؤ نہیں تھا پھر بھی اس نے کناٹ سرکس میں ہر صوبے کے امپوریم کو خوب گھوم پھر کر دیکھا تھا' ہم نے بھی دہلی کی مشہور جگہیں' مرزا غالب کی رہائش گاہ سے لے کر لائبریری تک دیکھیں اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضری دی اور پرانی دلی میں مغلیہ دور کے مقامات' کمالی اور جلالی مسجد دیکھیں۔ مسجد کے عقبی لان میں مسلم بزرگ کا

مزار ہے جن کے نام پر وہاں کے ہندو‘ مسلم‘ عیسائی آج بھی اپنے تحفظ کے لیے امام ضامن باندھتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم نے پروین کو ہر جگہ کی سیر کروائی لیکن میں نے پروین میں ان چار دنوں میں سوائے سوچ‘ اداسی‘ پژمردگی کے اور کچھ نہ پایا تھا۔

پروین کی اپنے وطن واپسی

آج گھر میں صبح سے ہی خاموشی تھی‘ جاوید آفس جاچکے تھے۔ عمر اور حمزہ نے گیتو کے واپس جانے کے سوگ میں چھٹی منالی تھی‘ سفیان ابھی چھوٹا تھا۔ وہ بھی گیتو اور آنٹی کی تیاری دیکھ کر اداس لگ رہا تھا۔ پروین زبانی کلامی احساسات کا اظہار کبھی نہیں کیا کرتی تھی‘ اس کا چہرہ اس کے اندرونی جذبات کی عکاسی کیا کرتا تھا اس کا اندازہ مجھے ہوچکا تھا۔

پروین کی فلائٹ کا وقت دوپہر تین بجے تھا‘ ساڑھے بارہ بجے ملازم نے ٹیبل پر کھانا لگادیا تھا۔ پروین کھانا کھانے میں خاصی ڈنڈی مار رہی تھی۔ کھانا بہترین ہو لیکن وہ فقط سونگھنے پر اکتفا کرنے والی ہستی تھی‘ اس لیے تو اس قدر نازک اندام اور کانچ کی گڑیا کی طرح فرجائیل تھی۔ بمشکل پروین نے چند نوالے کھائے ہوں گے جب جاوید تیزی سے ڈائننگ روم میں داخل ہوئے‘ دیر ہوگئی جلدی کریں بار بار بولتے ہوئے وہ کھڑے کھڑے کھانے کے دو تین نوالے کھا کر پانی پینے لگے۔ پروین نے پرس کھولا اور ہزار کے تین نوٹ نکال کر عمر‘ حمزہ اور سفیان کی طرف نہایت اپنائیت سے بڑھائے تو جاوید نے پروین کے ہاتھ سے نوٹ اچک لیے اور اس کے پرس میں ڈال کر بولے۔ پروین یہ کیا کررہی ہیں آپ؟ ہمیں شرمندہ مت کریں۔ جاوید کا لہجہ اور رویہ عموماً ایسا ہی تھا‘ میرے لیے نرالہ نہ تھا۔ جاوید کا اتنا کہنا تھا کہ پروین کا چہرہ اور آنکھیں جھک گئیں‘ کوشش کے باوجود وہ اپنے آنسوؤں پر غلبہ نہ پاسکی۔ میں نے تڑپ کر اس کے پرس سے تینوں نوٹ نکال لیے اور بچوں کی طرف بڑھا کر بولی۔ آنٹی نے آپ کو کھلونوں کے لیے دیئے ہیں نکل ہی ہم کھلونے خرید لائیں گے اور میں پروین کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی‘ جاوید شرمندہ سے ہوکر خاموش رہ گئے۔

بچے من کے سچے ہوتے ہیں‘ فرشتہ خصائل لوگوں کی شناخت میں قطعاً دیر نہیں لگاتے‘ اپنی محبت اور پسندیدگی کے اظہار میں غیریت محسوس نہیں کرتے پل بھر میں ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں‘ سفیان‘ پروین کی نرم مزاجی‘ دھیمے پن اور شیریں گفتار سے اس کا ایسا گرویدہ ہوگیا تھا کہ اس کا زیادہ تر وقت پروین کی گود میں گزرتا تھا‘ عموماً وہ گیتو کے ساتھ پروین سے جڑ کر سوجایا کرتا تھا اور میں سونے کے بعد اسے اٹھا کر اس کے بیڈ پر لٹادیا کرتی تھی۔

پروین سے پیسے وصول کرنے کے بعد اسے پروین سے بچھڑنے کا مکمل طور پر علم ہوچکا تھا‘ وہ منہ بسورتا ہوا اپنے کمرے میں جاکر کمبل میں منہ چھپا کر لیٹ گیا‘ پروین کی چھٹی حس تو کافی تیز تھی وہ بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔ سفیان کو زار وقطار روتا دیکھ کر پروین اسے پیار کرتے ہوئے بولی میرا سوئٹو ایمبیڈر میں آپ سے بہت جلد ملنے آؤں گی‘ وہ سفیان کو عموماً ایمبیڈر پکارا کرتی تھی۔ مجھ سے پکا وعدہ کریں آنٹی‘ وہ آنسو صاف کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ آنٹی آئی ول مس یو وعدہ کریں کہ جلدی آئیں گی ناں آنٹی میں انتظار کروں گا اس کے التجائیہ لہجے نے مجھے پریشان کردیا تھا‘ میری آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ گیتو بھی بھائیوں کو چھوڑتے ہوئے رو رہا تھا‘ یہ فلمی سین دیکھ کر جاوید ہمارا مذاق اڑا رہے تھے مگر تھی تو یہ حقیقت کہ پروین کی شخصیت ہی ایسی جاں فزا تھی کہ ہر عمر اور ہر رشتے میں ہر دل عزیز ہوجاتی تھی۔ حیرت کی بات نہیں تھی کہ ہماری چند روزہ رفاقت ایک گہری اٹوٹ دوستی میں بدل گئی۔ میں نے میزبانی کے تقاضے پورے کیے تو اس نے مہمان بننے کی عزت افزائی بخش کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا بنالیا۔

(جاری ہے)

سمیہ عثمان

حمیرا قریشی...... لاہور

لڑکھڑائے تو ہم تیری بدلتی نگاہوں سے تھے
وگرنہ راستے اپنی منزل کے ہموار بہت تھے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

لہروں سے لڑا کرتا ہوں میں دریاؤں میں اتر کر
ساحل پر کھڑے ہو کہ میں سازش نہیں کرتا

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

مر رہے ہیں آئے دن پیرو جواں
خون میں ڈوبے ہوئے ہیں آشیاں
رنگ لائے گا لہو مظلوم کا
اور ظالم ہوگا آخر بے نشاں

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

اپنی آنکھوں کی گھٹاؤں میں گھرا رہتا ہوں
بات بے بات سزاؤں میں گھرا رہتا ہوں
میرا دشمن مجھے نقصان نہیں دے سکتا
میں تو ممتا کی دعاؤں میں گھرا رہتا ہوں

ریمان نور رضوان...... کراچی

میری دھڑکن میں اک دھڑکن تیری ہے
اس دھڑکن کی قسم زندگی تو میری ہے
میری سانسوں میں اک سانس تیری ہے
وہ سانس جو رک جائے تو موت میری ہے

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان

گھر سے خوشبو کے تعاقب میں نکلنے والو
میری مانند کبھی تم بھی نہ بے گھر ہونا

کوثر ناز...... حیدر آباد

ہجر کی صلیب پر لٹکا ہے میرا ناتواں وجود
وصل کی خواہش پگھلا رہی ہے مجھے قطرہ قطرہ

جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

میرے لب پر تیرا ہی نام تھا سر شام تھا
میرے دل میں تیرا قیام تھا سر شام تھا
وہی تو جان سے عزیز تھا جیا کیا کہیں
وہ جو اپنی انا کا غلام تھا سر شام تھا

رومیہ عباسی...... دیول (مری)

ہم پر ختم تھا محبت کا تماشہ گویا
روح کو روز جسم سے جدا کرتے ہیں
زندگی ہم سے تیرے ناز اٹھائے نہ گئے
سانس لینے کی فقط رسم ادا کرتے ہیں

علمہ اشمشاد حسین...... کورنگی کراچی

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے میری خاطر
بس وہی اک لمحہ مجھے زندگی سے بھی پیارا لگا

انتخاب مہوش قاسمی...... کراچی

جدھر ہے تو ادھر ہے عشق، جاویداں ہے امر ہے عشق
تیرہ جلوہ سر منزل سر منزل سفر ہے عشق
خدا جانے کہ ترے ہجر میں دلدار می رقصم
سر خانہ سر محفل سر بازار می رقصم

رخسار رشید کشمیری...... جدہ سعودی عرب

میں مکمل حیات چاہتی ہوں
تجھ سیاب میں نجات چاہتی ہوں
خواب پورے نہیں ہوتے میرے
اب میں ان کی وفات چاہتی ہوں

افشاں شاہد...... کراچی

کون کہتا ہے دعاؤں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں
میں نے ہر دعا میں خدا سے مانگا تھا تجھ کو

سید حیدر علی شاہ بخاری...... چراٹ نوشہرہ

اسے قریب سے دیکھا تو یہ ہوا محسوس
یہ شخص دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

انعم زرین...... چکوال

خواب آنکھوں کے دیپ کچھ ایسے جلے
مسکرا کر جب یار من ہم سے ملے

خواہش یہ ہی رہ گئی اب بس
ہر سفر میں فقط وہ اک فرد ہی چلے
فرحین ناز طارق...... چکوال

لفظ بکتے نہیں انسان بک جاتے ہیں
کیا عجب دور ہے کہ خریدار بک جاتے ہیں
قلم تھامتے ہیں عرض وفا کی خاطر
کیا عیب ہے خود قلمکار بک جاتے ہیں
ماورا طلحہ...... گجرا والا

بہت وفادار ہے تیرا دیا ہوا درد
تو ہو نہ ہو، یہ ہر پل ساتھ ہوتا ہے
حرا قریشی...... ملتان

جیسے تجھے آتے ہیں نہ آنے کے بہانے
ایسے ہی کسی روز نا جانے کے لیے آ
عصر خان...... کراچی

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے
فاطمہ...... عبدالخالق

لوگ بے درد ہیں کتنے
درد بھی چھین لیتے ہیں
سباس گل...... رحیم یار خان

اس نے دریا میں ڈال دی ہو گی
میری محبت بھی اِک نیکی تھی
فرح بھٹو...... حیدرآباد

ابھی سے مجھ کو کیوں جگاتے ہو
ابھی تو خواب میرے جاگے ہیں
آسیہ خان...... چکوال

مجھے اپنے عقل و ہنر پہ یقیں ہے
مری ذات کو چاہے جتنا اچھالو
مریم مرتضیٰ...... کراچی

محبت اور خلوص کے احباب ہو تم
مٹھاس اور لذت کا باب ہو تم
کسی کی آن ہو کسی کا مان ہو
میری ذیست کا حصہ "حجاب" ہو تم
فروا سیف...... سرگودھا

تیرا خیال ابر رحمت ہے میرے واسطے
جو خزاؤں کو بہاروں میں بدل دیتا ہے
دلکش مریم...... چنیوٹ

لوگ ڈھونڈتے رہے جانے کیا کیا
میں نے اوڑھ لیا آنچل و حجاب
نادیہ خان بلوچ...... کوٹ ادو

کوئی تو ہو جو میرے عشق کو اوڑھ کر
دسمبر کی سرد راتوں میں آوارہ سا پھرے
ملائکہ خان...... راولپنڈی

وہی اداس شامیں وہی ایک خوف سامن میں
سنو جاناں دسمبر لوٹ آیا ہے
ارم فاطمہ...... لاہور

ہوا کے لب پہ ہیں پیغام اس کے
جو گرہیں رفتہ رفتہ کھولتا ہے
سنائی دے رہیں ہیں اس کی باتیں
وہ چپ رہ کر بھی کتنا بولتا ہے
عائشہ پرویز...... کراچی

چاند رات، ڈھلتی شام، پت جھڑ اور دسمبر
تجھی اک قیامت ہے عشق کے ماروں پر
سارہ خان...... بہاولپور

وہ اک شخص جو میری یاد سے غافل ہے
اسے کہو عہدو پیمان کی روایت توڑ جائے
ناہید اختر بلوچ...... ڈیرہ اسماعیل خان

بس پیار تمہارا کافی ہے
مجھ کو یہ سہارا کافی ہے
میں چاند اور سورج کیوں مانگوں
تو ایک ستارہ کافی ہے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبلین

کرنچ کیک

ضروری اشیاء:۔

انڈے	دوعدد
میدہ	چھ کھانے کے چمچ
شکر (پسی ہوئی)	چھ کھانے کے چمچ
ایسنس	چند قطرے
فریش کریم	دو پیکٹ
شکر	ایک چوتھائی کپ (پسی ہوئی)
کرنچ	آدھا کپ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

چینی کو فرائی پین میں پگھلا کر اس میں بادام یا مونگ پھلی ڈال دیں۔ اس کے بعد ایک گریس کیے ہوئے برتن میں ڈال کر ٹھنڈا کرلیں اور ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کو کرش کریں اور انڈے اور چینی کو اچھی طرح بیٹ کریں اس میں ایسنس، بیکنگ پاؤڈر اور میدہ ڈال کر فولڈ کریں۔ اوون کو پہلے سے گرم کرلیں، کیک مکسچر کو سانچے میں ڈال کر بیک کریں، بیک ہوجائے تو اوون سے کیک نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کیک کو درمیان سے کاٹ کر اس پر بیٹ کی ہوئی کریم ڈال دیں اس کے بعد کرنچ اور پھر کیک کا دوسرا حصہ رکھ کر اس کو کریم سے کور کریں اور اپنی پسند کے مطابق ڈیکوریٹ کرلیں اور سرو کریں۔

جویریہ ضیاء...... کراچی

رنگ کیک

ضروری اشیاء:۔

میدہ	ڈیڑھ کپ
مکھن	تین کپ
کیسٹر شوگر	ایک کپ
انڈے	تین عدد (پھینٹ لیں)
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا چمچ
دودھ	دو کھانے کے چمچ
آئسنگ شوگر	آدھا کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔

ایک پیالے میں کیسٹر شوگر اور مکھن ڈال کر الیکٹرک بیٹر سے اچھی طرح پھینٹ کر آمیزہ تیار کرلیں۔ ایک ایک کر کے انڈے اس آمیزے میں ڈال کر پھینٹتی جائیں۔ میدہ چھان کر اس میں ڈالیں اس کے بعد ونیلا ایسنس اور دودھ کو بھی آمیزے میں شامل کر کے دوبارہ پھینٹیں۔ ایک کیک بیکنگ ٹن کو تیل لگا کر چکنا کرلیں۔ تیار کیے ہوئے آمیزے کو ٹن میں ڈالیں اور پہلے سے گرم اوون میں 180.c پر رکھ کر ایک گھنٹے تک بیک کریں۔ کیک کی رنگت گولڈن براؤن ہوجانے پر اسے اوون سے باہر نکال لیں اور کیک کو ایک سرونگ پلیٹ میں نکال لیں۔ ایک پیالے میں آئسنگ شوگر میں پانی ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں اور بیک کیے ہوئے کیک کے اوپر ڈال کر ڈیکوریٹ کریں۔ مزے دار رنگ کیک تیار ہے چائے یا کافی کے ساتھ سرو کریں۔

صباء عیشل...... بھاگووال

بیف پاستا سوپ

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	۲۰۰ گرام
اُبلا کولسن پاستا	ایک کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
گاجر	ایک عدد
انڈا	ایک عدد
لہسن کے جوئے	دوعدد
مشروم	ایک کپ
تیل	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ

نمک	آدھا چائے کا چمچ
سویا سوس	تین کھانے کے چمچ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

ایک برتن میں دو سو گرام گائے کے گوشت کے باریک ٹکڑے چار گلاس پانی کے ساتھ گلنے تک پکائیں۔ دوسرے برتن میں ایک کھانے کا چمچ تیل گرم کرکے دو عدد لہسن کے جوے فرائی کریں اور اس میں ایک کپ مشروم، ایک عدد شملہ مرچ اور ایک عدد گاجر شامل کرکے فرائی کرلیں۔ اب اس میں گوشت اور یخنی چھان کر ڈال دیں۔ جب ابال آجائے تو اس میں ایک کپ ابلا ہوا لہسن آدھا چائے کا چمچ کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ نمک اور دو کھانے کے چمچ کارن فلور پانی میں گھول کر شامل کردیں۔ آخر میں ایک عدد انڈہ پھینٹ کر ڈالیں اور چولہا بند کرکے تین کھانے کے چمچ سویا سوس شامل کرکے سرو کریں۔

ہالہ سلیم......کراچی

گاجر کا زردہ

اجزاء:

چاول	آدھا کلو (ابلے ہوئے)
گاجر	تین عدد (کش کی ہوئی)
چینی	آدھا کلو
دودھ	آدھی پیالی
کھویا	ایک پیالی
پستے	آدھی پیالی
ناریل	حسب پسند (کش کیا ہوا)
گھی	آدھی پیالی

ترکیب:

گاجر کو فرائنگ پین میں پھیلا کر رکھیں اور درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کرلیں۔ چاول، گاجر اور چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پھر ایک پین میں دو سے تین کھانے کے چمچ گھی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو توے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آنچ درمیانی رکھیں اور پھر ہلکی آنچ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت گھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش کو نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

سی فوڈ بریانی

اجزاء:

مچھلی	آدھا کلو
جھینگے	آدھا کلو
چاول	تین پیالی
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	تین عدد درمیانے
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	چند دانے
ثابت رائی	آدھا چائے کا چمچ
کڑی پتہ	چند پتے
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
آئل	آدھی پیالی

ترکیب:

مچھلی کو چکور بوٹیوں میں کاٹ لیں اور جھینگوں کو صاف کرکے دھولیں۔ پین میں آئل دو سے تین منٹ ہلکا گرم کریں اس میں میتھی دانہ، رائی، کڑی پتہ اور ہری مرچیں ڈال کر کڑکڑائیں، پھر پیاز ڈال کر سنہرا ہونے تک فرائی کریں۔ لہسن ادرک اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں اور تیل علیحدہ ہوجائے۔ نمک، لال مرچ، ہلدی اور دھنیا ڈال کر ہلکا سا پانی کا چھینٹا ڈال کر بھونیں۔ مچھلی کی بوٹیاں اور جھینگے ڈال دیں۔ تین سے چار

منٹ پکا کر احتیاط سے مچھلی کو علیحدہ نکال لیں اور اس مصالحے میں چاول ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ تین سے چار پیالی پانی ڈال کر پکنے رکھ دیں۔ ڈھک کر درمیانی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں، اوپر سے مچھلی اور جھینگے رکھ کر ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

طلعت نظامی......کراچی

چکن ٹماٹو سوپ

اجزاء:

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
گاجر	ایک عدد (کش کی ہوئی)
ٹماٹر	آدھا کلو
مکھن	ایک کپ
لہسن	ایک جوا (پسا ہوا)
ادرک	ایک چمچ (پسا ہوا)
ہری مرچ	دو عدد
اجوائن	ایک چٹکی
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	حسب ذائقہ

ترکیب:

سوس پین میں مکھن کو گرم کریں اور اس میں باریک کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں جب پیاز تھوڑی سی سنہری ہوجائے تو چکن ڈال کر فرائی کریں چکن ہلکا سا فرائی ہوجائے تو کش کی ہوئی گاجر، لہسن اور پسا ہوا ادرک ڈال کر مزید فرائی کریں سبزیاں اور گوشت فرائی ہوجائے تو ٹماٹر ڈال کر ڈیڑھ لیٹر پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر سوپ تیار ہونے دیں سوپ گاڑھا ہونے لگے تو اجوائن، نمک سیاہ مرچ اور سفید زیرہ ڈال کر سبز مرچ کٹی ہوئی (بیج نکال کر) شامل کریں اور گرم گرم سوپ نوش فرمائیں۔

فاطمہ ظہیر......شاہ فیصل، کراچی

لذیذ چائنیز سوپ

اجزاء:

یخنی	چار پیالی
انڈہ	ایک عدد
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
انگور کی بیل کے خشک پتے	چار چائے کے چمچ (پاؤڈر بنا لیں)
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

ابلتی ہوئی یخنی میں سیاہ مرچ اور نمک حسب ذائقہ ملا دیں۔ انڈے کو اس قدر پھینٹیں کہ اس کا جھاگ ابھر آئے اب اسے کھولتی ہوئی یخنی میں دھار باندھ کر آہستہ آہستہ ملا دیں اور سیٹ ہونے دیں پھر چمچ سے ہلائیں سوپ کے پیالے میں تیار شدہ سوپ انڈیلیں اس میں سویا ساس ملائیں اور انگور کے پتوں کا پاؤڈر ڈال کر نوش فرمائیں۔

حنا اشرف......کوٹ ادو

عرابین سوپ

اجزا:

لوبیا سفید	سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)
مغز بادام	ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ

ترکیب:

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملا دیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

اریبہ مہاج......ملیر کراچی

لال قلعہ حلیم

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	ایک کلو بون لیس
گیہوں	دو سو پچاس گرام
جو	ایک سو پچیس گرام
تیل	دو کھانے کے چمچ
چنے کی دال	ایک کپ
مونگ کی دال	ایک چوتھائی کپ
مسور کی دال	ایک چوتھائی کپ
ارہر کی دال	ایک چوتھائی کپ
تیل	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
نمک	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ

حلیم کے ساتھ سرو کرنے کے لیے

پیاز تلی ہوئی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا کٹا ہوا	حسب ضرورت
پودینہ کٹا ہوا	حسب ضرورت
ہری مرچ کٹی ہوئی	حسب ضرورت
ادرک، جولین کٹی ہوئی	حسب ضرورت
لیموں کے سلائس	حسب ضرورت
گھی	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے گیہوں اور جو کورات بھر کے لیے دو کھانے کے چمچ تیل میں بھگو کر رکھیں۔ اب اسے بلینڈ کر لیں پھر چنے کی دال، مونگ کی دال، مسور کی دال اور ارہر کی دال کو چار سے پانچ گلاس پانی کے ساتھ پکائیں، یہاں تک کہ دالیں گل جائیں۔ اب انہیں ٹھنڈا کر کے بلینڈ کر لیں۔ پھر ایک کپ تیل گرم کر کے ادرک لہسن کا پیسٹ، پیاز، نمک، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا اور دہی ڈال کر بھونیں۔ اب اس میں گائے کا گوشت اور آٹھ سے دس گلاس پانی ڈالیں اور ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائیں پھر گوشت کو چمچ سے گھوٹیں اور اسے بلینڈ کی ہوئی دالوں کے ساتھ مکس کریں اور ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں اور ہاتھ سے چمچ چلاتے رہیں۔ آخر میں اس میں پسا گرم مصالحہ شامل کر کے چمچ چلائیں پھر اسے تلی پیاز، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ، ادرک، لیموں کے سلائس اور دو کھانے کے چمچ گھی کے ساتھ سرو کریں۔

شہزادی فرخندہ......خانیوال

کشمیری چائے

اجزاء:۔

کشمیری چائے کی پتی	2 کھانے کے چمچ
چھوٹی الائچی	6 عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
سوکھا دودھ	4 کھانے کے چمچ
تازہ دودھ	ایک پیالی
چینی	3 چمچ
پانی	6 پیالیاں
خشک میوے (کٹے ہوئے)	حسب ضرورت

ترکیب:۔

دیگچی میں پانی ابالیں۔ململ کے کپڑے میں پتی باندھ لیں اور پوٹلی کو پانی میں ڈالیں پھر الائچیاں اور دار چینی ڈال کر پکائیں۔ جب پانی چار پیالی رہ جائے تو اس میں تازہ دودھ، سوکھا دودھ اور چینی ڈال دیں۔ اسے اچھی طرح مکس کر کے پکائیں یہاں تک کہ رنگ گلابی ہو جائے۔ پھر خشک میوے ڈال کر پیش کریں۔

فریحہ شبیر......شاہ نکڈر

آرائش حسن

حدیقہ احمد

اپنی جلد کو قدرتی انداز میں نکھاریئے

سردیوں کے موسم میں اکثر خواتین اپنی جلد کو نرم و ملائم اور ہونٹوں کو تروتازہ رکھنے کے لیے طرح طرح کے موئسچرائزر، باڈی آئل اور وٹامنز استعمال کرتی ہیں اور اس کے لیے کافی بھاگ دوڑ بھی کرتی ہیں مگر وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کئی قدرتی موئسچرائزر ان کے اپنے گھر میں موجود ہیں جن کا استعمال ان کی جلد کے قدرتی تیل کو خشک ہونے سے بچاتا ہے اور یوں جلد موسم سرما میں خشک ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ سرد موسم میں ایک اور کارآمد عمل یہ ہے کہ اپنے جسم کو تھوڑی دیر کے لیے دھوپ میں رکھیں تاکہ یہ دھوپ میں موجود وٹامن ڈی سے مستفید ہوسکے۔ اس کے علاوہ کچھ قدرتی موئسچرائزر کا بھی استعمال کریں جو کہ آسانی سے دستیاب ہیں اور مؤثر بھی ہیں۔

شہد

قدرتی موئسچرائزر میں اس سے اچھی اور کوئی چیز نہیں۔ دو ٹی اسپون شہد لے کر کسی بھی ٹائپ کی جلد پر مساج کیا جائے تو سردیوں کے دوران جلد صحت مند اور نرم رہتی ہے۔ شہد میں اشیا کو نرم کرنے‘ ان کو شگفتگی بخشنے اور موئسچرائزر کے ساتھ ساتھ اگر جلد میں کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے تو اس کی یہ مرمت بھی کردیتا ہے۔

اووکیڈو

اس بدیسی پھل میں غذائیت بخش اجزا بہت زیادہ ہیں۔ یہ وٹامن‘ معدنیات اور تیل سے لبریز پھل ہے۔ یہ خشک اور نمی سے پاک جلد کے لیے بہترین ماسک کا کام کرتا ہے۔

بادام

ایک اور مشہور اور آزمودہ جلد کا کنڈیشنر...... بادام میں وٹامن ای کی بہت وافر مقدار پائی جاتی ہے اور یہ جلد کی صحت کے لیے بہت کارآمد ہے۔ اس کے علاوہ دھوپ سے سانولی ہوجانے والی جلد کے لیے بھی مفید ہے اور سانولا پن کو دور کرتا ہے۔

پپیتا

اس پھل کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی ہے مگر قدرت نے کئی کارآمد اجزا سے اس کو مالا مال کر رکھا ہے۔ اس میں وٹامن اے بی سی اور ڈی کی بہت زیادہ مقدار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کئی طبی فوائد والے اجزاء بھی موجود ہیں۔ اس کا استعمال جلد کی رنگت نکھارتا ہے اور ان کو نئی تازگی بخشتا ہے یہ کیل مہاسوں کے خاتمے کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔

دہی

یہ جلد کو صحت عطا کرتا ہے اور اس میں جلد کو صاف کرنے کی طاقت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد پر دانے وغیرہ پیدا نہیں ہوتے ہیں اور اس کی موجودگی جلد کو دھوپ سے متاثر ہونے سے محفوظ رکھتی ہے چونکہ یہ ملک پروڈکٹ ہے تو اس میں بلیچنگ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ جلد کو قدرتی حالت میں برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دہی ایسی جلد کے لیے بہترین ہے جو کمبی نیشن یعنی ملی جلی جلد کہلاتی ہے اور چہرے پر جلد کا کچھ چکنا اور کچھ حصہ خشک ہوجاتا ہے۔

سکری کا خاتمہ...... شیمپو کا انتخاب

سکری کے خاتمے کے لیے کون سا شیمپو بہتر ہے؟

اس حوالے سے کچھ کہنا یوں مشکل ہے کہ اشتہارات کی صنعت اتنی فروغ پاچکی ہے کہ شیمپو کی ظاہری پیکنگ ہی صارفین کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض شیمپو سکری سے نجات کے لیے موثر بھی ہیں لیکن بیشتر شیمپو میں زائد کیمیکلز کی

بہتات بالوں کی حالت میں ابتری پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اگر آپ کے بال بھی سکری کے شکار ہیں اور اس تکلیف کے مستقل نجات بھی چاہتے ہیں تو کچھ گھریلو نسخے مرض کی شدت کم کرسکتے ہیں۔ یہ نسخے انہی اجزا پر مشتمل ہیں جنہیں اشتہاری کمپنیاں اپنی مصنوعات میں شامل کرنے کے دعوے دار ہوتی ہیں۔

☆ گندھک کا سفوف' ریٹھے اور سیکا کائی کا پاؤڈر ملا کر سر کی جلد میں لگائیں' سیکا کائی ملے پانی سے سر دھولیں' بالوں کی جڑوں سے سکری کا خاتمہ ہوجائے گا۔

☆ کیلے کے گودے میں ناریل کا تیل ملا کر آمیزہ بنائیں' ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ ہیئر ماسک کے طور پر جڑوں میں لگائیں' بال نا صرف خشکی سکری سے محفوظ رہیں گے بلکہ ملائم چمکدار ہوجائیں گے۔

☆ انڈوں کو پھینٹ کر ان میں نیم گرم پانی شامل کریں' اسے بالوں کی جڑوں سے سروں تک لگائیں' دس منٹ بعد دھولیں' بہتر نتائج کے لیے پانی کے برعکس دودھ بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

سردیوں کی مناسبت سے میک اپ کریں

سردیوں میں میک اپ کرتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اس موسم میں ہوائیں بہت ٹھنڈی اور سخت ہوتی ہیں اور ہم اسی مناسبت سے گہرے رنگ کے لباس اور سادہ لباس زیب تن کرتے ہیں۔ گرمیوں میں ہم ہلکے پھلکے اور سادہ لباس زیب تن کرتے ہیں مگر سردیوں میں سب کچھ اس کے برعکس ہوتا ہے' سردیوں کا میک اپ موسم کی مناسبت سے ہونا چاہیے اور بھاری ملبوسات اور گہرے رنگ سے بھی اس کی ہم آہنگی ہو۔ اس کا مطلب ہوا کہ آپ ہلکا فاؤنڈیشن ایک طرف رکھ دیں گی اور ایسا موئسچرائزر اور فاؤنڈیشن لگائیں گی جن کی بنیاد تیل پر ہو یعنی آئل بیسڈ' اسی طرح آئی میک اپ بھی ٹمیالا ہوجائے گا اور بھنوؤں کی رنگت اور شیڈ میں بھی تبدیلی آجائے گی۔

سرد موسم میں میک اپ کا آغاز آئل بیسڈ موئسچرائزر سے ہونا چاہیے جو موسم کی سرد ہواؤں سے جلد کو محفوظ رکھتا ہے اور خشک ہونے نہیں دیتا۔

رات کو قدرے بھاری موئسچرائزر استعمال کرنا چاہیے جس میں وٹامن اور جلد کو تروتازہ رکھنے کے اجزا بھی شامل ہوں۔ اسے غسل کرنے کے فوراً بعد لگانا چاہیے تاکہ جلد کی نمی جلد کے اندر ہی رہ جائے۔ میٹ (ٹمیالا) فاؤنڈیشن سرد موسم کے لیے بہترین ہے' آنکھوں کا میک اپ آپ کے لباس کی مناسبت سے ہو۔ سردیوں میں عموماً آنکھوں کے نیچے حلقے سے بن جاتے ہیں ان کو ہلکے زرد رنگ کی آئی کریم کے ذریعے ماہرانہ انداز میں چھپایا جاسکتا ہے۔

گرمیوں میں جلد زرد ہوتی ہے مگر سردیوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے' سرد موسم میں میک اپ ایسا ہو کہ اس سے جلد کی ٹون اور فنشنگ میں اور اضافہ ہو۔ گرمیوں میں چہرہ کھلا ہوتا ہے اور اس کی وجہ دھوپ ہوتی ہے جس میں وٹامن ڈی ہوتا ہے جو جلد کے لیے مفید ہے مگر سردیوں میں دھوپ کی کمی ہوتی ہے مطلب جلد کو ذرا زیادہ توجہ اور ٹوننگ کی ضرورت ہوتی ہے اور میک اپ کو لائٹ رکھنا ہوگا۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ میک اپ فاؤنڈیشن کا شیڈ آپ کی جلد کے ٹون سے ایک درجہ لائٹ ہو تبھی آپ کی جلد روشن نظر آئے گی۔

ام عمارہ...... چیچہ وطنی

نظم

تمہیں کتنا چاہتے ہیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
تمہیں کتنا چاہتے ہیں؟
تمہیں زندگی سے بڑھ کر
جو عزیز ہم نے جانا
سو، کوئی سبب تو ہوگا
کبھی تم نے یہ بھی سوچا؟
سرِ شام منتظر تھے
کہیں نیل میں اُجالے
کہیں تتلیاں لبوں کی
کہیں پھول جیسے عارض
کہیں قمقموں سی آنکھیں
یہ جو چارہ گر ہمارے
کوئی ساعت رفاقت
سرِ شام مانگتے تھے
انہیں کیا خبر کہ ہم نے
تمہیں سونپ دی ہیں راتیں
تمہیں دان کی ہیں آنکھیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
کسی شمع سوختہ سے
یہ جو کر رہیں ہیں باتیں
تمہیں کتنا چاہتے ہیں؟
تمہیں روز و شب کے دُکھ میں
کبھی بھولنا بھی چاہیں
تو کبھی نہ بھول پائیں

کہ یہ عہد زندگی ہے
جسے توڑنا بھی چاہیں
تو کبھی نہ توڑ پائیں

اعتبار ساجد

انتخاب: نمرہ علی...... کراچی

نظم

فلک کا ایک تقاضا تھا ابنِ آدم سے
سنگ سنگ کے رہے اور پلک جھپک نہ سکے
ترس رہا ہو فضا کا مہیب سناٹا
سڈول پاؤں یہ پائل مگر چھنک نہ سکے
کلی کے اذنِ تبسم کے ساتھ شرط یہ ہے
کہ دیر تک کسی آغوش میں مہک نہ سکے
میں سوچتا ہوں کہ یہ تری بے حجاب ہنسی!
مزاجِ زیست سے اس درجہ مختلف کیوں ہے
یہ ایک شمع جسے صبح کا یقین نہیں
جگر کے زخم فروزاں سے منحرف کیوں ہے
بھرا ہوا ہے نگاہوں میں زندگی کا دھواں
بس ایک شعلہ شب تاب میں شرر کیوں ہے
مرے وجود میں جس سے کئی خراشیں ہیں
وہ اک شکن ترے ماتھے پہ مختصر کیوں ہے
جمی ہوئی ہے ستاروں پہ آنسوؤں کی نمی
ترے چراغ کی لو اتنی تیز تر کیوں ہے
نئے شوالے میں جا کر کسی کے تیشے نے
بہت سے بت تو گرائے بہت سے بت نہ گرے
بس ایک خندہ بے باک ہی سے کیا ہوگا
لہو کی زحمتِ اقدام بھی ضروری ہے
ذرا سی جرأت ادراک ہی سے کیا ہوگا
گریز و رجعت و تخریب ہی سہی لیکن
کوئی تڑپ، کوئی حسرت، کوئی مراد تو ہے
تری ہنسی سے تو میری شکست ہی بہتر
مری شکست میں تھوڑا سا اعتماد تو ہے

مصطفیٰ زیدی

انتخاب: فروا چیمہ

غزل

لگتا ہے کہ اب چاہتیں آسان ہیں زیادہ
اشک ہیں کم چاک گریبان ہیں زیادہ
مدت سے کوئی جانب مقتل نہیں آیا
قاتل بھی توقع سے پشیمان ہے زیادہ
جس تاج کو دیکھو وہی کشکول نما ہے
اب تو فقیروں سے بھی سلطان ہیں زیادہ
ہر ایک کو دعویٰ ہے یہاں چاہ کا اپنی
اب دل کے اجڑ جانے کے امکان ہیں زیادہ
کیا کیا نہ غزل اس کی جدائی میں کہی ہے
ہم پہ شب ہجراں تیرے احسان ہیں زیادہ
لوگوں نے تو جو زخم دیے تھے سو دیے تھے
کچھ تیرے کرم ہم پہ میری جان ہیں زیادہ
اشک زمانہ سے کہے کون فراز اب
ہم یار کی زلفوں سے پریشان ہیں زیادہ

احمد فراز

انتخاب: تحریم اکرم چوہدری

پاگل آنکھوں والی لڑکی

پاگل آنکھوں والی لڑکی
اتنے مہنگے خواب نا دیکھوں
تھک جاؤ گی
کانچ سے نازک خواب تمہارے
ٹوٹ گئے تو پچھتاؤ گی
تم کیا جانو
خواب سفر کی دھوپ
خواب ادھوری رات کے دوزخ
خواب خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کا حاصل تنہائی
مہنگے خواب خریدنے ہوں تو
آنکھیں بیچنی پڑتی ہیں
رشتے بھولنا پڑتے ہیں
خوابوں کے اوٹ سراب نا دیکھو
پیاس نا دیکھو
اتنے مہنگے خواب نا دیکھو
تھک جاؤ گی

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: سارہ خان...... بہاولپور

غزل

اداس راتوں میں تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں ہے اس کو پکارنے کی
جو گونجتا ہے لہو میں سینے کی دھڑکنوں میں
وہ بچپنا جو اداس راہوں میں کھو گیا تھا
میں ڈھونڈتا ہوں اسے تمہاری شرارتوں میں
اسے دلاسے تو دے رہا ہوں مگر یہ سچ ہے
کہیں کوئی خوف بڑھ رہا ہے تسلیوں میں
تم اپنی پوروں سے جانے کیا لکھ گئے تھے جاناں
چراغ روشن ہیں اب بھی میری ہتھیلیوں میں
جو تو نہیں ہے تو یہ مکمل نہ ہو سکیں گی
تری یہی اہمیت ہے میری کہانیوں میں
مجھے یقیں ہے وہ تھام لے گا بھرم رکھے گا
یہ مان ہے تو دیے جلائے ہیں آندھیوں میں
ہر ایک موسم میں روشنی سی بکھیرتے ہیں
تمہارے غم کے چراغ میری اداسیوں میں

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: عائشہ پرویز...... کراچی

غزل

جیسے پابند سلاسل کسی زنجیر کے ساتھ
کچھ مٹے لفظ بھی آئے تیری تحریر کے ساتھ
چھو لیا جب کسی مہکی سی ہتھیلی نے اسے
رقص ہونٹوں نے کیا تھا تیری تصویر کے ساتھ
کیا ہوا شہر جو سارا تھا مخالف اس کا
دل فتح ہوتا ہے کب طاقت شمشیر کے ساتھ

میری غزلوں میں جو یہ کرب چھپا بیٹھا ہے
گویا نسبت ہے مجھے میر تقی میر کے ساتھ
میرے مولا نے مجھے فن کی جو نعمت بخشی
مجھ کو ہے پیار ہما میری اسی جاگیر کے ساتھ

شاعرہ: ہما شاہ

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نظم

میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
اس کا لہجہ شراب تھا
اس کی زلفوں سے بھیگتی تھی گھٹا
اس کا رخ مہتاب جیسا تھا
لوگ پڑھتے تھے خال وخد اس کے
وہ ادب کی کتاب جیسا تھا
بولتا تھا زبان خوشبو کی
لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا

شاعر...... محسن نقوی

انتخاب: صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد

بھلے شاہ

اسی نازک دل دے لوگ ہاں
ساڈا دل نہ یار دکھایا کر
نہ جھوٹے وعدے کیتا کر
نہ جھوٹیاں قسماں کھایا کر
تینوں کینی واری میں آکھیاں اے
مینوں ول ول نہ آزمایا کر
تیری یاد دے وچ میں مرجاساں
مینوں اپنا یاد نہ آیا کر

کلام: بھلے شاہ

سائرہ رانا' مدیحہ...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

رم جھم بارش

رم جھم بارش کے موتی
کیا کیا یاد دلاتے ہیں
تیز بوچھاڑ اور بہتی ناؤ
دل پر تھا جب نہ کوئی گھاؤ
سادہ سادہ چھوٹا آنگن
آنگن میں تھیں ڈھیر سی سکھیاں
سکھیوں میں وہ شوخ ہنسی تو
آج بھی دل کو بھاتی ہے
میری سہیلیوں' رم جھم بارش
تمہاری یاد دلاتی ہے

شاعرہ: شگفتہ شفیق

انتخاب: سپاس گل...... رحیم یار خان

غزل

جنت ماہی گیروں کی
ٹھنڈی رات جزیروں کی
سبز سنہرے کھیتوں پر
پھواریں سرخ لکیروں کی
اس بستی سے آتی ہیں
آوازیں زنجیروں کی
کڑوے خواب غریبوں کے
میٹھی نیند امیروں کی
رات گئے تیری یادیں
جیسے بارش تیروں کی
مجھ سے باتیں کرتی ہیں
خاموشی تصویروں کی
ان ویرانوں میں ناصر
کان دبی ہے ہیروں کی

ناصر کاظمی

انتخاب: صباء عیشل

نظم

دسمبر کی آخری رات

کہر میں لپٹی
ہوئی سرد رات
گزرے سال
کے دم توڑتے
چند لمحات
میں اور
میری تنہائی
میرے ساتھ
کرتے ہیں
کچھ شکوے
شکایات
میں خالی
دامن تھی
جب سال
کی آمد ہوئی
روانگی کے
لمحوں میں
بھی ہوں
خالی ہاتھ!

شاعرہ: فرح بھٹو

انتخاب: قندیل خان...... اسلام آباد

یہ دیکھیں یہ میری زندگی کی آدھی رات
ہوا کا شور سمجھ لوں تو کچھ عجب بھی نہیں
یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں
حسابِ دربدری تجھ سے مانگ سکتا ہے
غریبِ شہر مگر اتنا بے ادب بھی نہیں
ہمیں بہت ہے یہ ساداتِ عشق کی نسبت
کہ یہ قبیلہ کوئی ایسا کم نسب بھی نہیں

شاعر: پروین شاکر

انتخاب: فرحین ناز طارق...... چکوال

غزل

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں
اِک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
ہم کو ستم عزیز، ستم گر کو ہم عزیز
نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
بوسہ نہیں، نہ دیجئے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم، گر دہاں نہیں
نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا جبیں پہ سجدہ بت کا نشاں نہیں
پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں
جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

انتخاب: استاد الاساتذہ مرزا اسد اللہ خان غالب

حرا قریشی...... ملتان

غزل

چراغ مانگتے رہنے کا کچھ سبب بھی نہیں
اندھیرا کیسے بتائیں کہ اب تو شب بھی نہیں
میں اپنے زعم میں اِک بازیافت پر خوش ہوں
یہ واقعہ ہے کہ مجھ کو ملا وہ اب بھی نہیں
جو میرے شعر میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
میں اس کی بزم میں اِک حرفِ زیرلب بھی نہیں
اور اب تو زندگی کرنے کے سو طریقے ہیں
ہم اس کے ہجر میں تنہا رہے تھے جب بھی نہیں
کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں

غزل

سب راستے دشمن ہوئے اشجار مخالف

تو میرا ہوا ہے تو ہوئے یار مخالف
بنیاد رکھوں کوئی تو بنیاد ہے دشمن
دیوار اٹھاتا ہوں تو دیوار مخالف
ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں اوزان کے پتھر
سنتے ہی نہیں ہیں میرے اشعار مخالف
میں عشق کو ہمدرد سمجھ بیٹھا تھا یارو
لگتے نہ تھے اس بحر کے آثار مخالف
دوں جان تو قربانی سمجھتا نہیں کوئی
گر تھوڑا سنبھلتا ہوں تو گھر بار مخالف
اس شہر کو سچ سننے کی عادت ہی نہیں ہے
لگتے ہیں سبھی کو میرے افکار مخالف
سنتے تھے کہ بس ہوتے ہیں اغیار مخالف
میرے تو نکل آئے ہیں سب یار مخالف
جو بات بھی ہو دل میں چھپاتا نہیں فرحت
ہر روز بنا لیتا ہوں دو چار مخالف
ہم لوگ غریبوں سے الجھتے نہیں فرحت
ہم لوگ بنا لیتے ہیں سردار مخالف

شاعر: فرحت عباس شاہ

انتخاب: ناہید اختر بلوچ...... ڈیرہ اسماعیل خان

غزل

آخر وہ میرے قد کی بھی حد سے گزر گیا
کل شام میں تو اپنے ہی سائے سے ڈر گیا
مٹھی میں بند کیا ہوا بچوں کے کھیل میں
جگنو کے ساتھ اس کا اجالا بھی مر گیا
کچھ ہی برس کے بعد تو اس سے ملا تھا میں
دیکھا جو میرا عکس تو آئینہ ڈر گیا
ایسا نہیں کہ غم نے بڑھا لی ہو اپنی عمر
موسم خوشی کا وقت سے پہلے گزر گیا
لکھنا مرے مزار کے کتبے پہ یہ حروف
مرحوم زندگی کی حراست میں مر گیا

قتیل شفائی

انتخاب: نادیہ خان...... حیدر آباد

غزل

کہیں جائے اسے میری دعائیں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا اسے میری وفائیں یاد کرتی ہیں
میں اکثر آئینے کے سامنے بے چین رہتا ہوں
کسی نے خط میں لکھا ہے ادائیں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا خزائیں آ گئی ہیں اب تو لوٹ آئے
اسے کہنا دسمبر کی ہوائیں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا کہ آنکھوں پر گھنی بدلی سی چھائی رہتی ہے
جنھیں دل پر برستا ہے گھٹائیں یاد کرتی ہیں
گیا تھا جب تو میری خواہشیں بھی ساتھ لے جاتا
لہو میں ناچتی کچھ التجائیں یاد کرتی ہیں

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: دلکش مریم...... چنیوٹ

نظم

اداس موسم کے رتجگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
ہر ایک رستہ بدل گیا ہے
پھر ایسے موسم میں کون آئے
کوئی تو جائے
ترے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب
کوئی تو جائے مری زباں میں تجھے بلائے
تجھے منائے
ہماری حالت تجھے بتائے تجھے رلائے
تو اپنے دل کو بھی چین آئے

سعد اللہ شاہ......

سحرش فاطمہ...... کراچی

نظم

کئی دنوں سے

مجھے وہ میسج میں لکھ رہی تھی
جنابِ عالی
حضورِ والا
بس اک منٹ مجھ سے بات کرلیں
میں اک منٹ سے اگر تجاوز کروں
تو بے شک نہ کال سننا
میں زیرِ لب مسکرا کے لکھتا
بہت بزی ہوں
ابھی نئی نظم ہو رہی ہے
وہ اگلے میسج میں پھر یہ لکھتی
سسکتی روتی بلکتی نظموں کے عمدہ شاعر
تم اپنی نظمیں تراشو لیکن
کبھی تو میری طرف بھی دیکھو
کبھی تو مجھ سے بھی بات کرلو
بس اک منٹ میری بات سن لو
میں ہنس کے لکھتا
فضول لڑکی
بہت بزی ہوں
بس اک منٹ ہی تو ہے نہیں ناں
وہ کئی دنوں تک خموش رہتی
پھر ایک دن میں نے اس کی حالت پہ رحم کھا کر
جواب لکھا
بس اک منٹ ہے
اور اک منٹ سے زیادہ بالکل نہیں سنوں گا
تو اس نے او کے لکھا اور اک دم سے کال کردی
میں کال پک کر کے چپ کھڑا تھا
وہ گہرا لمبا سا سانس لے کر
اداس لہجے میں بولی، سر جی!!
میں جانتی ہوں کہ اک منٹ ہے
اور اک منٹ میں
میں اپنے اندر کی ساری باتیں کسی بھی صورت
نہ کہہ سکوں گی
سلگتی ہجرت زدہ رتوں کو اداس نظموں میں
لکھنے والے
عظیم شاعر
خدا کی دھرتی پہ رہنے والے
اداس لوگوں کا دکھ بھی لکھنا
کبھی محبت میں جلتے لوگوں کا دکھ سمجھنا
ابھی تو آدھا منٹ پڑا تھا
مگر وہ لائن سے ہٹ چکی تھی
وہ اک منٹ کی جو کال تھی ناں
وہ تیس سیکنڈ میں کٹ چکی تھی
میں کتنے برسوں سے اگلا آدھا منٹ گزرنے کا منتظر
ہوں
وہ نرم لیکن اداس لہجے میں بات کرتی
اداس لڑکی مری سماعت کے
ادھ کھلے در سے یونہی اب تک لگی ہوئی ہے
ہٹی نہیں ہے
بہت سے سالوں سے چل رہی ہے
وہ کال اب تک کٹی نہیں ہے

میثم علی آغا
سنبل خان بٹ

alam@aanchal.com.pk

تشریح آیات

سورۃ طٰہ 99 تا 111

جو شخص قرآن کی تعلیمات سے منہ موڑے گا وہ قیامت کے روز سخت بار گناہ اٹھائے گا ہمیشہ کے لیے۔ اس وقت لوگ اپنی دنیا کی زندگی کو گھڑی بھر کی سمجھیں گے۔ روز قیامت اللہ کے حضور سب پر لرزہ طاری ہوگا کوئی ان کی بات سننے والا نہ ہوگا۔ اللہ ہی لوگوں کے دلوں کے بھید تک سے واقف ہے اس لیے شفاعت اللہ کی اجازت سے ہوگی۔ کسی سے ظلم یا حق تلفی نہ ہوگی گناہ گار، ظالم جہنم رسید ہوگا اور ایمان لاکر نیک عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

غلام سردار...... نارتھ ناظم آباد، کراچی

صبر

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے فرمایا کہ ”اس وقت کیا کرو گے جب تمہارا حق چھین لیا جائے گا“ جب ناحق آگے ہو جائیں گے اور تمہیں پیچھے کر دیا جائے گا۔“

تو انصار مدینہ نے کہا۔ ”ہم تلوار اٹھائیں گے، اپنا حق وصول کریں گے، قتل و غارت کریں گے اور اپنا حق لے لیں گے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟“ انصار مدینہ نے کہا ”فرمائیے۔“

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنا حق چھوڑ دینا، صبر کرنا، میں روز حشر ساری کمیاں خدا سے پوری کروا دوں گا۔“ سبحان اللہ

رونا تو انہیں چاہیے جو حق کھاتے ہیں، حق والوں کو تو صبر کرنا چاہیے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نورین مسکان سرور...... ڈسکہ، سیالکوٹ

سنہری باتیں

❖ زبان جب ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تو اسے اللہ کے ذکر میں مشغول کر دو۔

❖ جہاں احساس اور اخلاص ہو وہاں تعلق کبھی نہیں مرتا۔

❖ دوسرا موقع کہانیاں دیتی ہیں زندگی نہیں۔

❖ ماں عزت اور دھیان رشتوں کا فخر ہوتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

اقوال زریں

❖ نیک کام وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے چہرے پر خوشی کی مسکراہٹ بکھیر دے۔

❖ دوستی کنول کا وہ پھول ہے جو خلوص کی جھیل میں کھلتا ہے۔

❖ سونے کو آگ پرکھتی ہے انسان کو مصائب۔

❖ تجربہ ہی نئی تعمیر کی بنیاد ہوتا ہے۔

❖ آرزو نصف زندگی ہے اور بے حسی نصف موت۔

❖ خاموشی دانا کا زیور اور احمق کا بھرم ہے۔

کہکشاں خالد...... حیدر آباد

امام مہدی علیہ الرضوان کی علامات

⌘ امام مہدی علیہ الرضوان کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا یعنی محمد۔

⌘ آپ کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام پر (یعنی عبداللہ ہوگا)۔

⌘ حضرت امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوں گے یعنی (سید)۔

⌘ امام مہدی کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوالقاسم ہوگی۔

⌘ ظہور مہدی اس وقت ہوگا جب دنیا ظلم و جبر سے بھر چکی ہوگی۔

⌘ امام مہدی دنیا کو انصاف سے بھر دیں گے۔

⌘ امام مہدی کے ظہور سے قبل فتنے بڑھ چکے ہوں گے، آپ کے زمانہ میں آپس میں الفت محبت ہوگی جیسا کہ صحابہ کرام کے دور میں تھی۔

⌘امام مہدی کی خلافت پوری دنیا پر ہوگی وہ پوری دنیا کے حکمران ہوں گے ان کی سات سال سے نو سال تک کے درمیان ہوگی۔

نبیلہ ناز...... ٹھینگ موڑ الہ آباد

سقوطِ ڈھاکہ

کس طرح کا احساس زیاں ہے جو ہوا گم
کس طرح کا احساس، زیاں ہے جو بچا ہے
ملک آدھا گیا ہاتھ سے اور چپ سی لگی ہے
اک لونگ گواچا ہے تو کیا شور مچا ہے

16 دسمبر 1971ء میں امجد اسلام امجد کی کہی نظم کی لائنز۔

سباس گل...... رحیم یار خان

دسمبر

میرے زخموں کو تازہ کرنے
دسمبر......
پھر سے آ رہا ہے
میری آنکھوں کو بھیگے موسم دینے
دسمبر......
پھر سے آ رہا ہے
"اے دسمبر!"
اب کے بار اتنی گزارش ہے
اب آتے ہوئے تم تو
اسے بھی ساتھ لے آنا
اسے بھی ساتھ لے آنا

انم...... برنالی

کالج کی شہزادی

وہ اس کالج کی لڑکی تھی اور شہزادی تھی شاہانہ پڑھتی تھی
وہ بے باکانہ آتی تھی، وہ بے گانہ پڑھتی تھی
بڑے مشکل سبق تھے جن کو وہ روزانہ پڑھتی تھی
وہ لڑکی تھی مگر مضمون سب مردانہ پڑھتی تھی
یہی کالج ہے وہ ہمدم جہاں سلطانہ پڑھتی تھی
جماعت میں وہ ہمیشہ دیر سے آیا کرتی تھی
کتابوں کے تلے وہ فلمی رسالے لایا کرتی تھی
وہ جب دوران لیکچرر بور سی ہوجایا کرتی تھی
تو چپکے سے وہ تازہ ترین افسانہ پڑھتی تھی
یہی کالج ہے وہ جہاں سلطانہ پڑھتی تھی
بڑی مشہور تھی کالج میں چرچا عام تھا اس کا
جوانوں کے دلوں سے بس کھیلنا کام تھا اس کا
یہاں کالج میں پڑھنا تو برائے نام تھا اس کا
کہ وہ آزاد لڑکی تھی وہ آزادنہ پڑھتی تھی
یہی کالج ہے وہ جہاں سلطانہ پڑھتی تھی

شاعر...... سرفراز شاہد

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

خوب صورت بات

یہ بات مت سوچو کہ تم دنیا میں بے کار شے ہو بلکہ یہ سوچو ہوسکتا ہے تم کسی کے لیے پوری دنیا ہو۔

سمیرا بنت یوسف...... کراچی

انمول موتی

- صرف سچ بولنا ہی اچھا نہیں ہے سچائی اندر ہونا بھی لازمی ہے۔
- برداشت بزدلی نہیں برداشت زندگی کا اصول ہے۔
- آسمان پر ستارے اندھیری رات میں جگنو اور دنیا میں محنتی لوگ چمکتے ہیں۔
- خدا اگر ہمارے مقدر پتھریلے راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے۔
- انکساری کا سہارا لے کر چلو ورنہ ٹھوکر کھاؤ گے۔
- سچی لگن کو کانٹوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔
- وفا کے پھول برساتے رہو تا کہ تمہیں کوئی نفرت کی آگ میں نہ جلا سکے۔
- پُرخلوص دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔
- جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر اعتماد نہ کرو۔
- جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو

پہچانا۔

○ محبت وہ نہیں جو ہم کسی کو دیتے ہیں محبت وہ ہے جو ہم کسی سے پاتے ہیں۔

ایقہ سحر...... عبدالحکیم

حدیث نبوی ﷺ

حضرت سہل بن حنیف بدریؓ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے اسے اللہ مرتبہ شہادت پر فائز فرمائے گا اگر چہ اپنے بستر پر فوت ہو (مسلم شریف)۔

جہاں مایوس ہوجاتا ہے انسان
وہاں محسوس ہوتا ہے کہ خدا ہے

ایس کے شہزادی......

پانچ تاریکیاں اور پانچ چراغ

○ گناہ تاریکی کی مانند ہے اور توبہ اس تاریکی کا چراغ ہے۔

○ قبر تاریکی کی مانند ہے اور اللہ رب العزت کا ذکر اس کا چراغ ہے۔

○ قیامت تاریکی کی مانند ہے اور نیک اعمال اس کا چراغ ہے۔

○ میزان تاریکی کی مانند ہے اور کلمہ پڑھنا اس کا چراغ ہے۔

○ پل صراط تاریکی کی مانند ہے اور تقویٰ اختیار کرنا اس کا چراغ ہے۔

○ جس کے پاس یہ پانچ روشنیاں ہوں گی اس کے لیے سب منزلیں عبور کرنا آسان ہوگا آج یہ روشنی حاصل کرنے کا وقت ہے جو لوگ دنیا میں حاصل نہ کرپائیں گے قیامت کے دن وہ چاہیں گے کہ ہم دوسروں کی روشنی سے فائدہ اٹھالیں نگران سے کہا جائے گا "تم لوٹ جاؤ دنیا میں یہ نور تو وہاں سے ملا کرتا ہے۔"

اروی مختار...... میاں چنوں

سنہری باتیں

✦ انسان کا کردار ایک ایسی مالا کی طرح ہے جس کی ایک گرہ ٹوٹتے ہی سارے موتی بکھر جاتے ہیں۔

✦ پھول اپنی خوشبو سے اور انسان اپنے کردار سے پہچانا جاتا ہے۔

✦ ہر مشکل انسان کا امتحان لینے آتی ہے۔

✦ ضرورت کے وقت انسان جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ بہت کم پورا کرتا ہے۔

✦ کسی انسان سے ملو تو اتنے پرخلوص انداز سے کہ تمہاری یاد اس کے دل میں انمٹ نقوش چھوڑ دے۔

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

یادگار لمحے

زندگی کے خوب صورت لمحات کو اپنے دل کے خوب صورت اور حسین مکان میں مقید کرلو کرب ناک لمحات کو اپنے دل کے جیل خانہ میں عمر قید کی سزا سنا دو۔ خلوص اور اعتماد کا ماربل لگا کر اپنے دل کے مکان کو مزید خوب صورت بناؤ پیار اور وفا کا پینٹ کروا کر دلکشی میں اضافہ کرو اخلاقی اقدار کے خوب صورت پھول اگاؤ عزم صمیم کے ساتھ نئی امیدوں کے غنچے کھلاؤ تاکہ زندگی سہل ہوجائے کیونکہ.......

زندگی تو گزر ہی جائے گی شاز!
گر گزرے اصول سے تو کیا بات ہے

شازیہ ہاشم صوانی...... کھڈیاں خاص

دس گناہ گار عورتیں

- بے پردہ۔
- تیز زبان والی۔
- ہر وقت موت مانگنے والی۔
- دین کا مذاق اڑانے والی۔
- چغل خور۔
- احسان جتلانے والی۔
- شوہر کی نافرمان۔
- غیبت کرنے والی۔
- بال کھول کر چلنے والی۔
- بغیر ضرورت گھر سے باہر نکلنے والی۔

اقوال زریں

❁ ہمیں جس سبق کو پڑھنے کی ضرورت سب سے زیادہ ہے وہ انسانیت کا ہے۔
❁ جب اللہ کی رضا ہوتی ہے تب کسی کی بھی نہیں چلتی۔
❁ دکھاوے کی خوبیاں خامیوں سے بدتر ہیں۔
ایم نعیمہ......ٹبہ سلطان پور

اقوال زریں

◉ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو نہ ڈرے اور اس نفع سے جو میسر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے (مسلم)۔
◉ اے اللہ میری کفایت حلال کے ساتھ کر حرام سے بچا اور مجھ کو اپنے فضل سے اپنے سوا ہر کسی سے بے پروا کردے (ترمذی)۔
◉ گزرا وقت کبھی واپس نہیں آتا اس لیے وقت سے زیادہ قیمتی کوئی شے نہیں (حضرت جنید بغدادیؒ)۔
◉ اے پروردگار مجھے برکت والی جگہ اتار بے شک تو بہترین جگہ دینے والا ہے (المومنون)۔
◉ اے اللہ! ڈال میرے دل میں ہدایت تیری اور بچا مجھ کو میرے نفس کی برائی سے (ترمذی)۔
◉ اے اللہ! ان تمام باتوں کی ہمیں توفیق عطا فرما جو تجھے پسند ہوں اور جن سے تو راضی ہو۔
◉ تین چیزیں دل سے کریں......
◉ رحم......کرم......دعا (حضرت اویس قرنی)۔
صبا زرگر ڈکا عزرگر......جوڑہ

ہجرت......نفرت......محبت

◉ زندگی کی سب سے بڑی ہجرت اور اچھی ہجرت گناہوں سے نیکیوں کی طرف آنا ہے۔
◉ نفرت وہ چیز ہے جسے ایک لمحے میں محسوس کیا جاتا ہے۔
اور......
◉ محبت وہ چیز ہے جس کو ثابت کرنے میں ساری زندگی گزر جاتی ہے۔
سمیہ کنول......مانسہرہ

تدبیر

کوئی طریقہ کوئی سلیقہ
کوئی تدبیر بتلاؤ مجھ کو
وہ میرا رہے سدا
فقط میرا......
سامعہ ملک پرویز......بھیرہ خانپور

نظم

کون......کس مقام پر بچھڑ گیا
ہم سے
کچھ یاد نہیں
یاد رہا تو بس اتنا
کہ جو بچھڑ گیا
ایک بار
وہ پھر دوبارہ
ملا نہیں
نائمہ جی......ساہیوال

امید

○ امید ایک ایسا لفظ ہے جو دل کو تسلی دیتا ہے
○ امید ایک ایسا جگمگاتا جگنو ہے جو بھٹکے ہوئے انسان کو حوصلہ دیتا ہے۔
○ امید انسان کی رگ رگ میں اس طرح دوڑتی ہے جس طرح زندہ انسان کے جسم میں خون دوڑتا ہے۔
○ امید ایک ایسی راہ گزر ہے جو انسان کو اس کی منزل کے قریب لے جاتی ہے۔
○ امید کے بل بوتے پر دنیا کا نظام چل رہا ہے
صبا خان......کراچی

shukhi@aanchal.com.pk

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ دسمبر کا شمارہ سالگرہ نمبر ۲ پیش خدمت ہے امید ہے یہ شمارہ بھی آپ کے ادبی ذوق ومعیار کے عین مطابق ہوگا۔ سابقہ شمارے کو سراہنے، پسند کرنے اور اپنی تجاویز و آرا سے آگاہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ بے شک آپ کے ان چند تعریفی کلمات کی بدولت ہم بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن ہیں۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

آیئے جناب اب ایک نظر ڈالتے ہیں آپ کے دلچسپ تبصروں کی جانب جہاں آپ کے حسین خیالات حسن خیال کی محفل کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی۔ السلام علیکم الحمدللہ ہمارے حجاب نے اپنا ایک سال پورا کرلیا ہے میں خط لکھنے کے معاملے میں حد درجہ سست ہوں مگر حجاب۔ کے سالگرہ نمبر کو پڑھا تو ساری سستی رفو چکر ہوگئی حجاب نے ماشاء اللہ جتنی جلدی اور تیزی سے ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنائی ہے اس کی کامیابی پر مجھ سمیت سب کو بہت بہت مبارک باد (آخر کو میں بھی تو اس کا حصہ ہوں) سب سے پہلے تو اکتوبر کے شمارے میں لگنے والے سحرش فاطمہ کے ناول کا ذکر کروں گی' سحرش بہت ساری مبارک باد یہ تمہارا پہلا ناول تھا اور تم پہلی بار ہی چھا گئیں اب ذکر ہو جائے سالگرہ نمبر کا تو سب سے پہلے ذکر کروں گی شہباز اکبر الفت بھائی کے انٹرویو کا سچ میں بہت اچھا لگا اتنا مکمل اور مزے دار باتیں' سچائی اور صاف گوئی سے بھرپور انٹرویو تھا۔ سباس کے انتخاب کو بھی داد دوں گی۔ شہباز بھائی کے لیے دعائیں۔ اب آتی ہوں ندا کے ناول کی طرف ایک بہترین ناول جس میں تجسس بھی تھا اور سادگی بھی شروع سے آخر تک اور پھر ہپی اینڈنگ سے مزہ آگیا۔ درمیان میں جو سسپنس تھا وہ بھی زبردست تھا۔ صائمہ قریشی کا افسانہ میں ہیروئن ہوں منفرد لگا۔ صبا عیشل اپنے مخصوص انداز کے ساتھ آئیں۔ حنا اشرف حجاب کی سالگرہ کے ساتھ اچھے انداز میں آئیں اقبال بانو آپا کا تو نام ہی کافی ہے جب میں نے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا تب سے میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ عشنا کوثر ویل ڈن زبردست موضوع چنا اور اسی طرح انصاف بھی کیا باقی رائٹرز نے بھی اچھا لکھا۔ مونا قریشی تھینکس ڈیئر اچھوتا انداز اور اس انداز میں مجھے اچھے الفاظ میں یاد کرنے کا۔ فریدہ جاوید فری' سحرش فاطمہ' پروین افضل شاہین آپ لوگوں کا جزاک اللہ مجھے اچھے لفظوں میں سراہنے پر مشکور ہوں اور ابھی پڑھ نہیں پائی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے بس بہت ساری نیک تمنائیں اور دعائیں اپنے حجاب کے لیے۔ قیصر آپا، طاہر بھائی، سعیدہ نثار اور تمام ٹیم کے لیے بہت ساری دعائیں۔

☆ ڈیئر نزہت! اب سستی چھوڑ کر ایسی ہی چستی سے شریک محفل ہوتی رہیے گا۔

ندا حسنین ...... کراچی۔ سب سے پہلے تو حجاب کو کامیابی کے ساتھ ایک سال مکمل کرنے پر مبارکباد۔ دعا ہے کہ حجاب ہمیشہ ترقی وکامیابی کی منازل بخوبی طے کرتا رہے۔ حجاب کا سالگرہ اسپیشل ہر لحاظ سے خاص رہا۔ ڈائجسٹ خوب صورت اور سبق آموز تحریروں سے مزین تھا۔ سلسلہ وار ناول میرے خواب زندہ ہیں اور دل کے دریچے حسب سابق عمدہ رہے۔ نزہت جبین ضیاء کے ناولٹ کی پہلی قسط بہت ہی خوب صورت رہی، کہانی رشتوں پر انگلی اٹھانے والوں کے اردگرد طواف کرتی دھیرے دھیرے سے اپنے پرت کھول رہی ہے۔ تزکیہ کا کردار بے حد پیارا لگا۔ طلعت نظامی کا وہ جو ایک آنسو ہے یاد کا سبق آموز ناولٹ تھا۔ زیاں سیدہ ضوبار یہ ساحر کی بہترین کاوش تھی۔ میرے ہم نوا اقبال بانو نے ہنستی مسکراتی تحریر پیش کی اچھی لگی۔ راز رفاقت جاوید کی عمدہ تحریر تھی موضوع بہت بہترین اور معاشرے کی سچائی کو واضح کرتا تھا۔ تدبیر اور تقدیر بھی اچھی کاوش تھی۔ جان تھی پھر سنبھل گئی عشنا کوثر کے قلم سے نکلی محبت کی تکرار کرتی نٹ کھٹ سی تحریر ثابت ہوئی۔ صائمہ قریشی نے میں ہیروئن ہوں میں تخیل کے حوالے سے خوب لکھا۔ تینوں کردار بے حد جاندار تھے۔ امید کرتی ہوں اناڑی پیا کی طرح صائمہ اسے بھی سریز کی شکل میں لکھیں گی۔ روشنی کے راستے حیاء بخاری کی روشن تحریر ثابت ہوئی۔ صبا عیشل اور حنا مہر نے تو حجاب کی سالگرہ پر بہترین تحفہ اپنے افسانوں کی صورت دیا۔ دونوں بہت عمدہ افسانے تھے۔ سالگرہ

حجاب کی قرۃ العین سکندر نے خوب صورت پیرائے میں رقم کی۔ معافیہ شیخ کا خط اور انتظار مختلف موضوع کے ساتھ ساتھ ایک بیٹی کی باپ سے جدائی کی دلی کیفیت اجاگر کرتا آنکھوں میں آنسوؤں کا سبب بنا۔ رُخِ سخن میں شہباز اکبر الفت سے ملاقات اچھی رہی۔ مکمل ناول کبھی کبھی حجاب کے قارئین کے لیے میری جانب سے تحفہ تھا۔ اس پر آپ سب کی بیش قیمت آراء کی منتظر رہوں گی۔

☆ ڈیئر ندا! قارئین نے آپ کے تحفے کو بے حد پسند بھی کیا اور سراہا بھی۔ امید ہے آئندہ بھی گاہے بگاہے شرکت کرتی رہیں گی۔ حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔

نادیہ احمد...... دبئی۔ ''کبھی کبھی'' از ندا حسنین کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ آپ ایسی باکمال کہانی کیسے لکھ لیتی ہیں رائٹر صاحبہ بہت ہی کمال تحریر گو کہ تھوڑی طویل تھی پر زبردست حرف بہ حرف دل پہ دستک دیتا محسوس ہوا۔ بہت بہترین انداز میں شروع سے آخر تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا اور ہر کردار اپنی جگہ بے مثال تھا۔ عروبہ احمر عارب، مسز علوی سب ہی اس کہانی میں جان ڈالنے والے کردار تھے اور ماشاء اللہ انداز تحریر تو تمہارا ہمیشہ ہی باکمال ہوتا ہے۔ اللہ تمہارے قلم میں ترقی دے آمین۔ میں ہیروئن ہوں اے، بہن صائمہ قریشی اللہ بخشے یہ جوان کی اماں اتنا سب کچھ فرما کر رخصت ہوئیں یہ کتنی صدیاں لگیں تمہیں کہنے میں عورت نما بہنوں کی کیا خوب اسٹوری سنائی ہے بھئی ہلکی پھلکی سی مزا آگیا زبردست کہانی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ محبت ہوگئی شاید واہ آپا کمال کردیا ماشاء اللہ بہت ہی سبق آموز کہانی کے ساتھ ہلکی پھلکی نوک جھونک واقعی نصیب سے زیادہ اور وقت سے پہلے کسی کو کچھ نہیں ملا کرتا۔ کچھ لوگ اب بھی دقیانوسی سوچ کے مالک اچھے اور برے کے فرق سے لاعلم بس ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں۔ اولاد کا ہونا یا نہ ہونا لڑکا یا لڑکی یہ تو بس اللہ رب العزت کی رضا ہے وہ کن کہتا ہے اور ہو جاتا ہے انسان کی اوقات نہیں ان باتوں میں عمل دخل کرے اور نا ہی اس کو مابعد الاثرات کی خبر ہے اسی لیے عاجزی کا دامن مت چھوڑیں اور اللہ سے اپنے اور اپنی اولاد کے نیک نصیب کے ساتھ ساتھ ان کی ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ وہ وقت جو ہم دوسروں کی زندگی حرام کرنے میں ضائع کرتے ہیں بہتر ہو اگر اپنی اولاد کی تربیت میں صرف کریں تو بہت سی شبانہ بیگم کو بھیجی اور بھابی کے آسرے کی ضرورت نہ پڑے پر یہ کیا ابھی تو تزکیہ کا شہزادہ آنا باقی ہے مطلب پکچر ابھی باقی ہے تو ملتے ہیں بریک کے بعد۔

☆ ڈیئر نادیہ! تبصرہ اچھا لگا۔

سحرش فاطمہ...... کراچی۔ السلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ سب قارئین؟ کافی ماہ سے سوچ رہی تھی کہ کچھ لکھوں لیکن مصروفیت ایسی آئی کہ ہر دفعہ آدھا لکھ کر کہتی کہ میں اس ماہ بھیجوں گی اور ہمیشہ رہ جاتا۔ حجاب سے میں تب سے جڑی ہوئی ہوں جب اس کا پہلا شمارہ بھی نہیں آیا تھا میرا مطلب جب بتایا گیا تھا کہ ایک اور رسالہ آنے والا ہے۔ میں آنچل میں 2015ء مارچ سے لکھ رہی ہوں پھر ستمبر کے بعد آنچل کے آفیشل پیج و گروپ میں ایڈمن بننے کا موقع ملا اور بڑھ چڑھ کر حجاب کے لیے کام کیا۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ جتنا بھی وقت ہم نے یعنی میرے ساتھ کچھ اور رائٹرز بھی ایڈمن تھیں سب نے مل جل کر کام کیا اور حجاب کے لیے جتنا ہو سکا وقت دیا۔ اب جب اپنے سامنے ایک نئے رسالے کی پہلی سالگرہ دیکھ رہے ہیں تو بہت خوشی ہو رہی ہے۔ اس میں نہ صرف ہمارا ہاتھ ہے بلکہ ہمارے قارئین کا بھی ہے جو شوق و ذوق سے پڑھ رہے ہیں اور ہر ماہ تبصرے بھیجتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لکھوں گی لیکن سب کے لیے کہوں گی کہ آپ سب کا بہت شکریہ جو ہر ماہ یا جس ماہ میری تحریر آتی ہے آپ لوگ پڑھتے ہیں اور ہمیشہ سراہتے ہیں۔ میں طاہر بھائی، قیصر آراء آپی، سعیدہ نثار آپی کی بے حد ممنون ہوں اُن کے پیار و عزت کی وجہ سے میں اس قابل ہوئی ہوں کہ باقاعدہ لکھ رہی ہوں اور آپ قارئین جو پڑھتے ہیں ہمارے فیس بک گروپ (یعنی نئے افق' آنچل و حجاب کے آفیشل گروپ) میں ایونٹ رکھا گیا سالگرہ کے حوالے سے۔ میں نے اِس بار سوچا کہ نہ گروپ میں پوسٹ کروں نہ ایونٹ میں جو بھی لکھوں وہ ای میل کردوں۔ بہت کچھ ہے کہنے کو حجاب کے لیے آپ سب پیارے لوگوں کے لیے لیکن لکھتے ہوئے گھبرا بھی جاتی ہوں۔ اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہاری کہانی جلدی کیوں نہیں لگتی ہے' کہانی بھیجنے کے بعد کتنا انتظار کرتی ہو؟ ان سوالوں کا جواب ہمیشہ ایک اسمائلی ہوتا ہے۔ بات یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ ایک ہی کہانی بھیج کر انتظار کرتے ہیں کہ بس یہ لگ جائے پھر دوسری لکھیں گے جب کہ میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ لکھتے رہو، رکو مت۔ الحمد للہ جن جن کو میں نے آنچل و حجاب میں لکھنے کی پیشکش کی اُن سب نے لکھا اور اُن کی تحاریر لگیں۔ وہ خوش بھی ہوئے اور مجھے دعائیں بھی دیتے ہیں۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ ادارہ ہمیشہ نئے لکھنے والوں کو سراہتا ہے۔ اِس ایک سال میں کبھی اچھے لوگ بھی ملے تو کچھ...... بہرحال یہ تو زندگی ہے کافی لوگ آتے ہیں جاتے ہیں۔ فیس بک پہ کچھ لوگ سراہتے ہیں تو کچھ شاید دل کی بھڑاس نکالتے ہیں میری تحریر پڑھ کر لیکن آپ قارئین کے خطوط پڑھ کر میروں خون بڑھ جاتا ہے کہ آپ لوگ واقعی پڑھتے ہیں۔

میرے لیے ہر رائٹر اہم ہے۔ ادارہ کوئی بھی ہو جب اُس کے ایڈیٹر اچھے ہوں گے آپ کا خود کا دل چاہے گا کہ بس یہیں لکھوں۔ میری تو دعا ہے کہ حجاب کا نام آنچل کی طرح عام ہو جائے۔ جس طرح نئے لکھنے والے سامنے آرہے ہیں ہمارا حجاب جو ابھی ایک سال کا ہوا ہے وہ بھی آگے کئی سال دیکھے۔ آمین۔ فاخرہ گل، ندا حسنین، نادیہ احمد، فرح طاہر اور صائمہ قریشی۔ یہ میری وہ پیاری رائٹر دوستیں ہیں جو میرا ہر دم ساتھ دیتی ہیں۔ معافیہ شیخ تمہیں بہت مبارک ہو تمہارا آخرکار افسانہ لگ گیا۔ میں نے کہا تھا ناں لگ جائے گا جلدی۔ اب بس اور لکھو اور بھیجو۔ عائشہ پرویز تمہارے بھی افسانے لگیں گے ان شاء اللہ۔ عصر خان میری پیاری سی دوست اللہ تمہیں خوش رکھے، تمہاری طبیعت بھی خراب رہتی ہے اللہ تمہیں صحت دے آمین۔ ہماری ایک اور پیاری سی دوست ہیں حنا حورانی۔ جو سب کو پڑھتی ہیں اور ہمیشہ اچھے تبصرے کرتی ہیں۔ کچھ لوگ صرف پڑھتے ہیں تازہ دم ہونے کے لیے تو کچھ لوگ مین میخ نکالتے ہیں۔ بہر حال...... چلیں تھوڑا تبصرہ میں نومبر کے شمارے پہ کرلوں۔ جناب سب سے پہلے آغوشِ مادر میں قرۃ العین کا نام دیکھا پھر شہباز اکبر الفت بھائی کا انٹرویو دیکھا پھر ہمارے سروے جو لگے تھے وہ پڑھے اور خلوط اور پھر سب سے پہلے افسانوں میں جن پہ چھاپا مارا وہ ہیں اپنی پیاری سی ہیروئن صائمہ قریشی کا افسانہ میں ہیروئن ہوں چھوٹا سا افسانہ لیکن بھرپور مزاح لیے ہوئے تھا۔ کردار تین تھے انہی کے گرد گھومتی کہانی اور جناب ڈائجسٹ کی دلدادہ سنبل جو خود کو ہیروئن سمجھ رہی ہوتی ہے عاصمہ کا فلسفہ واہ واہ خاص کر آئیڈیل کی تعریف مزہ آ گیا۔ اللہ بخشے افسانے کی دادی اور اماں کو۔ MUFFIN کا راز جاننا تھا جلدی سے پڑھا اور ہیں یہ کیا؟ ہاہاہاہا خوب است۔ صائمہ ویلڈن! جناب دو چار دن حجاب نہ پڑھ سکی لیکن جب پھر سے حجاب ہاتھ میں لیا تو ندا حسنین کو پڑھ ہی ڈالا پہلے دن سے سوچ رکھا تھا کہ پڑھنا ہے لیکن بس...... خیر شروع سے لے کر اختتام تک کہیں سے بھی ایسا نہیں لگا کہ یہ بے وجہ لکھا ہے یا طوالت کا شکار ہے ماضی اور حال کے گرد گھومتی زبردست تحریر تھی بے چارا عارب بڑا افسوس ہوا لیکن چلو عروبہ کو اُس کا پیار تو مل گیا ناں کرم دین کے ساتھ بھی ٹھیک ہوا اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ ظلم کیا تو اللہ نے اُسے بھی سزا دی۔ ویلڈن ندا حسنین۔ اچھا پھر میں نے بریک لیا کیوں کہ ندا کا ناول بہت بڑا تھا ناں جب حجاب اٹھایا پھر سے تو آخری کے صفحات سے پڑھنا شروع کیا تبصرے پڑھے۔ ڈشز کی ریسپیز پڑھیں اور یہ سب پڑھتے پڑھتے ایک تحریر پہ نظر گئی اختتام مزے کا لگا فوراً اُس کا پہلا صفحہ کھولا تو ہائے مونا شاہ قریشی حجاب کے رنگ کے ساتھ موجود تھی زبردست آپ نے اپنی تحریر میں سب کے ساتھ ساتھ مجھے بھی یاد رکھا بہت شکریہ اور بچی بڑا مزہ آیا تحریر پڑھ کر صبا عیشل کا افسانہ پڑھا۔ حیران نہ ہوں میں ایسی ہی ہوں بیچ بیچ سے ہی پڑھتی ہوں ہاہاہا۔ یہ افسانہ بھی پڑھ کر اچھا لگا۔ حنا اشرف کا افسانہ بھی سالگرہ کے حوالے سے تھا پڑھ کر مزہ آیا بھائیوں اور بہن کی نوک جھونک اُن کا پیار اور گفٹس دینے کا انداز بڑا پسند آیا۔ قرۃ العین سکندر سب سے پہلے تو آپ کو بہت بہت مبارک ہو پیاری سی گڑیا کے لیے اور دیکھو اگلے سال تمہاری گڑیا بھی حجاب کے ساتھ سالگرہ منائے گی ان شاء اللہ۔ بہت ہی پیارا سا افسانہ۔ ہائے کیا انداز تھا سالگرہ منانے کا ساتھ ہی حجاب کو کام کروانا بھی صحیح وقت پہ سکھا دیا۔ زبردست۔ حیا بخاری کی بھی تحریر مثبت سوچ کے ساتھ لکھی گئی اور ایک اچھا سبق دیا۔ رفاقت جاوید کا راز بہت کچھ بتا گیا۔ لوگ کیسے ان لوگوں پہ یقین کر جاتے ہیں؟ اللہ کا شکر ہے عزت بچ گئی اُن دونوں کی اللہ اکبر کیسے لوگ ہیں دنیا میں۔ اللہ سب کو ہدایت دے آمین۔ اقبال بانو کا میرے ہمسفر لیکن بہت مزے کا افسانہ ہا خاص کر واحد کی جمع پہ لفظ پڑھ کر ہنسی چھوٹ گئی۔ میرے خیال سے یہ اب تک کا سب سے بڑا اور پہلا تفصیلی خط ہوگا میری جانب سے۔ اب پورا ضرور پڑھیے گا۔ اب چلیں میں ان سب دوست احباب کا بھی شکریہ ادا کرتی چلوں جو مجھے فیس بک پہ پڑھتے ہیں آن لائن اور پسندیدگی کا اظہار بھی کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اصلاح بھی کرتے ہیں۔ شکریہ ماہ رخ علی اور ایس بی کے لالا اور وہ سب جن کا نام نہیں لکھا۔ آپ سب شامل ہیں اِس میں جن لوگوں نے اکتوبر کے شمارے میں میرا ناول پڑھا اور پسند کیا اُن سب کا بھی شکریہ۔

☆ ڈیئر سحرش! آپ کا مفصل و جامع تبصرہ پڑھ کر اچھا لگا۔ امید ہے آئندہ بھی شامل رہیں گی۔

تحریم اکرم چوہدری ...... **ملتان**۔ السلام علیکم، وحدہ لاشریک کی ذات بابرکت کی رحمتوں، نعمتوں اور عنایتوں کے لازوال سمندر سے مستفید ہوتی، اطراف یار من سوندھی سوندھی مشک پھیلاتے لاتعداد دعاؤں کے گل قلب کے نہاں خانوں میں چھپائے نگاہوں میں عزت و تکریم سموئے بزم حسن خیال کا حصہ بننے کو آن وارد ہوئی آداب! اوائل نومبر سے ہی راہوں میں پلکیں بچھائے انتظار حجاب کی کٹھن مسافتیں طے کرنے لگے ہلکے ہلکے سرمئی بادلوں نے آسمان کے کشادہ سینے میں ڈیرا ڈالا تو فضا میں دھکیں دیتی اوس گھلی ہوائیں بھی آن براجمان ہوئیں مگر حجاب ندارد ایسے میں انتظار کی طویل ساعتیں نوکیلی سوئیوں کی مانند چبھنے لگیں (خیر کوئی گل نئی آنا تو ہے ہی نا) پھر دس نومبر بوقت سحر نسیم صبا کی ہمراہی میں مشک محبت میں لپٹے حجاب نے دست نازک میں نگاہیں واں کیں۔ سرورق پر نظروں کا ارتکاز کیے دل ناداں کی دھک دھک میں بتدریج بڑھتی روانی بخوبی محسوس کی۔ سرخ و نیلے امتزاج پر انتہائی

نفاست سے سنہری وسلور دبکے سے مزین ڈریس، انگشتریوں سے سجے خوب صورت حنائی ہاتھ اور نازک کلائیوں میں پہنی کانچ کی چوڑیاں نظروں کو خیرہ کرنے لگیں سنہری جھمکوں کے ہمراہ سنہری گلو بند اور سیاہ گیسوؤں پہ لکا نیلا آنچل اس پہ مستزاد مانگ نکالے یاقوت احمر جڑا ماتھے پہ لکا سنہری جھومر ایسے جیسے دامن فلک کے وسط میں روشن مہتاب اپنی چھب دکھانے آن نکلے صد شکر کہ حسینہ سیاہ پلکوں کی خوب صورت جھالر گرا کر نازک یاقوتی لبوں کو باہم پیوست کیے ہماری جانب متوجہ نہ تھی (ورنہ نظروں کے تیر ہاہاہا) الغرض سرورق انگوٹھی میں جڑے نگینے کی طرح بالکل پرفیکٹ زبردست تسمیہ سے آغاز کے بعد مدیرہ آنی کی بات چیت کو بصارتوں کی نذر کرتی اس ماہ کے ستاروں کا دیدار کیا۔ حمد ونعت کے مسحور کن الفاظ کو بینائی جیسی قیمتی نعمت یعنی گوش دید میں عکس بند کیا اور خدا کی عظمتوں پر سجدہ شکر بجا لائی۔ محفل ذکر اس پری وش کا میں براجمان بیچ پریوں کی آمد اطراف یار من گلوں کی رعنائی کا سبب بنی آبگینے کا خوب صورت نام، فریال مرزا کی نت کھٹ شرارتیں، مسکان جاوید، نشاء چوہدری کے ساتھ ساتھ انمول زندگی نے بھی خوب رنگ جمایا انمول زندگی اور میری خواہشات میں کافی مشابہت ہے خشک پتوں پر چلنا، چاندنی رات میں دیر تک سیاہی کے ضوں میں ڈوبے چاند کو تکنا، لمبی سڑک کے اطراف درختوں کی یلغار اور راستے میں بچھے زرد پتوں پر برستی بارش میں ارد گرد سے بے نیاز چلنا آہ مگر انمول زندگی بقول تحریم گھڑی کے نقطوں پر سفر کرتی سوئی ایک نقطہ پہ رکتی ہے جسے تخیل کہتے ہیں مگر زندگی تخیل سے آگے بہت آگے کا سفر ہے خوب صورت احساسات کے ہمراہ رخ سخن کیا شہباز اکبر الفت صاحب کی جانب قطرہ قطرہ سے دریا بنتا ہے کے مصداق راہ زیست کی کٹھنائیوں کو مانند گرد قدموں تلے روندتے بالآخر مقدر کے سکندر ٹھہرے۔ زندگی کے مثبت پہلوؤں کی تلاش واقعی انسان کو ایک مقام دلا دیتی ہے جس کی زندہ جاوید مثال سر شہباز اکبر الفت ہیں۔ آغوش مادر آہ، بھلا ماں کی محبتوں کا بھی کوئی شمار ہے؟ احساسات کو بھی لفظوں میں قید کیا جاسکتا ہے؟ مگر قرۃ العین سکندر اور عزہ یونس انا نے یہ کام بخوبی کیا۔ دستک دیتی خوشیوں کی بہار پر کو اڑوا کیا اور سحرش فاطمہ، ندا حسنین، ثوبیہ شاہین، جیا چوہدری اور صبا عیشل کے خوب صورت جوابات پڑھے اور حجاب کے متعلق تجاویز میں صبا عیشل کی تجویز کو سراہوں گی واقعی ایک ایسا سلسلہ ہونا چاہیے جہاں کہانی، افسانہ، واقعات میں فرق، مکالمات لکھنا، بیانیہ وغیرہ کے متعلق مختلف سینئر رائٹرز کی رائے کو شامل کیا جائے۔ ہما خان کی حجاب کو دی گئی سالگرہ نظم نے بھی سروے کو چار چاند لگا دیے۔ پروین شاکر کی ایک چھوٹی سی نظم حجاب کی سالگرہ کے موقع پر

پوکی اوڑھنی کا رنگ
پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا
خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ تکتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت
تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
سالگرہ مبارک ہو......

اور اس کے ساتھ ہی ندا حسنین کے مکمل ناول کبھی کبھی پر نظریں گاڑھ دیں خود آپ اپنی محبت سے دستبردار ہونا بڑا دل گردے کا کام ہے جو کہ عارب نے بخوبی کیا۔ اس نے دوست کی خوشی کی خاطر محبت دان کر دی محبت جیسے لفظ کو کیا خوب خراج بخشا۔ درحقیقت ایسے لوگ ہی محبتوں کے قدر دان ہوتے ہیں اور کچھ لوگ سانپوں کے زہر سے بھی زیادہ زہریلے ہوتے ہیں انہی میں سے ایک تھا چاچا کرم دین بحر کیف جہاں اچھائی ہو وہاں برائی کے وجود سے منکر نہیں ہوا جاسکتا بہت زبردست ناول۔ میرے خواب زندہ ہیں بھی خوب صورتی سے رواں ہے۔ ماریہ کی کچھ سمجھ نہیں آرہی اور سونیا جیسی لڑکی پر تو لعنت بھیجنے کا دل کرتا ہے۔ کیا عورت ذات خود کو اس قدر پستی میں بھی دھکیل سکتی ہے۔ مگر ہاں وہ جو بے وجہ حسد کی آگ میں جل اٹھے اور انتقام لینے کی خاطر اپنی عزت تک تیاگ دے زرتاشہ کا رویہ ناقابل قبول حد ہو گئی بھئی اب بس بھی کردو زندگی موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے لالہ کا کیا قصور تجسس ہنوز قائم ہے۔ ناولٹ میں زیاں ہمارے معاشرتی رویوں پر ایک بہترین کاوش کچھ لوگ ماں بہن کی باتوں کو حرف آخر سمجھ کر بیوی کی نیک نیتی پر ایک سوالیہ نشان لگا دیتے ہیں اپنے مرد ہونے کا زعم جھاڑنا، شراب کے نشے میں وحشت مغلظات بکنے اور حیوانیت کو تسکین پہنچانے والے لوگ

درحقیقت انسانیت کے پست ترین درجے پر ہوتے ہیں جیسا کہ عارف علی اور کچھ لوگوں کو رب محبت کے خمیر سے ایسے گوندھتا ہے کہ وہ کسی کے ایک اشک سے بھی تڑپ اٹھتے ہیں، شہباز بھی انہی میں سے ایک ہے جو اپنے گھر والوں کو آرام وسکون فراہم کرنے کی خاطر خود تنہا پردیس میں محنت کی چکی پیستا رہا اگلی قسط کا شدت سے انتظار۔ دل کے دریچے میں داخل ہوکر سفینہ، فائز، آفاق اور دوسری طرف شرمیلا، نبیل اور صائمہ تکون کے تین سروں کی مانند آپس میں جڑے ہیں بڑی خوب صورتی سے کہانی کے تانے بانے کرتیں، قارئین کو کرداروں کے گنجلک پن میں الجھاتی بازی لے گئیں (ویسے مزے کی بات بتاؤں سروے کے مطابق صدف آصف کے ناول کو بے حد پسند کیا گیا ہے تو مبارک باد تو بنتی ہے نا میری طرف سے صدف آپی کو ڈھیروں مبارک باد مزید کامیابیاں سمیٹو آمین) افسانوں کی کھڑکی سے جھانکا تو اتنے پیارے ناموں کو دیکھ کر تو مانو دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اقبال بانو ''میرے ہمنوا'' کے ہمراہ آئیں اور دل میں گھر کرگئیں۔ ویسے تو افسانہ وہیں ختم ہوجانا چاہیے تھا جہاں عبدالواحد کو پتا چلا تھا کہ ثنا نے اس سے جھوٹ بولا ہے اور جولڑکی آغاز ہی جھوٹ سے کرے وہ آگے کیا کرے گی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلی ملاقات میں ہی کسی اجنبی پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے ایک تحریر دو سبق بہت خوب صورت تحریر۔ تدبیر اور تقدیر کے کھیلوں سے روشناس کراتی راشدہ رفعت بیشک تدبیر انسان کرتا ہے اور بہتر کرتا ہے مگر تقدیر کے فیصلے خدا کی بابرکت ذات کرتی ہے اور وہ جو کرتا ہے بہترین کرتا ہے۔ ''راز'' کے ہمراہ براجمان تھیں رفاقت جاوید، کمزور عقائد کے لوگوں کے لیے یہ تحریر مشعل راہ ہے۔ نادان لوگوں سنبھل جاؤ، غیب کا علم صرف خدا کے پاس ہے۔ ان جعلی پیروں فقیروں کے پاس جاکر وقت اور پیسے کے ضیاع سے پرہیز کرو کسی دوسرے سے آئندہ حالات کی پیشین گوئی کرانا شرک میں شامل ہے اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے اللہ پاک ہمیں اس سے بچائے آمین۔ اپنے مسائل کے لیے خدا کے سامنے سجدہ ریزی ہی ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔ میں ہیروئن ہوں اف، افسانوی کہانیوں میں سانسیں لینے والی لڑکیوں کے لیے بہترین سبق، بے شک کہانی مزاح کا عنصر لیے تھی، مگر ایک حقیقت خصوصاً دورحاضر کی لڑکیوں کی سوچ کا بڑی خوب صورتی سے سینہ چاک کیا۔ ویلڈن صائمہ قریشی جی۔ حنا اشرف اور قرۃ العین سکندر نے بھی حجاب کی سالگرہ کے موقع پر خوب رنگ محفل کو رونق بخشی صبا عیشل جی واقعی ''بڑا اچھا لگتا ہے'' جب کوئی اپنے بہت پیارے دھنک رنگوں کے مانند اچانک فلک قلب پر مسکراہٹوں کے رنگ بکھیر دے زبردست تحریر (اگر میرا نام شامل کرتیں تو چار چاند لگ جاتے ہاہاہا) بھرپور سنجیدگی لیے معافیہ شیخ کی تحریر دماغ پر دستک دے گئی واقعی تنہا عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں۔ نزہت جبین ضیاء آپی کی آمد بھلی لگی دور بدل گیا مگر لوگوں کی سوچ نہ بدلی بیٹی کو بوجھ سمجھنے والو جان لو کہ بیٹی تو رحمت خداوندی ہے اور بیٹے نعمت نعمتیں تو سب کے پاس ہیں جیسے بینائی بھی نعمت ہے مگر خدا رحمت سے کسی کسی کو نوازتا ہے۔ بہت خوب آپا۔

شرط لگی تھی دنیا کو ایک لفظ میں بیان کرنے کی
لوگ کتابیں تلاش کرنے لگے میں نے بیٹی لکھ دیا

حیا بخاری روشنی کے راستے کے ہمراہ آن ملیں۔ ہمیشہ کی طرح لازوال تحریر اپنے اصل سے محبت کی ترغیب دیتی بہترین کاوش۔ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ میرے لفظوں کے زیر عتاب آنے سے جی جی ایک تحریر یا آرٹیکل جو بھی ہے رہتا ہے رنگ حجاب کے پھیلانے کو شریک محفل رہیں مونا شاہ قریشی آپ سے تو بچی گئی۔ کہانی میں میرا نام لکھا ہے جی تحریک اکرم لو جی کر لو گل خیر خوب صورت اور چھوٹا سا شکوہ تھا یہ تو ایک رائٹر، دوست کو یاد رکھا، خصوصاً حرا قریشی کے لیے ان کی زبان میں لکھنا (ہاہاہا) زبردست تحریر اگلی تحریر کا انتظار جی جی پھر پڑاؤ ڈالا مستقل سلسلوں میں۔ کچن کارنر، ہومیو کارنر اور آرائش حسن سے نگاہیں چراتی آگے بڑھی (یہ پھر کبھی فارغ وقت کے لیے اٹھا رکھے) بزم سخن میں الفاظ کی روشن قندیلیں جلائے تمام احباب کے الفاظ حافظہ کی نذر کیے۔ شمع فیاض، عنزہ یونس، مدیحہ اینڈ سائرہ رانا، پروین افضل شاہین اور محمد الماس کے اشعار روح میں گھلنے لگے۔ قلب میں ہمک ہمک کر چلتے مسرور کن جذبات پر قابو پاتے عالم میں انتخاب پر پڑاؤ ڈالا۔ رضوانہ صدیقی، مہوش جواد، صائمہ جواد، راؤ رفاقت علی اور صبا عیشل کے انتخابات نے محفل و دل لوٹ لیا۔ عروشمہ خان کا انتخاب سر پر سے گزر گیا (نالائق سی بچی ہوں اتنا مشکل کہاں سمجھ آتا ہے مجھے)۔ شوخی تحریر میں تمام دوستوں کے خیالات سے مستفید ہوئی حسن خیال کی محفل بھی خوب جمی الغرض مکمل شمارہ ہے سعیدہ آپی، طاہر بھائی اور دیگر ٹیم ممبران کی محنت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ سوشل میڈیا ٹیم میں شامل ممبران صبا عیشل، حنا مہر، راؤ رفاقت علی، ماورا طلحہ اور نرمین نعیم کے کام کو بھی سراہوں گی۔ خدا پاک حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ نیر تاباں کی مانند اس کا نام بھی ادب کی دنیا میں روشن و بے مثال ہو۔ آمین۔ جہاں رہیں خوش رہیں، دعاؤں کے پھول تمام احباب پر نچھاور کرتی بشرط زندگی آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت۔

رابطوں میں کمزور ہوں لیکن

تعلق نہیں ٹوٹنے گا بھروسہ رکھ

دعاؤں کی طالب۔

☆ ڈیئر تحریم! خوب صورت الفاظ برجستہ انداز برمحل تشبیہات و استعارت کا استعمال الغرض بہت خوب! پہلا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

حرا قریشی ...... ملتان۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں جو ادب کے دیے روشن کررہے ہیں مشتاق احمد قریشی صاحب' قیصر آراء آپی' سعیدہ نثار' ندا رضوان اور طاہر احمد قریشی انہی معتبر لوگوں میں سے ہیں جن کی کاوشوں کا ثمر ادب کی پیشانی پر جگمگاتے ہلال کی صورت مثل حجاب ڈائجسٹ میرے ہاتھ میں موجود ہے۔ محبت و عقیدت کی چاشنی سے لبریز سلام پرخلوص پیش ہے۔ (اس کار ہائے نمایاں پر دلی مبارکباد قبول کیجیے)

سخن وری میں رہے نام تیرا معتبر صدیوں

تیرے حروف کو امرت میں ڈھال دے مولا! آمین

حالانکہ چند ماہ تو غیر حاضری رہی مگر یوں لگ رہا ہے جیسے کسی بچھڑے دوست سے ملاقات ہو رہی ہے میلے میں بچھڑا بچہ کسی روتی بلکتی ماں کو مل گیا ہے مدتوں سے کھوئی کوئی شے اچانک مل گئی ہے اور سردیوں کے لیے رکھے سوئیٹر کی جیب سے بھول کر رکھی کوئی رقم جب ہاتھ آتی ہے تو خوشی کی کیا کیفیت ہوتی ہے یہ تو آپ سب جانتے ہیں نا بس آج کچھ ایسی ہی خوشی کی کیفیت محبوب من حجاب سے آدمی ملاقات کرتے محسوس ہو رہی ہے۔ کوثر خالد جن کا اسم خاص ہی گرما میں بھرپور ٹھنڈک اور سرما میں ٹھنڈی دھوپ کا سا احساس بخشتا ہے میرے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے حوض کوثر کی اشاعت بلاشبہ بہت بڑی کامیابی ہے حوض کوثر کا مجھے ملنا میرے لیے کسی بیش قیمت اعزاز سے کم نہیں (ادارے کے توسط مجھ سے رابطہ کر لیجیے جناب من) آپ کا خط پڑھا دل سے نکلے لفظوں نے بچ آبدیدہ کر دیا اس سادہ پُرخلوص اور بے لوث محبت کو کئی بار پسندیدہ مشروب کی صورت دل کے آئینے میں اتارا دل کے سرب در و بام بیک وقت روشن ہو گئے فہرست میں پہلا نام اقبال بانو چمکتا پھول تھا تو رفاقت جاوید ایک غنچہ شوخ روشنی تقسیم کرتی راشدہ رفعت تھیں تو محبت کی دہلیز پر عشنا کوثر سردار' قہقہے بکھیرتی پیاری صائمہ قریشی' تو بڑی اچھی بڑی پیاری من موہنی صباعشل اگلی باری پر موجود تھیں' خوابوں کو تعبیر کا رنگ دیتی حیا بخاری تھیں تو اگلے پل حجاب کی بھرپور طریقے سے سالگرہ مناتی قرۃ العین سکندر۔ انتظار کی سولی پر چڑھاتی معافیہ شیخ' تو فی البدیہہ مسکراتی آنکھوں سے موتی گراتی حنا اشرف تھیں جن کا پیغام بطور عنوان ہی واضح تھا بس ذرا کہنے کا انداز جدا تھا تمہیں سالگرہ مبارک ہو سوہنے حجاب! الغرض ہر اسم خاص ایک سے بڑھ کر ایک تھا اپنی اپنی جگہ اپنا لوہا منواتے ہوئے تیری خوشبو جب جب الجھتی تحریر سے میرے ہم نوا اقبال بانو کی قابل تعریف کاوش جو ثنا اور عبدالوحد کی محبت کی کہانی تھی یہاں تو کامیابی دونوں کو ملی مگر معاشرہ ایسے خوابوں کی تعبیر تلخ دکھاتا ہے صنف نازک کو تو ویسے بھی ہر میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے میلے کپڑوں میں ملبوس بچے کا اسکول میں آ جانا یہ بات ہضم نہیں ہوئی۔ رفاقت جاوید کی تحریر راز بھی سبق کے دلکش پیرہن میں ملبوس تھی ایک پکا سچا مسلمان کبھی بھی ان جعلی پیروں کی باتوں میں نہیں آ سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے خیر و شر کی وقوع پذیری بس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے اگر یہ لوگ اتنے ہی طاقتور ہوتے تو خود بادشاہی گدی پر سوار ہوتے الحذر...... کمزور ایمان والی خواتین نے ہی ایسے لوگوں کا خوب دھندہ چمکا رکھا ہے ستارہ آشنا روشن ہوا ہے کوئی تو آپ سا روشن ہوا ہے' راشدہ رفعت کی تدبیر اور تقدیر انتہائی غور طلب تھی اس حقیقت سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ کسی کو نہیں ملتا عشنا جی کی تحریر ہلکی پھلکی چپقلش کے بعد محبت کے حسین انجام کی پتا تھی ویری ویری ویل ڈن آپی! صائمہ قریشی کی میں ہیروئن ہوں کمال تھی جانے آج کل کی اچھی بھلی لڑکیوں کو کیا ہیروئن بننے کا خبط ہے اپنے سیدھے کاموں کو بھی الٹا کر لیتی ہیں ایسی لڑکیاں ویسے اس میں میڈیا کا بھی بھرپور ہاتھ ہے اللہ بخشے اماں بی کو جنھوں نے تو خوب ناصحانہ باتوں کی پٹاری کھولی مزاح کا رنگ جو دوبالا ہوا سو ہوا۔ بڑا اچھا لگتا ہے صبا آپی کی پڑھی تو احسان مندی ہو کہ گھر بیٹھے بیٹھائے سعیدہ آپی صدف آصف عزیزی قیصر آراء اور محترم طاہر قریشی صاحب سے ملوا دیا ویسے آپس کی بات ہے ڈیئر سٹ صبا اگر بالمشافہ ملاقات ہو بھی گئی تو حقیقت بھی خواب لگے گا خوب! روشنی کے راستے میں امید و آشتی کا بھرپور پیغام دیا حیا آپی نے جیو رائٹر تم سدا ہزاروں سال! ماسٹر ہدایت اللہ کی ہونہار بیٹی کا کارنامہ تا ابد یاد رہے گا بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کے سکھ کی خاطر اپنی خواہش کو بھی پس پشت رکھ دیتے ہیں۔ شالا شاد رہو سدا آمین' قرۃ العین کے ہمراہ سالگرہ حجاب کیا خوب سرپرائز تھی ہمارے لیے ویری گڈ! شاباش عمر ہر برس اب ایسے ہی وش کرنا حجاب کو حسن اتفاق سب سے پہلا جو افسانہ پڑھا اب کے وہ حنا میڈم

کا تھا دل باغ بہاراں گل وگلستان ہو گیا آفرین...... معافیہ شیخ کے قابل ہاتھوں سے رقم تحریر خط اور انتظار باپ کے بیٹی سے گلے شکوؤں کی دردناک داستاں تھی شہر خموشاں کے اس راہی کو سدا کے لیے ابدی نیند کا جو مسافر پایا تو قلب رحمدل نے اندر تلک دکھ محسوس کیا۔ تیری خوشبو ہے کھلی رات کی رانی سے الگ...... یہ اس محبوب من کی خوشبو کا تذکرہ ہے جس نے کبھی کبھی لکھ کر محبت کی زبان کیا روانی سے سمجھائی ہے عارب کی خاموش محبت کے خشک پتے ٹوٹ کر بکھر گئی مگر ان پتوں کو منتشر کرنے والی ہوا احمر عروبہ کو لبوں پر دائم رہتے تبسم کی صورت ملاٹی۔ تف ہے ایسے باپ پر جو بیٹی جیسی رحمت کو پامال کرے ایسے لوگ عبرت ناک انجام کے مستحق ہوتے ہیں نیت ثابت منزل آسان لہٰذا عذرا اور جہانگیر کے کٹھن راستے بھی سہل ہو گئے اختتام پر احمر عروبہ کی گوسپ نے ماحول کو رنگین بنا دیا آفرین ندا آفرین' ایک مانوس سی صدا آتی ہے جب نزہت آپی کا ذکر چھڑ جاتا ہے جیسے مزیدار کھانے پیش کرتی ہیں ریسیپیز بتاتی ہیں ویسی ہی پُر لطف تحریریں منظر عام پر لاتی ہیں محبت ہو گئی شاید بھی ایسی ہی کڑی ہے الیاس اور ناظمہ مثالی جوڑی مگر اللہ سمجھے ان عورتوں کو جانے کیا کیامت دیتی ہیں یہ نہیں سوچتی کہ بیٹا کسی بابا کے تعویز سے نہیں بلکہ رب سوہنے کی منشاء پر ہی پیدا ہوگا فیروزہ جیسی سے تو اللہ بچائے وہ لمحات بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں جب بڑی کی بجائے چھوٹی یا منجھلی کو پسند کر لیا جاتا ہے۔ ابصار پھر سیرت کے لیے مژدہ محبت ثابت ہوا آپا شبانہ پہ براوقت پڑا تو کام بھی کون آیا ناظمہ صاحبہ واہ رے مولا تیری شان نرالی' پیاری آپا کی گڈ نیوز کے منتظر ہیں ہم۔ سیدہ ضوبار یہ کے زیاں میں بھی دم ہے جی لاجواب آپی جان! نادیہ اور صدف بڑے پیارے نقش چھوڑ جاتی ہیں اپنے حروف کے بصارتوں کے چلتے پانی پر گویا دل کے گھر پر کئی ستارے گر جائیں کیری آن شالا نظر نہ لاگے' ازواج مطہرات ہو احادیث یا ماں کے حوالے سے خیالات نور کا ہالہ سے ان چراغ نما سلسلوں کو پڑھ کر اپنے گرد محسوس ہوتا ہے۔ حمد و نعت کی لذت تو باطن کو مہکا ڈالتی ہے۔ مدیرہ سے بات چیت تو اپنی انسیت و محبت کا پیکر ہے۔ سروے میں ہما کے پہلے اور جیا کے چھٹے سوال کے جواب قابل غور تھے۔ پری وش کا کیا ذکر کریں سب ہی حجاب کے پرستان کی رونق دو چند کر دیتی ہیں۔ مونا شاہ نے خوب رنگ حجاب کے منتشر کیے۔ جانے حرا کو دعوت کیوں نہیں دی چلو ہم بھی ایک عدد بوسہ نازی کے لخت جگر کے گالوں پر ثبت کر دیتے جیوے ماں واکوئی مول نہیں اسی طرح طلعت صاحبہ کی تحریر کا بھی مول نہیں تھا نایاب لوگ! شہباز اکبر الفت صاحب کا انٹرویو اعلیٰ...... بے حد شاندار تھا شبانہ اعظمی کی بابت انکشافات کا ایک نیا جہاں وا ہوا صدقے تمہارے پروین! احسن خیال سمیت سب ہی سلسلے ابتدا میں پڑھ ڈالے تھے حسب معمول سب رنگ ڈھنگ معیاری تھے تخلیقات سے لے کر انتخابات تک محبوب من حجاب کی نذر

آئے ہیں تیرے شہر بڑے مان کے ساتھ ہیں
کچھ ہوائیں جو ہتھیلی پر دعائیں لیے ہوئے ہیں

ہیں کچھ صدائیں سماعتوں میں جو محبت کی قبائیں لیے ہوئے ہیں
شب و روز لبوں کو چھوتی تیری کامیابی کی فاختائیں لیے ہوئے ہیں
آسماں اٹھا کر اپنی بانہوں کو انہیں آج اتنا خوش ہے کہ

چانڈ میں پر اتار بیٹھا ہے
نجم کا روشن سا اجالا تیری نظر اتار بیٹھا ہے
کئی جگنو میرے پہلو سے نکل آئے ہیں
شب کے سرب سادھل آئے ہیں
شب کی دیوی پر چھایا تیرا حسن و جمال ہے
جیتی جاگتی روشنی باخدا با کمال ہے

دعا ہے بھی فقط
سدا رہے تیرا وہ تعلق جو کامیابیوں سے لازوال ہے
زیست ہائے مبارک کا جیسے مبارک تجھے یہ نیا سال ہے! آمین۔

☆ ڈیئر حرا! شاعرانہ انداز میں سالگرہ کی مبارک باد دینے اور خوب صورت انداز میں لفظوں کے گوہر عنایت کرنے پر مشکور ہیں۔ اب یہ محبت کے سلسلے برقرار رکھیے گا۔ پہلا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

انعم زرین...... چکوال۔ السلام علیکم! ڈیئر حجاب فیملی آپ پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں آمین' کیسے ہیں سب

ممبران، اسٹاف، مجلس مشاورت سردی کا موسم دھیرے دھیرے زور پکڑ رہا ہے دن کو دھوپ چھاؤں کی آنکھ مچولی رات کو چاند کی ٹھنڈی چاندنی کے پیچھے جب چھپ سی جاتی ہے ایسے میں رات کو کمبل میں دبک کر کافی کے مگ کے ساتھ آنچل وحجاب کو پڑھنا (میری مما کے مطابق رسالے چاٹنا) جو مزہ دیتا ہے اسے میرے جیسا کتابوں میں گم رہنے والا انسان ہی محسوس کرسکتا ہے اس بار نومبر کے حجاب کے تبصرے کا معلوم ہوا تو سوچا ہم بھی قسمت آزمائیں کیا پتا اول انعام کے حقدار قرار پائیں اس بار نومبر کا حجاب پچھلے شماروں کی بہ نسبت ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے وہ اس طرح کے ہمارا لاڈلا راج دلارا حجاب ایک سال کا ہوگیا ہے اور سالگرہ نمبر پر تبصرہ کرنا ایک الگ سی خوشی میں مبتلا کررہا ہے جی تو سب سے پہلے آغاز کرتے ہیں قیصر آنی سے بات چیت کرکے مخصوص دھیمے لہجے میں انہوں نے گپ شپ کی حمد ونعت نے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کو مزید بڑھایا احادیث وواقعات سے ایمان کو مزید منور کیا اس کے فوراً بعد سلسلے وار ناولز کی طرف دوڑ لگادی نادیہ فاطمہ کے خوب صورت قلم سے لکھا گیا ناول میرے خواب زندہ ہیں زبردست تحریر ہے۔ الفاظ کا چناؤ، مزاح کی برجستگی، کرداروں میں تسلسل برقرار رکھنا واقعی کمال ہے۔ دل کے دریچے میں سفینہ کا کردار میرا فیورٹ کردار ہے ڈر ہے پاگل لڑکی کوئی غلط قدم نا اٹھالے۔ افسانوں میں صبا ایشل کا افسانہ ٹاپ آف دی لسٹ رہا ابتسام کی طرح ہمیں بھی تب تک سمجھ نا آیا کے ہو کیا رہا ہے جب تک ترنم نے بونگی ناماری تھی اور صویب نے لیپ اسٹک چیک کرتے ہوئے شرارت نہ کی تھی تب ہی حجاب اور ابتسام کی سالگرہ کے آثار نظر آنا شروع ہوئے تھے۔ اس کے بعد سالگرہ حجاب کی میں حجاب کی لاپرواہیاں پسند آئیں۔ تمہیں سالگرہ مبارک ہو میں بہنا کی بھائیوں سے نوک جھونک بالکل ہمارے گھر والا ماحول لگا اپنا سا میرے ہمنوا اقبال بانو کے قلم سے لکھی گئی ایک خوب صورت تحریر عشنا آپی کا افسانہ محبت سے بھرپور تھا صائمہ قریشی کی عاصمہ اور کنول میں مجھے ہم دونوں بہنوں کی جھلک نظر آئی ایسی دل کو باغ باغ کرنے والی ہلکی پھلکی تحریریں شمارہ کو چار چاند لگادیتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک مکمل ناول ایک مکمل کہانی ہے ندا حسنین کو اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر مبارک باد۔ محبت ہوگئی شاید پڑھتے پڑھتے اختتام پر پہنچی ہی تھی کہ یہ کیا؟ باقی آئندہ منہ چڑا رہا تھا زیاں بھی ٹھیک جارہا ہے۔ طلعت نظامی کا ناولٹ بھی اچھا تھا۔ کہانیوں سے فراغت پاکر باقی سلسلوں پر نظر دوڑائی تو رخ سخن پر جا ٹھہری۔ شہباز بھائی کا تفصیلی انٹرویو پڑھا پڑھ کر اچھا لگا آغوش مادر میں سب نے خوب لکھا سب کو پڑھ کر لگا ماں جیسی ہستی سب کی ایک جیسی ماں ہوتی ہے۔ رنگ حجاب میں لگا مونا شاہ جیسے تقریب میں مجھے ساتھ ساتھ لیے گھوم رہی ہیں۔ ایسی شاندار پارٹی کا انعقاد ہونا چاہیے نا۔ بزم سخن میں شاعری نے لطف دوبالا کیا شوخی تحریر میں سب کی تحریریں لاجواب تھیں۔ حسن خیال میں سیدہ زوباریہ 'گل مینا' کوثر خالد، عائشہ پرویز، سحرش فاطمہ، شہباز اکبر بھائی، شمائلہ زاہد، انعم خان کے تبصرے پسند آئے۔ ہومیو کارنر ہمیشہ کی طرح معلومات افزا رہا' خدیجہ احمد کے ٹوٹکے لاجواب تھے آخر میں میری طرف سے ایک مرتبہ پھر دل کی تمام گہرائیوں سے آنچل وحجاب کے اسٹاف، رائٹرز و قارئین کو حجاب کی سالگرہ مبارک ہو دعا ہے حجاب اپنے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے یوں ہی ترقی کی منازل طے کرے آمین۔ دعاؤں کی طلبگار۔

☆ ڈیئر انعم! آپ کو دوسرا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

کوثر ناز ...... **حیدر آباد**۔ السلام علیکم سالگرہ نمبر کے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں سب سے پہلے تو ایک سال کامیابی سے مکمل ہونے پر پوری ٹیم کو بہت ساری مبارکباد۔ نومبر کی سرد ہوائیں چلیں تو ایک روز چپکے سے گھر سے نکلے اور واپسی میں ہاتھ میں آنچل وحجاب ساتھ لیے لوٹے۔ بستر میں دبکے ڈائجسٹ پڑھنا سبھی کے لیے دلچسپ ہوا کرتا ہے خصوصاً ان کے لیے جو اکتوبر سے ہی سردیوں کی آمد کے منتظر ہوتے ہیں۔ حجاب ہاتھ میں لیے بستر میں آدبکے تو ٹائٹل پر نگاہیں جمادیں سالگرہ نمبر کے عین مطابق دلہن ہمیں بجی سجائی نظر آئی۔ وہ جو ہم نے دیکھا حسین تھا اور جو نہیں دیکھا اس پر بہت حسین ہونے کا گمان گزرا (مطلب کے آنکھیں جو جھکی ہوئی تھی) آگے بڑھے فہرست پر نظر دوڑائی اور (آپس کی بات ہے) سوچا کہ ہمارا نام حجاب میں کب ہوگا؟ فہرست سے نکلے تو سیدھے ندا حسنین کے ناول پر جارکے۔ کبھی کبھی ندا کا ایک اور بہترین ناول، جس میں ندا بہت سی الجھنوں کو خوب صورتی سے سلجھا کر آگے بڑھتی نظر آئی تو ساتھ ہی ایک بہترین کہانی اپنے قارئین کی نذر کی۔ بہت داد وتحسین ندا' محبت ہوگئی شاید نزہت آپی نے لکھا ہو اور ہم اسے پڑھے بغیر آگے گزر جائیں بھلا ایسا ممکن ہے؟ نزہت آپا کی ہر تحریر ہی معاشرے کی عکاس ہوتی ہے لیکن ایک خوب صورتی وہ ہمیشہ اپنی تحریروں کا حصہ بناتی ہیں جو قاری کو ان کی تحریروں میں جکڑ لیتا ہے ایک بہترین ناولٹ نزہت آپی۔ جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی ہم تو سوچتے تھے عشنا آپی ہمیں ناولز میں ہی کمال ملتی ہیں لیکن یہاں تو افسانہ لکھنے میں بھی کمال حاصل ہے بھئی بہت خوب۔ پھر ہم شہباز بھائی کے انٹرویو کی سمت بڑھے کہ ہمارے بھیا نے بھئی کیسا انٹرویو دیا ہے لیکن جب لینے والا کمال کا ہو تو دینے والا تو کمال کرہی

جاتا ہے (یہاں سباس آپی کی تعریف کررہی ہوں) بڑے بھیا کا تفصیلی تعارف بہت شاندار رہا۔ آغوشِ مادر میں قرۃ العین اور عنزہ یونس کے ماں اور ماں کے بارے میں خیالات پڑھے یہ وہ سلسلہ ہے جو ہمیشہ ہمیں جذباتی کردیتا ہے۔ اللہ ہم سب کی ماؤں پر اپنا خصوصی کرم بنائے رکھے خوشیوں کی بہار سالگرہ نمبر کا سروے دلچسپ سوالات دلچسپ جوابات میرے خواب زندہ ہیں نادیہ فاطمہ رضوی خوب صورتی سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں تو دل کے دریچے میں صدف آپی بھی کسی سے پیچھے کب ہیں؟ بھئی بہت اعلیٰ۔ پھر فہرست پر نگاہ دوڑائی اور پھر باری باری اپنی حسیناؤں کے افسانے پڑھے صبا آپی، حنا، اور قرۃ العین تینوں کے افسانے بہت اچھے تھے۔ معافیہ کا خط اور انتظار بھی اچھی تحریر تھی۔ صائمہ آپی کا میں ہیروئن ہوں ہائے خوابوں سے کہاں کھینچ لائی آپ معصوم لڑکیوں کو بہت اچھا سبق آموز افسانہ۔ روشنی کے راستے حیا بخاری نے بھی بہت اچھا لکھا ایک بہت بہترین کاوش تھی۔ جیسا میں نے دیکھا یہ سلسلہ مجھے خود سے نجانے کیوں بہت قریب لگتا ہے ہمیشہ پڑھ کر اداسی کی ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے پھر بھی پسند ہے مستقل سلسلے بھی بہت اچھے رہے پھر حسنِ خیال پر نگاہ کی تو اندازہ ہوا کہ ہمارے بنا محفل کتنی سونی سونی ہے سو فوراً سے تبصرہ لکھنے کا خیال آیا اب ان شاء اللہ دسمبر کے میگزین کا حسنِ خیال جگمگا رہا ہوگا (ہاہاہا) ہمیشہ کی طرح ایک اور بہترین شمارہ۔ پوری ٹیم رائٹرز سمیت داد کی مستحق ہے۔ بہت ساری دعائیں ممکن ہوا تو پھر نئے ماہ کے نئے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گے بہت خیال رکھیئے۔ اللہ کی امان میں۔

☆ ڈیئر کوثر! واقعی آپ کے بغیر محفل سونی ہوتی ہے اور اس بار یہ چار چاند آپ کی ذات نے لگا دیے ہیں۔ تیسرا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

جھانہ آفتاب...... ای میل۔ کبھی کبھی تحریر کی رائٹر پیاری سی ندا مجھے ہمیشہ بے حد اچھی لگتی ہے۔ ندا ایک اچھی لکھاری بھی ہے۔ اس کا اور اک گزشتہ شب ہوا۔ بھی بھی ندا کے قلم سے لکھی ایک دلچسپ تحریر نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ ندا قارئین کے دلوں پر حکومت کرنے کا فن جانتی ہے۔ کہانی کو بے حد دلچسپ انداز میں ترتیب دیا جس سے کہانی میں تجسس کے پہلو نے انفرادی اثر ڈالا۔ دلکش انداز بیاں اور خوب صورت الفاظ کے انتخاب نے تحریر کو مزید نکھارا۔ عبد اور معبود کے درمیان محبت کو جس خوب صورتی سے بیان کیا اس نے تحریر میں روح پھونک دی۔ تمام کرداروں کے ساتھ بھرپور انصاف کیا۔ کہیں کوئی کمی نا رہنے دی۔ خوب صورت تحریر لکھنے پر ڈھیروں دعائیں اور مبارکباد آئندہ بھی ایسی خوب صورت تحریریں قلمبند کرتی رہیں۔ بہت ساری محبت کے ساتھ۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ اف ندا آپی آپ کب سے ظالم آپی بن گئیں۔ کبھی نہیں سوچا تھا آپ کی اسٹوری میں روپڑوں گی عارب برا نہ تھا برا بنا دیا گیا تھا۔ احمر کے جذبات کے آشکار ہونے پر۔ عروبہ نے پری سے لے کر صبوحی تک جو کیا وہ اس کی محبت تھی خلوص تھا۔ اس کہانی میں سب سے زیادہ پاور فل کردار مسز علوی کا رہا جس کے لیے آپ کو جتنی بھی داد دوں کم ہے اور احمر تو شروع میں زہر سے زیادہ زہر لگتا رہا لیکن جوں جوں کہانی اپنے اختتام کو پہنچتی رہی احمر شہد سے بھی زیادہ میٹھا اور اچھا لگنے لگا تھا لیکن عارب نے دوستی کا حق ادا کر کے صحیح معنوں میں سبق دے دیا ہمیشہ خوش رہیں اور یوں ہی کبھی کبھی ہنستا ہنساتا، روتا رُلاتا شاہکار لاتی رہیں۔

☆ ڈیئر عائشہ! دیگر کہانیوں پر بھی اپنی رائے کا اظہار کرتیں اتنا اختصار کیونکر......

لائبہ میر...... حضرو۔ السلام علیکم! حجاب قارئین سالگرہ کی بہت مبارک باد اینڈ کیسے ہو سب؟ حجاب کا ٹائٹل تو بس مت پوچھیں اور پورا پڑھ تو نہیں پائی لیکن آدھا ادھورا ہی سہی تبصرہ ضرور کروں گی۔ سیدہ ضو بار یہ ساحر جی آپ شاید نیو ہیں یا میں نے پڑھا بھی ہو تو یاد نہیں ویسے حسن خیال میں آپ کی آمد اچھی لگی اور کوثر خالد جی حوض کوثر (یہی نام ہے شاید) کی اشاعت پر دلی مبارک باد میری طرف سے اور ہم سب ضرور لینا چاہیں گے سو ایڈریس بھیج دیا ہے اور آغوش مادر کے حوالے سے شعر میرے اپنے تھے ویسے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حرا کا شعر بہت اچھا تھا جو میں نے کوثر جی کے تبصرے میں ہی پڑھا ویسے خود سے پڑھ نہیں پائی ابھی تک۔ پروین افضل جی بڑی ناانصافی کررہی ہیں آج کل اچھا نہیں کررہیں۔ عائشہ پرویز (بڑی نوازش کہ رخِ سخن ادھر بھی) اور شہباز الف جی زبردست بھئی اُف بے چارے لڑکے۔ عالم میں انتخاب ابھی پڑھا نہیں یقیناً ہمیشہ کی طرح بہترین ہوگا۔ قرۃ العین سکندر، حنا اشرف (کیا یار) معافیہ شیخ بہترین اور حجاب کے رنگ کبھی نے حجاب کی سالگرہ کے حوالے سے بہت اچھا لکھا لیکن مونا شاہ قریشی ویل ڈن یار، تمہاری تقریب سب سے دلچسپ رہی بہترین اور تم نے "جو ہم قارئین کو شامل کیا" اُف خوشی سے بُری حالت تھی۔ دیکھا تھا بھولے نہیں سمارہی تھی میں اور وصف کے ہاتھوں کا کیک لاجواب تھا۔ سلسلہ وار ناولز کی بات کروں تو یار کچھ مزہ نہیں آرہا سب ایک ہی جیسے لگتے ہیں کوئی انسیت نہیں محسوس ہورہی بس میرے خواب زندہ ہیں کچھ متاثر کن لگتی ہے۔ باقی دسمبر ٹیسٹ کے لیے دعا کرنا میرے

کہ اچھے ہوں ویسے جیسی میری تیاری ہے ناصرف دعائیں ہی بچاسکتی ہیں سو پلیز اینڈ پھر کبھی تفصیلی ملاقات کریں گے اللہ حافظ۔

لائبہ خواجہ محمد فاروق...... حضرو۔ مؤدبانہ! آپ کی خیریت مطلوب ہے خدا کریم آپ کو ہمیشہ شاد وآباد رکھے آمین۔ سمجھ نہیں آرہی کہاں سے شروع کروں اور کیا لکھوں ایک پیپرز کی ٹینشن اوپر سے یہ نیند اُف...... حجاب کی سالگرہ کی ایک بار پھر بہت بہت مبارک باد اللہ حجاب کو مزید ترقیوں وکامیابیوں سے نوازے آمین۔ گزشتہ شمارے میں آغوش مادر کے حوالے سے میرے خیالات شامل تھے جس کا مجھے پتا نہیں تھا چونکہ گزشتہ حجاب کا شمارہ میرے پاس نہیں تھا میں نے آن لائن چیک کیا تھا کہ دیکھوں ذرا کون کون شامل ہے تو اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور آغوش مادر ہی کے حوالے سے جب میں نے آن لائن پڑھا تو میرے تینوں شعر تھے جبکہ میں نے رسالہ منگوا کر پڑھا تو اس میں دو تھے (ویسے ہی مجھے یہ فرق دکھا تو آپ سے شیئر کر دیا) خیر میں بھی کن باتوں میں پڑگئی۔ قلم تھامنے کے بعد سب باتیں گڈمڈ ہوجاتی ہیں پتا نہیں کیوں اور پھر میں ایسے ہی اوٹ پٹانگ لکھتی ہوں سو حجاب کے حوالے سے یہ کہ صرف دوست کا پیغام سلسلہ کی کمی لگتی ہے اور سلسلے وار کہانیوں سے میں مطمئن نہیں ہوں سب ایک جیسی لگتی ہیں باقی رسالہ زبردست ہے (یہ صرف میری رائے ہے چونکہ آپ نے کہا تھا کہ حجاب کے حوالے سے ہر طرح کی آراء سے آگاہ کیا جائے تو) حجاب کی سالگرہ کے حوالے سے سبھی تحریریں بہترین تھیں پورا حجاب نہیں پڑھ پائی۔ دسمبر ٹیسٹ اسٹارٹ ہونے والے ہیں تو ٹائم نہیں ملتا اور آپ میرے امتحانوں کے لیے دعا ضرور کرنا اور کوثر خالد جی نے پتہ کہا تھا ان کی کتاب کے لیے تو جتنا میری سمجھ میں آیا ہے وہ بھی ہے کہ آپ کو بھیجوں سو لکھ رہی ہوں باقی کوئی کمی پیشی ہوئی تو بتایئے گا دعاؤں کی درخواست اللہ نگہبان۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی جوہی احمد صاحبہ السلام علیکم! اس بار نومبر کا حجاب سالگرہ نمبر سائرہ کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ سائرہ زرق برق لباس پہنے بھاری جیولری پہنے اور ساتھ میں ہاتھوں پر مہندی کے خوب صورت نقش ونگار سجائے بہت ہی بھلی لگی اُسے کہتے ہیں......

کسی کے سامنے یہ سر نہیں جھکا تھا میرا
تمہارے پیار نے لیکن مجھے غلام کیا

رنگ حجاب کے میں مونا شاہ قریشی نے ناچیز کا ذکر کیا بہت ہی اچھا لگا۔ سیدہ رابعہ شاہ میرے نام دو خوب صورت اشعار کرنے کا بہت بہت شکریہ یہ۔ ایک شعر تم بھی پڑھ لو یہ صرف تمہارے لیے ہے۔

نہ جانے کون دبے پاؤں خواب میں آیا
کھلی جو آنکھ تو خوشبو سے بس رہا تھا مکان

سالگرہ نمبر واقعی ایک خوب صورت کاوش ہے آپ کو اس کامیاب کاوش پر جتنی بھی داد دیں وہ کم ہے۔ ہماری دعا آپ سب کے لیے۔ آپی فریدہ جاوید فری کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ مارچ 2016ء کے حجاب میں میرے نام انعام کا اعلان ہوا تھا مگر مجھے ابھی تک آپ کی طرف سے انعام نہیں ملا ہے۔ پلیز میرا انعام میرے پتے پر جلد بھیجا جائے شکریہ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر پروین! آپ کو پرچہ ارسال کیا جاچکا ہے۔

عنزہ یونس...... حافظ آباد۔ آداب وتسلیمات! بزم حجاب سے وابستہ ہر فرد کو میرا ڈھیروں سلام اس امید کے ساتھ کہ آپ سب اللہ کے فضل وکرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ ماشاء اللہ حجاب نے اپنا کامیابیوں اور کامرانیوں کا پہلا سال مکمل کرلیا۔ اس بات کی جہاں بہت خوشی ومسرت تھی وہیں ملال بھی کہیں موجزن تھا کہ میں اس پُربہار محفل شوخی وشرارت میں حصہ نہیں لے سکی وجہ حسب روایت کئی روزمرہ کی مجبوریاں رہیں۔ بہرحال حجاب کو اس کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اگر میں بالکل فیئر بولوں (اور آپ مائنڈ بھی نہ کریں تو) تو یہی کہوں گی حجاب آنچل سے بھی کہیں زیادہ ترقی کرگیا ہے۔ اس کے تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں چاہے وہ حسن خیال ہو یا پھر آرائش حسن کچن کارنر عالم انتخاب ہومیو کارنر امہات المومنین شوخی تحریر آغوش مادر ہو یا پھر رخ سخن ہر کوشش ہر سلسلہ مکمل خوب صورت اور لاجواب ہے اور ''شوبز کی دنیا'' نے تو ہم لڑکیوں میں دھوم مچادی ہے۔

پتھروں کی قید میں اک آب جو
بے کراں نیلا سمندر چار سو

حجاب نے تو دل وروح میں سکون بھر دیا ہے۔ کالج کے لان میں بیٹھ کے (فری پیریڈ میں) ہم سب دوست اس دلکش جریدے کی باتیں کرتی ہیں اور اپنی رائے بحث ومباحثہ پر اکثر لڑ بھی پڑتی ہیں کہ کسی کا کہنا ہوتا ہے آنچل زیادہ بیسٹ اور کوئی حجاب کے حق میں

زیادہ ہوتا ہے۔ بہر حال میرے لیے تو دونوں جریدے ہی اہم و دلچسپ ہیں۔ تقریباً 2013ء کے اینڈ پر میں نے باقاعدہ آنچل میں لکھنا شروع کیا تھا جو آنچل سے ہوتا ہوا الحمدللہ حجاب تک تسلسل اور روانی سے جا پہنچا ہے۔ اس میں (مدیرہ) قیصر آرا نے بہت ساتھ دیا' ہر موقع پر لفظوں کا خوب صورت جام دیا کہ ساری پریشانی تھکاوٹ اڑنچھو ہوگئی میں ذاتی طور پر (قیصر آرا) کی بہت مشکور و ممنون ہوں' اللہ ان پر اپنا سایہ رحمت رکھے' آمین۔ اس کے علاوہ حجاب میں تمام ناولز و افسانے کمال کے شائع ہو رہے ہیں خصوصاً نئے لکھنے والوں کے لیے یہ بہت اچھا پلیٹ فارم ثابت ہو رہا ہے اور نیو رائٹرز نے بھی مایوس نہیں کیا ماشاء اللہ مختصر صاف ستھرا مضبوط پلاٹ میں لکھا گیا لفظ لفظ دل میں محفوظ ہے۔

عقل والے بھی جہاں ٹھوکریں کھا کھا کے گرے
ہم نے اس ادا سے دراصل سنبھلنا سیکھا......

''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ فاطمہ رضوی کے قلم سے نکلی دل کو چھو لینے والی دل پذیر خوب صورت تحریر۔ ہر کردار مکمل دلکش اور سبق آموز روزمرہ زندگی میں الجھے لوگوں کی پُراثر تحریر نے سب کو اپنے حصار میں جکڑا ہوا ہے (ماشاء اللہ) نادیہ تمہارے لیے بہت سی دعائیں۔ امید کرتی ہوں ہر کردار کو آگے بھی محنت و دلچسپی سے لکھیں گی' اس اسٹوری میں فراز شاہ کا کردار بہت اسٹرونگ ہے مگر سونیا کچھ خاص اچھی نہیں لگتی۔ زرتاشہ کا کردار میرا فیورٹ ہے مگر ابھی تک اس کا پرفیکٹ مین نظر نہیں آیا (کہیں با سل حیات تو نہیں ہے؟) پلیز جو بھی ہے سامنے لائیں تھوڑی رنگینی پیدا کریں۔ لالہ رخ تو فراز کے ساتھ اچھی لگتی ہے مگر سونیا کا پلان بڑا فاسٹ اور قبل از وقت نکلا (ہائے آنسو پونچھ پونچھ کے مگر ٹشو نہ ملے ہے ناامیزنگ) نیلم فرمان ہاہاہا قسم سے نہیں پسند اس کا جیسا کردار ہے کہانی میں یقیناً نادیہ تمہیں بھی پسند نہیں ہوگا۔ مجھے تو سر شرجیل کی نیک نیتی اچھی لگتی ہے (اگر آئندہ زرتاشہ سے نہ ٹکرائے تو) ویل بیسٹ آف لک' آپ کی تحریر کے لیے ذہن میں آتا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ آنکھوں کا بھرم قائم رہے
نیند رکھو یا نہ رکھو خواب معیاری رکھو

اللہ تعالیٰ اس ناول کو ڈھیروں کامیابیاں دے' آمین۔ صدف آصف جی بہت بہت مبارک حجاب سے ایک بہترین ناول کے آغاز سے آپ کا کیریئر یقیناً مزید بلند ہوگا۔ ''دل کے دریچے'' بہت ہی اچھا ناول ہے' ہمارے گرد و پیش سے لیے گئے کردار ہیں جو ہمیں سمجھنے میں مشکل نہیں لگتے پلیز فائز اور سفینہ کو ملا دیجیے گا یہ میرے فیورٹ کردار ہیں باقی بھی اچھے ہیں پلیز تھوڑے سے رنگ بھر دیں تحریر میں نازک مزاج لڑکیاں پڑھ کے دکھی ہو جاتی ہیں۔ آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں ہیں' اللہ آپ کو کامیابی دے' آمین۔

سوچوں تو جوڑ لوں گی ٹوٹے ہوئے مزاج
دیکھوں تو اپنا شیشۂ دل پاش پاش ہے

فریدہ جاوید فری یار ویل ڈن تمہاری پوئٹری بہت اچھی ہے۔ یار کچھ بھی ہو شاعری نہیں چھوڑنی اور کبھی مجھ پر بھی تو لکھو ناں؟ کہتے ہیں پوئٹری احساسات کا نام ہے چلو پھر تم جس طرح مجھے جج کرو لکھ بھیجو (آخر شاعرہ دوست ہو تو فائدہ اٹھانا چاہیے) پلیز یار اپنا نیا کلام آنچل کے نام بھیجو بیسٹ آف لک۔ حرا قریشی' یار کیا تعریف کروں تمہاری تم نے تو کئی محاذوں پر بیک وقت اپنی صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑھ دیے ہیں۔ آغوش مادر میں تمہارا پیغام بہت اچھا لگا مگر یقین مانو دکھ بھی بہت ہوا' اللہ آنٹی کو جنت الفردوس میں جگہ دے' آمین۔ خوش رہا کرو میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی' شاہ زندگی کہاں ہو بھئی؟ کوئی خیر خبر نہیں؟ پروین افضل شاہین ڈیئر سسٹر اللہ تمہیں اولاد سے نوازے' تمہارے لیے بہت دعائیں اور ہمیشہ یونہی آنچل و حجاب میں لکھتی رہنا۔ اقراء ماٹی کزن سالگرہ مبارک' میم سمیعہ کیا حال ہے؟ اب آپ کو تو میں بھول نہیں سکتی وہ کیا ہے کہ عادی جو بنا لیا ہے اپنا؟ اب جاؤں بھی تو کہاں کے ادھر بھی آپ اور اُدھر بھی (ہاہاہا پلیز بدتمیز کہہ لیں مجھے برا نہیں لگے گا) آپ کے منہ سے (میرے لیے) یہ اتنا سوٹ کرتا ہے کہ حد نہیں ایمان سے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کی ہر خوشی دے اور رنگوں خوشبوؤں سے بھرا ایک دل ایک محسن چمن جس میں آپ زندگی کی تمام مسرتیں دیکھ سکیں وہ آپ کو رب تعالیٰ میسر کرے' آمین۔ سالگرہ مبارک (دیکھو ہم کو یاد ہے ناں؟) عاصمہ اقبال عاصی یار کہاں گم ہوگئی ہو رخ روشن دکھاتی ہی نہیں؟ جلدی واپس آؤ ورنہ (یار کہہ تو کچھ نہیں سکتی ناں؟) جاناں چکوال' طیبہ نذیر' ساریہ چوہدری' چندا چوہدری' ارم کمال' دعائے سحر' انا احب' شبنم کنول' حافظ آباد جناب کہاں گم ہیں آپ لوگ کہ (ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں) جناب آجایئے اپنا رخ روشن دکھایئے قسم سے بہت مس کر رہی ہوں باقی تمام ان فرینڈز سے بھی دوستی جنھوں نے میرے نام پیغام لکھے۔ آپ سب

میری فرینڈز رہو میں آپ کی پرخلوص دوستی کی آفر تو قبول کرتی ہوں جہاں رہو خوش رہو آمین۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر ثمرہ! آپ کا مکمل اور جامع تبصرہ پسند آیا۔

مجھ سے مل جاؤ دعا کی طرح
سارے خدشوں کو بے اثر کردو

شمائلہ زاہد...... ای میل۔ اسلام علیکم حجاب یہ کیا بات ہوئی تم اپنی اس معصوم سہیلی سے ناراض ہوارے بھئی میں کچھ معروف تھی اسی لیے تمہیں وش نہیں کیا پلیز اب معاف کردو دیکھو کان پکڑ رہی ہوں پھول بھی دے رہی ہوں چلو جلدی سے مان جاؤ حجاب تمہیں سالگرہ بہت مبارک ہو اب تمہیں ناراضگی کا موقع نہیں دوں گی۔ اللہ تمہیں مزید کامیاب کرے تم دن دگنی رات چگنی ترقی کرو چلو اب مسکراو شاباش یہ ہوئی نہ بات۔

پیغامات

افشاں علی...... کراچی۔ السلام علیکم ہر طرف شور ہے، چرچا ہے، چہل پہل ہے......اور کیوں نہ ہو آخر کو حجاب کی سالگرہ ہے، جی جناب کل تک آنچل میں جس کا ذکر ہوتا تھا، کبھی نام تجویز کرنے پہ تو کبھی اپنی رائے سے نوازنے پہ پلک جھپکتے یونہی دیکھتے دیکھتے وہ ننھا منا نیا پودا جو حجاب اور نئے افق پبلشر کی کونپل سے پھوٹا، بذات خود ایک نیا پودا، ایک نئی پہچان بن گیا، بلاشبہ اس میں زیادہ کریڈٹ ادارے کو جاتا ہے جس نے دن دگنی محنت کر کے ایک اور شمارے کا نہ صرف اجراء کیا بلکہ اسے کامیاب بھی بنایا، مگر اس کی آبیاری میں رائٹرز و قارئین کا بھی ہاتھ ہے، ان رائٹرز کو سلام جنھوں نے اپنی لکھی ہوئی تحریروں سے حجاب کو کامیاب بنایا، ان قارئین کو سلام جنھوں نے اس کو سراہا، اپنی رائے سے نوازا......! یہ سب کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پیارا سا حجاب ایک سال کا ہو گیا......اور میرے لیے یہ بہت خوشی و اعزاز کی بات ہے کہ حجاب میں میری بھی دو اسٹوریز شامل ہوئیں اتنے کم عرصے میں اتنی شاندار کامیابی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا کہ اب وہ دن دور نہیں جب حجاب بھی آنچل کی طرح آسمان ادب کا درخشاں ستارہ بن کے چمکے گا ......آخر میں افشاں علی کی جانب سے دل کی تمام تر گہرائیوں، خلوص اور محبتوں کے سنگ طاہر بھائی، سیدہ آپی اور تمام حجاب و آنچل کے رائٹرز و قارئین کو حجاب کی سالگرہ، بہت بہت مبارک ہو دعا ہے حجاب یونہی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ ڈیئر افشاں! حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔

ثمینہ فیاض...... کراچی۔ حجاب کی پہلی سالگرہ آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو نیک تمنائیں اور بہت سی دعائیں حجاب کی پوری ٹیم، رائٹرز، قارئین، سب کی محبتوں میں ترقی کرتا ہمارا حجاب ان شاءاللہ مزید ترقی کرے اور کامیابیوں کی اونچائیوں کو چھوئے آمین۔

زارا رضوان...... لاہور۔ السلام علیکم! حجاب کو ایک سال ہونے پر مبارکباد! زیادہ لکھنے کے لیے الفاظ کی کمی کے باعث معذرت۔ بس بہت سی دعائیں اللہ تعالیٰ اِس کو خوب آگے لے کر جائے، کامیابیاں و کامرانیاں مقدر ہوں اُن کا جو اِس کو بہ احسن طریقے سے چلا رہے ہیں۔ وہ تمام رائٹرز جو اس کے لیے لکھتے ہیں، قارئین جو اِس کو شوق سے پڑھتے ہیں، اپنا اِنتخاب پسند کر کے بھیجتے ہیں اُن سب کو بھی مبارک ہو۔

شہباز اکبر الفت...... راؤنڈ۔ حجاب کی پہلی سالگرہ خود میرے لیے بڑی یادگار بن گئی ہے میں نے اپنے صحافتی کیریئر کے بیس بائیس سالوں میں سینکڑوں اہم شخصیات کے انٹرویو شائع کئے لیکن میرا پہلا انٹرویو حجاب نے شائع کیا تھینک یو ویری مچ حجاب لو یو سوچ حجاب سالگرہ مبارک۔

صائمہ قریشی...... آکسفورڈ۔ السلام علیکم! ہمارا بے بی حجاب ایک سال کا ہو گیا پاؤں پاؤں چلنا شروع کر دیا اب تو "اوں آں" کرنے لگا ہے اور بہت جلدی "تے تے، ے ے" بھی کرے گا آج سے سال بھر پہلے کیا خوشی کے لمحات تھے جب ہر طرف حجاب کے چرچے تھے جو کہ آج تک اسی تواتر سے قائم ہیں اس شہرت اور ترقی کے لیے طاہر بھائی، سعیدہ آپا، تمام فیس بک پیجز و گروپ ایڈمنز، اور تمام ٹیم جو دن رات محنت کر رہے ہیں ان سب کو ڈھیروں مبارکباد اور رائٹرز کے بغیر بھلا یہ ترقی کہاں ممکن ہوتی ہے، جس طرح سب رائٹرز نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے اور قلم سے دلوں کو تسخیر کیا ہے بلاشبہ وہ قابل ستائش ہے تو تمام رائٹرز جنھوں نے حجاب کے اس سفر میں تمام ٹیم کا ساتھ دیا ہے ان کو بھی ٹوکرا بھر کر مبارک ہو اللہ پاک یہ ساتھ ہمیشہ قائم رکھے اور سب یوں ہی مل جل کر اس پیار سے مزید محنت کریں میری طرف سے یہ "بسکٹ" پھیکی چائے میں ڈبو کر کھائیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں (ویسے

یہ میرے اپنے بسکٹ ہیں) فی امان اللہ۔

عائشہ احمد عاشی...... لاہور

چندا ہے تو میرا پیارا ہے تو
سب کی آنکھوں کا تارا ہے تو
حجاب آپ کو آپ کی پہلی سالگرہ بہت بہت مبارک اللہ پاک مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔ حجاب کی تمام ٹیم کو ڈھیروں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ خوش رہیں آباد رہیں...... آمین۔

عائشہ پرویز صدیقی...... کراچی۔ پیپی برتھ ڈے حجاب اینڈ تھینک یو سوچ جس نے مجھے بھی رائٹر ہونے کا شرف بخشا اور ان پیارے پیارے رائٹرز سے ملاقات کرائی جنھیں میں شوق سے پڑھتی ہوں۔ اللہ پاک حجاب کو ترقی اور مزید ترقی عطا کرے، آمین۔

رضوانہ آفتاب...... السلام علیکم ندا حسنین کے ناول ''کبھی کبھی'' کو پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار نا کرنا یقیناً حق تلفی ہوگی۔ ایک جامع اور مفصل تحریر۔ ابتدا سے انتہا تک جس نے قاری کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ ہر ایک کردار کے ساتھ مکمل انصاف میرے خیال کے مطابق کہانی میں کوئی جھول دکھائی نہیں دیا ہمارے معاشرے کی بھرپور عکاسی کرتی اس تحریر نے، دل اور روح کو سرشار کر کے رکھ دیا۔ عمدہ انداز بیان برجستہ مکالمے نے کہانی میں لطف کے پہلو کو نمایاں کیا اور پڑھ کر خوشگوار تاثر ابھرا۔ تحریر دلکش اسلوب کے بنا پر ذہن میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئی۔ حسن و ترتیب نے کہانی کو بوجھل نہیں کیا بلکہ تجسس نے کہانی کو ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ ڈھیروں مبارکباد ڈیئر ندا حسنین اللہ اور اچھا لکھنے کی توفیق دے آمین۔

مائرہ محمود...... کوئٹہ۔ ندا! بہت پیارا لکھا ہے اس بار کہانی کا عنوان بہت خوب صورت سادہ اور پیچیدہ سا ''کبھی کبھی'' اور جو سب سے خوب صورت بات مجھے لگی تمہاری کہانی کی وہ تھی کردار نگاری کسی کردار کے ساتھ ناانصافی نہیں کی اور وہ لاسٹ سین ائرپورٹ والا اس سے پہلے میرے خیالات یہ تھے کہ اب تو جا کے ندا کے ساتھ لڑنا پڑے گا عارب کے معاملے میں ڈنڈی مار لی اپنے ہیرو ہیروئن کو ملانے کے چکر میں ایک اتنے پیارے کردار کا چہرہ مسخ کر دیا لیکن ایسا نہیں ہوا وہ آخری سین تمہاری ایک کہانی نویس کے طور پہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ بہت بہت مبارک ہو اتنا اچھا لکھنے پر اللہ تمہارے قلم کو مزید پراثر بنائے، آمین۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ آنے والا سال ہم سب کے لیے بہت سی رحمتوں برکتوں اور خوشیوں کا سورج لے کر طلوع ہو اور ہمارا اور آپ کا ساتھ یونہی برسوں تک محیط رہے، آمین۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آنے والے نئے سال کو ہم سب اور وطنِ عزیز کے لیے خوشیوں، امن اور شانتی کا گہوارا بن کر آئے آمین۔

ناقابل اشاعت:

انقلاب لانا منع ہے، حال دل، بانجھ، بے رحم، آنگن میں سویرا، ہائے میں قربان، بکھرے ہوئے رشتے، ہمیں ان سے محبت ہے، میں، چاند اور تم۔

قابل اشاعت:

اپنا خیال رکھا، اندھیر نگری، نیا سال اور تم، سراب راستے، دینے والا ہاتھ، اعتبار، جناح، تحفہ، ممکن نہیں، جیت، بنا بٹنوں کے فون۔

husan@aanchal.com.pk

پرسُوت کا بخار
(Puerperal Fever)

وضع حمل یا زچگی کے بعد عورت کو تین ہفتے کے اندر اندر اگر 100F یا اس سے زیادہ بخار ہوجائے تو اسے پرسوت کا بخار یا دودھ کا بخار یا زچگی کا بخار کہتے ہیں۔

یہ ایک عفونتی بخار ہے جو کہ زچہ کے خون میں عفونتی مادہ کے سرایت کرجانے سے ہوتا ہے۔ یہ بخار زمانہ زچگی میں اور اسقاطِ حمل کے بعد ہوجایا کرتا ہے۔ یہ مرض بہت مہلک ہے بعض اوقات یہ مرض وباء بھی پھیلایا کرتا ہے یعنی ایک زچہ سے دوسری زچہ کو ہوجایا کرتا ہے۔

یہ ایک ایسا بخار ہے جس میں نہ صرف برصغیر کی خواتین بلکہ آئے دن دنیا بھر کی عورتیں موت کے پنجہ میں گرفتار ہوتی ہیں۔ زیادہ تر گاؤں دیہات میں غریب عورتوں کی زچگی کا کام ایسی دائیوں کے ہاتھ میں ہے جو اپنے فن میں ماہر نہیں اور جن کو حفظان صحت کا قطعی خیال نہیں۔ زچہ کو موسم کے لحاظ سے سردی گرمی سے بچا کر حتی الامکاں تازہ ہوا اور کھلی ہوا میسر کرنا بہت ضروری ہے تاکہ آکسیجن سے آلائشیں اور جراثیم پاک ہوسکیں جس کے ذریعے زچہ بہت حد تک آنے والے خطرات سے محفوظ ہوجاتی ہے۔

اسباب:۔ اس مرض کا باعث ایک جراثیم ہے جس کو Streptococus Pyogenes کہتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد انول درست طور پر خارج نہ ہوا اور رحم میں خون کے لوتھڑے یا انول کے ٹکڑے متعفن ہوجائیں یا جنین رحم میں گل سڑ جائے یا وضع حمل کے وقت دایہ کے ہاتھ یا اوزاروں کے ذریعے جراثیم یا گندگی رحم میں انفیکشن پیدا ہونے سے یہ مرض لاحق ہوجاتا ہے۔ اکثر دایہ اپنی غلطی سے یہ مرض دوسری زچہ عورتوں میں منتقل کردیتی ہیں۔ زچگی کے دوران گندے یا جراثیم آلود کپڑوں کا استعمال بھی اس مرض کا محرک ہوتا ہے۔

عفونتی بخار کا کورس بہت تیز ہوتا ہے بعض اوقات یہ گھنٹوں ہی میں مریضہ کو ختم کردیتا ہے جبکہ دوسری حالتوں میں اس کا کورس بہت لمبا ہوتا ہے لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ مرض کی پہلی علامات کو معلوم کرلیا جائے اور جلد سے جلد ان ادویہ کا استعمال کرلیا جائے جن سے اس مرض میں کم از کم رکاوٹ ہوسکے۔

علامات:۔ بچہ پیدا ہونے کے تین چار یوم کے بعد لرزہ سے یا ویسے ہی بخار ہوجاتا ہے اور مریضہ کا درجہ حرارت 103F سے 105F اور نبض کی رفتار 120 سے 160 مرتبہ فی منٹ تک ہوتی ہے۔ کمر اور پیٹ میں درد ہوتا ہے' سانس میں تنگی اور تیزی آجاتی ہے۔ تکلیف شدید یا معمولی سردی کے احساس سے شروع ہوتی ہے' نبض بہت تیز اور بھرتی ہوئی اور نرم ہوتی ہے۔ رحم کے مقام پر درد ہوتا ہے' شکم پھول جاتا ہے جس کے باعث مریضہ کو پشت کے بل لیٹنا پڑتا ہے اور ٹانگوں کو سکیڑنا پڑتا ہے۔

پیاس ناقابل ضبط ہوتی ہے' مریضہ کافی مقدار میں پانی پیتی ہے' پسینے کی زیادتی' قے اور متلی کی جانب رجحان ہوتا ہے۔ چہرے پر پیلا پن' سفیدی اور پسینہ ہوتا ہے۔ جوں جوں مرض ترقی کرتا جاتا ہے' ہاضمہ کا نظام بھی بگڑتا چلا جاتا ہے کیونکہ پھیپھڑوں میں ہوا نہیں پہنچتی اس لیے نظام جسم کی آلائشیں صاف نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے جسم کے اندر زہریلے مواد کی زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔

نفاس متعفن مقدار میں کم اور بعض اوقات رک جاتا ہے۔ دودھ کی تراوش پر گہرا اثر ہوتا ہے' اگر بیماری کا آغاز دودھ اترنے سے قبل ہوتو دودھ اترتا ہی نہیں اور اگر آغاز بعد میں ہوتو دودھ رک جاتا ہے اور چھاتیاں کمزور اور ڈھیلی ہوجاتی ہیں اور مریضہ اپنے بچے سے قطعی لاتعلق ہوجاتی ہے۔ مرض جوں جوں بڑھتا ہے نبض محسوس بھی نہیں ہوتی' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے' پتلیوں کا پھیلنا آنکھیں بے نور ہوجاتی ہیں۔ یہ ہیں نمایاں حالات اور علامات جو مختلف شکلوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں اس مرض میں شفایابی بہت آہستگی سے ہوتی ہے۔

ضروری ہدایات

مریضہ کو ٹھنڈا پانی تھوڑی تھوڑی مقدار میں دیتے رہنا چاہیے اس سے بخار میں آرام آتا ہے۔ مریضہ کو دودھ اور آس جو دیتے رہنا چاہیے تاکہ اس کی طاقت قائم رہ سکے۔ گرم پانی دینے سے مریضہ کو آرام آجاتا ہے' مریضہ جس کمرے میں ہو وہاں کسی قسم کا شوروغل نہیں کرنا چاہیے نا ہی تیماردار کو تیمارداری کرتے ہوئے کسی قسم کے غم وخوف کا اظہار کرنا چاہیے جونہی پرسوت کا بخار شروع ہو بچہ کو زچہ کا دودھ پلانا بند کردینا چاہیے۔ مریضہ کو کبھی بھی اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

علاج بالمثل

ایکونائٹ:۔ مرض کے آغاز میں بخار تیز' گھبراہٹ اور بے چینی' جسم خشک' پیاس شدید اور موت کا ڈر۔

بیلا ڈونا:۔ بھاگ جانے کی یا اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش غصہ' سر کی طرف اجتماع خون' سر درد' بے چینی' بے آرامی۔

برائی اونیا:۔ شدید سر درد' حرکت سے زیادتی' پیاس شدید' مریضہ پانی زیادہ مقدار میں پیے اور نفاس رک گیا ہو۔

بپ ٹیشیا:۔ تھکاوٹ بے حد' نرم جگہ کی تلاش میں کروٹیں بدلتی رہے' تمام جسم میں درد' تنفس بدبودار' ٹائیفائیڈ بخار کی سی علامت ہو۔

ایکی نیشیا:۔ پرسوت کے بخار میں جب خون زہر آلود ہوجائے تو یہ دوائی زہر کے اجزا کو مارنے میں نہایت مفید ہوتی ہے اس کے دینے سے بخار میں کمی واقع ہوتی ہے۔

رس ٹاکس:۔ مریضہ بے چین اور عضلات میں درد' خاص کر آدھی رات کے بعد علامات میں زیادتی اور بے چینی۔

پائی روجینم:۔ جب خون میں زہر کا ڈر ہو اور حرارت جسم بہت تیز ہو مریضہ کی جلد حرارت سے جلتی ہو اگر زچگی کے بعد اس دوا کی 200 کی ایک خوراک دی جائے تو اس بخار کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

سمی سی فیوگا:۔ مریضہ کانپتی ہو' نفاس کا اخراج رک گیا ہو۔ دردیں نہایت تشنجی یا نفاس پانی کی طرح خارج ہورہا ہو۔

اس کے علاوہ آرنیکا **آرسنیکم**' اوپیم' مرکیورس' ورائرم ورائیڈ' آرم میٹ' پیٹرولیم علامات کے مطابق دیئے جاسکتے ہیں۔

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

ماڈل واداکارہ آمنہ شیخ

لیجنڈ فنکارہ آمنہ شیخ نے کہا ہے کہ فی الحال ٹی وی

ڈراموں کی جانب راغب ہوں اگر فلموں میں کوئی اچھا کردار ملا تو ضرور کروں گی انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اب پاکستانی فلموں کی وقعت بیرون ممالک میں بڑھ چکی ہے اور وہاں ہماری ملکی فلموں کی پزیرائی ہورہی ہے۔ (کام حاصل کرنے کے لیے تعریف تو ضروری ہے) انٹرویو میں ''دوبارہ پھر سے'' اچھا ریسپشن ملے گا جبکہ لاہور سے آگے کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔اب سینما گھروں کی رونقیں بحال ہوچکی ہیں اور بھارتی فلموں کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹ چکی ہے سینما مالکان کی جانب سے پاکستانی فلموں کو اہمیت ملنا اچھا شگون ہے۔

پنجاب نہیں جاؤں گی

معروف ٹی وی فنکار اظفر رحمان کو فلمساز، اداکار، ہمایوں سعید نے اپنی نئی فلم میں پنجاب نہیں جاؤں گی عروہ حسین کے ساتھ ایک اہم کردار کے لیے کاسٹ کرلیا ہے (یعنی فلم کو فلاپ کرنے کی تیاری شروع) فلم میں پنجاب نہیں جاؤں گی کے ہدایتکار ندیم بیگ ہیں جو آج کل بہاولپور میں مسلسل شوٹنگ کررہے ہیں مذکورہ شوٹنگ دسمبر کے اوائل تک جاری رہے گی فلم کے مرکزی کردار ہمایوں اور مہوش حیات ہیں۔ فلم کا پہلا اسپیل کراچی میں پہلے ہی مکمل ہوچکا ہے،اب بہاولپور کے بعد لاہور میں فلمبندی کی جائے گی جبکہ فلم میں پنجاب نہیں جاؤں گی عید الفطر پر نمائش کے لیے پیش کردی جائے گی فلم کی کہانی پنجاب کی ثقافت پر فلمائی جارہی ہے،اس میں رومانی، کامیڈی ہوگی۔ (ہمایوں اور اظفر کی موجودگی سے ہی فلم کا اندازہ ہورہا ہے)

دوبارہ پھر سے (فلم)

اے آر وائی فلمز کے تحت بننے والی فلم ''دوبارہ پھر سے'' کی تمام تیاریاں مکمل کرلی گئیں، فلم کی پاکستان سمیت دنیا بھر میں نمائش 25 نومبر کو کردی گئی ہے۔مہرین جبار کا کہنا تھا کہ فلم کا پریمیئر شو پہلے لاہور اور پھر کراچی میں کیا گیا جس میں فلم کی کاسٹ سمیت شوبز سے تعلق رکھنے والی معروف شخصیات نے شرکت کی۔اس موقع پر مہرین جبار کا کہنا تھا کہ فلم کی کہانی زندگی کے پیچ وخم پر مشتمل ہے، جو کہ حقیقت سے قریب اور دل میں اتر جانے والی ہے، (مذاق......!) میں پرامید ہوں کے شائقین کو فلم کی کہانی اور گانے دونوں پسند آئیں گے۔ اس موقع پر اے آر آئی ڈیجیٹل نیٹ ورک کے سی ای او جرجیس سیجا نے مسرت کا اظہار کرتے

ہوئے کہا کہ اے آر وائی فلمز کی اس سال میں یہ تیسری کاوش ہے، اور ہمیں فخر ہے کہ ہم نے معیاری تفریح فراہم کرنے کا جو عزم کیا ہے اس کی تکمیل کے لیے سرگرداں ہیں، ان کا کہنا تھا کہ فلم میں معیار کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، اور امید کرتے ہیں سینما کا رخ کرنے والے شائقین کو یہ کاوش ضرور پسند آئے گی۔

معروف رہنے کا بہانہ

ٹی وی فنکار بہروز سبزواری کی اہلیہ اور جاوید شیخ کی ہمشیرہ سفینہ بھی فلم میں اداکاری کریں گی (کچھ اور کرنے کو نہیں ملا تھا سو یہ ہی سہی) اور یوں جاوید شیخ کی فیملی کے بعد بہروز سبزواری کی پوری فیملی شوبز میں آگئی ہے اس طرح شہروز سبزواری ان کی اہلیہ سائرہ اور اب سفینہ بھی اداکاری کریں گی۔ سفینہ کو ہمایوں سعید نے اپنی نئی فلم میں پنجاب نہیں جاؤں گی میں ایک اہم کردار کیلئے کاسٹ کیا ہے علاوہ ازیں سلیم شیخ، مومل شیخ، شہزاد شیخ پہلے ہی شوبز سے وابستہ ہیں۔ (اور یہ کام نسل در نسل چلے گا)

پی ٹی وی کے ڈرامے

معروف ڈرامہ مصنفہ حسینہ معین نے کہا ہے کہ

میں نے ٹی وی ڈرامے دیکھنا بند کردیے ہیں (اچھا کیا ہے......اب) اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اب ان ڈراموں کو دیکھنے کے لیے دل نہیں چاہتا، ایک گفتگو میں انھوں نے کہا کہ اوٹ پٹانگ کہانیاں بنا کر محض ناظرین کا وقت برباد کیا جارہا ہے (سچ) جبکہ بھارتی ڈراموں میں خواتین صرف زیورات کی نمائش کرتی نظر آتی ہیں ان کے برعکس ماضی کے پی ٹی وی ڈرامے آج بھی جب آن ایئر ہوتے ہیں ناظرین انہیں اتنی ہی دلچسپی سے دیکھتے ہیں جیسے وہ موجود دور کے ڈرامے ہوں اس وقت جو جدید کامیڈی ڈرامے نشر ہورہے ہیں وہ کامیڈی کے نام پر دھبہ ہیں۔

شرمین عبید چنائے

دی روینج آف بابا بلام، (تین بہادر) آفیشل ٹریلر "بینڈ بج گیا" جاری کردیا گیا، جبکہ فلم کی رونمائی 15 دسمبر سے ملک گیر سطح پر کی جائے گی، اس بات کا اعلان اکیڈمی ایوارڈ یافتہ فلم ڈائریکٹر شرمین عبید چنائے کی جانب سے فلم کے ٹریلیر کی رونمائی کی تقریب کے موقع پر کیا گیا۔ فلم سے متعلق بات کرتے ہوئے شرمین عبید چنائے کا کہنا تھا کہ فلم" دی روینج آف بابا بلام" گزشتہ سال 2015 میں بنائی گئی اینیمیٹڈ بلاک بسٹر فلم تین بہادر کا سیکوئل ہے۔ جس میں "مٹھو" کے نئے کردار کو پیش کیا گیا ہے۔ فلم تین بہادر "دی روینج آف بابا بلام" میں پس پردہ آوازوں میں فہد مصطفیٰ، بہروز سبزواری، ثروت گیلانی، احمد علی بٹ، خالد ملک، زیبا شہناز، زوہیب خان، عریشہ رازی خان، ہنزلہ شاہد، علی گل پیر، مصطفیٰ چنگیزی، بدر قریشی اور بسام شازل شامل ہیں (کوئی رہ گیا ہو تو معذرت) جبکہ فلم کا ساونڈ ٹریک شیراز اپل نے

معیاری تفریح حاصل کریں۔ اس موقع پر اے سلمان اقبال کا کہنا تھا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس بہترین تفریح کو عوام تک پہنچانے کا حصہ ہیں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ فلم پاکستان کی سب سے بڑی Animated 3 بہادر کا سیکوئل ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ شائقین کو یہ فلم پسند آئے گی اور ان کی توقعات پر پورا اترے گی۔ فلم 3 بہادر پاکستان میں بچوں کے لیے دوسرے بڑی انٹرٹینمنٹ وینچر ہے، جس کے لیے ہم پرامید ہیں کہ بچوں کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی۔ (دیکھتے ہیں)

ترتیب دیا ہے۔ فلم کی کہانی تین دوستوں کے گرد گھومتی ہے جو ایک مشکل میں پھنس چکے ہیں اور اس آفت سے نکلنے کے لیے جتن کرتے دکھائی دیتے ہیں جس سے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پھر ان کا ایک دوست دینو ایک مشکل کا شکار ہو جاتا ہے جس سے نکالنے کے لیے ایک بار پھر یکجا ہو جاتے ہیں (کہانی سنسنی سی لگ رہی ہے) اور انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ وہ ہی بابا بلام کو شکست دے سکتے ہیں جس نے ان کی مصروف زندگیوں میں بھونچال پیدا کیا ہوا ہے۔ شرمین عبید چنائے کا مزید کہنا تھا کہ فلم کے بہت سے مناظر آپ کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کردیں گے (آپ کو دیکھ کر بھی ناظرین ہنس لیتے ہیں) خاص طور پر پنجرے میں بند مٹھو اور اس کی حرکتیں۔ ہم نے فلم کے لیے اپنی میشن پر مبنی جو وادی بنائی ہے وہ خاص طور پر بچوں کی توجہ کا مرکز ہے (یعنی فلم آپ نے اپنے لیے بنائی؟) جس میں وہ اپنا آپ اس وادی میں محسوس کریں گے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی سینما سے بہترین اور

اداکار نور الحسن

متعدد ٹی وی ڈراموں میں عمدہ اداکاری کرنے والے فنکار نور الحسن کی فلمی دنیا میں مصروفیت بڑھ گئی ہے وہ ان دنوں چیک پوسٹ میں کام کر رہے ہیں مذکورہ فلم پہلے سو کروڑ کے نام سے بنائی جا رہی تھی لیکن فلم کا نام محض جمشید جان محمد کی ریلیز شدہ فلم سوال سات سو کروڑ ڈالر کی وجہ سے تبدیل کیا گیا

فلم کی شوٹنگ کا آغاز کر دیا گیا ہے فلم کے ڈائریکٹر شعیب خان ہیں فلم کی کاسٹ میں صنم چوہدری، نور الحسن، جاوید شیخ، عنایت خان، رانا شیری سمیت دیگر اداکار شامل ہیں۔

معاوضہ یا حب الوطنی

ماہرہ خان خفیہ طور پر ابوظہبی پہنچ گئی ہیں جہاں وہ شاہ رخ کی فلم رئیس کی فلمبندی میں مصروف ہیں اس کی وجہ بھارتی فلم ایسوسی ایشن نے پاکستانی اداکارہ پر بھارت میں کام کرنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ (پنے وطن کا ہی خیال کریں) معلوم ہوا ہے کہ اب رئیس میں ماہرہ خان کا کام حذف کرنے کے بجائے ان کے بچے ہوئے سینوں کو مکمل کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ پاک بھارت کشیدگی کے باوجود فواد خان، عاطف، ماورا حسین، ماہرہ خان نے پاکستان آنے کو ترجیح نہیں دی تھی۔ بلکہ وہ پاکستان اور بھارت کے حالات کی بہتری کا انتظار کررہے ہیں۔

فلموں کی کمی

بھارتی فلموں کی بندش نے سینما کا بزنس ٹھپ کر کے رکھ دیا ہے بھارت فلموں کی پابندی کے حق میں پر عزم سینما مالکان کی جانب سے اب بھارتی فلموں کی نمائش کی بازگشت سنی جارہی ہے سنا گیا ہے کہ شہر قائد کے سینما مالکان کے ایک اجلاس میں بھارتی فلمیں دوبارہ ریلیز کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اور ایک دو روز میں اس کا باقاعدہ اعلان کردیا جائے گا سینما اونروں کی جانب سے وجہ جو سامنے آئی ہے کہ چھ ہفتے کے دوران کوئی پاکستانی فلم ریلیز نہیں کی گئی جن سے ملکی سینما انڈسٹری ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے جبکہ انگریزی فلموں کو عوام کی جانب سے زیادہ فوقیت نہیں دی گئی، ایسی صورتحال میں بھارتی فلموں کی نمائش ناگزیر ہوگئی ہے اور عنقریب بھارتی فلمیں سینماؤں میں ریلیز ہوں گی۔

پھر سے انٹری

اداکار فلمساز جاوید شیخ نے بالآخر ایک طویل وقفے کے بعد تین فلمیں بنانے کا اعلان کردیا پہلی فلم کے ہدایتکار خود جاوید شیخ دوسری فلم کے شعیب خان اور تیسری فلم ہدایتکار وقاص ہوں گے معلوم ہوا ہے کہ جاوید شیخ نے اپنے ادارے کے تحت تین فلمیں بنانے کے لیے ہوم ورک تیز کردیا ہے اور آج کل تینوں فلموں کی کہانیوں پر کام ہورہا ہے۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ کہانیاں مکمل ہوتے ہی کاسٹ اور دسمبر کے آخر میں فلمیں سیٹ پر چلی جائیں گی۔

خدیجہ احمد

سرسوں کا تیل

سرد تر' اچھا گھی نہ ملتا ہو یا ہاتھ تنگ ہو تو سرسوں کا تیل استعمال کریں' یہ طاقت بخش ہے۔ "تیل جلا سو گھی برابر' گھی جلا سو تیل برابر" اس سے پہلے اس طریقہ سے جلا لیا جائے۔

ایک سیر تیل کو گرم کریں' جب دھواں سا نکلنے لگے تو ایک گولہ گڑ کا ٹکڑا ڈال دیں۔ یہ پگھل کر پکوڑے کی طرح پھیل جائے گا جب جل کر کالا ہو جائے تو نکال لیں۔ اس تیل کی پہچان جلدی آ جاتی ہے' گھی پہچاننا مشکل' سرسوں کا تیل پہچاننا آسان۔ سرسوں کے کچے تیل کی مالش سارے جسم پر ہفتہ میں دو بار کرنا چاہیے اس تیل کی نسوار ناک میں چڑھانا ناک' کان' آنکھوں اور سر کو طاقت دیتی ہے۔

سنگترہ

سرد تر' فرحت بخش ہے' دل اور معدہ کو طاقت دیتا ہے۔ گرمی کو مٹاتا ہے' بخار' پیاس اور بے چینی' قے' متلی کو مٹاتا ہے۔ سینہ کو صاف کرتا ہے' طاقت بخش ہے' خون کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ ڈاکٹری میں سب میووں میں میٹھا سنگترہ افضل مانا گیا ہے کیونکہ اس میں وٹامن بہت زیادہ ہیں' بھاری غذا کے لیے سنگترہ کا استعمال ہاضم ہے۔

سرکہ

سرد خشک ہے' سرکہ کئی قسم کا ہوتا ہے عام طور پر انگور کا سرکہ بہترین ہے لیکن ملتا عموماً گڑ کا ہی ہے' قابض ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے' ہاضم ہے' بھوک لگاتا ہے۔ ہیضے کے موسم میں اس کا اور پیاز کا کھانا ہیضے کا اثر نہیں ہونے دیتا۔ تلی' سوجن اور اپھارہ کے لیے جامن کا سرکہ بہترین ہے۔ چاول کے ہمراہ سرکہ استعمال کرنا پیٹ درد اور قولنج کرتا ہے تندرستی میں کبھی ہفتے دسویں روز تھوڑی مقدار میں لیا جا سکتا ہے۔

سردا

معتدل تر' پیشاب آور ہے۔ دل و دماغ' گردہ اور مثانہ کو طاقت دیتا ہے۔

سلاد

معتدل' سلاد پالک کے ساگ سے ملتا جلتا ہے۔ زود ہضم ہے' جگر' معدہ اور انتڑیوں کو طاقت بخشتا ہے یہ کچا ہی کھایا جاتا ہے اس کے ساتھ ٹماٹر' پیاز' مولی اور کھیرا وغیرہ ملائے جاتے ہیں۔ کھٹائی کے شوقین اس میں سرکہ ڈالتے ہیں جو کہ اچھا نہیں۔ سلاد اور ٹماٹر ہی ملا کر کھائے جائیں تو زیادہ مفید ہیں۔

سوئے کا ساگ

گرم خشک' گرم طبیعت کے مخالف ہے' بادی کو خارج کرتا ہے۔ گردہ اور مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے' تلی' درد' بدہضمی' بلغم اور جگر کے علاج میں مفید ہے۔

سنگھاڑا

تازہ سنگھاڑا سرد تر' خشک سنگھاڑا سرد خشک۔ محنت کرنے والے مزدور' کسانوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کا زیادہ استعمال بھوک گھٹاتا ہے' گرمی کے دست' دل کی کمزوری' جلن اور لاغری کو دور کرتا ہے۔ نشاستہ اس میں بہت زیادہ ہوتا ہے' اس کے زیادہ استعمال سے معدہ کمزور ہوتا ہے۔ سنگھاڑا گٹھیا والے کو مضر ہے' منہ سے خون آنے کو مفید ہے۔ دہی کے ہمراہ گرمی کے دستوں کو بند کرتا ہے۔

سوڈا واٹر اینڈ لیمونیڈ

بدہضمی کی حالت میں جب کہ کھانا ہضم نہ ہوا ہو اپھارہ ہو ڈکار کھل کر نہ آتا ہو۔ انتڑیوں میں رطوبت کی کمی ہو اس حالت میں سوڈا واٹر کا استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی بطور ایک دوائی کے سوڈا لیمونیڈ کا بلاضرورت استعمال نقصان دہ ہے۔ پیسے الگ خرچ ہوتے ہیں' صحت الگ خراب ہوتی ہے۔ اس کے زیادہ استعمال سے معدہ کمزور ہوتا ہے عادت پڑ جانے پر روٹی ٹھیک ہضم نہیں ہوتی۔ اس کے ہمراہ برف کا استعمال تو نہایت ہی مضر ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سونٹھ

کچھ گرم خشک ہے' معدہ' جگر اور ہاضمے کو طاقت دیتی ہے۔ کھانسی' زکام' پیچش' دست' انتڑیوں کی کمزوری اور پیٹ درد کو دور کرتی ہے۔ بادی اور بلغم کو کم کرتی ہے۔

سویا بین

گرم تر نہایت طاقت بخش' یہ دالوں میں بہترین ہے بلکہ گیہوں اور سوکھے میووں میں سے بھی اس کا نمبر اونچا شمار ہونے لگا ہے اس میں چکنائی' پروٹین' وٹامن کی بہتات ہوتی ہے۔

سہانجنہ' پھول' پھلی

گرم خشک' اس کا ذائقہ قدرے کڑوا ہوتا ہے' معدہ کو صاف کرتا ہے اور بھوک بڑھاتا ہے۔ بلغم بادی کو مٹاتا ہے' خون کو صاف کرتا ہے' پیشاب آور ہے۔ بادی سے کمر درد اور جوڑوں کے لیے مفید ہے' یہی اوصاف سہانجنے کی پھلی کے ہیں۔ پھول بھی یہی تاثیر رکھتے ہیں مگر قابض اور ثقیل ہوتے ہیں۔ بسنت میں جب اس کا موسم ہو تو سہانجنہ ضرور استعمال کرنا چاہیے تو اس کی سبزی بہت لذیذ بنتی ہے۔ گرم مزاج والے کم استعمال کریں' سہانجنے کے کسی درخت کے پھول زیادہ اور کسی کے کم کڑوے ہوتے ہیں۔

سیب

قدرے گرم تر ہے' دل' دماغ' جگر اور معدہ کو بہت طاقت دیتا ہے۔ گرمی خشکی کو دور کرتا ہے' مفرح ہے' قدرے بھاری ہے۔ ذرا دیر میں ہضم ہوتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے۔ پیچش اور ٹائیفائیڈ بخار میں سیب کا رس بہت مفید ہے' دماغی امراض میں بہت صحت بخش ثابت ہوتا ہے۔ بلغم' کھانسی اور تپ دق میں تھوڑا تھوڑا سیب کا نچوڑا ہوا رس دینا مفید ہے۔ اس کا مربہ طاقت بخش ہے' خون کے دستوں کو روکتا ہے' خالی پیٹ سیب کا استعمال قبض کشا ہے' کھانا کھانے کے بعد قابض۔

سیم کی پھلی اور گوار

سرد خشک ہے۔ چھوٹی بڑی کئی قسم کی سیم ہوتی ہے' زیادہ استعمال کیا جائے تو دیر میں ہضم ہوتی ہے اور اپھارہ کرتی ہے۔ گرمی اور بلغم کو مٹاتی ہے' سیم کی سبزی میں گھی لہسن اور گرم مصالحہ ڈالیں' گوار طاقت بخش ہے۔

ساگودانہ

گرم تر' قدرے قبض کشا' بہت ہلکی غذا ہے۔ بیماروں کو جلدی ہضم ہو جاتا ہے' پانی میں ابال کر دودھ بعد میں ملانا چاہیے۔

شکر

ہماری بدقسمتی ہے کہ شکر کی جگہ کھانڈ نے لے لی' کھانڈ کے استعمال سے انسان کے گوشت پوست اور طاقت میں وہ اضافہ نہیں ہوتا جو گڑ اور شکر سے ہوتا ہے۔ اسے سفید بنانے کے عمل میں اس کا جوہر بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ کھانڈ کی نسبت شکر اور گڑ زیادہ قبض کشا۔ تسکین دینے والے اور صحت مند ہیں۔

شکر تھوڑی گرم تر' ہاضم' صحت بخش ہے۔ محنت مزدوری کرنے والوں کے لیے نعمت ہے۔ گھی کے ساتھ شکر کا استعمال بدن کو موٹا کرتا ہے۔ طاقت بخش ہے' شکر کا شربت مفرح اور پیشاب آور ہوتا ہے۔ شکر کے زیادہ استعمال سے پھوڑا پھنسی' پائیوریا' ذیابیطس و پیشاب میں شکر خارج ہونے' بار بار پیاس لگنے اور بار بار پیشاب آنے کا خطرہ ہے۔ دہکتے ہوئے کوئلوں پر شکر ڈال کر ناک کے رستے وہ دھواں اندر کھینچا جائے تو رکے زکام میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔

شکر قندی

گرم تر' قابض' پھیپھڑے کو طاقت دیتی ہے اس میں نشاستہ بہت ہوتا ہے لہٰذا محنت مزدوری کرنے والوں کو بہت طاقت دیتی ہے۔ شکر قندی کے بعد سونف چبالینا بہت مفید ہے۔

حریم فاطمہ......کراچی